مفتاح الغیب شرح دیوان بوعلی قلندر

از عطا محمد عطا و حبیب اللہ مظہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

جب ہم نے دیوان حضور قبلۂ عالم پناہ کی شرح لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تو فوراً ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دیوان کی شرح کے ساتھ صاحبِ دیوان کی مکمل اور مبسوط سوانح عمری بھی شائع ہونی چاہیئے جو دیوان کے معانی و مطالب واضح کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو اور ساتھ ہی حضرت کی شخصیت اور مرتبہ سے جو عرفانی دنیا میں آپ کو حاصل ہے۔ ناظرین اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ لیکن ہمارا یہ ارادہ جتنا مبارک جتنا مفید تھا اتنی ہی اس کی تکمیل دشوار اور مشکل نظر آئی۔ وجہ یہ کہ گو قلندر صاحب آسمانِ شہرت اور ناموری کے آفتاب تھے۔ لیکن آپ کے سوانحِ حیات جو انمول موتیوں سے کسی طرح کم نہیں منتشر اور پراگندہ ہی رہے اور کسی اہلِ قلم نے آپ کی وفات کے بعد ان کو کسی سلک میں منسلک نہ کیا۔ حالانکہ حضرت کے معاصرین اور نیز بزرگانِ سلف کے حالات قریب قریب عمدہ اور بہترین طریقہ پر شائع ہو چکے ہیں

مغرب میں رواج ہے کہ جب کسی مصنف کا کلام شائع کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ صاحبِ کلام کے سوانحِ حیات درج ہونے بھی ضروری سمجھے جاتے ہیں تاکہ اس شخص کی شخصیت اور مرتبہ سے علمی دنیا واقف ہو جائے۔ اسی مفید تجویز نے ہمیں بھی مجبور کیا کہ شرح کے ساتھ قلندر صاحب کے سوانحِ حیات بھی ضرور درج ہونے چاہئیں۔ اور ساتھ ہی یہ خیال بھی دامن گیر تھا کہ حالات جس قدر بھی شائع ہوں وہ عقلاً نقلاً روایتاً درایتاً غرضیکہ ہر حالت میں تحقیق و تدقیق کی کسوٹی پر پرکھے ہوئے ہوں تاکہ اس طریقہ سے جو غلط روایات عوام الناس میں مشہور ہیں ان کی قلعی کھل جائے اور منصف مزاج لوگ اصل اور نقل میں تمیز کر سکیں کیونکہ عوام میں من گھڑت افسانے بزرگوں کی نسبت لاتعداد و بے شمار رواج پا جاتے ہیں کہ رفتہ رفتہ اصل حقیقت بالکل نظروں سے اوجھل

ہوجاتی ہے اور اُن حالات سے جن سے آنے والی نسلوں کو اخلاقی سبق حاصل کرنا چاہیئے
نفسانی نتائج اخذ کرلئے جاسکتے ہیں ہمارا ارادہ تھا کہ حقیقت اور اصلیت کو بے نقاب
کرکے افراط و تفریط کے ناگوار دھبوں سے اُس پاک دامن کے دامن کو بالکل بچا
لیا جائے۔ مگر یہ ارادہ علمی دنیا کے لیئے جس قدر مفید تھا اتنی ہی اُس کی تکمیل مشکل نظر
آئی۔ کیونکہ وقائع نگاروں نے جو حالات ترتیب دئے ہیں ان میں زیادہ تر صوفیانہ
مذاق کا لحاظ رکھا گیا ہے اور جن مطبوعہ کتب میں قلندر صاحب کے حالات مجملاً درج
ہیں وہ طرزِ قدیم کی پیروی میں لکھے ہوئے ہیں اور تشنۂ تکمیل ہیں جن سے ناظرین
کوئی انتفاع حاصل نہیں کرسکتے۔ اور بالخصوص ہمارے لئے تو وہ بالکل ہی مفید نہ تھی
کیونکہ حقیقت کا راز ان میں گو ایک حد تک مضمر ہے۔ لیکن اصلیت پر غلط روایات اور
افسانہ سازی کا رنگ اس قدر غالب آگیا ہے کہ حقیقت بالکل ہی معدوم ہوگئی ہے اور
قلندر صاحب کی زندگی کے وہ حالات اور واقعات جو ان کو شمعِ بزمِ ادب۔ روحانی
حکیم۔ قابلِ معلّمِ اخلاق۔ روحانی فلاسفر۔ ناصحِ مشفق۔ فطرت کا رازداں اور وقائع نگار رکھ
سکیں۔ نہائت بے جگری سے نظرانداز کر دئے ہیں۔ صوفی کے لئے کارگاہِ عالم اور
کائنات کا ذرّہ ذرّہ معرفتِ کردگار کے دفتر کا حکم رکھتا ہے اور اُس کی نظر مخلوق سے
خالق اور صنعت سے صانع پر پڑتی ہے۔ جب وہ شاعر بھی ہو فطرت کا مصوّر اور
فطرت نگار بھی ہو تو اُس کے ایک ایک شعر ایک ایک مصرعہ ایک ایک حرف اور ایک
ایک نکتہ میں عرفانِ یزدانی کے راز پوشیدہ ہوتے ہیں۔ مگر عام طبائع نے صوفی
کی صفت کو محدود سمجھ رکھا ہے حالانکہ صوفی اعلےٰ درجہ کا حکیم ہے ادیب ہے ناصح
ہے ... ہے معلّمِ اخلاق ہے۔ فطرت نگار اور فلاسفر ہے۔ اور ہر صنفِ سخن
پر یکساں قدرت رکھتا ہے مگر افسوس کہ طبائع کی اس عام افتاد نے بزرگوں کے
کارناموں اور اُن کے حکیمانہ، ناصحانہ، اخلاقی اشعار و اقوال سے پبلک کو مستفیض ہونے
کا موقع نہ دیا۔ بلکہ انتہائی تنگ نظری سے کام لے کر صوفی کو ایک محدود گنبد میں بٹھا
کر یہ سمجھ لیا کہ اس گنبد سے نکلنا۔ بلکہ حرکت کرنا بھی اس کی شان کے خلا

یہ ایسی تنگ نظری کا نتیجہ ہے کہ آج بزرگوں کے دواوین کے شروح و حواشی اُن کے عام تعلقات اور امرائے عہد و شاہان وقت سے میل ملاپ، ناصحانہ و حکیمانہ اور اخلاقی اقوال سے تہی دست ہیں بلکہ برخلاف اس کے ہر واقعہ کو تصوّف اور حقیقت کے رنگ میں ڈبو کر ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے ایسے مورّخین اور شارحین صرف تصویر کا ایک پہلو دکھلانے کے عادی ہوتے ہیں جو کسی مقتدر ہستی کو محدود گنبد کا مقیّد سمجھتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ تصویر کے دوسرے رُخ کو نظر انداز کرنا کسی کے جذبات اور حسّیات کا خون کرنے کے مرادف ہوتا ہے

اسی دوسرے رُخ سے عدم توجہی حضرت قلندر صاحب کی سوانح عمری کی تدوین و ترتیب کی محرک ہوئی۔ قلندر صاحب چونکہ بشر تھے۔ عالمِ اسباب میں رہتے تھے۔ ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ اپنی عمر کے ایک سو انیس ۱۱۹ برس چرخِ مجدر کے نیچے قطع کئے۔ سیاحتیں کیں۔ بزرگوں سے ملے فیض حاصل کیا اور فیض پہنچایا۔ مختلف بادشاہوں کے زمانے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان کے کلام میں ان تعلقات کی چاشنی کا اثر نہ ہو بلکہ ضرور ہے۔ اب اگر ہم اُن واقعات اور ادبی خوبیوں کو جو قلندر صاحب کے کلام میں ہیں نظر انداز کر کے ہر ایک واقعہ اور ہر ایک شعر کی تاویل کو کھینچ تان کر تصوّف کے رنگ میں ڈبو دیں تو یہ ان کے جذبات کا خون ہوگا بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر حقیقتِ مستور کے چہرے سے نقاب اُلٹیں اور ممکن طریقہ سے ہر واقعہ کی صحت کریں۔ گو امتدادِ زمانہ اور مرورِ ایّام کی وجہ سے وہ اہم حالات محفوظ نہیں رہے جو کہ قلندر صاحب کے عزّ و وقار کے لئے طرۂ امتیاز تھے

امر واقعہ ہے کہ قریب قریب ہر بزرگ کے متعلق افسانہ سازی کی مشق ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ قلندر صاحب بھی اس مشقِ افسانہ سازی سے بچ نہ سکے ان حالات کی موجودگی میں ہمارے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ ہم اپنے ارادے سے باز آجائیں اور فی الحقیقت یاس اور ناامیدی ہماری امید پر غالب آچکی تھی مگر لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ارشادِ خداوندی اور قلندر صاحبؒ کے اس شعر سے

چو شکلیست ترا پاس را بہانہ مکن ۔۔۔ کہ زیر چرخ تجرد ہزار مرد انند

نے ہمارے ارادے کو پھر تقویت پہنچائی اور ہم نے بعض اہلِ قلم حضرات سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری کر دیا جن میں سے اکثر حضرات نے امید کے موافق ہماری قلمی معاونت کر کے حوصلہ افزائی فرمائی۔ خط و کتابت کے اسی سلسلہ میں خیال آیا کہ حضور قبلۂ عالم پناہ پانی پتی کی درگاہ کے سجادہ نشین تو ضرور ہونگے ان سے اس معاملہ میں قلمی امداد حاصل کرنی چاہیئے۔ چنانچہ سلسلہ جنبانی شروع کر دی اور جناب کی خدمت میں طلبِ حالات کے لئے استدعا کی گئی لیکن جناب سجادہ نشین صاحب اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے کامل ایک ماہ تک ہمیں جواب نہ دے سکے جس کی وجہ سے ہماری ہمت کے پاؤں اور بھی شکستہ ہو گئے۔ مگر چونکہ ہم ناچیز ہستیوں کے ارادوں کی تکمیل خداوندِ کریم کے دستِ قدرت میں تھی جو اس طرح پوری ہوئی کہ ایک ماہ کے بعد بالکل غیر متوقع طور پر حضرت سجادہ نشین صاحب کا عنایت نامہ وصول ہوا جس کا ایک ایک لفظ ہماری حوصلہ افزائی کے لئے بوئے یوسف کا کام کر گیا حضرت نے کمال درویشانہ اخلاق سے ہمیں نوازا اور حتی الامکان امداد کا وعدہ فرما کر ہمیں ترتیبِ حالات پر آمادہ کیا اور ہمارے دوسرے خطوط کے جواب میں بعض بعض مفید حالات ہمیں ارسال فرمائے اور اہم اور مفید مشوروں سے ہماری ہمت بندھا کر کلام کی اشاعت میں بھی ہر قسم کی مدد فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ اور مزید نوازش یہ فرمائی کہ جب ہم نے آستانۂ قلندریہ پر جا کر حاضری دی تو حضرت سجادہ نشین صاحب نے قلندر صاحبؒ کی دیگر غیر مطبوعہ تصانیف اخذِ حالات کے لئے ہمیں عطا فرمائیں جن کی نسبت ہم حضرت خواجہ پیر محمد عبدالرشید صاحب سجادہ نشین کے بے حد شکرگزار اور رہینِ منت ہیں حضرت کے انتہائی شغف اور محبت کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ جناب نے اپنے ایک مکتوبِ گرامی نامہ مورخہ ۲۷۔۳۔۳۲ میں کیا اعلےٰ الفاظ سے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی کہ "جب آپ کو حضرت قبلۂ عالم پناہ سے دلی محبت اور وابستگی ہے تو یقیناً میں بھی آپ کا عاشق ہوں" لیکن ہم ہیں کہ بجز دعا اور عجز و نیاز کے کوئی قابلِ قدر تحفہ جناب کی خدمت میں

پیش کرنے کے قابل نہیں سوا اس کے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور عمر واقبال میں روز افزوں ترقی دے۔ حضرت مولانا پیر محمد عبد الرشید حضور قبلۂ عالم پناہ کے لائق سجادہ نشین اور اپنے جدِ بزرگوار کے زندہ نشان ہیں آپ نے اس خدمت کے ذریعہ حضرت قبلۂ عالم پناہ کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ روشن کر دیا ہے فی الحقیقت سلف صالحین کے اخلاف کو ایسا ہی ہونا چاہیئے حضرت مولانا کی یہ مخلصانہ خدمت موجودہ سجادہ نشینوں کے لئے ایک روشن مثال ہے ان کو بھی چاہیئے کہ وہ اس مثال سے سبق حاصل کر کے اپنے بزرگوں کا نام روشن کریں۔ دوسری دفعہ جب ہم کتاب دکھانے کے لئے آستانہ شریف پر حاضر ہوئے تو آپ نے مورخانہ حیثیت سے اس کا مطالعہ کیا اور اپنی رائے عالی کا اظہار فرمایا جس کو ناظرین انتساب کے بعد ملاحظہ فرمائیں گے اس کے علاوہ امید سے بڑھ کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی اور اشاعتِ کتاب کے ہر شعبہ میں توقع سے زیادہ مدد فرمائی آپ کی شان میں ہم کچھ الفاظ استعمال کرنا چاہتے تھے لیکن اجازت نہیں ملی ٭

ان واقعات کے بعد ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کتبِ ذیل میں قلندر صاحب کے حالات مجملاً درج ہیں:۔

اخبار الاخیار، تذکرہ غوثیہ، تذکرہ اولیائے ہند، سیر الاقطاب، شرف المناقب

لیکن ہم نے سوانحِ عمری میں ان مذکورہ کتب کے حالات پر جا کہ کر کے صاحبِ شرف المناقب (خواجہ حمید الدین عارف پانی پتی) کی رائے عالی کو مستند سمجھ کر مقدم رکھا ہے کیونکہ آپ حضور قبلۂ عالم پناہ کے برادر شاہ نظام الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے اور درگاہ کے منصبِ سجادگی پر فائز تھے اس لئے آپ کے تحریر کردہ واقعات اور حالات قابلِ وثوق مانے گئے ہیں

شرح کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ سب سے پہلے دیوان کے مختلف نسخوں (مطبوعہ غیر مطبوعہ) کا مقابلہ کر کے اصل فارسی غزل کو درست کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہر شعر کا اردو ترجمہ با محاورہ کر کے مشکل الفاظ کے معنی مختلف

کتب لغت سے مقابلہ کر کے لکھے گئے ہیں۔ شرح اتنی لکھی گئی ہے جتنی نفس شعر سے پیدا ہو۔ بیجا تاویلات سے دانستہ گریز کیا گیا ہے۔ البتہ جو اشعار تشریح طلب ہیں ان کو ہر ممکن طریقہ سے واضح کیا گیا ہے۔ شعروں کی ادبی اخلاقی تاریخی خوبیاں واضح کر دی گئی ہیں بحسب ضرورت آیات قرآنی و احادیث نبوئی اور اقوال صوفیائے کرام سے استشہاد کر کے شرح کو مزین کیا گیا ہے چنانچہ ناظرین جا بجا آیات قرآنی و احادیث اور اقوال کا اندراج ملاحظہ فرمائیں گے۔ قلندر صاحب کے اشعار کا مطلب واضح کرنے کے لئے مستند شعرا کے اردو فارسی اشعار حسب ضرورت نقل کئے گئے ہیں اگر قلندر صاحب نے کسی ایک مضمون کو کئی ایک اشعار میں ادا کیا ہے۔ تو ان کے حوالے دے گئے ہیں شلاً ۱/۱، ۵/۴، ۵/۲ جن سے مراد یہ ہے کہ غزل نمبر ۱ کا پہلا شعر یا غزل نمبر ۵ کا چوتھا شعر علیٰ ہٰذالقیاس تمام غزلیں نمبر وار لکھی گئی ہیں اور غزل کے ہر ایک شعر پر نمبر دیا گیا ہے تاکہ ناظرین کو تلاش شعر میں آسانی ہو۔

اگر ناظرین نے اسے قدر اور عزت کی نگاہوں سے دیکھا اور ہماری محنت کی داد دی تو ہم انشاء اللہ تعالےٰ حضرت قبلۂ عالم پناہ کی دیگر غیر مطبوعہ تصانیف بھی مفید حواشی اور تراجم کے ساتھ ناظرین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ اس کے علاوہ ہم حضرت کے غیر مطبوعہ منظوم کلام کی بے حد جستجو کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ امید ہے کہ عنقریب حضور کا نعتیہ دیوان جو دورِ آخر کی تصنیف اور مناقب نعمۂ دوزبان و حضرت مولائے کائنات پر مشتمل ہے منصہ شہود پر جلوہ گر ہوگا ناظرین انتظار فرمائیں وباللہ التوفیق۔

نیازمندان

عطاؤ مظہر

جیٹھی کے ۱۷ اپریل ۱۹۳۴ء

انتساب

کشتۂ نازِ محبوب کی درگاہِ لاابالی کے سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں

نذر

ہم اپنی اس ناچیز تصنیف کو دلی عقیدت اور اخلاص کے ساتھ شمس العارفین برہان الواصلین ہادی لی مع اللہ جمال الاسلام رمز شناسِ عرفان و توحید جرعہ نوش میخانۂ تجرید حضرت مولانا خواجہ پیر محمد عبدالرشید صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشینِ درگاہ حضرت خواجہ مخدوم شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بطور نذر پیش کر کے چاہتے ہیں کہ حضرتِ موصوف کے مبارک اور مسعود نام کی برکت سے یہ ناچیز تصنیف قبولیتِ خاص و عام کا فخر حاصل کرے۔

آمین

کلامِ شیخ شرف الدین مغفور — سراسر رازِ وحدت سے ہے معمور
کلامِ حق تعالیٰ کی ہے تفسیر — حدیثِ مصطفیٰ کی ہے یہ تنویر
عجب ہے گنجِ اسرار و معانی — عجب ہے معدنِ رازِ نہانی
ہے نور العین حق کے واصلوں کا — ہے دستور العمل اُن کاملوں کا
جو چلنے والے ہیں راہِ وفا کے — جو خوگر ہیں ملامت اور جفا کے
فدائے روح و جاں پر خمار بیت — برائے عاشقاں باغ و بہار بیت

منور کرد از بس چشم آفاق
ضیائے دیدۂ سالارِ عراق

عطا و مظہرِ دلریش و ناشاد — رہے نالاں بکنجِ محنت آباد
سدا پیتے رہے خونِ جگر کو — اڑایا طائرِ عقل و فکر کو
گرم پرواز شد گہ سوئے افلاک — گہے سازد مقامی زیر این خاک
کبھی گلزارِ وحدت سے چنے گل — نظر عشقبازی بلبل و گل
رہا وہ سائرِ باغِ معانی — انوکھی طرز میں کی گلفشانی
غرض پھولوں کا گلدستہ بنایا — عجب انداز سے اس کو سجایا
شرح لکھی کلامِ بوعلی کی رحمۃ اللہ علیہ — امامِ اولیا حق کے ولی کی
گہرہائے عجب در سلک سفتیم — بفکرِ کارِ این شبہا نخفتیم

ریاض شرح محبوب القلوب است
بحمد اللہ کہ این جذب القلوب است

غرض گلدستہ گلہائے مضموں — بنامِ پیرِ میخانہ ہے معنوں
کہ بر سجادۂ آں شیخ مغفور — بفر و شان و شوکت ہست ماٰمور
ہے زینت جن کے دم سے آستاں کو — ملا خلف الرشید اس خانداں کو
سبق دادہ مراد جود و سخا را ازو — نہ ہے دستش کہ بنوازد گدا را
کریم ابن الرحیم عبد الرشید آں — وحید العصر یکتا و فرید آں
نہ ہے بخت گر ایشاں نوازند — بلطف این پیشکش منظور سازند
عطا را این کتابے یادگار یست — برائے نامِ مظہر نامدار یست

از جیبھی کے

خاکساران
عطا و مظہر

تقریظ

از عالیجناب قدوۃ الواصلین، زبدۃ العارفین، سلطان سلطنتِ طریقت، سالکِ مسلکِ شریعت، شہبازِ اوجِ حقیقت، غواصِ دریائے معرفت، ابو الحمید حضرت مولانا و بالفضل اولینا، حافظ خواجہ پیر محمد عبد الرشید سلمہ الوحید پانی پتی سجادہ نشین قبلہ شیخ شرف الدین بو علی قلندر قدس اللہ سرہ العزیز

فقیر نے مفتاح الغیب اردو شرح دیوان حضور قبلۂ عالم پناہ مع مفصل سوانح عمری مصنفہ شیخ عطا محمد عطا نظامی و شیخ حبیب اللہ مظہر نظامی ساکنان جہیٹھی کے پنجاب کو غور سے پڑھا بالخصوص سوانح حیات کا کہ ان سے میرا خاص تعلق تھا بنظر امعان مطالعہ کیا میرے خیال میں حالات نہایت جامع اور معتبر ہیں جن سے مجھے پورا اتفاق ہے اور جو کچھ لکھا گیا ہے افراط و تفریط سے پاک اور تجسس بسیار کا نتیجہ ہے اکثر مقامات کی اصلاح میں نے خود اپنے قلم سے کی تا حدِ علم میرے یہ شرح و سوانح عمری نکتہ دان و نکتہ سنج احباب کے لئے عموماً اور وابستگان سلسلۂ قلندریہ کے لئے خصوصاً ایک بیش بہا نعمت ہے۔ شرح نہایت ہی محققانہ انداز میں لکھی گئی ہے طرزِ تحریر نہایت دلکش ہے میری دعا ہے کہ اللہ تعالے اس کو مقبول خاص و عام فرمائے اور اس کے مصنفین کو جزائے خیر عطا کرے آخر میں میں اپنے وابستگان سلسلہ اور دوستوں کی خدمت میں پُر زور سفارش کرتا ہوں کہ اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ خرید کر مؤلفین کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ حضور کی دوسری تصانیف کی اشاعت کی طرف راغب ہوں۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء

فقیر عبد الرشید
سجادہ نشین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوانح عمری

مردہ ہرگز نبود آں کہ بمیرد در عشق　　　کشتۂ نازِ تُرا زندہ دائم شمریم

قلندر صاحب اُن قدسی صفات بزرگوں کے زمرہ سے ہیں جن کی شانِ پاک میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ نقل مکان کرتے ہیں اس لئے ہم قلندر صاحب کے اُس شعر سے عنوان کو زینت دیتے ہیں جو حدیث نبوی کی اعلےٰ تفسیر ہے۔

نام و نسب

آپ کا نام شرف الدین ہے۔ بوعلی لقب جو امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عطا فرمایا جس کی صراحت ذکر بیعت[1] میں آئیگی قلندریہ خاندان سے نسبت واردات تھی۔ اس لئے بوعلی قلندر مشہور ہے آپ کا پورا نام شرف الدین بوعلی قلندر مشہور ہے آپ نے اپنے اشعار میں تخلص کی جگہ شرف و بوعلی اور قلندر کا استعمال کیا ہے اس لئے آپ کا تخلص وثوق کے ساتھ قرار نہیں دیا جاسکتا آپ کا نسب چند واسطوں سے حضرت جعفر النعمان الملقب بہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمت اللہ علیہ بن

---

[1] آپ کے القاب اور بھی ہیں جو ذکر بیعت کے تحت میں آئیں گے۔

ثابت بن نعمان تک منتہی ہوتا ہے۔

نسب نامہ شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ بن حضرت مولانا سالار فخر الدین ابراہیم مشہور بہ عراقی قدس سرہٗ بن مولانا سالار زبیرؒ بن مولانا سالار حسنؒ بن سالار عزیزؒ بن سالار ابوبکر غازی بن مولانا شیخ محمد عرف مولانا فارس (مرید و خلیفہ حضرت حسین بن منصور حلاجؒ رحمتہ اللہ علیہ) بن مولانا عبد الرحمٰن بن مولانا عبد الرحیم بن مولانا محمدؒ بن ناچدار احناف حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمتہ اللہ علیہ۔

شیخ فخر الدین عراقی کے بعض حالات قبل ازیں کہ ہم قلندر صاحب کی ولادت کا ذکر کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد بزرگوار شیخ فخر الدین عراقی کا مختصر حال بیان کیا جائے نفحات الانس میں مولانا جامی قدس سرہٗ و صاحب بوستانِ غوثیہ کا بیان ہے کہ شیخ فخر الدین اصل میں علاقہ ہمدان کے رہنے والے تھے۔ آپ چھوٹی سی عمر میں قرآن مجید حفظ کر کے سترہ برس کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے تھے آپ کا دیوان مشہور ہے اور آپ کی مشہور تصنیف لمعات ہے جو سراسر رموز و نکاتِ تصوّف کی جامع ہے

ایک دن آپ طلبار کو تعلیم دے رہے تھے کہ قلندروں کی ایک جماعت ہمدان میں آئی جن میں ایک لڑکا بڑا حسین تھا اور آپ پر چونکہ عشق غالب تھا اور طبیعت اِس قدر موزوں واقع ہوئی تھی کہ کسی حسین چیز کو دیکھنے سے آپ کو کردگارِ ازلی کی صنعت یاد آتی تھی اور ایسے موقعوں پر آپ کا دل مصنوع سے صانع اور مخلوق سے خالق کی طرف رجوع کرتا تھا اور آپ مجاز میں حقیقت کا رنگ دیکھنے کے دلدادہ تھے اس لئے اُس لڑکے کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئے جب تک وہ گروہ آزادگان ہمدان میں رہا آپ اُن کے ساتھ رہے اور مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا چند دنوں کے بعد جب وہ جماعت رختِ سفر باندھ کر ہمدان سے روانہ ہو گئی تو آپ نے چند روز بے تابی میں گذارے جب جدائی کی تاب نہ رہی تو وطن کو خیرباد کہہ کر آپ بھی اُن کے پیچھے دوڑے اور ان سے کسی مقام پر جا ملے جب اوباش قلندروں نے آپ

کو دیکھا تو کہنے لگے کہ آپ عراق کے سردار اور ذی وقار آدمی ہیں اور ہم قلندران موزلش چار ابرو کا صفایا کئے ہوئے آزادانہ سفر کر رہے ہیں بنا بریں آپ کو ہماری معیت مفید نہ ہوگی ہاں اگر آپ ضرور ہمارے ساتھ سفر کرنا چاہتے ہیں تو ہماری سی شکل وصورت اور ہیئت ظاہری بنا لیجیے چار ابرو کا صفایا کرائیے۔ شیخ موصوف کے دل پر چونکہ لڑکے کی محبت قوی ہو چکی تھی بمجبوراً چار ابرو کا صفایا کرایا قلندروں کا لباس پہنا اور اُن کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ قافلہ ملتان پہنچا اور حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خواجہ بہاؤالدین کشف باطنی سے تاڑ گئے کہ فخرالدین اس لڑکے پر عاشق ہے۔ اور چاہا کہ اس کی محبت کو عشق حقیقی کی طرف تبدیل کر دیا جائے چنانچہ جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو حضرت بہاؤالدین کو اس کی روانگی کی خبر ہوئی چونکہ آپ کو عراقی کے ساتھ چلے جانے کا زیادہ خیال تھا اس لئے آپ نے کچھ دیر تامل فرمایا اسی دوران میں ایک ایسی تیرہ و تار یک آندھی اٹھی کہ اوباش قلندروں کا گروہ منتشر ہو گیا اور فخرالدین عراقی اسی انتشار و پریشانی کی حالت میں خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے آستان ہدایت نشان پر آپڑے۔ آپ نے اپنا خادم بھیج کر فخرالدین کو اندر بلایا۔ اور اپنی آغوش میں کھینچ کر سینہ سے سینہ ملانا ہی تھا کہ فخرالدین کے دل سے لڑکے کی محبت بالکل زائل ہو گئی اور اس کی بجائے آپ کا دل عشق الٰہی سے معمور ہو گیا آپ نے اُن کے رہنے کے لئے ایک علیحدہ حجرہ عنایت فرمایا۔ اور باطنی تعلیم و تربیت کرنے لگے۔

کچھ دنوں کے بعد اپنی دختر نیک اختر کہ عفت و عصمت میں رابعۂ وقت تھیں اُن کے ازدواج میں دے دیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پچیس ۲۵ برس تک حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا آپ کے کلام میں درد اور سوز ایسا بھرا ہوا تھا کہ خواجہ بہاؤالدین اکثر اوقات آپکے اشعار سن کر وجد کیا کرتے تھے صاحب نفحات کا بیان ہے کہ حضرت بہاؤالدین زکریا کی صاحبزادی کے بطن مبارک سے ایک صاحب زادہ بھی تولد ہوا جن کا نام کبیرالدین تھا مگر ہم نے نفحات کے علاوہ اور بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا جن سے کبیرالدین صاحب زادہ کا تولد ہونا ثابت نہیں

ہوتا ہے۔

شیخ فخرالدین عراقی کا سفرِ عراق عقدِ ثانی اور اولاد

اِسی اثنا میں خواجہ بہاؤالدین کی صاحبزادی کا انتقال ہوگیا صاحبِ بوستانِ غوثیہ[1] کا بیان ہے کہ خواجہ ملتانیؒ نے اپنی دوسری صاحبزادی شیخ فخرالدین کے عقد میں دینی چاہی اور اِس بارے میں اپنے صاحبزادے مولانا صدرالدین عارف سے مشورہ لیا لیکن انھوں نے جواب دیا کہ ایک دن فخرالدین پیراہن اٹھا کر ہوا کھا رہے تھے لہٰذا جس شخص میں اِس قدر حظِ نفس ہو وہ اِس پیوند کا اہل نہیں ہوسکتا خواجہ ملتانی یہ جواب سُن کر اپنے ارادے سے باز آگئے بایں وجہ شیخ فخرالدین نے ملتان سے اپنے اصلی وطن عراق[2] کی طرف مراجعت کی جب آپ ہمدان پہنچے تو سید السادات حضرت نعمت اللہ ہمدانی کرمانی نے اپنی ہمشیرہ حافظہ جمال رحمتہ اللہ علیہا سے جو حافظۂ قرآن تھیں آپ کا نکاح کر دیا جن کا مزارِ مبارک قصبہ پانی پت میں ابراہیم لودھی کے مقبرہ سے جانبِ شرق اور قلعۂ بادشاہی سے جانبِ شمال دو سو گز کے فاصلہ پر واقع ہے آپ کا روضۂ منورہ حافظ جمال اور مائی جی کے نام سے مشہور ہے۔

شیخ فخرالدین عراقی معہ اہلیۂ مقدسہ ہمدان سے عراق واپس آئے چنانچہ حافظہ جمال کے بطنِ مبارک سے شیخ نظام الدین عراقی برادر حضرت بوعلی قلندرؒ عراق میں پیدا ہوئے اور عاشقِ الٰہی بوعلی قلندر پانی پت ضلع کرنال میں جس کی صراحت آگے آئے گی ہے۔

---

[1] بوستانِ غوثیہ خاص خواجہ بہاؤالدین زکریا کے حالات پر مشتمل ہے اور مطبوعہ ہے ۱۲

[2] مولانا جامی نے نفحات میں لکھا ہے کہ جب خواجہ بہاؤالدین کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے خرقۂ خلافت شیخ فخرالدین کو عطا فرمایا لوگوں نے اِس عزو وقار کو حسد کی نظروں سے دیکھا وہ نیز کچھ ایسے ہی اسباب پیدا ہوگئے اور حبِّ وطن نے جوش مارا اور آپ بعزمِ عراق ملتان سے چل دیے ۱۲

ولادت

جب شیخ نظام الدین[1] عراقی سن رُشد و تمیز کو پہنچے تو آپ بغرض تجارت عراق سے عازم ہندوستان ہوئے اور قصبہ پانی پت میں نزولِ اجلال فرمایا پانی پت کے میدان پاکیزہ اور دلکش تھے اُن کی فضا دل کو مرغوب معلوم ہوئی اس لئے وہیں رہنا اختیار کیا جب شیخ فخر الدین کو اپنے فرزند شیخ نظام الدین کی جدائی نہایت شاق گزری تو آپ بھی بارادۂ ملاقات معہ اہلیہ مقدسہ پانی پت تشریف لائے اور وہیں قیام فرمایا خدا تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا کہ ولائتِ ہند عاشقِ الٰہی کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے دار الشرف بنے اِس لئے سنہ ۶۰۵ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر عالمِ وجود میں آئے شیخ فخر الدین عراقی کی وفات[2] حسب بیان صاحب نفحات ۸ ذی قعدہ ۶۸۸ھ میں بمقام دمشق واقع ہوئی۔ اور آپ کو حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی کے مزار کے پیچھے جگہ ملی جو زیارت گاہ خلائق ہے اور آپ کے فرزند نظام الدین عراقی کا وصال ۱۰ جمادی الثانی سنہ ۷۰۰ھ میں بہ قصبہ پانی پت ہوا اور وہیں آپ مدفون ہیں۔

جب قلندر صاحب پیدا ہوئے تو آپ نے رونا شروع کیا اور مسلسل تین دن رو بلکتے دودھ مطلق نہ پیا۔ اور آنکھ نہ کھولی جب تین دن گذر گئے تو شیخ فخر الدین عراقی گھر سے باہر تشریف لائے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مست[3] فقیر چہرہ اوڑھے دروازہ پر کھڑا ہے اُن سے مصافحہ کیا فقیر نے کہا اے شیخ زادہ صاحب زادہ تجھے مبارک ہو اُسے دیکھنے کا

---

[1] آپ کی شادی مولانا کریم الدین رومیؒ کی صاحب زادی سے ہوئی آپ موتیوں کی تجارت کرتے تھے

[2] شیخ فخر الدین عراقی کی وفات کے متعلق ہم نے بہت تحقیق کی ہے ثابت ہوا ہے کہ آپ پانی پت سے اپنے وطن مالوفہ (عراق) کی طرف بغرضِ سیر و سیاحت گئے تھے قدرت کو ایسا ہی منظور تھا کہ شیخ سرزمینِ عراق میں ہی دفن ہوں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ نے حضرت محی الدین ابن عربی کے مزار کے قریب استراحت فرمائی ۱۲

[3] وہ درویش مولانا شاہ جمال قلندر ریشم پوش رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کا مزار شریف دریائے اٹک کے کنارے شہر اٹک کے نزدیک واقع ہے ۱۲ مولاداد مظہر

مشتاق ہوں شیخ موصوف درویش کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے جب اس صاحب کمال فقیر نے
اس نورِ صفائی کو دیکھا تو اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور یہ آیتِ کریمہ[1] ان کے کان میں پڑھی فاینما تولوا
فثم وجہ اللہ اسی وقت رونا بند ہوگیا اور آپ دودھ پینے لگے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ
مادر زاد ولی تھے اور فرمانِ خداوندی کا احترام اور ادب آپ کی سرشت میں ازل سے موجود
تھا کہ آپ آیتِ کریمہ سنتے ہی خاموش ہو گئے۔ درویش نے فرمایا اے شیخ تیرا صاحبزادہ
عاشقِ الٰہی[2] ہے عاشقوں کا بھید کسی سے کہنا نہیں چاہیئے اتنی بات کہہ کر نظروں سے
غائب ہوگیا ممکن ہے کہ بھید کا اشارہ اسی طرف ہو کہ یہ مولود مسعود مادر زاد ولی ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بوعلی قلندر عاشق الٰہیؒ و قطب جمال الدین
ہانسوی و سلطان شاہ فرخ گھالونی اور صوفی کتھلیؒ آپس میں خالہ زاد بھائی تھے لیکن قطب
جمال الدین ہانسوی کی نسبت حضور کے شجرۂ نسب سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قطب
جمال آپ کے خالہ زاد بھائی ہونے کے علاوہ بہنوئی بھی تھے کیونکہ مولانا سالار
فخر الدین کی دو صاحبزادیاں تھیں ایک لاولد فوت ہوگئیں اور دوسری صاحب
زادی قطب جمال ہانسوی کی زوجیت میں دی گئیں جن سے سلسلہ نسب قطب جمال
ہانسوی کا جاری ہوا۔

تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم دہلی میں حاصل کی لیکن باوجود تحقیق کے آپ کے
اساتذہ کے نام بھی معلوم نہیں ہوئے البتہ ایک معتبر روایت سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے حضرت[3] مولانا

---

[1] بعض روایتوں میں لکھا ہے کہ شاہ جمال قلندر چرم پوش نے آپ کو اسم اعظم کی تعلیم دی واللہ اعلم بالصواب
[2] پہلے پہل یہ لقب شاہ جمال قلندر کی زبان سے نکلا تھا جو بعد میں مشہور الکل ہوگیا۔
[3] مولانا سراج الدین کی کا مزار عقب بنگار خانہ درگاہ شریف حضرت قبلہ عالم پناہ پانی پت میں ہے!

سراج الدین مکی رحمتہ اللہ علیہ سے قرآن شریف حفظ کیا اور فقہ وحدیث پڑھی حافظہ اس قدر تیز تھا کہ جب ایک دفعہ مضمون کو سرسری نظر سے دیکھ لیا وہ کالنقش فی الحجر ہو گیا چونکہ آپ حافظِ قرآن تھے اس لئے عربیت میں آپ کو کافی دست گاہ حاصل تھی چنانچہ اپنے منظوم کلام میں عربی اشعار اس قادر الکلامی سے بلا تکلف لکھے ہیں جن سے آپ کی اس فن میں اعلیٰ دست گاہ ثابت ہوتی ہے منظوم کلام کے علاوہ فارسی نثر میں آیات قرآنی و احادیثِ نبوی اور اقوالِ صوفیائے کرام کا اندراج اس خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے اور آیاتِ قرآنیہ سے ایسے ایسے عارفانہ نکات اخذ کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کلامِ ربانی کی شرح ابیان کرنے میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اور آپ کی طبیعت کی افتاد زیادہ تر اسی طرف مائل تھی۔ آپ اعلیٰ درجہ کے مضمون نگار اور شارح تھے غرضیکہ آپ کی طبیعت کچھ ایسی موزوں واقع ہوئی تھی کہ جس طرف رُخ کیا مشکل اور ادق مضامین کو پانی کی طرح بہا دیا۔ اس کے علاوہ آپ زبر دست اور جیّد عالم تھے محدث اور فاضل اجل تھے۔ آپ کے والد ماجد چونکہ عراق عجم کے رہنے والے تھے اور والدہ ماجدہ عربی النسل سیّدہ تھیں بڑے بھائی شاہ نظام الدین عراقی بھی عراق میں پیدا ہوئے تھے اس لئے حضرت قلندر صاحب کی مادری زبان بھی فارسی ہو گئی تھی

پانی پت چونکہ اس وقت علوم وفنون کا مرکز تھا۔ اس لئے وہاں بھی مختلف اساتذہ سے علم ادب حاصل کیا آپ کے والد چونکہ صاحب تصانیفِ کثیرہ قادر الکلام شاعر تھے برگزیدہ عارف اور مقبولانِ الٰہی میں ممتاز ترین کامل انسان تھے

لمعات کا مطالعہ اور دیوانِ عراقی اس بات پر شاہد ہے کہ علوم تصوف میں آپ کو کافی دستگاہ حاصل تھی اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کے مصداق قلندر صاحب کو بھی عشقِ حقیقی کے ساتھ جذبہ شاعری[1] بھی بطورِ وراثت عطا ہوا چنانچہ آپ نے بھی اپنے والد بزرگوار کی طر

[1] باوجود کمال تحقیق ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس فن میں قلندر صاحب کو کس صاحبِ کمال سے تلمذ تھا اور کس کے سامنے آپ نے زانوئے ادب تہ کیا غالب یاس ہو کہ شاید آپنے اپنے والد ماجد سے استفادہ کیا ہو کیونکہ وہ اپنے زمانے کے قادر الکلام شاعر تھے اور اسوقت انکی شاعری کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا تھا اسکے علاوہ یہ ہے آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم عطا و

اپنے جذباتِ باطنی کو فارسی غزلوں میں ظاہر کیا والدِ بزرگوار کی طرح آپ کے کلام میں بھی سوز و ساز اور معرفتِ الٰہی کے نکات و اسرار کا بڑا حصہ ہے اور ساتھ ہی چونکہ وطن ہندوستان تھا اس لیئے رائج الوقت ہندی زبان بھی مادری زبان ہوگئی اور اس میں بھی اچھی دسترس تھی اکثر موقعوں پر آپ نے ہندی زبان میں دوہے بھی لکھے ہیں۔

درس و تدریس

آپ نے اپنی عمرِ عزیز کا بہت سا حصہ درس و تدریس اور وعظ و نصیحت میں گذارا پرانی دہلی میں آپ کا قیام تھا وہاں مدتوں آپ درس دیتے رہے۔ زمانہ حاظرہ کے بڑے بڑے عالم فقیہہ اور محدث آپ سے استفادہ حاصل کرتے تھے اور مدرسہ بیک مینارہ دہلی میں آپ مدرسِ اعلیٰ بھی تھے۔ علمائے وقت آپ کی علمیت کے اس قدر گرویدہ تھے کہ جب آپ دہلی سے عازم پانی پت ہوئے تو وقت کے نامور فضلاء کی ایک جماعت نے خواہش ظاہر کی کہ آپ چندے اور قیام فرماویں تاکہ ہم آپ سے نکاتِ توحید کے چند رسائل پڑھ لیں اس واقعہ کی تصدیق قلندر صاحب کے اپنے کلام سے اس طرح ہوتی ہے فرماتے ہیں:-

"جمیع دانشمندان بریں درویش گفتند کہ یک ماہ دیگر بیانید تا از ہر کتاب ورسالہ سبق بگیریم"

علاؤالدین خلجی کا زمانہ تھا آپ کی عمر مبارک کا یہ حصہ دربارِ شاہی سے بھی متعلق رہا آپ کی علمیت اور قابلیت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اسی دوران میں شہر کے مفتی بھی ہو گئے تھے اسلامی عہدِ حکومت میں مفتی کا عہدہ دربارِ شاہی سے عطا کیا جاتا تھا۔ اور بڑا مستند سمجھا جاتا تھا اور اس عہدے پر وہ لوگ فائز ہوتے تھے جو علومِ دینی یعنی فقہ و حدیث، صرف ونحو اصول و منطق اور علمِ ادب میں پوری دسترس رکھتے تھے۔

صاحبِ شرف المناقب کا بیان ہے کہ حضرت قلندر صاحب چالیس برس تک درس و تدریس اور ترویجِ علوم دینی اور فنون کی تدریس کیلیئے پرانی دہلی کے کسی مقام پر جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے قریب تھا مشغول رہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندر صاحب کی شخصیت علمی دنیا میں کس قدر

دقیع تھی۔ چنانچہ آپ کی تصنیف سے حکمنامہ بھی ہے لیکن شوخیٔ تحریر سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ حضور کے کسی خادم کا مکمل کردہ ہے مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی
رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اخبارالاخیار میں اس حکم نامہ کے متعلق فرماتے ہیں :۔
"رسالۂ دیگر در عوام الناس شہرت دارد کہ او را حکم نامہ شیخ شرف الدین
مے گویند ظاہر آں است کہ او از مخترعاتِ عوام است واللہ اعلم بالصواب"

تصانیف آپ مصنف تصانیف کثیرہ تھے منجملہ ان کے دیوان فارسی زیر تشریح جو
رموز و نکات معرفت کا خزانہ ہے اس کی وقعت کا اندازہ شرح کے مطالعہ
سے ہو سکتا ہے۔

۲۔ مثنوی بو علی قلندر کے نام سے مشہور مطبوعہ نسخہ ہے۔ گو یہ نسخہ مختصر ہے لیکن پند
و نصائح اور موعظت و رشد و ہدایت کا مکمل و جامع مجموعہ ہے
اس میں زیادہ تر سعی و عمل کی تعلیم ہے۔ اکثر جگہ رہنمائے شیخ و شاب مولانا جلال الدین رومی
کی مثنوی معنوی کے مصرعہ درج کر کے ان پر گرہیں لگا کر مضمون کو دوبالا کیا گیا ہے
دیباچہ میں روح انسانی پر ایک بسیط مضمون منظوم کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ نیز اوطن
عالم آب و گل نہیں بلکہ عالم ملکوت ہے۔

۳۔ رباعیات یہ بھی مختصر سا مجموعہ ہے لیکن معانی و مطالب کے لحاظ سے کہنا پڑتا
ہے کہ دریائے تصوف کو کوزہ میں بند کیا گیا ہے یہ تینوں کتابیں
مطبوعہ ہیں۔

۴۔ رسالہ سر العشق یہ قریباً ایک صد صفحہ کا غیر مطبوعہ رسالہ ہے مگر معانی کے لحاظ سے
تصوف کی بڑی بڑی کتابوں کا ہم پلہ ہے حضرت قلندر
صاحب نے ابتدا سے انتہا تک فقر اور عشق کے تمام مدارج بالتفصیل بیان فرمائے
ہیں مختصر جامع اور موثر الفاظ میں چھوٹی چھوٹی فصلیں قرار دے کر ہر ایک مضمون کو واضح کیا
گیا ہے فصلوں کی تعداد سو سے زیادہ ہے کسی ایک مضمون کو سمجھانے کے لئے آیات
قرآنیہ و احادیث نبویہ اور اقوال صوفیائے عظام و اشعار متقدمین اساتذہ کمال خوبصورتی

سے لکھے گئے ہیں جس سے مضمون کی زینت دوبالا ہوگئی ہے آپ کے تبحر علمی کا یہ عالم ہے کہ ایک ایک لفظ سے سینکڑوں نکات پیدا کئے ہیں اور ہر ایک نکتہ کی تشریح اس عالمانہ انداز سے کی ہے جس کے پڑھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو تصوف کے مشکل اور پیچیدہ عقدے اور لاینحل مسائل اور الجھنوں کو سلجھانے کا ایک خاص چسکا تھا طرز تحریر مقفّیٰ ہے نثر پر بھی نظم کا دھوکا ہوتا ہے۔ شروع سے آخر تک مضامین کا سلسلہ مسلسل اور دلآویز ہے۔ توضیح مرام کو عمدگی سے نبھایا گیا ہے غرضیکہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ ختم کئے بغیر طبیعت سیر نہیں ہوتی ہم نے شرح کے اکثر مقامات اسی رسالہ کے نکات سے استشہاد کرکے مزیّن کئے ہیں۔

۵۔ رسالۂ سلوک نام سے ظاہر ہے کہ اس میں مراتب و درجات درویشی کا بیان ہے قلندر صاحب نے منازل سلوک اور مراحل درویشی کی اپنی عارفانہ اور محققانہ اصطلاح میں شرح و بسط کے ساتھ تشریح کی ہے اپنی روحی بیعت اور امیر المومنین علیہ السلام سے روحانی فیض حاصل کرنے کی کیفیت اسی رسالہ میں ارقام فرمائی ہے طرز تحریر وہی عارفانہ اور عاشقانہ ہے غرضیکہ بے نظیر کتاب ہے۔

۶۔ رسالۂ عشقیہ مختصر سا مجموعہ ہے۔ اس میں بھی سر العشق کی طرح عشق کی رفعت اور عظمت کا بیان کمال خوبصورتی سے قلمبند کیا گیا ہے۔

۷۔ اسرار العاشقین یہ بھی چھوٹا سا رسالہ ہے اگر شائع ہوجاتا تو سالکان منازل سلوک اور راہ خدا رسی کا دستور العمل ہوتا طالبان حق اسے حرز جان بناتے کیونکہ یہ مجموعہ فی الواقع اس قابل ہے قلندر صاحب نے طالبوں کو حقیقی طلب کے طریقے بتائے ہیں۔

۸۔ مکتوبات شرف فارسی جس میں حضور قبلۂ عالم پناہ نے اپنے برادرزادہ و مرید حضرت مولانا شاہ اختیار الدین قلندرؒ کو مخاطب کیا ہے تمام مکتوب بسم اللہ الرحمن الرحیم اور برادرم اختیار الدین ہداہ اللہ سے شروع ہوتے ہیں یہ ایک غیر مطبوعہ ضخیم مجموعہ ہے اور نوعیت کے لحاظ سے اس قدر بے نظیر

اور مفید ہے کہ تصوف کی بڑی بڑی کتابیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں فقر کا دریا ہے شریعت و طریقت حقیقت و معرفت کا خزانہ ہے قرآن مجید کی عارفانہ جامع تفسیر ہے پندو نصائح رشد و ہدایت کا مجموعہ سالکان راہ خداوندی کے لئے بے نظیر دستورالعمل ہے غرضیکہ ہر مکتوب رنگینیٔ بیان۔ دلآویزی اور طرز تحریر کے لحاظ سے ایک نادر اور دلکش گلدستہ ہے جس میں سدا بہار پھولوں کی بہار ہے جن کی ایک ایک پتی سے حقیقت کی خوشبو آتی ہے۔ شرح لکھتے وقت یہ نادر گلدستہ ہمارے زیر مطالعہ تھا۔ ناظرین دیکھیں گے کہ ہم نے شرح کے اکثر مقامات کو انہی گلہائے معنی سے سجایا ہے انداز بیان ایسا انوکھا ہے جی چاہتا ہے کہ اس کاتب الحروف کے ہاتھوں کو بے اختیار دیوانہ وار بوسے دیئے جائیں۔

سید العارفین شاہ حمید الدین عارف شرف المناقب میں لکھتے ہیں کہ حضور قبلۂ عالم پناہ نے ان کتابوں کے علاوہ ایسی ایسی نادر تصانیف لکھی کہ جن کے بیان کرنے سے عقل و فکر عاجز و قاصر ہیں خاص کر زمانۂ حاضرہ میں لوگ انہیں سمجھ نہیں سکتے جب تک عشق کا ہما کسی پر اپنا سایہ نہ ڈالے ؎

توچہ دانی زبان مرغاں را　　چوں ندیدی گہے سلیماں را

ان تصنیفات کے علاوہ اور بھی بہت سی تصانیف غیر مطبوعہ ہیں مگر افسوس کہ زمانے نے انہیں طاق نسیان پر رکھ دیا اور مخلوق کو اس نادر کلام کے فیض سے مستفید ہونے..... کا موقعہ نہ دیا۔

عربیت

ہم آپ کی تعلیم کے حال میں لکھ چکے ہیں کہ آپ حافظ قرآن تھے فقیہہ و محدث اور مفسر تھے علوم صرف و نحو میں پوری مہارت رکھتے تھے رموز و اسرار قرآنیہ کے بیان کرنے میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا مسجد قوۃ الاسلام دہلی میں مدتوں وعظ فرماتے رہے اس لئے ممکن نہیں کہ آپ عربی زبان میں شعر نہ کہہ سکتے ہوں بلکہ عربی اشعار لکھنے میں آپ کو کمال حاصل تھا اور اس فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے دیوان میں بعض جگہ عربی اشعار پائے جاتے ہیں مگر نسبتاً کم کہیں ایک جگہ فارسی مصرعہ

کے ساتھ عربی مصرعہ اس خوبی کے ساتھ استعمال کیا ہے کہ مضمون اعلیٰ پایہ کا ہو گیا ہے مثلاً ؎

اہل ملامتم نہ شکیبم بہ طعنہ ہاں	لو رقت القلوب ان تشقت الجیوب
طال الفراق واحترقت لی ترائب	من کربۃ التعشق یا کاشف الکروب

مگر طبیعت کی افتاد زیادہ تر فارسی کی طرف تھی اگر کوشش کرتے تو عربی دیوان مرتب کر سکتے تھے اپنی دیگر تصانیف میں کمال ہمہ دانی سے بکثرت عربی کلام کا استعمال فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں کمال کے علاوہ آپ کو عربی زبان سے خاص محبت تھی اور شغف وشوق سے عربی تصانیف کا مطالعہ کرتے تھے آپ کی عربیت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ وقت کے بڑے بڑے فاضل عالم آپ کے پاس تحصیل علوم کے لئے آتے تھے۔ اکثر علماء کو آپ سے تلمذ کا شرف حاصل تھا

ہندی ہندی زبان میں بھی آپ کامل دسترس رکھتے تھے چونکہ آپ ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے اس لئے ہندی کا مادری زبان ہونا تو لازمی تھا قاعدہ ہے کہ روز مرہ بول چال کے علاوہ ہر ایک زبان کا ادبی سرمایہ جس میں موزوں کلام کہا جا سکے مادری زبان سے کہیں زیادہ ہوتا ہے قلندر صاحب گو مادر زاد ہندی تھے مگر روز مرہ کے علاوہ ہندی ادب پر بھی آپ کو عبور حاصل تھا کئی ایک دوہرے آپ کی تصنیف سے ہیں جو زبان زد خلائق ہیں جی نہیں چاہتا کہ ان کو چھوڑ کر ہم آگے بڑھیں اس لئے دو ایک دوہرے ناظرین کو سنائے دیتے ہیں

گھونگھٹ کھول بدن میں لکھ دیکھن دی موہے	نا تر نعرہ ماروں جو سب جگ دیکھے توہے

دراصل یہ دوہرہ قلندر صاحب کے اپنے فارسی شعر ؎

پردہ بردار کہ ما روئے چوں مہرت نگریم	ورنہ از آہ جگر پردہ عالم بدریم

کا ہندی ترجمہ ہے

پنڈت ہار دیکھا باچ کر پوتھی پانی پور	سگرے انجھر سبط کر من میں سائیں اوڑ
پوتھی بہی تھوتھی بنڈت بھیا نہ کوئے	اکو انچھر پریم کا بڑے سو پنڈت ہوئے

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ بھی ہندی میں خاصی مہارت رکھتے تھے آپ نے فارسی اور بہاری کی آمیزش سے بکثرت اشعار لکھے ہیں آپ کے دوہرے، لطیفے بجھارتیں، پہیلیاں اور دوسخنے مشہور ہیں

بیعت اور ارادت

آپ کی بیعت اور ارادت کا حال کتابوں میں اس طرح مرقوم ہے کہ ایک روز آپ مسجد قوت الاسلام دہلی میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک فقیر مسجد کے دروازے پر آیا اور بلند آواز سے کہنے لگا کہ شرف الدین جس کام کے لئے پیدا ہوا تھا وہ بھول گیا کب تک اس قیل وقال میں رہے گا یہ کہہ کر وہ فقیر تو چل دیا مگر آپ کے دل میں جذبہ محبت الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی اور فقیر کا وہ مختصر کلام آپ کے سمندِ شوق کے لئے تازیانہ کا کام کر گیا اسی وقت شیخ شہاب الدین عاشقِ خدا کے مرید ہو گئے جو شیخ امام الدین ابدال کے خلیفہ تھے اور وہ خلیفہ حضرت بدرالدین غزنوی کے جن کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی دہلوی سے سندِ خلافت عطا ہوئی تھی مگر یہ نسبت خلافِ قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ شیخ شہاب الدین عاشقِ خدا خود قلندر صاحب کے مجاہدات وریاضات اور باطنی تصرّفات کے گرویدہ تھے اور حسبِ ارشاد خواجہ قطب الدین صاحب بختیار کاکی اکثر اوقات آپ قلندر صاحب کی محفل میں حاضر ہوتے تھے اور فیضیاب ہو کر جاتے تھے ہم نے مسندِ خلافت کے تحت میں اس کا تفصیلاً تذکرہ کر دیا ہے ایک اور ضعیف روایت یہ ہے کہ قلندر صاحب کو سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی دہلوی سے بیعت حاصل تھی مگر یہ روایت بھی ناقابل تسلیم ہے

مولانا عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اخبار الاخیار میں اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان بزرگوں میں سے کسی کے ساتھ بھی کہیں ذکر نہیں گویا قلندر صاحب نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی البتہ مخلصانہ طور پر فیض حاصل کیا اور فیض پہنچایا۔

بعض روایتوں میں لکھا ہے کہ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی

دہلوی کے مرید تھے جو حضور خواجہ معین الدین حسن اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اس روایت پر بہت سے راوی متفق ہیں اگر اسے صحیح تسلیم کیا جاوے تو آپ کا شجرہ طریقت حسب ذیل ہے

شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی مرید خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی دہلوی مرید و خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیری سنجری چشتی مرید خواجہ عثمان ہارونی مرید حضرت شاہ شریف زندنی المقلب بہ کریم الدین منعم مرید خواجہ مودود چشتی مرید حضرت شاہ ابو یوسف چشتی مرید حضرت شاہ ابو محمد چشتی مرید حضرت شیخ احمد ابدال چشتی مرید حضرت شیخ ابو اسحاق شامی چشتی مرید حضرت ممشاد علو دینوری مرید حضرت خواجہ امین الدین ابو ہبیرۃ البصری مرید حضرت شیخ سدید الدین حذیفۃ المرعشی مرید حضرت شیخ ابراہیم بن ادہم بلخی مرید حضرت شاہ فضیل بن عیاض مرید حضرت خواجہ عبد الواحد بن زید مرید حضرت شیخ حسن بصری مرید ہادی دو عالم حضرت مولانا امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی مرتضیٰ مرید جانشین اور خلیفہ حضرت رسول اکرم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور بابا شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب صاحب کے حالات و ملفوظات رقم فرمائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قلندر صاحب خواجہ قطب صاحب کی مجلس کے حاضر باش تھے جس مقام پر حضور بابا صاحب نے حاضرین مجلس کے اسمائے گرامی تحریر فرمائے ہیں وہاں قلندر صاحب کو اس طرح لکھتے ہیں "کہ دوران وقت برادر شیخ شرف الدین وغیرہ حاضر بودند"

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب قلندر صاحب کو براہِ راست حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روحانی بیعت حاصل تھی تو آپ کو اس اویسیہ فیض کے علاوہ کسی سے ارادت رکھنے کی کیا ضرورت تھی اس لئے آپ اُن کے سوا کسی کے مرید نہ تھے لیکن یہ خیال قلندر صاحب کی ظاہری بیعت کے قطعی منافی نہیں ہو سکتا کیونکہ اویسی اور روحانی فیض ظاہری بیعت کے بعد بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر طالب حق کے لئے دست بدست بیعت حاصل کرنا بھی عادت اللہ اور سنتِ نبوی کے

موافق ضروری ہے اس لئے غالب قیاس یہی ہے کہ آپ ضرور خواجہ قطب صاحب سے نسبت رکھتے تھے صاحب اقتباس الانوار خانوادہ صوفیا کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر از روحانیت حضرت خواجہ قطب الاسلام رح تربیت یافت"

ہم کو اس میں کلام نہیں کہ قلندر صاحب روحانی فیض سے نہیں مستفیض ہوئے بلکہ ضرور ہوئے اور تمام راوی اس پر متفق ہیں کہ آپ کو براہِ راست حضرت امیر المومنین سے روحانی فیض حاصل ہوا خود حضرت خواجہ قطب صاحب کا بیان ہے۔ کہ جب قلندر صاحب نے آپ سے مرید ہونے کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارا معاملہ حضرت علی کرم کے ساتھ ہے لیکن میں تمہیں اپنا مرید کر کے اُن کے سپرد کرتا ہوں چنانچہ آپ نے اپنے ہاتھ پر بیعت کر کے حضرت علی کے سپرد کر دیا۔ خود قلندر صاحب نے حضرت علی علیہ السلام سے استفادہ حاصل کرنے کا اعتراف اپنے رسالہ سلوک میں اس طرح فرمایا ہے:۔

"اے برادر بداں کہ مرا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ علم حقیقت وعلم معرفت وعلم قیل وقال بیاموزانید از روحانیت یافتم اے برادر حاضر وآگاہ باشید کہ حق سبحانہ تعالیٰ از ازل تا ابد آیات خود موجود داشت مرا بہ صحبت حضرت

سلہ نوٹ صفحہ ۲۳ بیعت یا القبور کے جواب میں حضرت خواجہ سید محمد بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی رحمۃ اللہ ـــ اپنے ملفوظات میں بیعت مسنونہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ مسنون طریقہ کے موافق شیخ کے ہاتھ پر بیعت چاہیئے مزارات کی بیعت میں یہ بات قائم نہیں رہتی اس لئے مشائخ عظام ایسی بیعت کو پسند نہیں فرماتے اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت شیخ الشیوخ العالم فرید الحق والدین کے بڑے صاحبزادہ نے خود حضرت قبلۃ الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار مبارک پر دہلی آکر بیعت کی اور حضرت شیخ صاحب (بابا صاحب) کو اس کا حال معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اگرچہ قطب الاسلام میرے خواجہ ہیں مگر یہ بیعت درست نہیں کیونکہ بیعت وہ ہے جو ظاہر شیخ حی وقائم کے ہاتھ پر کیجائے (جس سے مراد یہ ہے کہ پیر عالم اسباب میں زندہ موجود ہونا چاہیئے) (عطاءِ مظہر)
اسی سلسلہ میں حضرت بندہ نواز نے فرمایا کہ جو لوگ حضرت خضر علیہ السلام سے اپنی بیعت منسوب کرتے ہیں وہ بھی بے معنی ہے کیونکہ اس میں شیخ حی وقائم ظاہر کی صورت پیدا نہیں ہوتی (بقیہ صفحہ ۲۵ پر دیکھو)

امیر المومنین حضوری و آگاہی حاصل شد و پردہ حجاب از حقیقت ربانی مرتفع گشت و من با واسطہ حصول وے بر جمیع دقائق از ذات حضرت شاہ مردان مطلع مے گشتم و خود را در ملاقات حضرت محبوب صرف کردم و بذکر حضرت مولا مشتغل باشم و ملول خاطرش نکردم و ایں دولت یافتم"

صاحب شرف المناقب بھی اس اویسیہ فیض کی تائید میں فرماتے ہیں کہ آپ نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی روح مقدس سے تعلیم پائی ہے مگر پہلوؤں اور پچھلوں کے علوم سے حصہ لیا اور فیض اٹھایا۔

القاب

۱۔ بو علی سلطان غیاث الدین محمد بلبن دہلوی کے ہاں اولاد نرینہ نہ ہوتی تھی ہمیشہ لڑکی ہی پیدا ہوتی تھی جو بادشاہ کے غیظ و غضب کی نذر ہو جاتی۔

سوءِ اتفاق سے ایک حرم کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی اس نے بخوف اس کے کہ اگر جہاں پناہ کو خبر ہو گئی تو لڑکی مار ڈالی جائے گی اسے ایک بڑے مٹکے میں بند کر کے فی امان اللہ جنگل میں رکھوا دیا اتفاقاً ایک دھوبی نے جو لپکے چن رہا تھا مٹکے میں اس دڑھوار

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۲۴:۔ پس ان حقائق و ارشاد کی موجودگی میں یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی علیہ السلام سے روحانی اور معنوی فیوضات حاصل کرنے کے بعد یا اس سے پہلے حضور قبلہ عالم پناہ مخدوم شیخ شرف الدین بو علی قلندر نے مسنون طریقہ کے موافق کسی شیخ ظاہری زمانہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو کیونکہ حضرت قلندر صاحب حقائق و معارف کے دریائے بیکراں تھے پھر وہ بھلا اس سنت مروجہ کی خلاف ورزی کیونکر کر سکتے تھے پس ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے بیعت ضرور کی اور واقعات حضرت قطب الاسلام کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، دو سلسلہ اس سے یہ حضرات مراد ہیں: شیخ شہاب الدین عاشق خدا اور سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ   عطاء مظہر

کو دیکھا اور اٹھا کر گھر لے گیا اپنی بیوی کو کہنے لگا مسبب الاسباب نے نیا سبب پیدا کیا کہ ہمیں اولاد دے دی دھوبن نے اس لڑکی کو سگی ماں کی طرح پالا حتی کہ گیارہ برس کی عمر میں وہ لڑکی حسن وجمال میں شہرۂ آفاق ہوگئی چند سال کے بعد اتفاقاً سلطان غیاث الدین بلبن اسی جنگل میں شکار کھیلنے کے لئے آیا دھوبی کے ساتھ اس پری جمال لڑکی کو اُپلے چھپتے دیکھا اور دل ہاتھ سے دے بیٹھا اور بے قراری کے عالم میں دھوبی کو بلا کر پوچھا کہ یہ لڑکی کس کی ہے دھوبی نے عرض کی کہ مجھ غلام کی لڑکی ہے سلطانؒ نے لڑکی کے ساتھ شادی کی خواہش ظاہر کی دھوبی نے پہلے تو انکار کیا۔ آخر بادشاہ کی بیقراری دیکھ کر رضامند ہو گیا۔ اور نکاح کر دیا۔ بادشاہ لڑکی کو حرم سرا میں لے گیا سوائے عالم الغیوب کے اس بھید کو کوئی نہ جانتا تھا کہ حقیقت میں وہی لڑکی ہے جو مٹکے میں بند کر کے جنگل میں رکھ دی گئی تھی

القصہ جب بادشاہ نے اس لڑکی کے ساتھ مجامعت کی خواہش کی تو قدرت الٰہی سے اس پاک دامن کو خون جاری ہوگیا اور ایسے موقعوں پر ہمیشہ ہی ایسا ہوا کرتا۔۔۔۔۔ سلطان کو سخت پریشانی ہوئی اور آخر یہ سربستہ راز ظاہر کر دیا حکیموں اور نجومیوں کو بلا کر اس واقعہ کا سبب پوچھا حکما نے ہرچند علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا نجومیوں نے زائچے کھینچے مگر اصل حقیقت کو معلوم نہ کر سکے آخر سب نے اپنے عجز کا اعتراف کیا جب سلطان کو بالکل مایوسی ہوگئی تو حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عقدہ کشائی کی التماس کرنے لگا قلندر صاحب نے فرمایا کہ غیاث الدین پرسوں جواب ملے گا۔ بادشاہ خوشی خوشی رخصت ہوا اسی دوران میں ایک رات قلندر صاحب روحانی طور پر براہ راست[5] دربار مصطفوی میں سلطان کی مشکل کشائی کے لئے حاضر ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز

---

[5] بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ قلندر صاحب کو خواجہ قطب الدین کے ذریعہ اس سربستہ راز سے آگاہی ہوئی جب کہ آپ مسجد قوۃ الاسلام میں درس وتدریس میں مشغول تھے اور واقعہ کی آگہی کے بعد قلندر صاحب نے آپ سے مرید ہونے کی خواہش ظاہر کی جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ تمہارا معاملہ حضرت علی کے ساتھ ہے اور میں تمہیں اپنا مرید کر کے ان کے سپرد کرتا ہوں چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھ پر بیعت لیکر حضرت علی کے سپرد کر دیا اور مرتضیٰ نے آپکو آغوش میں لیکر فرمایا کہ تو بو علی ہے اس روز سے آپ بو علی مشہور ہوئے۔ ۱۲

ہیں اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام آپ کی دائیں طرف تخت سے کچھ نیچے بیٹھے ہوئے ہیں قلندر صاحب نے سلطان کی مشکل جناب مقدس میں عرض کی حضور نے امیر المومنین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے علی اشرف الدین کی طرف دیکھ کہ اس کی کامیابی کا یہی وقت ہے۔ رہنمائی کرا ور غیبی اسرار اس پر منکشف کر دے امیر المومنین نے حکم کی تعمیل کی اور قلندر صاحب کو ان غیبی رموز اسرار سے مطلع کر کے رشد و ہدایت سے سرافراز فرمایا اور اپنا لعاب[۱] دہن قلندر صاحب کی زبان پر مل دیا اور بوعلی کی کنیت سے مشرف فرما کر رخصت کیا اسی روز سے آپ بوعلی[۲] مشہور ہوئے چنانچہ قلندر صاحب نے اپنے دیوان کی ایک غزل کے مقطع میں اس واقعہ کی صحت کا یوں اقرار کیا ہے:۔

بوعلی لا الکیم و مولا علی بوعلی باشد علی مولائے ما

سلطان بلبن جو بہت بے قرار تھا بستر سے دن علی الصبح اٹھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کا جواب طلب کیا قلندر صاحب نے فرمایا وہ دلہن تیری بیٹی ہے تو اس واقعہ کی تصدیق اپنے فلاں حرم سے کر بادشاہ اپنے حرم سرا میں آیا اور تحقیق کے بعد قلندر

---

[۱] مشہور ہے کہ وہ شخص خوش نصیب ہوتا ہے جسکو حضرت خضر علیہ السلام سے شرف ملاقات و نیاز حاصل ہو کیونکہ اس پر علوم کے دروازے منکشف ہو جاتے ہیں مثلاً خواجہ حافظ شیرازی کو یہ شرف حاصل ہوا مگر روحانی دنیا میں حضرت علی علیہ السلام کا مرتبہ نہایت ہی بلند ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آپکے حق میں فرمایا ہے "انا مدینۃ العلم وعلی بابہا" اسکے علاوہ آپکے روحانی درجات کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سوائے کے جتنے سلاسل ہیں سوا نقشبندیہ سلسلہ کے باقی سب آپ سے مربوط ہیں پس جس شخص کو آپ سے شرف نیاز حاصل ہو اور حضور علیہ الصلوٰۃ اسکی سفارش بھی کریں کہ اسکی رہنمائی کرو تو ایسے شخص کا علوم فقہ اور علوم ادب میں شہرۂ آفاق ہونا بعید از قیاس نہیں ہو سکتا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندر صاحب کو جو علم میں جو دستگاہ حاصل تھی وہ اسی شاہ مشکل کشا کے طفیل تھی خود قلندر صاحب کا ارشاد ہے کہ علوم معرفت و حقیقت قیل و قال کی نعمت حضرت امیر المومنین سے حاصل ہوئی:۔

درس شرف بود از او ای امیدی لوح جمال درست او داد برابر سینہ

[۲] ایسی بیعت کو بیعت اویسیہ کہتے ہیں جس کا سلسلہ حضرت اویس قرنی جو حضرت تابعین سے ہیں شروع ہوتا ہے کہ آپ کو حضور رسول مقبول سے براہ راست فیض روحانی حاصل تھا۔۱۱

صاحب کا ارشاد صحیح نکلا سلطان نے درگاہِ الٰہی میں توبہ و استغفار کی اور کمال ندامت کے ساتھ عفو تقصیرات کے لئے گڑگڑایا اور قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر فرزند کے لئے دعا چاہی حضرت نے بادشاہ کے حق میں دُعا کر کے چار لڑکوں کی بشارت دی اور فرمایا کہ اے سلطان بڑا لڑکا اس فقیر کی خدمت میں پہنچا دینا بادشاہ نے قبول کیا اور رخصت ہوا حسب وعدہ بادشاہ نے اپنے بڑے صاحبزادے شہزادہ مبارک خاں کو قلندر صاحب کی خدمت میں نذر کر دیا یہی مبارک خاں[1] قلندر صاحب کے محبوب ترین مرید تھے اور عصا نے پیری

۲۔ عاشقِ الٰہی

پیچھے لکھا جا چکا ہے کہ عاشقِ الٰہی کا لقب آپ کو ایامِ طفلی میں حضرت شاہ جمال قلندر چرم پوش رحمۃ اللہ علیہ نے عطا فرمایا تھا اُس وقت سے آپ عاشقِ الٰہی مشہور ہو گئے۔

۳۔ فعّال

چونکہ آپ کی عمر شریف کا آخری حصّہ جذب و استغراق اور محویت کا تھا اور آپ کی جلالیت اُس وقت مُسلّم تھی ایک دن بھگوٹی کے جنگل میں آپ یادِ الٰہی میں مصروف تھے کہ دفعتاً ایک برات شور و شغب کرتی ہوئی گذری طبل و ساز کی آواز ذکر خدا میں خارج ہوئی قوتِ جلالی نے جوش مارا اور آناً فاناً سب براتی غائب ہو گئے ادھر دلہن کے گھر میں برات کی آمد آمد کا انتظار ہو رہا تھا جب بہت دیر ہو گئی تو گھر والے بہت پریشان ہوئے اور ایک آدمی کو دریافتِ حال کے لئے دولہا کے گھر بھیجا خبر ملی کہ برات چلی گئی ہوئی ہے یہ سن کر اور بھی تعجب ہوا تین دن اسی جُستجو میں گذر گئے آخر ایک فقیر کے پاس گئے اور استمداد چاہی انہوں نے فرمایا کہ بھاگوٹی کے جنگل میں ایک خدا رسیدہ فقیر بوعلی قلندر نام محوِ عبادت ہے اُس کے پاس جاؤ چنانچہ سب لوگ قلندر صاحب کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہوئے اُس وقت آپ دریا کے پانی سے کھیل رہے تھے جم غفیر کو دیکھ کر بولے کیا ہے! لوگوں نے برات کے غائب ہونے کا واقعہ سنایا اور مدد چاہی آپ نے کہا کہ تین من کی نیاز خدا کے نام پر قبول کرو انشاء اللہ وہ مشکل آسان کر دے گا لوگوں نے قبول

---

[1] آپ کا دوسرا نام مبارز خان ہے اور آپ دولہا میاں کے لقب سے بھی مشہور ہیں ۱۲

کی دلہنٔ برات ظاہر ہوگئی اور تمام لوگ مذعودہ نیاز دے کر ہنسی خوشی برات کے ہمراہ رخصت ہو گئے اکثر معتبر بزرگوں کا بیان ہے کہ اس برات کے واقعہ سے آپ کا نام شرف الدین قتال مشہور ہو گیا واللہ اعلم بالصواب۔

۴۔ بخششیٔ ہند | یہ لقب مشہور ہے جو حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات ثمرۂ دوران نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے عطا ہوا تھا جیسا کہ حضرت خواجہ غریب نواز کو سلطان الہند کا خطاب بارگاہِ رسالت پناہی سے عطا ہوا حضور خواجہ غریب نواز نائبِ رسول اللہ فی الہند ہیں اور قلندر صاحب نائبِ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فی الہند ہیں سہ

خدا نے ہند کی شاہی معین الدین کو بخشی قلندر کو کیا بخشی و لیکن کل کے دفتر کا

سید العارفین میر بیا اللہ دکنی قدس سرہٗ آپ کو امام البدلا اور بخششی اولیا کے القاب سے یاد فرمایا کرتے تھے

۵۔ قلندریہ نعمت | آپ کو قلندریہ نعمت سید نجم الدین غوث الدہر قلندر غزنوی سے عطا ہوئی جو سید نظام الدین غزنوی کے صاحبزادے اور سید خضر رومی قلندر کے خلیفہ تھے جن کی پیدائش ۶۳۷ھ ہجری اور وفات ۲۰ ذی الحجہ ۸۳۷ھ بعمر ۲۰۰ سال ہوئی سید نجم الدین غوث الدہر قلندر نے ظاہری تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت خواجہ محبوب الٰہی کی خدمت اختیار کی حضرت محبوب الٰہی نے ارشاد فرمایا کہ تم ترکستان چلے جاؤ وہاں سید خضر رومی تم کو ملیں گے تمہاری باطنی نعمت ان کے پاس ہے چنانچہ آپ جب روم پہنچے تو ایک دن قلندروں کی جماعت کو سرِ بازار گذرتے ہوئے دیکھا حضرت خواجہ محبوب الٰہی کا بتلایا ہوا حلیہ یاد آگیا یقین کر لیا کہ اس جماعت کے سردار وہی خضر رومی قلندر ہیں قریب جا کر قدم بوس ہوئے سید خضر رومی نے کشفِ باطنی سے معلوم کر کے خود بخود حضرت محبوب الٰہی کی خیریت دریافت فرمائی اور روحانی فیوضات سے سرافراز فرما کر اجازت خلافت بخشی اس کے بعد آپ عرصہ تک سفر کرتے رہے انگلستان اور چین میں بھی گئے پچاس سال تک مکہ شریف میں مقیم رہے روزہ رکھتے اور بیر کے پتوں سے افطار فرماتے آپ نے کم و بیش چالیس سال تک حضرت خدیجہؓ کے مکان میں حاجیوں کو پانی پلایا ہے

آپ نے بیالیس حج کیئے اور کئی حج اکبر بھی نصیب ہوئے مجاہدے ایسے تھے کہ تین سال تک آپ ایک پتھر پر بیٹھے رہے آپ کے سینۂ مبارک سے ہو کی آواز آتی تھی آپ نے دو سو سال کی عمر پا کر چہار شنبہ کے دن ۲۰ ذی الحجہ ۶۳۲ھ میں پہلو پر ہاتھ مار کر حق حق کہتے ہوئے وصال فرمایا صوبۂ مالوہ کے قصبہ "الچہ نوشہرہ گھاٹی اور سلطان محمد غوری کے محل کے قریب آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے قلندر صاحب کو قلندریہ نعمت انہیں سے عطا ہوئی

قلندریہ مشرب

ہزار سرہائے باریک تر ز مو اینجاست ۔۔۔ نہ ہر کہ مو بتراشد قلندری داند

قبل اس کہ ہم قلندریہ سلسلہ کے صوفیوں کا مشرب ان کی طاعت و عبادت جذب و اتباع اور طریق سلوک بیان کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ قلندر کی لغوی و اصطلاحی تحقیق کر دی جائے اور اس سلسلہ کے صوفیوں کے اقوال و اشعار سے استشہاد کر کے دکھا دیا جائے کہ ہر قلندر مشرب صوفی نے اس مبارک و مسعود سلسلہ کے متعلق کیا کچھ کہا ہے اس کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور ہندوستان میں بتدریج کن کن ذرائع سے اس کی ترویج و اشاعت ہوتی رہی گو اس صنف میں قلم اٹھانا ہمارے لئے محالات اور ناممکنات سے ہے مگر جس قدر معلومات ہمیں دستیاب ہو سکی ہیں اور جو کچھ ہماری ذہنی یادداشت میں محفوظ ہے ان کو اس مضمون کے تحت میں لکھ کر ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ابتداء جاننا چاہیئے کہ یہ خانوادہ حضرت شیخ عبد العزیز مکی عبد اللہ علمبردار رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے جو شخص اس خاندان سے نسبت و ارادت رکھتا ہو اسے قلندریہ کہتے ہیں حضرت موصوف جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ صفہ میں سے تھے اور سب سے پہلے حضور علیہ الصلوات والتسلیم ہی نے آپ کو

خطاب قلندری سے ممتاز فرمایا ؎

چونکہ او از مصطفیٰؐ ایں نام یافت　　　　در جہانِ معرفت آرام یافت

حضرت عبد العزیزؒ مکی قلندر بہت معمر شخص تھے اور مست و مجذوب فقیر تھے تذکروں میں اُن کے جذب و استغراق کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ حضور علیہ الصلوات والتسلیم کی معیت میں سفر کر رہے تھے کہ رستے میں استغراق ہوگیا کیفیات باطنی نے دنیا ومافیہا سے بے خبر کردیا چنانچہ اسی وجد و محویت کے عالم میں کم و بیش تیس سال تک ایک ہی مکان میں بیہوش پڑے رہے اور استغراق میں کچھ افاقہ نہ ہوا چنانچہ جب امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب نے غزوۂ صفین یا جمل کے وقت لشکر کشی کی تو آپ طبل و نقارہ اور فوجی گھوڑوں کے پاؤں کی آہٹ پا کر بیدار ہوئے اور پوچھا محمد مصطفیٰؐ کہاں ہیں اور آپ کا لشکر کس طرف ہے حاضرین میں سے کسی نے جواب دیا وہ تو انتقال فرما گئے اور ان کے بعد تین خلفاء کا زمانہ بھی گذر گیا ہے اب رابعہ الخلفاء حضرت علی المرتضیٰ کا زمانہ خلافت ہے اس اثناء میں جب لشکر شاہی قریب آیا تو لوگوں نے حیرت و استعجاب کے لہجہ میں امیر المومنین سے دریافت فرمایا کہ یہ کون شخص ہے آپ نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمبردار اور اصحاب صُفّہ شیخ عبد العزیز قلندر مکی مجذوب فقیر ہیں اسی اثناء میں شیخ عبد العزیز حجرہ سے باہر آئے اور خلیفۂ وقت کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا اور اسلامی لشکر کے دست و بازو بن گئے مولانا عبد القادر جونپوریؒ نے اپنے منظوم رسالہ میں اس کی صراحت کی ہے :-

خواجہ عبد العزیز عبد اللہ　　　　آں علم دار مصطفیٰ زسپاہ

بانبی بود در سفر بوفاق　　　　در مکانے گرفتش استغراق

تا زمانے کہ حیدرِ صفدر　　　　سوئے صفین راند بالشکر

شغب لشکرش بگوشش رسید　　　　بہ افاقت در آمد و بدید

گفت کو مصطفیٰ و لشکرِ او　　　　من فدا و غلام و چاکرِ او

قوم گفتند رفت از دنیا　　　　وز پس او سہ مرد از خلفاء

ایں وصی و بنت شیرِ خدا　　　　ایں علی مرتضیٰ کرم امیرِ ہدا

تا بدولت بآنجناب رسید　　ببینش کرد و خدمتش بگرید

رسالہ غوثیہ میں مذکور ہے کہ شیخ عبد العزیز قلندر مکی ۱۲ ذی الحج کے دن مقام پاک پٹن ضلع ملتان پنجاب میں شہر سے باہر ایک سرداب میں روپوش ہو گئے وہاں ہر سال ۱۲ ر ذی الحج کو عرس ہوتا ہے شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر کا روضہ شہر پاک پٹن کے اندر ہے

حضرت عبد العزیز مکی قلندر کو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت و تلقین اور فیضانِ روحانی کا شرف حاصل ہوا اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ سے بھی حاصل ہوا اس لئے قلندریہ خانوادے کے دو شعبے ہو گئے (۱) قلندریہ مکیہ (۲) قلندریہ علویہ حضرت عبد العزیز مکی کے مشہور خلیفہ سید خضر رومی قلندر ہیں آپ بھی عمر دراز رکھتے تھے اور صاحبِ حال فقیر تھے آپ کا وصال سنہ ۷۵۰ھ میں ہوا آپ کے معتمد خلیفہ سید نجم الدین غوث الدہر قلندر غزنوی تھے ہندوستان میں اسی برگزیدہ ہستی کے ذریعے خانوادہ قلندریہ کی ترویج و اشاعت ہوئی چنانچہ حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر کو قلندریہ نعمت آپ سے ملی

لفظِ قلندر کی لغوی و اصطلاحی تحقیق۔

اب ہم لفظ قلندر کی لغوی و اصطلاحی تحقیق لکھتے ہیں جس سے مرتبہ قلندریت کی حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ سلسلہ تصوف کے دوسرے سلاسل سے کس قدر مشابہ ہے اور کن کن وجوہات کی بنا پر عوام اسے ایک الگ فرقہ تصور کرتے ہیں حالانکہ ہر ایک فرقہ کا منتہائے خیال اور غرض و غائت صرف توحیدِ ربانی ہے وحدت پرستی ہے صرف ہر خاندان میں خدا رسی کے آئین و اطوار اشغال و اذکار اور مراقبہ و مجاہدہ کے طریقے مخصوص ہیں ورنہ مقصد سب کا ایک ہی ہوتا ہے۔

قلندر اصل میں کاف عربی کے ساتھ کلندر ہے بمعنی کندہ و ناتراشیدہ یہ لوگ عموماً ناتراشیدہ اور خستہ حالت میں رہنا پسند کرتے ہیں تاکہ عوام اُن کی ظاہری حالت سے متنفر ہو کر اُن کے اذکار و اشغال اور عبادت میں حارج نہ ہوں جواہر الحروف میں لکھا ہے کہ قلندر در اصل قلندر ہے صاحب جواہرِ قلبی فرماتے ہیں کہ قلندر وہ ہے جو صرف ضروری عبادت (فرائض) کرے باقی وقت ذکر و شغل میں گذارے بخلاف اس کے ملامتیہ فرقہ کے صوفی فرائض کے ساتھ نوافل و سُنن کے بھی پابند ہوتے ہیں مگر چونکہ اپنے حال کو لوگوں کی نظروں سے مخفی

رکھنا چاہتے ہیں اس لئے کوئی ایسی شکل و صورت اختیار کرتے ہیں جس سے کوئی شخص اُن کے رجوع الی اللہ میں حارج نہ ہو صاحب برہان کی رائے ہے کہ "قلندر پرورزن ہمسندر عبادت ارذاتے است کہ از نقوش و اشکال عادتے و آمال بے سعادتے مجرد و باصفا گشتہ باشد و بمرتبۂ روح ترقی کردہ از تکلفات رسمی و تعریفات اسمی خلاص یافتہ و دامن وجود خود را از ہمہ در چیدہ و از ہمہ دست بدل و جان بریدہ و طالب جمال و عاشق ذوالجلال حق گشتہ و بدانحضرت رسیدہ اگر ذرہ بہ کونین و اہل آں میلے داشتہ باشد از اہل غرور است نہ قلندر"۔

رسالہ غوثیہ میں مذکور ہے "القلندر بلسان السریانیۃ اسم من اسماء اللہ تعالے" یعنی قلندر سریانی زبان میں اللہ تعالے کے ناموں میں سے ایک نام ہے خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندی قدس سرہٗ کا قول ہے کہ "قلندری تجرید حقیقت خود است از موانع و دور کردن آنچہ از جانب او است و باقی داشتن آنچہ از جانب حق است سبحانہ تعالیٰ و گم کردن خود را بہ حیثیتے کہ ہر چند خود را بجوید نیابد" مراد یہ کہ جذبات حق میں اس قدر محو در محو ہو جائے کہ اپنی ذہنی ہستی خودی و خود داری کی اصلا خبر نہ رہے اور یہی عین قلندری ہے قلندر صاحب کو یہ نعمت بدرجۂ کمال حاصل تھی چنانچہ غزل ع۲ تمام تر اسی وجد و محویت کا نمونہ ہے مثلاً یہ شعر۔

منم محو جمال او نمی دانم کجا رفتم   شدم غرق وصال او نمیدانم کجا رفتم

سید اشرف جہانگیر سمنانی رح "قلندر" کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ کہ قلندریہ سلسلہ کے سالکین علائق و عوائق روزگار سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ اور تجرید ظاہری و باطنی حاصل کرکے دقائق شریعت کا کوئی دقیقہ اور حقائق طریقت کا کوئی نکتہ فروگذاشت نہیں ہونے دیتے۔ اور معرفت اسمائے الٰہیہ کا جامع و مکمل نمونہ ہوتے ہیں بحر شہود کے غواص ہوتے ہیں۔ اور ہمیشہ دریائے وحدت میں غرق رہتے ہیں۔ شاہ نعمت اللہ رسالہ "قلندریہ" میں اسی مضمون کی تائید فرماتے ہیں۔ کہ "ذکر قلندر حق است کہ از ہمہ عالم مستحق است و دین قلندر دانا کہ او ست بہمہ توانا و دنیائے قلندر تفرید کہ بشارت میدہد توحید و علم قلندر محو و عمل قلندر محو و راہ قلندر عشق است" غرضیکہ اس سلسلہ کے سالکین ہر وقت دریائے یقین میں غرق رہتے ہیں۔ جو کچھ سنتے یا دیکھتے ہیں اسی

سنتے اور دیکھتے ہیں ع:-

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

ان سب اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر قلندر مشرب صوفی اس پر متفق ہے کہ صوفی چوں منتہی شود و بمقصد رسد قلندر گردد" کوئی تخصیص نہیں کسی سلسلہ کا صوفی ہو جب وہ روحانی مدارج کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے تو وہ قلندر ہی ہے مثلاً شمس الدین تبریزیؒ جلال الدین رومیؒ فخرالدین عراقیؒ۔ خواجہ حافظ شیرازیؒ مسعود بک چشتیؒ۔ مخدوم علاؤالدین علی احمد صابرؒ سید شمس الدین ترک پانی پتیؒ۔ سید محمد گیسو دراز گلبرگویؒ خلیفہ شیخ نصیر الدین روشن چراغ دہلوی۔ یہ سب حضرات قلندریت کے مرتبہ پر فائز تھے :-

قلندر پرتو نور الٰہی است — قلندر مطلع انوار شاہی است
قلندر را نباشد کفر و ایمان — قلندر را نباشد علم و ایقان
قلندر را نباشد آرزوئے — قلندر را نباشد تار موئے
قلندر را نباشد ابتدائے — قلندر را نباشد انتہائے
قلندر از ہمہ مذہب بروں است — قلندر را نداند کس کہ چوں است
قلندر را نباشد ہیچ دینے — قلندر را نباشد حرص و کینے
قلندر خرقہ از عشق دوزد — قلندر خرقۂ کونین سوزد
قلندر را علم از عشق باشد — قلندر را قدم از صدق باشد

مشرب یعنی دین و آئین

اس سلسلہ کا دین و آئین اور طریق سلوک نہایت آزادانہ اور بے باکانہ ہوتا ہے درحقیقت یہ لوگ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محترم ارشاد کے مطابق "اللّٰھم ارنا حقائق الاشیاء کما ھی" یعنی اے اللہ ہم کو اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ ہیں دکھا دے" ہر چیز کی حقیقت معلوم کرنے کے طالب ہوتے ہیں الفاظ کو چھوڑ کر معانی کی طرف رجوع کرتے ہیں ظاہری آئین و اطوار اور رسمی علوم سے قطع نظر کر کے جلائے باطنی اور طیبۃ القلب کے دلدادہ ہوتے ہیں اور علم التحقیق کا جامع و مکمل نمونہ ہونے کی وجہ سے عبادات باطنی کے ساتھ شریعت ظاہری کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے البتہ طرالکش

کی پابندی کے علاوہ نوافل و مستحبات ادا نہیں کرتے گو اس سلسلہ کے اکثر سالکین ہر وقت آغوشِ حق کی روح پرور لوریوں میں محو در محو رہتے ہیں اور ان کا مقام استغراق سے بھی بالاتر ہوتا ہے لیکن اپنی جامعیت کی وجہ سے ظاہری طور پر بھی شریعت کو نہیں چھوڑتے ان میں سے بعض حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں جو حدیث پاک "اِسْتَعِیْنُوْا عَلٰی الْحَوَائِجِ بِالْکِتْمَانِ" یعنی اپنی ضرورتوں پر پوشیدگی سے مدد لو" کے تحت میں اپنی ضرورتوں کی وجہ سے اپنے حالات کو مختلف طریقوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں اس لئے یہ حضرات ایسے اصول اختیار کرتے ہیں جس سے کوئی شخص رجوع الی اللہ میں ان کا حارج نہ ہو بلکہ ہر دنیا دار اُن کی ظاہری حرکات و سکنات خراب ہونے کی وجہ سے خود بخود اُن سے نفرت کرتا ہے چونکہ ایسے درویش اپنی نادر محویت کی وجہ سے ہر وقت فانی و باقی ہوتے رہتے ہیں اور یقین کے انتہائی قرب میں پہنچ جاتے ہیں اس لئے اُن پر ظاہری آداب کی پابندی ضروری نہیں رہتی ان کا یہ سلوک اس آیت کے تحت میں ہوتا ہے "وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ" یعنی اپنے رب کی یہاں تک عبادت کرو کہ تم کو یقین کا رتبہ حاصل ہو جائے لطائف قدوسی[1] میں لکھا ہے کہ "فرقۂ قلندریہ را چوں طیبۃ القلب و سرورِ دل و حضورِ حق و مشاہدۂ دوست پدید آمدہ است و سکرِ حال و مستی باطن ایشاں را مالک شدہ است بنا براں ایشاں در قلتِ اعمالِ ظاہری از نوافل و آداب و تناول لذات مباحات بر حقیقت شرع پاک نمی آرند و بہ سرور و حضور باطن خود اکتفا کردہ اند الا فرائض را بے آرند چنانچہ شاہ قمّا قلندر کی نسبت مشہور ہے کہ آپ اکثر جذب و محویت کی حالت میں رہتے تھے لیکن آپ کے دل پر ظاہری شریعت کی پابندی اس قدر قوی ہو چکی تھی کہ آپ ہوش آتے ہی قضا نمازیں ضرور پڑھ لیا کرتے تھے لطائف قدوسی میں یہ بھی مرقوم ہے کہ "ما قلندریہ را دیدہ ایم کہ در ترکِ فرائض ہم باک نہ دارند چنانچہ شاہ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی[2] و خواجہ محمد قلندر را امثالہم و ما خود دیدہ ایم کہ شیخ حسین قلندر سرسری

---

[1] یہ کتاب حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کردہ ہے اور مطبوعہ ہے ۱۲

[2] قلندر صاحب کی نسبت یہ خیال غالباً حالتِ سکر کا ہے جس میں یہ لوگ مجبور سمجھے جاتے ہیں ورنہ آپ فرائض و سنن کے سختی سے پابند تھے اور شریعتِ ظاہری کی بزرگی آپ کے دل پر نہایت قوی تھی ۱۲

پوری مطلقاً ترکِ فرائض داشت باوجود آں کہ او از علمائے فحول بود"

شیخ عبدالقدوس گنگوہی فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ محمد فخرالدین جونپوری سے دریافت کیا کہ شیخ حسین نماز نہیں پڑھتا۔ آپ نے فرمایا بھائی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ شیخ حسین نماز نہیں پڑھتا اس میں راز یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ نے اس سلسلہ کے صوفیوں کو روحی مرتبہ عطا کیا ہے اور انہی قدرت دی ہے کہ وہ ایک وقت معین پر ایک ہی حال میں اپنے آپ کو کئی مقامات[1] پر دکھا سکتے ہیں ممکن ہے وہ ایک مقام پر تارکِ فرائض نظر آئیں لیکن اُسی وقت کسی دوسرے مقام پر ادائے فرائض کر چکے ہوں یا وہ جذب ومستی میں ہوں اور اس محویت اور یک سوئی میں مجبوراً ان سے ادائے فرائض نہ ہو سکے" لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی" تاہم چونکہ یہ لوگ اپنی جامعیت کے لحاظ سے پابندِ شرع ہوتے ہیں اس لئے ہوش آ لینے پر قضا نمازیں ضرور پڑھ لیتے ہیں۔ جیسے حضرت شاہ تجاؔ قلندر کا دستور العمل تھا اس لئے ایسے لوگوں پر ترکِ فرائض کا جرم عائد نہیں ہو سکتا۔

فرقہ قلندریہ اور ملامتیہ میں صرف اتنا فرق ہے کہ ملامتی فرائض کے علاوہ نوافل سنن اور مستحبات کے پابند ہوتے ہیں لیکن قلندریہ حدِ فرائض سے آگے نہیں بڑھتے

چار ابرو کا صفایا

اس عنوان کے تحت میں ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قلندریہ سلسلہ کی صوفیوں میں چار ابرو کا صفایا جو عموماً کیا جاتا ہے کس بنا پر ہے اور سب سے پہلے اس سنت کا بانی کون شخص ہوا در حقیقت وجہ یہ ہے کہ حضرت عبدالعزیز مکیؒ قلندر اس قدر عمر رسیدہ ہو گئے تھے کہ بوجہ پیری و ناتوانی آپ کے جسم کے تمام بال خود بخود گر گئے تھے میر سیدؒ جمال رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے قلندریہ نسبت تھی۔ آپ پیر کی محبت میں اس قدر غرق ہو چکے تھے اور عقیدت واس قدر بڑھ گئی تھی کہ آپ نے صرف باطنی یک رنگی پر اکتفا نہ کیا اور چاہا کہ علاوہ باطنی کے ساتھ اپنی ظاہری شکل شباہت بھی پیر کے ہم رنگ ہونی چاہئے غرضیکہ آپ نے چار ابرو کا صفایا کرایا اور پیر کے ظاہر و باطن سے ہمرنگ

---

[1] اولیاء کے جسم مثالی سے اس کی صحت ہو سکتی ہے

دہم تسکل ہوگئے یہ صرف قلندریہ خاندان کے ایک بزرگ کا حُبّی فعل تھا عوام نے اس کو خاندانی[1] فرائض سمجھ رکھا ہے خواجہ حافظ نے خوب کہا ہے ۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست   نہ ہر کہ مو بتراشد قلندری داند

اتباع اسلام نے اتباع کی تعلیم ضروری اور لابدی قرار دی ہے اور یہی ایک واحد چیز بارگاہِ ایزدی میں باریابی کا وسیلہ ہے اس کی کئی قسمیں ہیں جو ایک مسلّم کلمہ گو پر سب کی سب فرض ہیں جن کی عدم پابندی پر یہ اشرف المخلوق انسان اُن حقیقی راحتوں سے محروم رہ جاتا ہے جو اس کے بدلے میں ملتی ہیں چنانچہ اتباعِ رسولِ مقبول صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی اولیائے کرام وصوفیائے عظام کی طرز و روش پر قدم بقدم چلنا بھی ان اقسام میں داخل ہے بسلسلۂ قلندریہ کے صوفیوں کے اتباع کے متعلق خواجہ محمد پارسا بخاری اپنی کتاب فصل الخطاب میں رقم فرماتے ہیں ۔

"کہ این زندہ دلان بر روش حضرت رسولِ مقبول و بر روش اصحابۂ کرام وتابعین عظام وسلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اند وحسن اقتدار باخبار صدق افتقار بہ آثار لازمہ روش ایشان است وہمچنیں صدق نیت بحضرت واہب جل ذکرہٗ وحسن اعتصام علی الدوام بفضل الٰہی وفیض نامتناہی طریقۂ ایشان است دلہائے ایشان بوجدان محبت الٰہی از محبت دنیا واغراض او اعراض کلی نمودہ ودر صورتِ اعتقاد صحیح حق صریح بر ایشان کشودہ وعنایتِ ازلی بیخ مواد وطریق نزاع وخلاف از دلہائے ایشان برکندہ ودلہائے ایشان را محل نظر رحمت خود گردانیدہ چنانکہ فرمود لَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وبنا برین توفیق رفیق ایشان شدہ تا بنظر رحمت وشفقت در کافۂ خلائق نظر کردند واز عذاب عداوت ومخالفت خلاص یافتند" ۔

[1] قلندر صاحب نے چار ابرو کا صفایا بالکل نہیں کرایا ۔ کیونکہ آپ اس کی حقیقت سے واقف تھے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سنتِ مروجہ سے ہمیشہ اجتناب کرتے رہے ہیں ۱۲ ۔

اتباع کے متعلق خود قلندر صاحب نے اپنے مکتوبات شریف میں یہ وجد انگیز رائے لکھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ سنتِ نبوی کے عاشق تھے اور اصحابہ کرام و سلف صالحین کی طرز روش پر قدم بقدم چلنا اپنی زندگی کا مقصود سمجھتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

اے برادر تنہ شریعت در دست بگیر زیرا کہ تنہ شریعت کالبد است چوں کالبد را از شریعت پاک کنی ظاہر آراستہ باشی و تن را راست کردہ یابی از شرع چوں شریعت استقامت یابد گل طریقت در دل تو شگفد بوئے آں معطّر گرداند تنہ شریعت را چوں بوئے طریقت را شریعت بداند باز حقیقت ازیں شریعت پیدا آید و روح را از نفس جدا نماید چوں از حقیقت نفس ترا طاہر بنماید مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ در آئینہ دل بنماید"۔

اے شرف دو جہاں اگر خواہی ہمہ در بندگی حضرت دوست

جذب و محویت منزلِ عشق میں جذب و محویت مستی اور بیخودی ضروری چیز ہے اس کے بغیر عشق کے دشوار گذار منقامات سے عبور متعذّر ہے عارف لوگوں کے کلام میں جام و شراب کی طلب اور اس کے چرچوں سے یہی مستی مراد ہوتی ہے جو مسافر کے لئے خضرِ راہ کا کام دیتی ہے جس کے بغیر سالک منزلِ مقصود تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا چنانچہ خواجہ حافظ شیرازی بھی رستے کی مشکلات سے خائف ہو کر اَدِرْ کَأْساً وَنَاوِلْہَا کہنے پر مجبور ہوئے قلندریہ سلسلہ کے سالکین جذب و محویت میں اس درجہ بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کی بیخودی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنی نادر محویت کی وجہ سے جذباتِ حق کی لوریوں اور وجدانِ حقیقی کی روح پرور تمناؤں میں ہمیشہ محو و مخمور رہتے ہیں بعض سالکوں کا مقام استغراق سے بھی بالاتر ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عبد العزیز مکی قلندرؒ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ کا ہر استغراق[۱] چالیس سال کا ہوتا تھا

[۱] تذکروں میں لکھا ہے کہ حضرت زکریا ملتانیؒ و فرید الدین گنج شکرؒ کو حضور رسول مقبول نے ارشاد فرمایا کہ تم کو لینے

تذکروں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت قلندر صاحب اپنی جذب و محویت میں یکتائے روزگار تھے آپ بھی کئی کئی سال تک غریقِ حیرت رہے خشکیوں پر ریاضاتِ شاقہ کھینچیں پانیوں میں سالہا سال تک کھڑے رہ کر عبادت کی اور ایک روایت کے مطابق چالیس سال تک آپ نے دائیں بائیں کی طرف اصلا التفات نہیں فرمایا غرضیکہ آپ بھی اپنے سلسلہ کی اس باطنی نعمت سے محروم نہ رہے آپ نے دیوان میں جابجا بیخودی اور جذب و محویت کی طرف اشارہ کیا ہے مختلف تشبیہات سے اپنے استغراق کے سین کھینچے ہیں نقل کرتے ہیں کہ قلندر صاحب کے جذب اور استغراق کا یہ عالم تھا اور مستی اس درجہ غالب تھی کہ آپ کی لبیں خلافِ شریعت بڑھ گئی تھیں لیکن کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے کترنے یا توجہ دلانے پر آمادہ ہو پانی پت کی سالار ہینا چک قوم کے بعض معزز آدمی قاضی ضیاء الدین سنامی المعروف بجلی مفتی کے پاس آئے جو اس وقت شرع کے عالموں کے پیشوا تھے اور مفتیٔ پانی پت اور عرض کی یہ مست درویش راہِ شریعت سے منحرف ہے انہی مفتی نے جو راہِ حقیقت سے غافل اور کیفیاتِ باطنی کا نا اہل تھا ایک محضر لکھا جو بعینہ اردو ترجمہ کی شکل میں درج ذیل ہے۔

ترجمہ محضر نامہ

شرف الدین فاضل و عالم ہے چالیس سال تک دہلی میں درس و تدریس وعظ و نصیحت اور علمی مشاغل میں مصروف رہا اب اپنے وطن پانی پت آیا ہے اور علوم ظاہری کے دروازے بند کر کے عالموں اور فاضلوں کی صحبت سے متنفر ہو کر گوشہ نشین ہو گیا ہے مناعِ شریعت سے تہی دست ہے لہٰذا سزا دینے کے قابل ہے۔

فٹ نوٹ بقیہ صفحہ ۳۸

شکوک میں جو شکوک ہیں ان کو عبد العزیز مکی سے جا کر حل کر لیجئے چنانچہ یہ دونوں حضرات پاک پٹن آئے حضرت کے سرداب کو صاف کیا سرداب شق ہوا اور آپ باہر نکلے اور حسب الحکم آں جناب تمام شکوک حل فرما دیئے پھر آپ نے فرمایا کہ میں اب انشاء اللہ تعالےٰ لئے مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں نکلوں گا خدا کی عبادت میں مشغول ہوتا ہوں سرداب بند کر دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اب تک یہ سرداب پاک پٹن میں موجود ہے اس سرداب میں ایک سوراخ ہے جس سے ہوا اندر جاتی ہے ۱۲

غلام مظہر

جب یہ محضر مکمل ہو گیا تو قاضی نے اُس قوم کے بزرگوں اور معزز سرداروں کی شہادت لے کر محضر نامہ کو بند کیا اور خواجہ ملک علی انصاری کے پاس مُہرِ تصدیق کے لئے بھیجا یہ خواجہ ہرات کے فاضلوں کے پیشوا تھے اور ٹھٹھہ میں مقیم تھے خواجہ موصوف نے محضر کھول کر مطالعہ کیا چونکہ حقیقت شناس تھے رازہائے عرفانی سے آگاہ رہتے تھے اس لئے مضمون پڑھ کر محضر کو چاک کر دیا حاملِ محضر نے قاضی صاحب کو خواجہ ملک علی انصاری کی اس جسارت کا واقعہ سنایا قاضی بہت کڑھا اور خواجہ موصوف کو محکمۂ عدالت میں بلوایا حقیقت شناس خواجہ مسلح ہو کر حاضرِ عدالت ہوئے قاضی پوچھنے لگا کہ آپ نے محضر کو کیوں چاک کر دیا آپ نے جواب دیا کہ یہ درویش مست الست ہے اس آیت کریمہ کے مطابق لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُکَارٰی۔ شرعی احکام کی پابندیوں سے معذور ہے تم لوگ اس کی نظرِ فیض اثر کو نہیں دیکھ سکتے ایسے اہل اللہ بزرگ کو تکلیف دینی کسی مذہب و ملت میں روا نہیں اے مُفتی اگر تجھے اس کے کمالاتِ باطنی اور تصرفاتِ روحانی کا یقین نہیں تو بالفعل اس کی لبوں کے بال کتر ڈال مفتی کے سات لڑکے تھے یکے بعد دیگرے سب کو منقراض ہاتھ میں دے کر قلندر صاحب کے پاس بھیجا مگر رعبِ جلال کہ ساتوں ہی آپ کی نظرِ قہر سے بچ نہ سکے اور جان دے دی اب قاضی خود اٹھا اور منقراض ہاتھ میں لے کر قلندر صاحب کے پاس گیا گو عاشقِ الٰہی حالِ محبوب کے مشاہدہ میں غرق تھے مگر اُس وقت احترامِ شریعت کی وجہ سے سر جھکا دیا مفتی نے آپ کی لبیں کتریں جس کے بعد ہر بال کی جڑ سے خون ٹپکنے لگا پس عاشقِ الٰہی نے کٹے ہوئے بالوں کو بوسہ دے کر فرمایا الحمد للہ کہ یہ بال شریعتِ نبوی کی راہ میں کٹ گئے چونکہ آپ کے بدنِ مبارک کا ایک ایک بال شاغلِ حق تھا۔ اس لئے آپ نے ناراض ہو کر فرمایا ضیاء الدین تیری قبر گدھوں کی چراگاہ ہوگی[ف۱]۔ اور گمشدہ گدھے تیری ہی قبر پر ملا کریں گے

ف۱ اس بد دعا کے جواب میں ضیاء الدین نے کہا تھا۔ کہ آپ کی قبر پر ستوں کا ہجوم رہا کرے گا۔ ہم نے پانی پت پہنچ کر اکثر بزرگوں سے تحقیق کیا معلوم ہوا کہ فی الواقعہ قلندر کی دعا کا اثر ہنوز باقی ہے۔ کہ گمشدہ گدھے ضیاء الدین کی قبر پر ملتے ہیں۔ اور مزارِ قلندر پر ستوں کا ہجوم ہم نے بچشم خود دیکھا

بالآخر مفتی نے منفعل ہو کر نماز پڑھنے کی تاکید کی آپ نے فرمایا ضیاءالدین[1] میں معذور ہوں مجھ جناب الٰہی سے نماز معاف ہو گئی ہے کیونکہ میرا بہت سا وقت استغراق میں گذرتا ہے مفتی نے کہا حضور رسول مقبول کو تو نماز معاف نہیں ہوئی تم کیوں کر مستثنٰی ہو سکتے ہو قلندر صاحب نے فرمایا:۔

"مغضوب الٰہی ادل مادر اختیار ما نیست و ماستان الست نماز مکرو تزویر نمے گزارم"

مفتی در پے اصرار ہوا کہ شرع شریف میں حیلہ بازی جائز نہیں اس اصرار کے استماع پر آپ جوش میں آ گئے اور فرمایا۔

"ضیاءالدین برخیز و بنیاد مرا الدین کمر بند چرمی بہ بند اگر بستہ مانم بداں کہ بر من حدود شرع واجب است واگر نہ معذورم داں"

[1] تذکرہ غوثیہ سے روایت ہے کہ حالت جذب و استغراق میں شیخ احمد معشوق الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اسد ریبہ برآئے ہوئے تھے اور محویت کا یہ عالم تھا کہ آپ سے نماز پنجگانہ بھی ادا نہ ہو سکتی تھی علمائے وقت نے ترک نماز پر یہ فتویٰ لکھا کہ شیخ احمد واجب التعزیر ہے سر لغذہ کے وقت حضرت شیخ نے جواب دیا کہ میں معذور ہوں ہاں اگر تم مجبور کرو تو نماز پڑھ لیتا ہوں مگر اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھوں گا۔ علما نے فرمایا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی آپ نے فرمایا اچھا ساری پڑھوں گا اِلّا اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ نہیں پڑھوں گا علما نے کہا اس آیت کے بغیر سورۂ فاتحہ مکمل نہیں ہوتی۔ جب علما نے آپ کو وضو کرانا شروع کیا تو پانی کے بہت سے شکیزے صرف ہو گئے مگر شیخ کے ہاتھ پاؤں پر پانی جو پڑتا تو خشک ہو جاتا بالآخر علما نے تنگ آ کر شیخ احمد کو پانی میں غوطہ دیا غوطہ دیتا ہی تھا کہ پانی اس حوض کا مثل آگ کے جلنے لگا پر رنگ الٰہی ہے جب وضو ہو چکا تو شیخ احمد نماز میں شریک ہوئے جب امام آیت کریمہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پر پہنچا تو شیخ احمد موصوف کا تمام جسم پھٹ گیا اور بال بال سے خون جاری ہو گیا تھا کہ آپ کی تمام پوشاک بھی آغشتہ بخون ہو گئی شیخ نے نماز توڑ کر فرمایا کہ میں زنِ حائضہ کی مانند ہوں حیض والی عورت کو نماز معاف ہے علما یہ حالت دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ شخص فی الحقیقت معذور ہے آپ کی وفات ۲۷ شعبان ... میں ہوئی مزار آپ کا ملتان میں ہے ۱۲

"قاضی صاحب اس پر بھی آمادہ ہو گئے اور قلندر صاحب کے جسمِ مبارک کو خوب کس کر باندھا مگر وہ جسدِ پاک چونکہ فرشتوں کی سی صفت رکھتا تھا اور لطافتِ ذات کے سبب انوارِ الٰہی سے بدل چکا تھا اس لئے بند اندر (بلکہ کمر بند جوں کا توں قاضی کے ہاتھ میں پکڑا رہ گیا اور قلندر صاحب ویسے کے ویسے آزاد کھڑے رہے آخر جب جلال کے پردے سے نکل کر جمال میں آئے تو فرمایا۔

"اے ضیاء الدین من عاشق شور یدہ سر در عشقِ محبوب مبتلا ہستم بر خیزو نماز بگذار و نیز من در فرائض شریکِ شما مے شوم"

مفتی امام بن کر کھڑا ہوا قرأت شروع کی حضرت بھی نماز میں شریک ہو کر استغراق میں چلے گئے جب مفتی نماز پڑھ چکا تو دیکھا کہ قلندر صاحب رکوع میں سر جھکائے ہی کھڑے ہیں عرض کی اے درویش کیوں کھڑا ہے آپ نے سر اونچا کیا اور کہا "ضیاء الدین۔

اکھیں گھائی گور ووا دے ۔۔۔ ایہہ نماز شرفا نہیں بھاوے

اس پر خواجہ ملک علی انصاری نے عرض کی کہ یہ آپ نے کیا فرمایا قلندر صاحب نے جواب دیا۔

"لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ[1] نماز جائز نہیں ہوتی جب تک دل حاضر نہ ہو"۔

اس حکایت سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندر صاحب کا جذبِ باطنی اس درجہ ترقی پذیر تھا کہ آپ بہت کم ہوش میں آتے تھے چنانچہ آپ کی عمر شریف کی تقسیم حصص سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کی عمر کا آخری حصّہ بالکل جذب و محویت اور استغراق کا تھا اور غالباً یہ سب روایات اسی وقت کی ہیں اس پر بھی ہم کو یہ لکھنے میں کوئی کلام نہیں کہ یہ لوگ شرع شریف کے پابند ہوتے ہیں اور اکثر ہوش آنے پر قضا نمازیں ضرور پڑھ لیا کرتے ہیں دوسرے بارگاہِ الٰہی سے ایسے حضرات کو جسمِ لطیف عطا ہوتا ہے جس سے وہ خود کو ایک وقت میں کئی جگہ دکھا سکتے ہیں

---

[1] یہ اشارہ ہے خواصانِ درگاہِ خداوندی کیطرف ہیں جنکا قلب حضوری حق میں ہر وقت حاضر رہتا ہے عوام کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے کیونکہ عوام میں اکثر کو حضورِ قلب یا میسر نہیں اور نہ جب اس وجہ سے نماز چھوڑ دینگے کہ قلب حاضر نہیں تو پھر نماز کیسی ایسی صورت میں حضورِ قلب کہاں سے آئیگا جب۔

اس لئے ممکن ہے کہ وہ ایک جگہ تارکِ فرائض نظر آئیں لیکن اُسی وقت کسی دوسرے مقام پر فرائض ادا کر چکے ہوں جیسا کہ ہم اس مضمون کی ایک شق میں اس کی صراحت کر چکے ہیں قلندر صاحب اپنے مکتوبات میں ادائے فریضہ کے متعلق عاشقانہ انداز میں فرماتے ہیں۔

"اے برادر عشق دل را سجدہ دائم عاشق نماز عشق در دل گذارد
و از عشق سجدہ پیش معشوق بیارد و اورا دائما در دل حضور دارد و فرض حق تعالے و
سنت رسول بجا آرد و بردن خود بے نماز دارد خلق گوید کہ این نماز نمی گذارد"

ونیز حکایت مندرجہ بالا سے ثابت ہو سکتا ہے کہ باوجود اس قدر معذوری کے جب آپ ہوش میں آئے تو بلا حجت پیش کئے الیاس اور قاضی ضیاء الدین کی اقتدا میں شریک نماز ہو گئے گو اپنی معذوری کی وجہ سے مشاہدہ جمال دوست میں غرق ہو گئے اور نماز تمام نہ کر سکے اس لئے یہ کہنے میں ہم کو تامل نہیں کہ آپ کو شریعتِ مصطفوی کا احترام اور لحاظ بدرجہ غائت تھا الا معذور تھے اور کیوں نہ ہوتا جب کہ بجز متابعتِ نبوی کسی کو بارگاہِ الٰہی میں بار نہیں ملتا۔

مزن بے رضائے محمدؐ نفس   رہ رستگاری ہمیں است و بس

مسندِ خلافت

جس طرح حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے منصبِ رسالت کے عطا ہونے پر عبادتِ الٰہی میں زیادہ انہماک شروع کیا بعینہٖ اسی طرح حضرت قلندر صاحب نے بھی اتباعِ نبوی خدادانی خداطلبی خداجوئی اور عرفانِ یزدانی کے لئے ریاضت ہائے شاقہ اور جلائے روح و تربیتِ نفس کے لئے بے انتہا مجاہدات شروع کئے آپ کے بعض حالات پڑھ کر انسان کا زہرہ پانی پانی ہو جاتا ہے کہ کس طرح اس کامل انسان نے عرفانی دنیا میں اتنا

بقیہ صفحہ ۴۲ کہ جس چیز سے حضورِ قلب جاتا رہے چھوڑ دیجائے البتہ کوشش کرنی چاہئے کہ حضورِ قلب ہو اور نماز میں الصلوٰۃ معراج المومنین کا نقشہ حاصل ہو

بلند درجہ حاصل کیا

مجاہدات

مجاہدے کے لغوی معنی رنج و مشقت اور کوشش کے ہیں کہ اپنے نافرمان نفس کے ساتھ جہاد کرکے اس کو مغلوب کرکے وصول الی اللہ کا مرتبہ حاصل کیا جائے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جہاد کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے

"رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر"

بقائے اسلام کے لئے کفار و مشرکین کے ساتھ جنگ کرنا جہادِ اصغر ہے لیکن اپنے نفسِ امارہ کے ساتھ جنگ کرنا جہادِ اکبر کہلاتا ہے اور اس کا مرتبہ کہیں اس سے زیادہ بلند ہے قلندر صاحب نے جس قسم کے مجاہدات کئے وہ عرفانی دنیا پر اظہر من الشمس ہیں کہ آپ نے علوم ظاہری اور رسمی کو دل سے بھلا کر جنگل کی راہ لی دن رات مستغرق بحق رہنے لگے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بارہ سال[1] پانی میں کھڑے ہو کر عبادت کی نفس کو مغلوب کیا حتٰی کہ آبی جانور پنڈلیوں کا گوشت تک کھا گئے لیکن آپ کی وجدانی کیفیتوں میں سرِ مو فرق نہ آیا آپ نے چالیس سال تک آب و دانہ کی طرف اصلا التفات نہیں کیا آپ کو وصول کا وہ مرتبہ حاصل تھا کہ جو کوئی آپ کے پاس سے گذرتا اگر اس کو جمالی نگاہ سے دیکھتے تو وہ ولی کامل ہو جاتا مگر جلالی نگاہ اس قدر تیز تھی کہ جسے بھی بنظرِ جلال دیکھا خاکستر کر دیا مغلوب بیت نفس آپ کا شعار تھا آپ کو ایک رات سردیوں کے موسم میں ستّر دفعہ نہانے کی حاجت ہوئی آپ نے ستّر دفعہ[2] غسل فرمایا اور بھی کئی راتیں اسی طرح گذریں ایک سردی کی کثرت دوسرے پانی کی ٹھنڈ

---

[1] حضرت غوث علی صاحب قلندر پانی پتی سے کسی نے دریافت کیا کہ حضور قبلۂ عالم پناہ بارہ سال تک پانی میں کیوں کر کھڑے رہے آپ نے جواب دیا کہ جس تجلّی نے حضور قبلۂ عالم پناہ پر ظہور کیا تھا اگر مجھ پر کرے تو میں بارہ ہزار سال تک پانی میں کھڑا رہوں اے نادان مشاہدۂ حق ذات بھی کہیں اٹھنے دیتا ہے۔

[2] حضرت بایزید بسطامی کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ کو بھی ایک رات سخت سردیوں کے موسم میں کئی دفعہ نہانے کی حاجت ہوئی اور آپ نے ہر بار برف توڑ کر غسل کیا آپ کا اپنا بیان ہے کہ میں ہر دفعہ غسل کے بعد کثرت سردی کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتا اور گدڑی بھگو کر اوڑھ لیتا تاکہ پھر غفلت نہ ہو ۱۲

عطا مظہر

یہاں تک کہ آپ کا جسم پھٹ گیا ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اے شرف الدین اب تو معذور ہے خدا اور رسول خدا کی بارگاہ سے نماز[1] تجھے معاف ہو گئی غرضیکہ آپ نے بڑے مجاہدے کئے لڑکے اکثر آپ کو پتھر مارا کرتے تھے لیکن سبحان اللہ آپ اپنی زبانِ مبارک سے فرماتے کہ ساتویں آسمان پر فرشتے تو میری عزت کرتے ہیں اور فرما بجا لاتے ہیں مگر یہ لڑکے بوجہ نادانی اور لافہمی کے پتھر مارتے ہیں آپ پانچویں آسمان کے حاضر باش تھے اور ہمیشہ مشاہدہ میں رہتے تھے۔

صاحب شرف المناقب نے لکھا ہے کہ جب حضرت رسالت پناہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم معراج کی رات کو فردوسِ اعلےٰ کی بلندی پر گذر رہے تھے وہاں دیکھا کہ سرخ رنگ کا ایک مست ہاتھی ناچ رہا ہے آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ خداوند کریم کا یہ کیا بھید ہے جبرائیل نے جواب دیا یا محمد صلعم یہ مست ہاتھی شرف الدین بوعلی قلندر عاشق الٰہی ہے اور آپ کی اُمّت کے گروہ عشاق میں ایک عاشق ہے۔ حضرت نے خوش ہو کر درگاہ الٰہی میں شکریہ ادا کیا اور فرمایا الحمد للہ کہ میری امت میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں اس حکایت سے قلندر صاحب کی عظمت کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ الست ہی سے مست اور وجدانی کیفیات میں غرق تھے جب آپ ذکر و شغل میں مصروف ہوتے تو آپ کے ہر بال کی جڑ سے پسینہ جاری ہو جاتا اور جو بوند زمین پر گرتی اُس سے ہو کا نقش پیدا ہوتا کثرتِ استغراق کی وجہ سے دونوں جہان کا نقشہ آپ کی نظروں کے سامنے رہتا تھا آپ کو بھی اُسی مشرب کا پیالہ عطا ہوا تھا جو جنیدؒ و بایزیدؒ کو ملا۔

باطنی تصرف اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ جنگلی جانور آپ کی خدمت میں آتے اور یا عاشق

---

[1] لطیفہ۔ نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی اپنے ایک شاگرد کے کلام پر اصلاح دیتے ہوئے خط میں لکھتے ہیں کہ بوعلی قلندر کو بوجہ کبر سنی خدا نے فرض اور پیغمبر نے سنت معاف کر دی تھی لہذا احباب بھی مجھے اصلاح اشعار سے معاف رکھیں (نکاتِ غالب مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)۔

عطا و مظہر۔

خدا کہ کر ذبح ہونے کی التماس کرتے مگر چونکہ آپ عالم با عمل تھے شفیق تھے دل آزاری کو بدترین گناہ خیال کرتے تھے اس لئے قبول نہ فرماتے اور نرمی سے جواب دے دیتے۔

مباش در پئے آزار ہرچہ خواہی کن
کہ در طریقت ما غیر ازیں گناہے نیست

نقل کرتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین عاشق خدا و دیگر اولیائے کرام حضرت قطب الاولیا کی خدمت میں حاضر تھے اور خدا کی طاعت و عبادت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی حضرت قطب صاحب نے فرمایا کہ یادِ الٰہی اس طرح کرنی چاہیئے جیسے قلندر عاشق الٰہی پانی پتی کرتے ہیں اے بھائیو شرف الدین قلندر نے ایام شباب میں ایسی عبادت کی اور ایسے ایسے مجاہدے کئے ہیں کہ میں نے آج تک کسی کو اس قسم کی عبادت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جب شیخ شہاب الدین نے قطب صاحب کی زبان مبارک سے اتنی تعریف سنی تو قلندر عاشق الٰہی کی زیارت کا شوق پیدا ہوا انجام کار ایک دن شیخ موصوف قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت درس و تدریس میں مشغول تھے جب فارغ ہوئے تو عرصہ تک آپس میں راز و نیاز کی گفتگو ہوتی رہی فراغت کے بعد شیخ واپس اپنے مکان چلے آئے آپ کا معمول تھا کہ دوسرے تیسرے دن ضرور حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور راز و نیاز کی باتیں اور مسائل ادب پر عالمانہ گفتگو کرتے اتفاقاً ایک دن قلندر صاحب علمی مشاغل سے فارغ ہو کر عبادتِ الٰہی کے لیے جنگل جانے کو تیار تھے کہ عین اس وقت شیخ بھی آپہنچے مصافحہ کے بعد قلندر صاحب نے فرمایا کہ مجھے خدا کی عبادت کا زیادہ شوق ہے اور وہ بغیر تخلیہ اور خلوت کے پورا نہیں ہو سکتا اس لیے آج وزیرآباد[1] کے جنگلوں میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں شیخ نے آپ کی معیت کی خواہش کی آپ نے فرمایا تمہیں اختیار ہے چلو اتنی بات کہہ کر قلندر صاحب تو چلے لیکن شیخ کچھ عرصہ وہیں پڑے رہے جب ایک پہر رات گذر گئی تو شیخ بھی

---

[1] دریائے جمنا کے کنارے ایک گاؤں کا نام ہے جہاں آج کل نئی دہلی کے سلسلہ میں ہنگالی کوارٹر کے نام سے ایک عمارت مشہور ہے وہاں آج تک ایک مسجد کے اندر حضور کی مخصوص چلہ گاہ بھی ہے یہ وہ وزیرآباد ہے جس کے متعلق دہلی میں مثل زبان زدِ خاص و عام ہے "دس دلّی نو بادلی قلعہ وزیرآباد"

وزیرآباد کی طرف روانہ ہوئے آدھی رات کا وقت تھا کہ قلندر صاحب کی ریاضت گاہ پر پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نورانی برج انبارِ آتش کی طرح زمین سے آسمان تک ستون کی مانند کھڑا ہے اور اُس برج کے ہر پہلو سے اسمِ ذات کی آواز آتی ہے قلندر صاحب کی عبادت کا عجیب منظر دیکھ کر شیخ ششدر رہ گئے قریب گئے کیا دیکھتے ہیں کہ قلندر صاحب اُلٹے کھڑے ہیں اور آپ کا سرِ مبارک ایک "کلے" کی نوک پر لٹکا ہوا ہے اور پاؤں آسمان کی طرف کیے یادِ خدا میں اس قدر محو و مستغرق ہیں کہ اپنی بھی خبر نہیں اور بال بال کی جڑ سے خون کے قطرے جاری ہیں جب شیخ نے اس خون کو دیکھا تو معلوم کیا یہ وہی نور ہے جو پھلجھڑی کی طرح زمین سے آسمان تک ضوپاشی کر رہا ہے حسبِ معمول قلندر صاحب ذکر و شغل سے فارغ ہو کر اپنی اصلی حالت پر آئے اور شیخ کو اپنے پاس بٹھا کر عرصے تک گفتگو کرتے رہے سلسلہ کلام کے خاتمے پر قلندر صاحب اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے اور شیخ نے دہلی کی راہ لی۔

اب جو بے خبر لوگ قلندر صاحب کی بیعت کو شیخ شہاب الدین عاشق خدا سے منسوب کرتے ہیں وہ اس میں مبتلا ہیں کہ ان واقعات کے ہوتے ہوئے شیخ صاحب سے قلندر صاحب کی بیعت قرینِ قیاس ہو سکتی ہے جب کہ شیخ بذاتِ خود قلندر صاحب کے مجاہدات اور ریاضات کے گرویدہ تھے اور خلوت و جلوت میں ان کا طریق عبادت دیکھنے کے اس قدر مشتاق تھے کہ اکثر اوقات دہلی سے وزیرآباد تک اسی مقصد کے لئے پاپیادہ سفر کرتے تھے اور فیوضاتِ روحانی سے فیض یاب ہو کر واپس جاتے۔ ہم شیخ صاحب کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ بھی اہل اللہ بزرگ تھے پے در پے تصرفوں کے ظہور تھے مگر آپ سے قلندر صاحب کا بیعت ہونا خلافِ قیاس ہے البتہ فیض پہنچانا اور فیض حاصل کرنا کچھ اور بات ہے اس سے ہمیں انکار نہیں کیونکہ بزرگوں میں ان باطنی نعمتوں کی تقسیم کا طریقہ مروج ہے اور احسن قرار دیا گیا ہے۔

آپ کی ریاضات اور مجاہدات کے ثمرات

آپ نے اپنی عمر میں جس قدر مجاہدات کئے اُن کا ثمرہ یہ ہے کہ دنیا میں آپ کا نامِ نامی و اسمِ گرامی آفتاب و ماہتاب سے زیادہ روشن ہے وقت کے بڑے بڑے کامل و مکمل بزرگ

آپ کی ارادت کو فخر سمجھتے تھے انہی ریاضات کا صلہ تھا کہ حق تعالےٰ نے آپ کو متاع دنیاوی سے بے نیاز کر کے اس قدر عالی حوصلہ بنا دیا تھا کہ متاع دنیاوی کی قدر و قیمت آپ کی نظروں میں بالکل نہ تھی باوجودیکہ شاہانِ وقت آپ کی عتبہ بوسی اور نعلین برداری کو سعادت دارین تصور کرتے تھے مگر آپ کو اپنے محبوب سے اس قدر گہرا تعلق تھا کہ آپ کی نظر دنیا کی کسی چیز پر جھکی اور جو مقصود آپ نے اپنی زندگی کا قرار دیا تھا عمر بھر اس میں سرمو فرق نہ آیا اور سب سے بڑا ثمرہ جو اس نفس کشی اور ریاضت سے حاصل ہوگا وہ تقدر دیدار محبوب ہے جو افضل از نعمائے جنت ہوگا قلندری مجاہدات اور ریاضات کے ثمرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ اولیائے حق میں ایسا درجہ رکھتے تھے جیسے ستاروں میں ماہتاب۔

کسی نے حضرت غوث علی صاحب قلندر رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ قلندر صاحب اور مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر رحمتہ اللہ علیہ کس کس حال میں تھے آپ نے فرمایا کہ مخدوم صاحب تو سیرِ جہاں میں تھے لیکن قلندر سیرِ جان میں ۔ یہ دونوں حضرات ہر وقت دریائے حیرت میں مستغرق رہتے تھے۔

عارف کامل مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ قلندریہ مقام کی نسبت یہ وجد انگیز رائے رکھتے ہیں کہ اہلِ وصول کے دو گروہ ہیں اوّل مشائخ صوفیا جنہوں نے حضور رسولِ مقبولؐ کی فرمانبرداری کی وجہ سے مرتبۂ وصول حاصل کیا اور بطریقِ متابعت خلق خدا کی ہدایت رہنمائی کے لئے مقرر ہوئے یہ وہ فرقہ کاملان ہے جو ہر وقت بحرِ توحید میں مستغرق ہو کر تفرقۂ فناہ سے ساحلِ بقا پر پہنچا تاکہ خلق کی رہبری کرے دوسرا گروہ وصول کو بدرجۂ کمال حاصل کر کے بحرِ جمع میں ایسا فنا فی اللہ ہوا کہ اُن کا نشان ہی نہیں ملتا ولایت کے پورے طور پر حاصل ہونے کے بعد اوروں کی تکمیل اُن کے سپرد نہ ہوئی یہ لوگ زمرۂ سالکان قباب عیرت اور متوطنانِ دریائے حیرت میں شمار کئے جاتے ہیں قلندر صاحب اس دوسرے گروہ میں سے تھے اس گروہ کے بھی تین درجے ہیں ادنیٰ۔ اوسط۔ اور اعلیٰ قلندر صاحب درجۂ اعلیٰ پر فائز تھے مجاہدہ مکاشفہ اور مشاہدہ میں اپنے معاصرین سے بڑھے ہوئے تھے سب سے زیادہ علو مرتبت کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو براہِ راست امیر المومنینؓ سے شرفِ نیاز حاصل تھا جو بہت کم

لوگوں کو نصیب ہوا ہے پس ایسے ریاضات اور مجاہدات عجیبہ کا ثمرہ ایسا ہی مترتب ہونا چاہئے تھا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

شاہانِ وقت اور قلندر صاحب

قلندر صاحب کی سرشت میں آزادی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جو ہر انسان کا طرۂ امتیاز ہونی چاہئے کہ وہ آزاد رہے اور آزادی سے وقت گزارے آپ بڑے بڑے سرکشوں اور سربلندوں کو آوازۂ حق کھرے کھرے لفظوں میں سُنا دیتے تھے دُنیا کے اُن تعلقات سے جن کو روح فرسا کہتے ہیں قلندر صاحب نے اپنا دامن بالکل قطع کیا ہوا تھا تاہم وہ دُنیا کے تارک نہ تھے بلکہ برخلاف اس کے اعلیٰ درجہ کے ہر دل عزیز بزرگ اور انسانیت کا مکمل نمونہ تھے صوفیائے کرام کی مجالس کی شمع اور بزم ادب کی زینت تھے تمام اولیاء اللہ آپ کی تعظیم و تکریم پر متفق ہیں اور آپ کو اپنے وقت کا پیشوائے اعظم مانتے ہیں ہم آپ کے گزشتہ حالات میں لکھ چکے ہیں کہ آپ کی عمر کا پہلا دور دربارِ شاہی سے متعلق تھا جب کہ آپ مفتی کے ممتاز ترین عہدے پر فائز تھے اور درس و تدریس کا شغل رکھتے تھے لیکن آپ کی حیثیت اور قدر و منزلت محض درباری شعراء کی طرح نہ تھی بلکہ آپ عالمانہ حیثیت سے مجالسِ شاہی میں جلوہ گر ہوتے تھے اور علمی حلقوں میں شمعِ انجمن سمجھے جاتے تھے آپ کا زمانہ وہ مبارک زمانہ تھا جب کہ علم و فضل کا آفتاب اپنی ضیا بار ہی سے ایک عالم کو منور کر رہا تھا بڑے بڑے اکابر اولیاء اور صوفی شعراء آپ کے ہمعصر تھے لیکن قدرت نے آپ کو متاعِ دنیا سے بے نیاز کر کے ایسا مستغنی المزاج بنا دیا تھا کہ باوجود قادر الکلام شاعر ہونے کے آپ نے دیگر شعراء کی طرح کبھی کسی سے صلہ یا انعام کی توقع نہ رکھی کسی بادشاہ کی خدمت میں قصیدہ لکھ کر پیش نہیں کیا اور نہ کسی سے صلہ کی تمنا رکھی صرف دو ایک قصیدے سلطان غیاث الدین محمد بلبن کے حالات میں لکھے ہیں جن میں اُس کی سلطنت کے نظم و نسق کی تعریف کی گئی ہے یہ قصیدے بھی صلہ و انعام کی توقع پر نہیں لکھے گئے کیونکہ

سلطان موصوف سے آپ کے تعلقات مخلصانہ اور برادرانہ تھے۔

آپ نے ارشادِ خداوندی و سنتِ نبوی و سنتِ پیرانِ طریقت کے موافق اپنی معاش آپ پیدا کی۔ ملازمت بھی کی مدرس اعلیٰ بھی رہے مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے اور ایک کامل انسان کی طرح اپنی زندگی گذاری آپ کے استغنا کا یہ ایک بدیہی ثبوت ہے کہ آپ نے مختلف بادشاہوں کے زمانے دیکھے لیکن اپنے دامن کو ذلتِ سوال سے کبھی آلودہ نہ کیا حالانکہ آپ کے پیش رو آپ کے طریقہ کے برخلاف مدحیہ قصائد سے اپنی معاش پیدا کرنے کے عادی تھے۔ نذر و نیاز تحائف و ہدایہ آپ کے دربار میں بھی آتے تھے مگر آپ کے دل میں ان کی محبت بالکل نہ تھی وہ مستحقین کی نذر ہوتے تھے اور جس گردن کو خدا نے بلند پیدا کیا وہ سوائے رب العالمین کے دنیا کے کسی دروازے پر نہ جھکی اس عنوان کے تحت میں ہم یہ دکھائیں گے کہ شاہانِ وقت کی نظروں میں آپ کی کیا وقعت تھی اور ان کے ساتھ آپ کا سلوک اور برتاؤ کیسا تھا۔

غیاث الدین بلبن

خاندانِ غلاماں کا بادشاہ تھا ناصر الدین کے عہد میں مرتبہ وزارت پر فائز تھا جب ناصر الدین نے انتقال کیا اس کی رحلت کے بعد ۶۶۶ھ میں تختِ سلطنت پر قابض ہو گیا بڑا بہادر متین اور بارعب شخص تھا سوانح عمری میں ہم لکھ آئے ہیں کہ اس کے گھر نرینہ اولاد نہ ہوتی تھی مجبور ہو کر قلندر صاحب کی طرف رجوع کیا اور اولاد کے لئے دعا چاہی قلندر صاحب کی دعا سے خدا تعالیٰ نے اسے چار لڑکے عنایت فرمائے چنانچہ بڑے صاحبزادے مبارز خان قلندر صاحب کے محبوب ترین مرید تھے قلندر صاحب سے اس کی عقیدت اور محبت اس قدر تھی کہ اکثر اوقات حضوری میں شرف نیاز حاصل کرتا تھا اور ساری عمر قلندر صاحب کی غلامی کا دم بھرتا رہا یہ قلندر صاحب ہی کی دعا کا اثر تھا کہ دہلی کے گرد و نواح کے تمام راجپوت حاکم اس کے جاہ و جلال سے خوف کھاتے تھے اور اس کی ہیبت و سطوت کا نقارہ وسط ایشیا تک بجتا تھا علماء اور شعرا کا قدردان تھا شعر و شاعری سے قدرتی طور پر لگاؤ رکھتا تھا شاہی دربار میں اکثر مشاعرے ہوا کرتے تھے جن سے اس کو خاص دلچسپی تھی کہتے ہیں کہ سلطان الشعراء حضرت امیر

خسرو دہلوی اس کے دربار کے حاضر باش تھے ایک دفعہ ایک رباعی لکھ کر قلندر صاحب کی خدمت میں بھیجی اور جواب طلب فرمایا وہ رباعی یہ ہے۔

کہ راست کند صورتے مرد بے دُنے — کہ بشکند این جسم و جانے و تنے
کس نیست کہ استادِ قضا را پرسد — کز بہر چہ سازی و چرا مے شکنے

قلندر صاحب نے رباعی پڑھی اور جواب میں لکھا۔

سرِ طشت کہ در امر خدا دم نہ زنے — این گو ہستی کہ نہ مردے نہ زنے
گل را چہ مجال است کہ گوید بکلال — کز بہر چہ سازی و چرا مے شکنے

علاوہ اس کے کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا غیاث الدین قلندر صاحب کے روحانی تصرفات اور باطنی مکشوفات کا گرویدہ ہوچکا تھا اور قلندر صاحب بھی اُسے اپنے عزیز اور محرمِ راز تصوّر کرتے تھے چنانچہ آپ نے اُس کی مدح و ثنا اور نظم و نسقِ سلطنت میں دو قصیدے بھی تحریر فرمائے ہیں نمونۃً چند اشعار درج ذیل ہیں۔

شہِ اعظم غیاث الدین کہ از دانش مشرف شد — یکے بخت و یکے تخت و یکے خاتم یکے افسر
بعزم و جزم و کرّ و فر و ہیبت بے سر اندیشاں — یکے بہمن یکے کسریٰ یکے دارا یکے نوذر
چو او شاہے در عالم در نیاید از عدم بیشک — یکے عادل یکے باذل یکے ضابط یکے داور
زہی شاہیکہ در علم و حیا و عدل و بذل ہستی — یکے بکر و یکے عمر و یکے عثماں یکے حیدر
توئی شاہا درین عالم بہ رزم و بزم و در سخا دل — یکے حاتم یکے رستم یکے خاقاں یکے سرور
زعون تو شدہ شایع زخیر تو شدہ قائم — یکے خطبہ یکے سکّہ یکے مسجد یکے منبر

کہتے ہیں ایک دفعہ سلطان تغلق قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے دیکھ کر فرمایا کہ سلطان یہاں کتنے دن رہیگا عرض کی حضور چار دن آپ نے فرمایا نہیں چار برس یہ کہہ کر آپ مسکرائے سلطان اپنی فہم و فراست سے پہچان گیا کہ اب اپنی عمر چار برس سے زیادہ نہیں جب سلطان چار دن حضوری میں رہ کر دہلی اپنے پایہ تخت میں آیا تو شاہی خزائن کے دروازے کھول کر جود و سخا کا بازار گرم کر دیا اور حسب بشارت چار برس کے بعد جان بحق تسلیم ہوا اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندر صاحب کی نظرِ مبارک ہر وقت لوحِ

محفوظ رہے کے قیبی نوشتوں پر مبنی تھی جبھی تو آپ نے سلطان کی وفات کا وقت کنایۃً و اشارۃً بتلا دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے خلق خدا کے ساتھ نیکی کی اور جود و سخا سے غربا و مساکین کو مالا مال کر دیا اور نیکیاں اپنے نامۂ اعمال میں لکھوا گیا یہ بھی قلندر صاحب کا روحانی اور باطنی فیض تھا۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں　　　گفتہ آید در حدیث دیگراں

علاؤالدین خلجی ۱۲۹۵ء میں اپنے حقیقی چچا جلال الدین کے بعد تخت نشین ہوا مورخین لکھتے ہیں کہ علاؤالدین اوائل عمر میں بڑا بے رحم اور ضدی تھا آوارہ مزاج اور شراب بکثرت پیتا تھا ان دنوں قلندر صاحب مسندِ خلافت پر متمکن تھے کہ یک لخت اس کی طبیعت میں ایک نمایاں انقلاب پیدا ہو گیا مورخین کا بیان ہے کہ وہ قلندر صاحب کے تصرفاتِ باطنی اور مکشوفاتِ روحانی کا نتیجہ تھا چنانچہ ایک شب کسی پیر مرد نے علاؤالدین کو خواب میں کہا:-

"علاؤالدین خلجی مکرّر داند کہ با بندگانِ خدا نیکو کند و از جمیع ممنوعات خود اجتناب نماید دیگراں را بہ احکامِ سخت ازیں افعالِ قبیحہ باز دارد"

وہ بزرگ قلندر صاحب تھے اس زجر و تنبیہ سے علاؤالدین کی کایا پلٹ گئی نظامِ سلطنت کو از سر نو ترتیب دیا شراب کی تمام دکانیں بند کرا دیں شراب خواروں کے لئے سخت سزائیں مقرر کیں اور خود بھی شراب پینا چھوڑ دیا اور شراب کے تمام برتن توڑ دیے قلندر صاحب آوازۂ حق سنانے میں بڑے بیباک تھے اس لئے علاؤالدین کو مفید پند و نصائح سے اہل تصوف کا حلقہ بگوش بنا دیا اور قلندر صاحب سے اس کی محبت اور ارادت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اکثر تحائف و ہدایا آپ کے پاس بھیجتا رہا۔

ایک دفعہ کچھ نذر اور تحائف آپ کی خدمت میں بھیجنے کا ارادہ کیا قلندر صاحب کے جاہ و جلال اور ہیبت و سطوت کا یہ عالم تھا کہ کسی کی طاقت نہ ہوئی کہ حضرت کے روبرو جا کر کلام کرے علاؤالدین باوجود بادشاہ وقت ہونے کے آپ کے جاہ و جلال اور تصرف باطنی سے دامن کترتا تھا۔ آخر تجویز یہ ہوئی کہ حضرت امیر خسرو کو روانہ کیا جائے جو اس وقت بادشاہ

کے خاص مُقرّب ملازمین سے تھے چنانچہ حضرت محبوب الٰہی کے فرمان کے بموجب امیر خسرو تحائف و ہدایہ لے کر پانی پت کی طرف روانہ ہوئے تین دن کی مسلسل مسافت کے بعد پانی پت پہنچے اور درِ اقدس پر حاضر ہوئے خادموں نے قلندر صاحب کو امیر کی آمد کی خبر کی آپ نے فرمایا اندر آنے دو حضرت امیر حاضر خدمت ہو کر آداب بجا لائے اور عرض کی یا عاشقِ الٰہی سلطانِ وقت کے تحائف لے کر آیا ہوں قبول فرمایئے قلندر صاحب کا استغنا اس قدر بڑھا ہوا تھا اور طبیعت متاعِ دنیا سے اس قدر لاابالی تھی کہ آپ نے فرمایا خسرو مجھے چالیس برس ہوئے کہ میں اپنے تئیں نہیں جانتا اور نہ دنیا اور دنیا کے کاروبار سے محبت ہے یہ چیزیں میرے کس کام آئیں گی اپنے کلام سے کچھ سُناؤ اُس وقت امیر خسرو نے یہ غزل شروع کی

ایکہ گوئی ہیچ مشکل چوں فراقِ یار نیست   گر امیدِ وصل باشد ہمچناں دشوار نیست

عاشقاں را در جہاں یکساں نباشد روزگار   زانکہ ایں انگشتہا بر دستِ من ہموار نیست

قلندر صاحب غزل سن کر بہت خوش ہوئے[1] اور دعا دی خسرو خوش رہے گا اور خوش جائے گا پھر اپنی یہ غزل پڑھ کر سنانے لگے :-

دیہیم خسرواں بر ما نعلِ استر است   خسرو کسے کہ خلعتِ تجرید در بر است

پوری غزل کے لئے دیکھو شرح غزل نمبر ۱۳

امیر صاحب کو رقت ہوئی پوچھا خسرو! روتا ہے کچھ کہہ ابھی سے ہے حضرت امیر

---

[1] تذکرہ غوثیہ میں مذکور ہے کہ جب حضرت امیر غزل سنا چکے تو قلندر صاحب نے ہاتھ بڑھا کر فرمایا لاؤ میں تمہیں کچھ دیتا ہوں اُسی وقت غیب سے دو ہاتھ ظاہر ہوئے اور اُس فیضان کو لے گئے دو تین بار ایسا ہی ہوا آخر قلندر صاحب نے کہا تمہارے مقسوم میں نہیں ہے حضرت امیر جب خواجہ محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت محبوبِ پاک نے فرمایا خسرو قلندر صاحب تمہیں اپنے جیسا بنانا چاہتے تھے لیکن تم متحمل نہ ہو سکتے اس لئے اس فیض کو ہم نے لے لیا تھا اور بعد موت تم کو دے دیا جائے گا ۱۲۔

عطاؔ تلہر۔

نے جواب دیا حضور اسی لئے تو روتا ہوں کہ سمجھ نہیں سکتا۔ اس پر قلندر صاحب بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کی نذر قبول فرمائی اور مستحقین میں تقسیم کرادی اور اپنے بھانجے شیخ احمد زندہ پیر کو حکم دیا کہ امیر کو خانقاہ میں لے جاؤ اور تین دن تک اپنے پاس رکھو ضیافت اور مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا غرض تین دن کے بعد امیر صاحب کو رخصت کیا اور علاؤالدین کے نام ایک رقعہ اس مضمون کا تحریر فرما کر بھیجا۔

"علاؤالدین فوطہ دار دہلی مکرر جانے کہ بندگان خدا کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیئے رعایا کو فارغ البال رکھنا فرمانروائے وقت پر فرض ہے"

جب یہ نصیحت نامہ سلطان کے پاس پہنچا تو جھوٹے خوشامدیوں نے عقیدت و ارادت میں رخنہ اندازی کے طور پر سلطان سے عرض کی کہ بادشاہ وقت کی نسبت ایسی شوخ عبارت لکھنا روا نہیں علاؤالدین جو حضرت کے تصرفات باطنی کا متوالا بن چکا تھا کہنے لگا خدا نے لاکھوں رحم مجھ پر فرمائے کہ حضرت نے دہلی کی فوطہ داری میرے نام کر دی ورنہ اس سے پہلے ایک دفعہ تو شحنہ ہند کہہ کر یاد کیا گیا تھا اس حکایت سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہان وقت کی نظروں میں قلندر صاحب کی کیا وقعت تھی اور آپ علاؤالدین جیسے جری فرمانروا کو کس استغنا کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے سلطان کی عقیدت حضرت سے اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ حضور کو اپنا حاجت روا خیال کرتا تھا یہاں تک کہ امور ملکی میں بھی دعا اور استمداد کا طالب ہوتا تھا اور اس بارگاہ فلک پیما سے اکثر فیضیاب ہوتا۔

اس کا عقیدہ تھا کہ ضدی جانور حضرت کے دیدار سے اپنی ہٹ چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ ایک دفعہ عراقی نسل گھوڑا جو نہایت شریر تھا اور کبھی شہسوار سے رام نہیں ہوتا تھا قلندر صاحب کی خدمت میں درست کرنے کو بھیجا خادم گھوڑا لے کر آستانہ عالی پر حاضر ہوا اور ساری کیفیت سنائی آپ نے فرمایا اس کی زنجیر اتار لو اور میری چارپائی کی رسی نکال کر چارپائی کے پائے کے ساتھ باندھ دو خادم نے حکم کی تعمیل کی آپ نے گھوڑے سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اے اسپ میں اپنے خدا سے امیدوار ہوں تو بھی سیدھا ہو جا اور

یہ شرارت چھوڑ دے"

ان موثر الفاظ کے سنتے ہی گھوڑا مطیع اور فرمانبردار ہوگیا حضرت نے تین دن کے بعد گھوڑا بادشاہ کے پاس بھجوا دیا جب علاؤالدین نے گھوڑے کی اُس پہلی سی خصلت میں نمایاں تبدیلی دیکھی تو اُس کی عقیدت میں بھی نمایاں اضافہ ہوگیا ایسے بہت سے واقعات ہیں جو بخوف طوالت قلم انداز کر دیئے ہیں علاؤالدین کی وفات ۷۱۶ھ میں ہوئی۔

مبارک خان

قلندر صاحب کے محبوب ترین مرید اور سلطان غیاث الدین بلبن کے صاحبزادے تھے قلندر صاحب کی دعا ہی سے عالم وجود میں آئے

ہم نے سوانح عمری میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ آپ کے والد بزرگوار کس قدر اولاد کے لئے پریشان تھے اور قلندر صاحب کی دعا کا کیا اثر ہوا اس لئے قلندر صاحب کو شہزادہ مبارک خان سے دلی محبت اور واقعی لگن تھی شہزادہ کو ایک لمحہ کے لئے آنکھوں سے دور کرنا بارِ خاطر معلوم ہوتا تھا اور ان کے حسن و جمال پر اس قدر فریفتہ تھے کہ بغیر ان کے کھانا پینا بھی گوارا نہ تھا۔ مگر یہ محبت بالکل پاک تھی نفسانی خواہشات کو اس میں ذرا بھی دخل نہ تھا بلکہ دیدارِ حق کے لئے مبارک خان ایک آئینہ کا کام دیتے تھے اُن کے خداداد حسن و جمال سے خدا کی صنعت یاد آتی تھی جس کسی کو کوئی حاجت ہوتی مبارک خان سے عرض کرتا اور آپ قلندر صاحب سے کہہ کر حاجت روا کرا دیتے علاوہ ازیں شاہ مبارک خان کو آپ کی صحبتِ فیض اثر سے وہ روحانی فیوضات حاصل ہوئے کہ بعد وفات بڑے بڑے اکابر اولیائے کرام نے آپ کی روح سے تربیت پائی اور فیض حاصل کیا آپ ایک باکمال عارف تھے۔

ایک دن شاہ مبارک خان سیر و شکار کے لئے جنگل کی طرف نکل گئے تاجک قوم کا ایک سپاہی بھی خفیہ طور پر شاہ مبارک خان پر عاشق تھا مگر بادشاہ کا صاحبزادہ اور قلندر صاحب کا محبوب و مرید خیال کر کے اپنی محبت ظاہر نہ کرتا تھا سوءِ اتفاق سے وہ سپاہی شاہ مبارک خان کو پکڑ کر اپنے مکان پر لے گیا رات ہوگئی قلندر صاحب کشفِ باطنی سے معلوم کر کے اس سپاہی کے دروازے پر پہنچے رات ہو چکی تھی دروازے پر بیٹھ کر بے قراری کی حالت میں یہ اشعار پڑھنے لگے :-

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم — گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ وہ رات اس قدر طویل ہوگئی کہ لوگ سوتے سوتے اکتا گئے نالائق سپاہی بھی عاجز آگیا شدہ شدہ لوگوں کو معلوم ہوا کہ قلندر صاحب اپنے محبوب شاہ مبارک خان کی جدائی میں دروازے پر کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں:-

تا وقتیکہ محبوب جان ما پیش ما نیاید صبح ہرگز نخواہد دمید[1]

غافل سپاہی مجبور ہوگیا اور صاحب زادہ صاحب کو آپ کی خدمت میں بھیج دیا اسی وقت ضیائے آفتاب نے اپنی نورانی شعاعوں سے اطرافِ عالم کو منور کر دیا جب قلندر صاحب نے اپنے نورِ نظر کو دیکھا۔ وجد میں آ گئے قوال نے یہ غزل پڑھنی شروع کی۔

اگر بینم شبے ناگاہ من آں سلطانِ خوباں را — سر اندر پائے وے آرم فدا سازم دل و جاں را

ایک تو آواز موزوں دوسرے معانی و مطالب کا اثر اور حسبِ حال آخر ہوا کہ آپ بحرِ تفکر میں ڈوب گئے اور وجدانی کیفیتوں نے ایک نیا منظر سامنے کھڑا کر دیا۔

المجاز قنطرۃ الحقیقت وہ وجدانی کیفیات آپ کو آغوشِ محبوبِ حقیقی میں لے پہنچیں کیونکہ آپ ہمیشہ جذباتِ حق میں محو رہتے تھے اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں شاہ مبارک خاں صرف آئینہ کا کام دیتے تھے جن میں حضرت قلندر صاحب جمالِ محبوب کا ملاحظہ کر کے کیفیاتِ باطنی میں محو و مستغرق ہو جاتے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ محبت پاک تھی اور اکثر اہلِ حق پر ایسی کیفیات طاری ہوتی رہی ہیں اور ایسے واقعات اکثر پیش آتے ہیں جب اس حالت سے آفاقہ ہوا تو آپ نے اپنا گھوڑا اس مطرب کو عنایت کر دیا اور صاحب زادہ موصوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مقام پر واپس تشریف لائے۔

شاہ مبارک خان کی وفات

۱۰ جمادی الثانی سنہ ۷۱۵ ہجری بوقتِ صبح حضرت مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ

[1] مشہور ہے کہ اس موقعہ پر آپ نے ایک دوہا بھی کہا۔

سجن سکارے جائیں گے اور نین مرینگے رو — بدھنا ایسی کیجیو بھور کبھوں نہ ہو

حضور قبلہ عالم پناہ شیخ شرف الدین بو علی قلندر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حسب عادت قدیم قدم بوسی کے بعد دست بستہ عرض کی حضور خادم کو بیعت فرما لیجیے پہلے تو حضور اس جملہ کے جواب میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ تیرا پیر (مشہور) آنے والا ہے ہم تو تجھ کو چھیڑ دیں گے مگر آج حضور نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ تمہارے پیر آ گئے اور وہ حضرت امام صاحب قبلہ میں فروکش ہیں مگر خوب بن سنور کر جانا حضرت شیخ جلال حسب ارشاد حضور قبلہ عالم بہت عمدہ پوشاک سے مزین ہو کر ایک صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہوئے اور حضرت امام صاحب کی طرف روانہ ہو گئے حضرت امام صاحب میں اسی روز حضرت خواجہ خواجگان خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی صاحب ولایت پانی پت ہو کر تشریف لائے تھے کہ اتنے میں شیخ جلال گھوڑے پر سوار ہو کر خواجہ صاحب کے سامنے سے نمودار ہوئے حضرت خواجہ نے سوار کو دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا کہ میاں شاہسوار ذرا ہمیں بھی اپنے گھوڑے کی چال دکھاؤ حضرت شیخ جلال نے توسن کو مہمیز کیا گھوڑا الف ہو گیا اور شیخ زمین پر در آئے حضرت خواجہ نے شیخ صاحب کو سینے سے لگایا اور نعمت ولایت سے مالا مال کر دیا۔

اس واقعہ کا علم کہ حضور خواجہ صاحب تشریف فرما ہیں اہل شہر کو ہو گیا لوگ جوق در جوق حضور خواجہ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہونا شروع ہوئے تھوڑے عرصہ میں ایک جم غفیر ہو گیا عصر کی نماز کے لئے اذان ہوئی حضور خواجہ نے حضرت شیخ جلال کو حکم جماعت کی امامت کے لئے کھڑا کیا شیخ جلال نے حسب الارشاد عصر کی نماز پڑھائی جب پہلا سلام پھیرا تو جتنے اشخاص داہنی طرف تھے وہ سب کے سب صاحب وقت ہو گئے اور جب بائیں طرف سلام پھیرا تو اس طرف کے سب اشخاص صاحب کشف ہو گئے

اس واقعہ کی شہرت آگ کی طرح تمام شہر میں پھیل گئی نوبت باینجا رسید کہ نماز مغرب کے بعد حضور مبارک خان صاحب حسب عادت قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے قلندر صاحب نے مبارک خاں کو دستر خوان پر طلب فرمایا لیکن آپ کچھ کبیدہ خاطر ہو کر دستر خوان کے قریب آئے قلندر صاحب نے وجہ کبیدگی دریافت فرمائی آپ نے نہایت افسردہ دل ہو کر عرض کی کہ میں برسوں سے حضور کا کھانا کھا رہا ہوں لیکن آج تک میں جیسا تھا ویسا ہی رہا

دیکھئے شیخ جلال الدین آج ہی بیعت ہوئے ہیں اور آج ہی انہوں نے کئی صاحب ولایت وکشف کر دیئے قلندر صاحب پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور سہ منی طعام سے ایک ہڈی اٹھا کر دہن مبارک سے لگا کر شہزادہ صاحب سے فرمایا اسے اونچے کنوئیں میں ڈال آؤ قیامت تک جو اس کنوئیں کا پانی پیئے گا وہ قطب وقت ہوگا مبارک خاں ہڈی ہاتھ میں لے کر خوشی خوشی کنوئیں کی طرف روانہ ہوئے جب قریب پہنچے تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ اگر میں اس ہڈی کو اکیلا چبا جاؤں تو شاید مجھ میں کتنی قوت ہو جائے اسی خیال پر ہڈی کو منہ میں رکھ لیا منہ میں رکھنا ہی پیغام اجل تھا فوراً جاں بحق تسلیم ہوئے۔

جب دیر تک مبارک خاں قلندر صاحب کی خدمت میں نہ پہنچے تو آپ نے مولانا سراج الدین رکوعی کو دریافت حال کے لئے روانہ فرمایا مولانا نے کنوئیں کے قریب آ کر دیکھا تو معاملہ کچھ اور ہی نظر آیا جلدی سے قلندر صاحب کو کیفیت واقعہ سنائی قلندر صاحب سنتے ہی وجد میں آ گئے اور اسی جوش میں "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھتے ہوئے کنوئیں پر آئے اور محبوب کی نعش اپنے کندھے پر اٹھا کر قیام گاہ پر لائے خود ہی غسل دیا خود ہی تجہیز و تکفین کے تمام مراحل طے فرمائے اور خود ہی نماز جنازہ پڑھا کر دفن کیا۔

جب اس واقعہ کی خبر بذریعہ عامل پانی پت علاؤ الدین خلجی بادشاہ وقت کو پہنچائی گئی وہ سنتے ہی دہلی سے پانی پت پہنچا اور قلندر صاحب سے حضرت مبارک خاں کے گنبد کی تعمیر کی اجازت چاہی آپ نے قبول فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک چھتری نما گنبد ہمارے لئے بھی محبوب کے پاؤں میں بنوا دو ہم بھی اپنے محبوب کے قریب رہیں گے مگر اس کے معمار حافظ قرآن ہوں۔

علاؤ الدین نے حسب الارشاد گنبدوں کی تعمیر شروع کرا دی خضر خاں کو تا اختتام پانی پت رہنے کی تاکید کی شاہزادے نے تھوڑے عرصہ میں دونوں گنبد تعمیر کرا دیئے قلندر صاحب نے جب گنبدوں کا ملاحظہ کیا تو شہزادے کو فرمایا تو نے ہماری ہدایت کے موافق گنبد کیوں تعمیر نہیں کرایا اور نشان رخ کیوں بدلا شہزادہ نے دست بستہ عرض کی کہ جانب شمال ایک یتیم کی اراضی تھی جو میں خرید نہ سکتا تھا اس جواب سے قلندر صاحب بہت خوش ہوئے

اور تعمیر لیپا فرمائی حضور کا گنبد وہی ہے جو علاؤالدین خلجی نے بنوایا تھا گنبد کے آگے دالان وغیرہ کا اضافہ رزق اللہ خان نے کرایا جس کی صراحت روضہ کے بیان میں کی گئی ہے مگر حضرت مبارک خان کا گنبد سنہ ۱۱ھ میں خواجہ معین الدین مولائے انصاری پانی پتی نے دوبارہ تعمیر کرایا۔

کمال الدین فیروز تغلق

خاندان تغلق کے دوسرے فرمانروا محمد تغلق کے چچا زاد بھائی تھے محمد تغلق کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے انہیں بھی حضرت قلندر صاحب سے نیاز حاصل تھا۔

ایک دفعہ عین عالم شباب میں قلندر صاحب کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا آپ نے فرمایا تیرا کیا نام ہے عرض کی کمال الدین اور فیروز شاہ لقب ہے آپ نے فرمایا تیری عمر بھی کمال کے ساتھ دولت بھی کمال کے ساتھ اور نعمت بھی کمال کے ساتھ ہوگی

کہتے ہیں کہ سلطان تغلق سلطان محمود تغلق اور سلطان فیروز لڑکپن میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے قلندر صاحب نے اپنے ایک خادم کی طرف اشارہ کیا کہ جو کچھ حاضر ہے ان کے کھانے کے لئے لے آؤ خادم کاسے میں کھانا لایا اور ان تینوں شہزادوں کے آگے رکھ دیا جب تینوں کھانے میں مشغول ہو گئے تو اس موقعہ پر قلندر صاحب نے فرمایا سبحان اللہ کیا مبارک گھڑی ہے کہ اس وقت تین بادشاہ ایک کاسے میں کھانا کھا رہے ہیں قدرت الٰہی سے تینوں شہزادوں نے سلطنت کی

ظاہر ہے کہ قلندر صاحب نے ایک طویل عمر پائی اور مختلف بادشاہوں کے زمانے دیکھے اس مضمون میں ہم نے صرف انہیں بادشاہوں کا تذکرہ کیا جن سے قلندر صاحب کے تعلقات وابستہ رہے ہیں انکے علاوہ ناصر الدین، جلال الدین خلجی، غیاث الدین تغلق بھی قلندر صاحب کے دور حیات میں تخت سلطنت پر متمکن رہے ہیں مگر چونکہ اُس وقت حکومت میں نت نئے انقلاب ہوتے رہتے تھے اس لئے وثوق کے ساتھ کہا نہیں جا سکتا کہ آیا ان بادشاہوں سے قلندر صاحب کا سلوک اور برتاؤ کیسا تھا کتب سیر میں ان کے حالات دستیاب نہیں ہوئے لہذا ہم نے یہ مضمون اسی پر ختم کر دیا۔

معاصرین

حضرت محبوب الٰہی رضہ آپ اصل نسل فاطمی سید تھے آپ کے والد ماجد مولانا سید احمد سادات بخارا میں ایک معزز خاندان کے برگزیدہ فرد تھے سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں بخارا سے بدایوں آ کر آباد ہوئے حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ ۶۳۶ھ میں وہیں پیدا ہوئے آپ کی والدہ کا نام سیدہ زلیخا تھا جو بڑی عابدہ۔ زاہدہ اور حافظہ قرآن تھیں

حضرت نے سولہ برس کی عمر میں علوم دینیات اور فلسفہ سے فراغت حاصل کی آپ کی والدہ صاحبہ نے علمائے وقت کو جمع کر کے اپنے ہاتھ سے کاتے ہوئے سوت کا عمامہ اس نوعمر فاضل کے سر پر بندھوایا اس کے بعد آپ والدہ اور ہمشیرہ صاحبہ کی معیت میں بدایوں سے دہلی چلے آئے یہاں آ کر مولانا شمس الملک استاد سلطان شمس الدین التمش سے سند حاصل کی اور شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر کے مرید ہو کر علم تصوف ان سے حاصل کیا اور نیابت وخلافت دہلی پر مامور ہو کر یہاں تشریف لائے چہار شنبہ کے دن ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

آپ قلندر صاحب سے مخلصانہ برتاؤ رکھتے تھے جس وقت سلطان علاؤالدین خلجی نے امیر خسرو کو تحائف وہدایہ دے کر قلندر صاحب کی خدمت میں بھیجا تو امیر خسرو کو حضرت محبوب الٰہی کا یہ فرمانا کہ "قلندر صاحب جو کچھ فرمائیں اُسے تسلیم کرنا اور معترض نہ ہونا" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی کے دل پر قلندر صاحب کی بزرگی اور روحانی ترقی بہت قوی تھی جب ہی تو آپ نے فرمایا کہ وہاں چوں وچرا کی گنجائش نہیں قلندر صاحب کے تعلقات بھی حضرت محبوب الٰہی سے نہایت خوش گوار اور برادرانہ تھے آپ بھی حضرت کی شان محبوبیت کے متوالے تھے۔

تذکروں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ قلندر صاحب اور امیر خسرو باطنی طور پر

حضور رسول مقبول کی محفل اقدس میں حاضر تھے کچھ عرصہ کے بعد مراقبہ سے فارغ ہو کر عالم ظاہری کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص دست بستہ کھڑا ہے قلندر صاحب نے پوچھا تو کون ہے اور کیوں کھڑا ہے اس نے عرض کی بندہ بخارا کا رہنے والا ہے اور مرشد کامل کی تلاش میں یہاں آیا ہے مگر اب تک حسب مراد کوئی شیخ نظر نہیں آیا اب دہلی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں قلندر صاحب فرمانے لگے بھائی تو دہلی چھوڑ کر یہاں کیوں آیا سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی دہلوی کی خدمت میں کیوں نہیں گیا وہاں تیرا مطلب بھی حاصل ہو جاتا۔ اس پر وہ شخص عرض کرنے لگا کہ جب بندہ بہاؤ الدین شیخ کامل کی تلاش میں دہلی پہنچا تو خلق اللہ سے سنا کہ یہاں نظام الدین اولیا اور پانی پت میں شیخ شرف الدین بو علی قلندر بہترین خلائق ہیں یہ سنتے ہی بندہ حضرت خواجہ کی خانقاہ میں گیا اور دیکھا کہ حضور کے تمام مریدین اور طلبا عالم تحیر میں غرق ہیں کسی آنے گئے کی انہیں خبر نہیں وہاں سے سیدھا اس حجرہ کی طرف گیا جو حضور کی مخصوص نشست گاہ ہے کیا دیکھتا ہوں کہ حجرہ کی چھت نہیں ہے اور زمین سے آسمان تک نور برس رہا ہے اور ایک نوجوان شکیل آدمی حسینانہ لباس پہنے ہوئے بیٹھا ہے اور اس کے آگے ایک دلہن سرخ جوڑا میں ملبوس ناز و انداز کے ساتھ دو زانو بیٹھی ہے جب میں نے یہ عجیب منظر دیکھا تو خائف ہو کر خانقاہ سے باہر نکل آیا اور خیال کرنے لگا کہ شاید یہ مکان کسی امیر کا ہے اچھا ہوا کہ کسی نے دیکھا نہیں ورنہ معلوم مجھے اس ناشائستہ حرکت کے عوض میں کیا سزا ملتی وہاں سے نا امید ہو کر حضور ہی میں آیا ہوں

قلندر صاحب سارا واقعہ سن کر کیفیت میں آ گئے اور بار بار وہی داستان اس شخص سے پوچھتے تھے اور کیفیت میں آتے تھے اور اس شخص کی آنکھیں چومتے تھے اور فرماتے تو بڑا خوش نصیب ہے جو تو نے ایسا عمدہ موقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو کسی کو میسر نہیں بیٹھ جاؤ میں تیرے قدم لوں اس کے بعد اپنے مریدوں اور طالب علموں کو بلا کر فرمایا اس شخص کی اچھی طرح زیارت کر لو کیونکہ یہ محبوب الٰہی کی شان محبوبیت دیکھ کر آیا ہے پھر اس آدمی سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے بھائی تجھ سے کیا چاہتا ہے مجھ کو اس مرتبہ کا دسواں حصہ بھی نصیب نہیں جا آپ ہی کی خدمت میں حاضر ہو اور اس سے حضرت امیر خسرو

سے کے ساتھ محبوب الٰہی کی خدمت میں بھیج دیا۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندر صاحب حضرت محبوب الٰہی کی شان محبوبیت کے عاشق تھے اور ان کے مکاشفات روحانی کے مقابلہ میں اپنی قلندریت کو ہیچ سمجھتے تھے گو اس میں ایک طرح کی کسر نفسی ہے لیکن حُسنِ عقیدت کا کیسا بیّن ثبوت ہے۔

تذکروں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ امیر خسرو ملاقات کے لئے قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے امیر سے فرمایا خسرو میں اکثر رسولِ مقبول کی بزمِ قدسی میں تمام اولیاء اللہ کو دیکھتا ہوں مگر شیخ نظام الدین صاحب مجھے اس محفل میں دکھائی نہیں دیتے اس کا کیا سبب ہے حضرت امیر اس وقت تو خاموش رہے جب دہلی آئے تو پیرِ طریقت حضرت محبوب الٰہی کو اس واقعہ سے آگاہ کیا حضرت نے فرمایا خسرو جا اور قلندر صاحب سے کہنا کہ اگر آپ بزمِ نبوی میں جائیں تو جہاں آنحضرت جلوہ افروز ہوں گے اُن کی پُشت کی طرف ایک حجرہ ہے فقیر کو اُس میں دیکھ لینا حضرت امیر اتنی بات سن کر قلندر صاحب کے پاس آئے اور سارا حال سُنا دیا قلندر صاحب نے فرمایا آؤ آج ہم دونوں آنحضرت کی انجمنِ فیض موطن میں چلیں اور شیخ نظام الدین کو دیکھیں جب دونوں حضرات بزمِ نبوی میں پہنچے تو تمام اولیاء اللہ کو کھڑے ہوئے دیکھا امیر خسرو بھی اُسی جگہ کھڑے ہو گئے لیکن قلندر صاحب اُس حجرہ کی طرف گئے اور چاہا کہ شیخ نظام الدین کو دیکھوں مگر پاسِ ادبِ آنحضرت کے قدم نہ بڑھا سکے ایک نعرہ مارا اور کہا ؎

پردہ بردار کہ مارا سوئے چوں حیرت نگریم ورنہ از آہِ جگر پردۂ عالم بدریم

حضرت رسالت پناہ نے قلندر صاحب کو بیتاب دیکھ کر فرمایا "شرف الدین کیا چاہتا ہے" عرض کی حاشیہ بوسانِ بساط پر سب روشن ہے" فرمایا "محبوب نظام الدین کے دیدار کا طالب ہے" آپ نے عرض کی "ہاں یا رسول اللہ" آپ نے فرمایا آؤ دیکھو محبوبیت کے دولے میں بیٹھا ہوا ہے" قلندر صاحب زمینِ ادب کو بوسہ دے کر حجرہ کی طرف دوڑے کیا دیکھتے ہیں کہ خواجہ نظام الدین ایک سفید مصلے پر فائت بمشوقی و رعنائی کے ساتھ حسینانہ لباس میں بیٹھے ہوئے ہیں قلندر صاحب نے آپ کے اس مرتبہ کو دیکھا اور گرویدہ ہو گئے

ایسے واقعات اور بھی بکثرت ہیں مگر ہم نے بخوفِ طوالت انہیں قلم انداز کر دیا ہے۔

امیر خسرو دہلوی

ترک قوم کے تھے پٹیالی ضلع ایٹہ میں تولد ہوئے آپ کے والد ماجد کا نام امیر سیف الدین محمود تھا حضرت امیر نو برس کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا آپ کی طبیعت ابتدا ہی سے موزوں واقع ہوئی تھی۔ والد کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

سیف از سرم گذشت و دلِ من دو نیم شد　　　دریائے من روان شد و دُرِّ یتیم ماند

آپ کے والد نے جب آپ کی طبیعت صوفیہ کی طرف متوجہ پائی تو آپ کو حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں لے گئے دروازے پر پہنچ کر آپ نے والد سے پوچھا مجھے کہاں لیے جاتے ہو۔ والد نے فرمایا حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں مرید کرانے کو لایا ہوں یہ سن کر امیر صاحب نے بے ساختہ فرمایا کہ جناب پیر کا پسند کرنا میرا فعل ہے نہ کہ آپ کا حضرت کے والد آپ کو دروازہ پر چھوڑ کر اندر چلے گئے حضرت امیر نے دروازے پر بیٹھ کر ایک رباعی موزوں لکھی بایں خیال کہ اگر پیر روشن ضمیر ہے تو خود بخود جواب دے گا۔ وہ رباعی یہ ہے ؎

تو آں شاہے کہ بر ایوانِ قصرت　　　کبوتر گر نشیند باز گردد

غریبے مستمندے بر در آمد　　　بیاید اندروں یا باز گردد

دل را بدل رہیست حضرت محبوب الٰہی کو کشفِ باطنی سے امیر کا ارادہ معلوم ہو گیا خادم کو بلا کر فرمایا ایک ترک بچہ ہمارے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے تم جا کر یہ رباعی اس کو سناؤ ؎

بیاید اندروں مردِ حقیقت　　　کہ با ما یک نفس ہمراز گردد

اگر ابلہ بود آں مردِ ناداں　　　ازاں راہے کہ آمد باز گردد

خادم نے رباعی پڑھی امیر اندر آئے اور مرید ہو گئے پھر تو پیری و مریدی کے تعلقات ایسے بڑھے کہ حضرت نے امیر کو ترک یعنی معشوق کا خطاب دیا ؎

گر برائے ترکِ ترکم ارہ بر تارک نہند　　　ترکِ تارک مے کنم ہرگز نہ گیرم ترکِ ترک

حضرت امیر کی ارادت کا یہ حال تھا کہ دن دربارِ شاہی میں کٹتا اور رات

شہنشاہ دین کے قدموں میں بسر ہوئی حضرت امیر کا وصال ۷ اشوال ۷۲۵ھ میں ہوا۔

بار ہا انہیں بھی قلندر صاحب سے شرفِ نیاز حاصل ہوا اور آپ سیر دفینہ فیض روحانی سے فیض یاب ہو کر واپس آئے علم دوست تھے شاعر تھے قلندر صاحب کو اپنا کلام سنا کر خلعتِ پسندیدگی حاصل کی قلندر صاحب آپ کے اشعار سن کر وجد کرتے تھے اور حضرتِ امیر کا یہ حال تھا کہ قلندر صاحب کا کلام سن کر زار زار روتے تھے۔

مولانا جلال الدین رومی رح

قلندر صاحب نے سیر و سیاحت بہت کی ہے اسی سلسلہ میں حضرت مولانا روم و حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ملے اور اُن سے فیض حاصل کیا مولانا آپ کو شرف الدین ہندی سوداگر کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے مولانا شبلی نعمانی نے بحوالہ ریاض العارفین سوانح مولانا روم میں لکھا ہے کہ۔

" شاہ بو علی قلندر پانی پتی جن کو تمام ہندوستان جانتا ہے مدت تک مولانا کی صحبت میں رہے اور اُن سے مستفیض ہوئے"

قلندر صاحب کا اپنا بیان ہے کہ۔

" در روم بمولانا شمس الدین تبریزی و جلال الدین رومی رسیدم واز ایشاں نوازش یافتہ باز در پانی پت آمدہ مقیم گشتم"

شرف بہ ہند در عاشقی فرود کشاد   ولے بہ روم و خراساں ولائیش لامند

جلال الدین کبیر الاولیا

آپ نسباً عثمانی تھے شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کے مرید اور خلیفہ تھے آپ کا اصلی نام خواجہ محمود ہے مادرزاد ولی تھے اکثر لڑکپن میں صحرا کی جانب نکل جاتے اور ذاتِ حق میں مستغرق رہتے استغراق کا یہ عالم تھا کہ کسی غیر کی اصلاً خبر نہ رہتی مگر آپ کے مریدین نماز کے وقت آپ کو ہشیار کر دیتے آپ کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز مکہ شریف میں ادا فرماتے آپ کے جدِ امجد شیخ داؤد خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی سے ارادت رکھتے تھے جو حضرت محبوب الٰہی کے خلفا میں سے تھے مخدوم جلال الدین کے جدِ امجد ہلاکو خاں کے حادثہ میں بلخ سے علاؤ الدین کے عہد میں

ہندوستان آئے آپ کی ولادت پانی پت میں ہوئی قلندر صاحب نے آپ کو اپنی گود میں کھلایا تھا۔ قلندر صاحب آپ کو اپنا محرمِ خاص اور عزیز سمجھتے تھے زاد الابرار میں لکھا ہے کہ

"شرف الدین بوعلی قلندر او را بسیار دوست میداشت"

شیخ جلال الدین بھی قلندر صاحب کے مکشوفات روحانی پر فریفتہ تھے بارہا آپ نے قلندر صاحب سے شرف بیعت حاصل کرنے کے لئے التجا کی مگر حضور قلندر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تیرا شوہر (پیر) آنے والا ہے ہم تو تم کو چھیڑ دیں گے چنانچہ ایک روز شیخ شمس الدین ترک پانی پتی پانی پت تشریف لائے اور مخدوم جلال الدین شمس الدین ترک کے مرید ہو گئے۔

قلندر صاحب کی بشارت صحیح نکلی قلندر صاحب کو آپ کی صحبت اس قدر پسند تھی کہ جب حضرت شمس الدین نے حضرت جلال الدین کو پانی پت کی ولایت تفویض فرمائی تو آپ نے فرمایا الحمد اللہ میرا وطن بغیر چوکیدار کے تھا برادرم شمس الدین نے جلال الدین کو اس کا نگہبان مقرر کر دیا جس کی اس جگہ اشد ضرورت تھی۔

جب یہ خبر خواجہ شمس الدین کو پہنچی تو آپ نے ایک پیالہ پانی کا بھر کر حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں بھیجا قلندر صاحب نے تبرکاً اس میں گلاب کا ایک پھول ڈال کر پیالہ واپس بھجوا دیا۔

مخدوم جلال الدین کے ساتھ قلندر صاحب کے مخلصانہ تعلقات بہت ہیں مگر ہم نے بخوف طوالت اتنے پر ہی اکتفا کیا مخدوم کی وفات ایک سو ستر برس کی عمر میں ۵ ذی قعدہ یا ۱۳ ربیع الاول ۷۶۵ھ میں بمقام پانی پت ہوئی۔ اور آپ کا وہیں مزار ہے جس کا گنبد ابراہیم لودہی نے بنوایا تھا حضرت مخدوم کے وصال کی تاریخ ذیل کی رباعی سے ظاہر ہوتی ہے:-

جلال جہاں چوں بجنت رسید ۔۔۔ بشرحِ آں شیخ اہلِ کمال
رقم ساکنِ خلد شد از رقم ۔۔۔ دوبارہ خدا و نبا اہلِ جلال۔

آپ کے دونوں پہلوؤں پر آپ کے صاحبزادے خواجہ جیلی شہباز و خواجہ

محمد ابراہیم کے مزارات میں خواجہ شبلی کی وفات کی تاریخ اس رباعی سے ظاہر ہوتی ہے۔

شد چوں از دنیا بجنت یافت جا   حضرت شبلی شہ ہر دو سرا

سال وصل او بگو شبلی تقی   نیز شبلی واصل دیں پیشوا

ملک علی انصاری

یہ بزرگ ہرات کے فاضلوں کے پیشوا تھے اور قلندر صاحب سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔ لکھا گیا ہے کہ جب قاضی ضیاء الدین نے پانی پت کے تاجک سرداروں کے اغوا پر قلندر صاحب کے خلاف محضر تیار کرکے خواجہ موصوف کے پاس مہر تصدیق کے لئے بھیجا تو آپ نے محضر کے پرزے پرزے کر دیئے یہ صرف حسن عقیدت کا نتیجہ تھا۔

آپ قلندر صاحب کو فخریہ اپنے پیر و مرشد کہا کرتے تھے اور بے حد فیوضات آپ سے حاصل کیئے قلندر صاحب کو بھی آپ سے انتہائی محبت تھی کئی دفعہ ایک دستر خوان پر کھانا کھایا غرضیکہ ملک علی قلندر صاحب کے معتقد معاصرین میں سے تھے قلندر صاحب ہی کے ارشاد کے مطابق پانی پت میں سکونت اختیار کی ایک دفعہ قلندر صاحب نے دانہ جو کو انگشت شہادت سے زمین میں گاڑ کر ملک موصوف سے فرمایا کہ ہم نے تمہاری اولاد کی جڑ تحت الثریٰ تک بٹھادی ہے انشاء اللہ قیامت تک آباد رہے گی۔

انہی ایام میں سلطان غیاث الدین بلبن نے قلندر صاحب کی ملاقات کی خواہش پر پانی پت آنے کی اجازت چاہی حضور نے اسے منع فرمادیا اور کہلا بھیجا کہ اگر مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو سونی پت آجاؤ میں بھی سید ناصر الدین شہید کی زیارت کے لئے وہاں حاضر ہوؤں گا چنانچہ سلطان بلبن بموجب ارشاد سونی پت پہنچا اور شرف ملاقات سے مشرف ہو کر خواہش ظاہر کی کہ حضور مجھے کچھ کام فرمائیں تاکہ بسر و چشم بجا لاؤں قلندر صاحب نے نہایت استغنا سے جواب دیا کہ مجھے کوئی کام نہیں سلطان دست بستہ اصرار کرنے لگا بالآخر قلندر صاحب نے فرمایا کہ اگر تمہیں زیادہ خواہش ہے تو ایک ایلچی پانی پت بھیج کر ملک علی انصاری کو یہاں بلاؤ اور جو کچھ تمہارا دل چاہے اس کی خدمت کرو سلطان نے ارشاد کی تعمیل کی اور ملک مذکور کو پانی پت سے بلا کر کئی ہزار بیگہ زمین عطا کی قلندر صاحب کے

زمانہ سے لے کر اب تک قوم انصار قصبہ پانی پت میں معزز ہے اور ملک علی کی اولاد اب تک چلی آرہی ہے جن میں بعض صاحب کمال اپنے زمانے کے عارف بھی ہوئے ہیں چنانچہ شیخ امان، خواجہ عبدالحی صاحبؒ، شیخ حسین مرید سید عبدالرزاق جھنجھانوی و مولانا خواجہ الطاف حسین حالی وغیرہ۔ ملک علی انصاری کی تاریخ وفات ہمیں دستیاب نہیں ہوسکی۔

مولانا سراج الدین رکوعی

قلندر صاحب کی محفل کے حاضر باش تھے اور قلندر صاحب اپنے دل کی باتیں اور منازل سلوک کے سربستہ راز ان کو اپنا محرم خاص سمجھ کر سنایا کرتے تھے آپس میں فقیرانہ صحبت تھی ایک دفعہ قلندر صاحب اپنی بیعت کے متعلق مولانا موصوف سے فرمانے لگے۔

"اے سراج الدین مجھے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کا اس طرح فیض پہنچا ہے جس طرح آفتاب کی شعاع سے دیوار چمک اٹھتی ہے"

ایک دفعہ ایک شخص نے مولانا سراج الدین سے قلندر صاحب کی بیعت کے متعلق دریافت کیا کہ حضرت قلندر صاحب کس کے مرید تھے تو مولانا نے جواب دیا امیر علی علیہ السلام کے اس نے کہا یہ بات لوگوں میں کم مشہور ہے مولانا نے فرمایا بھائی جو ارادت ظاہری طور پر ہوتی ہے وہ عوام میں مشہور ہو جاتی ہے لیکن یہ ارادت روحانی ہے اس کا شہرہ عوام میں کیوں کر ہو سکتا ہے ہاں جو لوگ صاحب باطن ہیں وہ جانتے ہیں۔

حضرت لال شہباز قلندر رحؒ

یہ بزرگ بھی قلندر صاحب کے معاصرین میں سے تھے اپنے زمانے کے کامل بزرگ تھے سیوہان کی ولایت آپ کے سپرد تھی قلندر صاحب کے کشف و کرامات اور بندہ نوازی کا شہرہ سن کر ایک دفعہ موضع بوڑہ کھیڑہ میں حضور کی ملاقات[1] کے لئے تشریف لائے قلندر صاحب نے عارفانہ

---

[1] حضرت شہباز قلندر شیر کی پیٹھ پر سوار ہو کر آئے تھے اس وقت حضرت قلندر صاحب ایک دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے حکم دیا کہ تو بھی استقبال کے لئے چل دیوار پانچ یا گیارہ قدم چلی دیوار مذکور ۱۱ ۱۳ھ تک محفوظ تھی لیکن اب اس کو چھپا کر تعویذ کی شکل میں کر دیا گیا ہے گنبد دیوار پر جابجا سے تھا۔

نوازش فرمائی کئی روز تک اپنی صحبت میں رکھا شہباز بھی آپ کے معتقد ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد روحانی فیوضات سے مستفیض ہو کر اپنی ولایت (سوہان) کو چلے گئے چونکہ عقیدت بڑھ چکی تھی اس لئے بعد میں بھی کئی دفعہ شرف حضوری و نیاز حاصل کرتے رہے آپ کی وفات سوہان میں ہوئی اور وہیں آپ کا مزار ہے۔

شیخ احمد یحییٰ سہروردی منیری رحمتہ اللہ علیہ

آپ سلسلہ فردوسیہ کے کامل و اکمل ترین بزرگ صاحب وقت تھے شہر بہار آپ کا مولد و مسکن ہے آپ کے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی چنانچہ اسی پریشانی میں قلندر صاحب سے دعا کرانے کے لئے حاضر آستانہ ہوئے قلندر صاحب نے فرمایا بھائی احمد تیری قسمت میں اولاد نہیں ہے خیر اپنی پشت کو میری پشت سے رگڑ میرے ایک لڑکا ہے وہ تجھے دے دوں شیخ نے حسب الارشاد پیٹھ رگڑ دی اور وہ نور حضرت سے شیخ کی طرف منتقل ہو گیا قلندر صاحب نے اس تفویض و عنایت کے بعد شیخ موصوف کو وطن کی طرف رخصت کیا اور ہدایت فرمائی کہ بھائی احمد راستہ میں آگرہ کے قریب ایک صبیہ تیری انتظار میں سر راہ بیٹھی ہے وہ تجھے کنواہی ورغلا ئے نکاح کی التجا کرے لیکن تم اس کی ایک نہ سننا اور سیدھا اپنے وطن جا کر اس نور کو اپنی بیوی کی طرف منتقل کر دینا[۱] شیخ نے ایسا ہی کیا اور بحسن تدبیر لڑکا پیدا ہوا شیخ نے اس کا نام شرف الدین رکھا آپ شرف الدین بہاری کے لقب سے مشہور ہیں اور بہار میں آپ کا مزار ہے ۷ ماہ شوال کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔

اس واقعہ سے شیخ کے دل پر قلندر صاحب کی عقیدت اور بھی نقش ہو گئی

شیخ احمد کا وصال بروز جمعرات ۸ شوال ۶۸۲ھ میں شہر منیر میں ہوا آپ نے استراحت فرمائی

آپ کے معاصرین میں سے حسب ذیل حضرات قابل ذکر ہیں :-

حضور بابا صاحبؒ۔ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتیؒ۔ مخدوم صابرؒ۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ۔ خواجہ نصیر الدین روشن چراغ دہلویؒ سید محمد بندہ نواز گیسو دراز۔ سید شرف الدین امروہوی

---

[۱] اور شیخ موصوف کو آپ نے یہ بھی ہدایت کی تھی کہ جو لڑکا پیدا ہو اس کا نام ہمارے نام پر رکھنا۔ ۱۲ م

شاہ کمال کیتھلی، شاہ عالم گھانوی، مولانا رومؒ، خواجہ حافظ شیرازی، مولانا وجیہہ الدین پائلی، ظہیر الدین بخاری، صدر الدین قونوی، شریعت الدین، فخر الدین ناقلی، شریعت الدین ترکی، معین الدین دولت آبادی، نجم الدین سمرقندی، قطب الدین مکیؒ، مولانا احمد بخاری رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

مشاغل

درس شرف نبود از الواح ابجدی لوح جمال دوست ما اور اد بر ابراست

جن عاشقانِ حق کے رجوع الی اللہ اور مشاغل عن الحق میں بڑے سے بڑے موانع بھی بر ہی نہ پھیلا سکیں ان کے مشاغل پر قلم اٹھانا محالات سے ہے کیونکہ وہ جس شغل میں بھی ہونگے رجوع الی اللہ ہوں گے اور ان کے حضور قلب میں فرق نہ آئے گا لیکن لازمۂ انسانی سے گریز نہیں ہو سکتا اس لئے ہم قلندر صاحب کے مشاغل پر تیمناً کچھ لکھتے ہیں

قلندر صاحب ان قدسی صفات بزرگوں سے ہیں جن کی شان میں "الفقر انا ابیدُ الرّحمٰن" جیسا خطاب وارد ہے تذکرہ نویسوں نے آپ کی عمر شریف کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا حصہ حصولِ تعلیم کا ہے جس میں نامور استادوں سے علم حاصل کیا بالخصوص عربیت سے آپ کو خاص لگاؤ تھا قرآن مجید حفظ کیا اور دیگر علوم متداولہ حاصل کئے اس دور میں یہی شغل تھا۔

دوسرا حصہ تعلیم دینے اور موعظت و نصیحت میں صرف ہوا تذکرے بتاتے ہیں کہ آپ مسجد قوت الاسلام میں وعظ فرمایا کرتے تھے چونکہ حافظ قرآن تھے رموز و نکات قرآنیہ کے بیان کرنے میں آپ کو کمال حاصل تھا اس دور میں شعر کے متعلق کبھی سنتے حکمنامہ اسی دور کی تصنیف ہے جو آپ کے افتا کا مجموعہ ہے قلندر صاحب کا اپنا بیان ہے۔

"جمیع درویشاں و دانش منداں جمع شدہ بایں درویش گفتند کہ میان ما بزرگ تو ئی مولانا وجیہہ الدین پائلی مولانا ظہیر الدین بخاری مولانا فخر الدین

ناگلی، مولانا شریعت الدین ترکی، مولانا معین الدین دولت آبادی، مولانا نجم الدین سمرقندی، مولانا قطب الدین مکی، مولانا احمد بخاری و علمایانِ دیگر رحمۃ اللہ علیہ و الغفران ہر یک باتفاق بر این درویش آمدند و اجازتِ مثنوی کردند از ایشاں قبول کردم بیست سال مثنوی دادم"

آپ کی تصانیف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ متقدمین صوفیہ کا کلام منظوم و منثور آپ کے اکثر زیرِ مطالعہ رہتا مکتوبات شریف میں متقدمین صوفیاء کے اشعار و اقوال بکثرت آپ نے نقل فرمائے ہیں سر العشق میں آیاتِ قرآنیہ کی عارفانہ تشریح کے علاوہ عشق کی رفعت و عظمت کمال بلند آہنگی سے بیان فرمائی ہے روح الارواح آپ کے زیرِ مطالعہ رہتی تھی سر العشق میں اس کے حوالے بھی درج ہیں حضرت بوعلی فارمدی نقشبندی کے اقوال سے بھی آپ کو دلچسپی تھی دیوانِ عراقی اور لمعات کا مطالعہ بکثرت کرتے تھے رموز و نکات کا بالوضاحت بیان کرنا آپ کو آسان تھا مکتوبات میں اپنے بعض اشعار کی تشریح اور دیگر متقدمین کے کلام کی تشریح نہایت ہی عالمانہ اور فاضلانہ انداز میں لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اعلیٰ درجہ کے عالم باعمل نامور فقیہ و محدث اور اعلیٰ درجہ کے ادیب تھے اس دور میں الفیہ تصانیف بھی لکھی گئی ہیں مولانا روم کی مثنوی شریف بھی آپ کے مطالعہ میں تھی آپ نے اپنی المثنوی میں مثنوی معنوی کے اکثر مصرعے استعمال کئے ہیں۔

تیسرا دور رشد و ہدایت و تلقینِ مریدین اور سیر و سیاحت کا ہے اس دور میں وقت کے بڑے بڑے عارفوں نے آپ سے فیض حاصل کیا اور اسی زمانہ میں آپ نے ریاضات شاقہ اور سخت مجاہدات سے نفس کو مغلوب کیا بھاگوڑی کے جنگلوں میں مناظرِ قدرت اور معرفتِ کردگار کا مطالعہ کرتے رہے۔

یہ وہ صحرائی مقام ہے جو موجودہ قصبہ پانی پت سے جانب شرق دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے بچپن ہی میں قلندر صاحب وہاں جا کر شیروں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے ہم عمر بچے بھی آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے نیز جمعہ کے روز آپ وہاں ضرور جایا کرتے تھے زمانہ اخیر میں آپ نے وہاں سکونت اختیار کر لی تھی اب تک وہاں آپ کی مخصوص نشست گاہ

ہے جس کے آثار ہنوز باقی ہیں اور یہ جگہ پیر گوٹی کے نام سے مشہور ہے۔

چوتھا حصہ سکوت و محویت اور جذب و استغراق کا ہے یہ وہ دور ہے جس میں نہ اپنی خبر نہ خبر کا ہوش نہ ہمہ کا نشان نہ اوستا کی ضرورت تھی یہ ہُو کا مقام تھا اس مقام میں جس کو نگاہِ جمال سے دیکھا کامل کر دیا چنانچہ اس نگاہِ جمال سے صدہا پتھر پارس اور آہن کندن کر دئیے اور اگر کسی کو بنظرِ جلال دیکھا تو فنا کستر کر دیا اس مقام میں آپ کی نظر لوحِ محفوظ کے غیبی نوشتوں پر تھی جو کچھ زبان سے کہا پورا ہو کر رہا غرضیکہ یہیں اس پاک ہستی کے مشاغل جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حیاتِ قلندری ایک متقی اور نیک انسان کی زندگی کا مکمل اور جامع نمونہ تھی

دعوت و تبلیغِ اسلام

یہ امرِ واقعہ ہے کہ دعوت و تبلیغ اسلام کا اہم کام جس قدر ہندوستان میں ہوا ہے اس کے واقعات تاریخ میں سنہری حرفوں کی حیثیت سے خطِ پاشاں کا حکم رکھتے ہیں اس دعوت و تبلیغ میں زیادہ حصہ بنی فاطمہؓ کا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بنی فاطمہؓ کون ہیں اس کی تشریح یہ ہے کہ اولاد دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو صلبی جو دنیا کے دستور کے موافق ماں اور باپ سے پیدا ہوتی ہے ایک روحانی و معنوی جو کسی شخص کو راہِ سلوک میں اپنا ہادی اور پیشوا تسلیم کرے اور اس کی پیروی کو سعادتِ ابدی تصور کرے ایسی اولاد روحانی و معنوی اولاد کہلاتی ہے۔ پس حضرت امیر المومنین مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ کی صلبی اولاد بھی تمام اقصائے عالم میں پھیلی ہوئی ہے اور روحانی اولاد بھی بکثرت موجود ہے اس لئے اس روحانی اولاد کے کارنامے بھی بنی فاطمہ کے کارنامے شمار کیے جاتے ہیں۔

ہادیٔ برحق داعیٔ اسلام مبلغ اعظم قبلۂ عالم پناہ پانی پتی داعیانِ اسلام میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں آپ کو چونکہ حسب الارشاد فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مولائے کائنات رضی اللہ عنہ سے براہِ راست فیض پہنچا اور آپ کی روحانی تربیت بھی امیر علیہ السلام نے فرمائی اس لئے آپ کا نام امیر علیہ السلام کی روحانی اولاد میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے

لہٰذا ابنی فاطمہ کے تبلیغی کارناموں اور داعیانِ اسلام میں آپ کا درجہ بھی نہایت ممتاز تسلیم کیا گیا ہے آپ نے تبلیغ اور دعوتِ اسلام کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر کیا بہت سے غیر مسلموں نے آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ فرداً فرداً اشخاص کے علاوہ پانی پت کے راجپوتوں کا آپ کی دعوت سے زمرۂ اسلام میں داخل ہونا ایک ایسا واقعہ ہے جس کی نظیر الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتی ہے۔

مسٹر آرنلڈ بی۔اے۔ نے پریچنگ آف اسلام میں آپ کے سلسلۂ تبلیغ وارشاد کے ضمن میں لکھا ہے کہ تیرھویں صدی کے آخیر میں ایک بزرگ بو علی شاہ قلندر رہتے جو عراق عجم کے رہنے والے تھے پانی پت میں سکونت اختیار کی اور کم و بیش سو برس کی عمر پاکر ۱۳۲۴ء میں انتقال کیا پانی پت کے مسلمان راجپوت جو تین سو برس امر سنگھ کی اولاد سے ہیں جس کو شاہ صاحب نے مسلمان کیا تھا قلندر صاحب کے مزار کی یہ لوگ بہت تعظیم کرتے ہیں اور اُس کی زیارت کو جاتے ہیں"۔

ہم کو راجہ امر سنگھ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ جو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے مسٹر آرنلڈ کی اس تحریر کا حاشیہ سمجھنا چاہیے امر سنگھ کے آبا و اجداد قصبہ پانی پت کے قدیم سے راجہ چلے آتے تھے پانی پت کے مضافات اُن کے قبضہ میں تھے اُس وقت پایۂ تخت دہلی پر خاندانِ خلجی کا ایک بادشاہ قابض تھا چونکہ وہ مسلمانوں کے عروج و اقتدار کا زمانہ تھا اس لیئے اُس نے پانی پت پر چڑھائی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجپوت سب کے سب لڑائی میں مارے گئے صرف راجہ امر سنگھ کی والدہ جو اُن دنوں حاملہ تھیں بچ گئیں اپنی جان اور عصمت بچانے کے لیئے ایک کمہار کے ذریعے گون میں چھپ کر خفیہ طور پر اپنے باپ کے پاس جو الہ پور ضلع سہارنپور جو وہاں کا راجہ تھا چلی گئیں چنانچہ راجہ امر سنگھ وہیں پیدا ہوئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ امر سنگھ بچپن ہی سے بڑا بہادر اور سینہ زور تھا جب ہوش سنبھالا تو ایک دن اپنے ماموں زاد بھائیوں سے کشتی لڑ رہا تھا کہ اُس کی تعدّی دیکھ کر انھوں نے طنزاً کہا کہ مدت سے ہمارے دروازے پر پڑا ہوا ہے اور ہمیں کو گھورتا ہے یہ بھی معلوم نہیں کہ شاید کس کا زائیدہ ہے امر سنگھ کو یہ طعن نہایت ہی ناگوار گذری فوراً شمشیر بکف اپنی ماں کے پاس

آیا اور اپنے باپ کا نام اور وطن پوچھنے لگا جس کے جواب میں اُس کی ماں نے کہا کہ تیرا باپ پانی پت کا راجہ تھا جو مسلمانوں کی لڑائی میں مع اپنی افواج کے مارا گیا صرف میں اپنی جان کی خاطر یہاں چلی آئی اور تیری پیدائش یہیں ننھیال میں ہوئی اور جن کو تو اپنا حقیقی باپ تصور کرتا ہے وہ میرے بھائی اور تیرے ماموں ہیں۔

چونکہ امر سنگھ کے دل میں راجپوتی خون جوش مار رہا تھا اس لیئے اُس نے والدہ کو کہا کہ اب مجھ پر جوالہ پور کا دانہ پانی حرام ہے میں اپنے اصلی وطن میں جا کر مسلمانوں سے اپنے باپ کا بدلہ لوں گا یا خود مارا جاؤں گا اسی جوش میں ایک اشہب تیز رفتار پر سوار ہو کر تہور و مردانگی کے ساتھ پانی پت کی طرف مسلح ہو کر روانہ ہوا جب دریائے جمنا کے کنارے پہنچا تو ایک درویش محو عبادت نظر آئے وہ درویش قبلہ بوعلی قلندر تھے امر سنگھ کی سج دھج دیکھ کر قلندر صاحب نے فرمایا کہ بیٹا تجھ سے اسلام کی بو آتی ہے جس ارادہ پر تم گھر سے نکلے ہو وہ بالکل خام ہے تمہارے لیے اسلام کی حلقہ بگوشی ہی باعث عزت ہے امر سنگھ نے عرض کی کہ میں نے اپنی والدہ سے مشورہ نہیں لیا اگر اجازت ہو تو پوچھ آؤں آپ نے اجازت دی اُس نے واپس آ کر اپنی ماں سے پوچھا راوی کا بیان ہے کہ جب وہ مشورہ کر رہے تھے تو قلندر صاحب بھی وہاں موجود تھے اُس کی والدہ سے کہنے لگے کہ تم اسے اسلام قبول کرنے کی اجازت دے دو اُس نے سوال اٹھایا کہ مجھے اس میں کوئی عذر نہیں میرا صرف ایک ہی بیٹا ہے اسے اگر اجازت دے دوں تو اس کا ناطہ رشتہ کہاں ہوگا آپ نے فرمایا غم نہ کرو اس کے متعلقین بھی دائرۂ اسلام میں آ جائیں گے۔

بالآخر والدہ نے اجازت دے دی مگر قلندر صاحب اسی وقت غائب ہو گئے جب امر سنگھ اجازت لے کر جمنا کے کنارے پر آیا تو آپ وہیں ٹہلتے ہوئے نظر آئے قلندر صاحب نے پاس بلا کر نعمت اسلام سے مالا مال کر کے امر اللہ خاں نام رکھا اور ایک ٹھیکری پر سفارش نامہ بنام سلطان علاؤالدین خلجی تحریر فرما کر امر اللہ خاں کو دیا کہ اسے سلطان کے دربار میں پیش کرنا وہ مفتوحہ علاقہ تمہیں واپس کر دے گا امر اللہ خاں پایۂ تخت دہلی میں پہنچ کر حاضر دربار ہوئے جس پر سلطان نے مفتوحہ علاقہ بخوشی واپس دے دیا اور آپ پانی پت میں آ کر

منصب راجائی پر مامور ہو گئے۔

قلندر صاحب کے تصرفِ باطنی سے امر اللہ خاں کے ننھیال والے تمام راجپوت مسلمان ہو گئے آپ کی شادی انہیں میں ہوئی۔ شہاب خاں، شہباز خاں اور دولت خاں آپ کے صاحبزادے تھے جن کی اولاد اب تک پانی پت میں موجود ہے اور ان راجپوتوں سے بھی اُن کی رشتہ داریوں کا سلسلہ جاری ہے۔ پانی پت کے راجپوت آج تک حضور قبلۂ عالم پناہ سے انتہائی عقیدت رکھتے ہیں اور حضور کے مزار فائض الانوار پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں۔

خلفاء

حضور کا حلقۂ ارشاد بے حد وسیع تھا اور وقت کے اکثر اہلِ کمال نے آپ سے استفادہ کیا ہے حضور حکمنامہ میں خود فرماتے ہیں کہیں وقت کے بڑے عالی پایہ اور متبحر علماء کے پیہم اصرار پر منصبِ فتویٰ نویسی پر مامور ہوا مگر چونکہ قلندر صاحب کے حالات حیات کسی جامع صورت میں ضبطِ تحریر میں نہیں آئے اس لئے حضور کے خلفا کی پوری تعداد معلوم نہیں ہو سکی تاہم جس قدر اسمائے گرامی معلوم ہو سکے وہ ذیل میں درج ہیں:-

حضور مبارک خاں صاحب

حضرت کے اجل خلفا میں سے سب سے بڑے اور مقبول خلیفہ تھے جن کا فیض اس وقت تک جاری و ساری ہے آستانۂ قلندریہ میں اس وقت تک جس کو بار یابی نصیب ہوتی ہے وہ شہزادہ صاحب ہی کے توسط سے ہوتی ہے جس کا سلسلہ انشاءاللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء

آپ اگرچہ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کے مرید تھے مگر سلوک کے جملہ مراتب حضور قلندر صاحب ہی سے آپ کو طے کرائے مخدوم صاحب کو قلندر صاحب نے اپنی گود میں

کھلایا تھا جب آپ حضرت مخدوم کو سلاتے تو یہ لوری پڑھتے۔

تیری گھری سے لاگا گارا رے | بانوری بھائی میر سانور بے بھائی

مولانا سراج الدین رکوعی — یہ بھی قلندر صاحب کے مرید اور خلیفہ تھے

مولانا سراج الدین مکیؒ — اگرچہ حضور قبلہ عالم پناہ کے استاد تھے لیکن آپ کو فیض روحانی حضور ہی سے حاصل ہوا تھا۔

مولانا شاہ اختیار الدین قلندرؒ — آپ قلندر صاحب کے برادر زادہ تھے قلندر صاحب کو آپ سے کمال درجہ محبت اور الفت تھی قلندر صاحب کے ارشاد کے مطابق آپ صاحب ولایت قنوج ہو کر وہاں تشریف لے گئے اب تک آپ کی اولاد قنوج شریف اور اس کے مضافات میں آباد ہے آپ کا مزار اقدس قنوج شریف میں ہے۔

شیخ احمد قلندر زندہ پیر رحمۃ اللہ علیہ — گو کہ بھی حضور قبلہ عالم پناہ سے اور مولانا شاہ اختیار الدین سے سند خلافت حاصل تھی چونکہ آپ کی بیعت حضرت خواجہ محبوب الٰہیؒ دہلوی سے تھی اور خلافت بھی اس لئے لوگ اسی بیعت کو حضرت قلندر صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ آپ کو خواجہ سلطان المشائخ دہلوی سے ارادت تھی مگر اصل یہ ہے کہ وہ بیعت حضرت کے برادر زادہ شیخ احمد قلندر کی تھی۔

مخدوم راجی جمشید راج گیری — بھی آپ کے خلیفہ تھے

مشرب و طریق

شرف در عشقِ تو گشت آں قلندر　　کہ ہنا دو دولت یار دارد

قلندر صاحب کی زندگی کے متعلق شیعہ سنّی کا کوئی جھگڑا نہیں کیونکہ آپ کو
تاجدارِ احناف حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحؒ کی اولاد ہونے کا فخر حاصل ہے اس لئے آپ
کے مشرب پر قلم اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی لیکن ہم نے مناسب سمجھا کہ عام حالات
کی طرح اس سے بھی ناظرین کو آگاہ کر دیا جائے کہ قلندر صاحب کا مشرب کس قدر فراخ تھا
یہ لوگ ایسے جھگڑوں میں عمداً نہیں پڑتے اور ان کا مذہب قرآن شریف خدا اور رسول ہوتا
ہے تاہم ہمیں یہ لکھنے میں کوئی تامل نہیں کہ قلندر صاحب ہر دل عزیز بزرگ تھے اپنے وقت
کے تمام اہل اللہ سے نیاز حاصل تھا البتہ ان واعظوں اور مولویوں سے آپ کو خاص نفرت
تھی جو سع

چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر میکنند

کے عامل تھے اور جنہوں نے مذہب کو میدانِ رزم بنا دیا تھا اُن کی بے راہ رویوں اور
شرب الیہود کے متعلق اپنے دیوان میں اشارے کئے ہیں چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں سے

بترس از نگہِ قہرِ او و دم درکش　　بزہد و طاعتِ خود زاہدا مشو مغرور

سماع سے آپ کو خاص لگاؤ تھا جو چشتیہ طریق کی خاص نعمت ہے اور اس
خراب آباد میں اپنی کھوئی ہوئی دولتِ عشرت آباد نورانی جنت اور وہاں کے مناظر کو مزامیر
الست کے ذریعے یاد کر کے حظ اٹھاتے تھے منکرینِ سماع کے متعلق فرماتے ہیں کہ اُن
کے کان بہرے ہیں اور سر سودائے یار سے خالی ورنہ اشترِ بے عقل بھی جرس کی آواز
پر رقص کرتا ہے سے

گوشش کر است و سر خالی از سودائی یار　　شیخ گر حظے نمی گیرد ز آہنگِ سماع

یہ شغل اور شوق اس درجہ ترقی پذیر تھا کہ آپ کی وفات کے بعد جائے مدفون

پر جو تنازع برپا ہوا اُس کے فیصلہ کی ایک شرط حسب تجویز مولانا سراج الدین کی یہ بھی تھی کہ قلندر صاحب کی لاشِ مبارک پر مطرب راگ گائیں اگر لاش کو جنبش ہو تو صحیح فیصلہ ہو گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس کے علاوہ اہلِ بیت سے آپ کو دلی محبت تھی[۱] اور عقیدے کے لحاظ سے آپ غیر متعصب سُنی تھے آخر میں ہم مشرب و طریق کے متعلق قلندر صاحب کے اپنے فیصلہ سے عنوان کو مزین کر کے ختم کر دیتے ہیں:-

"اے برادر در عشقِ محبوب چنانم کہ من خود را نمے دانم واز ہفتاد و دو ملت درمیانِ کیانم ہمہ را دور مے دانم مگر بجز حسنِ معشوق دیگر نخوانم"

جنگ ہفتاد و ملت ہمہ را عذر بنہ | چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

تجرد و اتقا

نہ یک پسر پدیلم جا کند نہ یک دختر | ہزار عشق بدیں ساں بزاد و باز بمرد

ہم نے دیباچہ میں افسوس کے ساتھ اس امر کا تذکرہ کیا ہے کہ جہلا اور عوام نے قریب قریب ہر بزرگ کے متعلق من گھڑت افسانوں اور بعید از قیاس روایات کا

---

[۱] آپ کے پاس ہمیشہ بچوں کا ہجوم رہتا تھا جن میں اکثر اہلِ بیت بھی ہوتے تھے ادب اور احترام کا یہ عالم تھا کہ جب تک وہ سید زادے انکھوں سے اوجھل نہ ہو جاتے آپ بدستور کھڑے رہتے اور جب بچے آپ کے گرد حلقہ باندھ کر علی علی کہتے تو آپ بہت خوش ہوتے اور جو کچھ اپنے پاس موجود ہوتا سب لٹا دیتے غرضیکہ چھوٹے بچوں کے ساتھ آپ کو انتہائی محبت تھی یہ نسبت کہ اب بھی آپ کے آستانہ مقدس پر بچوں کا ہجوم رہتا ہے یہ ہم نے بچشم خود دیکھا حضرت سید غوث علی شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ بچے ولی گر ہیں

عطاؤ مظہر۔

ایک طومار تصنیف کر لیا ہے اور پھر وہ واقعات اس رنگین بیانی سے پبلک میں لائے جاتے ہیں کہ گو ان کو عقل سلیم باور کرنے کو تیار نہیں ہوتی تاہم کوئی انکار نہیں کر سکتا چنانچہ قلندر صاحب بھی اس مشق افسانہ سازی سے بچ نہ سکے اور اُن کی نسبت بھی ایسی ہی روایات کا سلسلہ نسلاً بعد نسلاً جاری ہو گیا جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ صوفی شعراء کے کلام میں شراب اور شاہد کا استعمال اس کثرت سے ہوا ہے کہ رفتہ رفتہ عوام نے اُن تشبیہات و استعارات اور طلب شرابِ حقیقی سے نفسانی نتائج اخذ کر لیئے حالانکہ اصطلاح تصوف کے مطالعہ سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ شراب و معشوق سے اُن حضرات کی مراد کیا تھی اور کس بنا پر ان الفاظ کا استعمال کیا گیا۔ اگر بنظرِ امعان تحقیق دیکھا جائے تو ان نفسانی نتائج کی تکذیب ہو سکتی ہے جو عوام میں مشہور ہیں پہلے ہم قلندر صاحب کی شخصیت ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر دو ایک غلط العام روایات بیان کریں گے اور ان کا فیصلہ ناظرین کے مذاقِ سلیم پر چھوڑ دیں گے کہ آیا ان روایات سے قلندر صاحب کے تقدس و اتقا پر کیا اثر پڑتا ہے۔

ہم آپ کے حالات میں لکھ چکے ہیں کہ آپ کو شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی صاحب لمعات کے نور العین اور لختِ جگر ہونے کا فخر حاصل ہے جو طبقہ صوفیہ میں امام اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے نیز آپ کی والدہ ماجدہ سید نعمت اللہ ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ تھیں اور حافظہ قرآن ہونے کے علاوہ زہد و ورع اتقوہ و پرہیزگاری کا کامل نمونہ تھیں۔

آپ کی ولادت کے بیان میں لکھا گیا ہے کہ شاہ جمال قلندر رحمہ پوش نے آپ کے کان میں آیت قرآنی پڑھی اور بقول بعض اسم اعظم پڑھا پھر حضرت مولانا سراج الدین مکی سے قرآن شریف حفظ کیا اور دیگر علوم مروجہ کی تکمیل کی سب سے بڑی نعمت جو آپ کو حاصل ہوئی وہ یہ تھی کہ آپ نے حضرت امیر المومنین سے روحانی فیض حاصل کیا جس کی صراحت آپ نے اپنے قلم سے رسالہ سلوک میں بیان فرمائی ہے۔

آپ نکاتِ قرآنیہ کے بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں علم فقہ و حدیث پر پورا عبور حاصل تھا ہمارے اس دعوے کی تصدیق آپ کی زندگی کا وہ دور کر سکتا ہے جس میں آپ مفتی شہر تھے یا وہ حضرات جانتے ہیں جنہوں نے حکمنامہ اور دیگر تصانیف کا مطالعہ کیا ہے

قلندر صاحب کی تصانیف کے تذکرے میں اجمالاً اُن پر بحث کی گئی ہے جس سے قلندر صاحب کی انتہائی عظمت ثابت ہوتی ہے آپ ایک باشرع متبحر عالم اور فقیہ تھے شریعتِ مصطفوی کے پورے پابند اور اس پر نہایت سختی سے عامل تھے فخرِ کائنات کے اتباع کو فلاحِ کونین و سعادتِ دارین سمجھتے تھے جیسا کہ اپنے دیوان میں ایک نعتیہ غزل کے مقطع میں فرماتے ہیں۔

اے شرف دو جہاں اگر خواہی ہمہ در بندگیٔ حضرتِ اوست

نیز اپنے مکتوبات میں شریعت اور طریقت کا تعلق ان پر معنی الفاظ میں تمثیلات کے ذریعہ بیان فرمایا ہے۔

"در گذشتہ شریعت در دست بگیر زیرا کہ تنہ شریعت کالبد است چوں کالبد را از شریعت پاک کنی ظاہر آراستہ باشی و تن را راست کردہ باشی از شرع چوں شریعت استقامت یابد گل طریقت در دل نو شگفتہ بوئے آں معطر گرداند تنہ شریعت را چوں بوئے طریقت را شریعت بدانا بود در خود بشناسد باز حقیقت ازیں شریعت پیدا آید"

اس بیان سے آپ کی وسعتِ نظر اور اس دستگاہ کا علم ہوتا ہے جو آپ کو علومِ متداولہ اور بالخصوص تصوف میں حاصل تھی اور اگر کوئی مشتبہ الاصل واقعہ ہو بھی تو وہ حالتِ سکر کا ہے جو قابلِ گرفت نہیں۔

صوفی کے لیے کائنات کا ذرہ ذرہ معرفتِ کردگار کا دفتر ہے چونکہ اس کی نظر مخلوق سے خالق پر پڑتی ہے لہٰذا اگر وہ انسانی خط و خال میں نورِ مطلق کا مشاہدہ کرے تو وہ کونسی قباحت ہے کہ اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ حدیثِ قدسی وارد ہے اور اَلْاِنْسَانُ مِرْاٰۃُ الرَّحْمٰنِ حدیثِ نبوی ہے۔ پس واقعات کی بنا پر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آپ کی نسبت افسانہ سازی کی مشق محض جہالت کا باعث ہے ورنہ حقیقت اور اصلیت اُن واقعات کے خلاف ہے جو ہستی عرفانی دنیا میں امام کا درجہ رکھتی ہو جس کی عظمت طبقۂ صوفیا میں مسلم اور ہمہ گیر مانی گئی ہو اُس کی نسبت ایسی مشق نہایت ہی افسوسناک ہے ناظرین نے اس مختصر سی تشریح سے قلندر صاحب کی شخصیت اور عظمت کا اندازہ کر لیا ہوگا اب ہم وہ

روایات نقل کرتے ہیں جو عوام میں مشہور ہیں۔

شاہ مبارک خان

آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے صاحبزادے تھے جو قلندر صاحب کی دعا ہی سے کتم عدم سے عرصۂ وجود میں آئے شاہ مبارک خان حسن و جمال میں لاثانی تھے قلندر صاحب کو آپ سے عشق کا دعویٰ تھا چنانچہ آپ نے اپنے دیوان میں اکثر اشعار صاحبزادہ صاحب کو مخاطب کر کے لکھے ہیں قلندر صاحب کو اپنے محبوب کی جدائی نہایت ہی شاق تھی اور ایک لمحہ بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے تذکرے آپ کے معاشقہ کو مختلف رنگوں میں پیش کرتے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ شاہ مبارک خاں وجیہہ و جمیل شاہزادے تھے اور ایک توازل سے ہی قلندر صاحب کے اور آپ کے درمیان رشتۂ الفت اور فی سبیل اللہ فقیرانہ اور درویشانہ محبت کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا جس کو دنیا کی کوئی مادی طاقت ہٹا نہ سکتی تھی دوسرے یہ کہ قلندر صاحب حقیقت منتظر کو لباس مجاز میں دیکھنے کے عادی تھے اور حق تو یہ ہے کہ قلندر صاحب کو یہ نعمت اپنے والد بزرگوار سے بطور ورثہ عطا ہوئی حضرت شیخ پر بھی یہی کیفیت غالب تھی جس کو خواجہ ملتانی نے دوسری طرف منتقل کر دیا۔

حضرت محبوب الٰہی کو بھی اپنے محبوب مرید حضرت امیر خسرو سے عشق کا دعویٰ تھا اور آپ نے امیر کو ترک کا خطاب مرحمت فرمایا تھا جیسا کہ فرماتے ہیں

گر برائے ترک ترکم ارّہ بر تارک نہند ترک تارک مے کنم ہرگز نہ گیرم ترک ترک

قلندر صاحب کی نظر بھی چونکہ صنعت سے صانع پر پڑتی تھی اس لئے اس پاک اور بے لوث محبت نے مبارک خاں کو محبوب کا خطاب دلوایا یہی مبارک خاں اپنے وقت کے باکمال بزرگ تھے جن کی وفات کے بعد بھی اکثر اولیا نے آپ کی روح مقدس سے فیض حاصل کیا یہی مبارک خاں آپ کے محبوب مرید تھے جو لوگوں کی حاجتیں اور عرضداشتیں دربار قلندری میں پیش کر کے جلد اجابت پر پہنچا دیتے انہی مبارک خاں کی نسبت آپ کا ارشاد ہے کہ "جب زائرین میرے مزار پر آئیں تو اول میرے محبوب کے مزار پر حاضری دیکر میری قبر پر آئیں" پس یہ ہے اس خانہ ساز عاشقی کی حقیقت جس کو عوام نے اصلیت کا

رنگ دے کر دنیا کے سامنے پیش کیا

اب ہم اس عنوان کے دوسرے پہلو پر غور کرتے ہیں لیکن غور کرنے سے پہلے یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ جو لوگ اصطلاحِ تصوف سے ناواقف ہیں اُن کو جاننا چاہیئے کہ کلامِ صوفیا میں عارض ولب، دہان وکمر، غمزہ وعشوہ، خط وخال، ساقی وشراب، شمع وشاہد لوازمات ہو گئے ہیں خدا کی حمد، رسول کی نعت میں ممدوح کی مدح میں یہی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ عاشق کو اپنے جذباتِ حقیقی بیان کرنے کا اس شاہراہِ غزل کے سوا اور کوئی بہتر ذریعہ نہیں لیکن ان الفاظ سے مراد وہ نہیں جو عوام سمجھتے ہیں شرح میں ہم نے اُن الفاظ کی مناسب تشریح لکھی ہے اور اگر ان واقعات کو کسی دوسرے رنگ میں لیا جائے تو بھی قلندر صاحب کے تقدس پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا کیونکہ حدیث میں آیا ہے "اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيْقَةِ" انسانی زندگی کے لیئے مجازی عشق بھی ایک مرحلہ ہے قلندر صاحب کے اس شعر:-

شعر: گر عشق حقیقی است وگر عشق مجاز است　　مقصود ازیں ہر دو مرا سوز وگداز است

کی شرح میں ہم نے مجاز وحقیقت پر مفصل بحث کی ہے مولانا جامیؒ نے عشقِ مجاز کو پل سے تشبیہ دے کر اس پر سے جلدی گذر جانے کی تاکید کی ہے:-

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست　　کہ او بہر حقیقت کارسازیست

بلوح اوّل الف با تا نخوانی　　ز قرآں درس کردن کے توانی

شنیدم شد مریدے پیش پیرے　　کہ باشد در سلوکش دستگیرے

بگفت ار پا نشد در عشق تا زجا　　برو عاشق شو اوّل پیش ما آ

کہ بے جام مے صورت کشیدن　　نیاری جرعۂ معنی چشیدن

ولے باید کہ در صورت نمانی　　وزیں پل زود خود را بگذرانی

چوں خواہی رخت در منزل نہادن　　نباید بر سرِ پل ایستادن

خود قلندر صاحب مجاز وحقیقت کی نسبت لکھتے ہیں:-

"اے برادر عشق مجاز را اگر بدانی بر عشق حقیقی دائم سیانی چوں حسن مجاز

راز معنی بینی بر عشقِ حقیقت ازاں دلِ نشینی مجاز را چوں تراز دانی بر حسنِ حقیقت
از عشق مانی چوں حقیقتِ عشق نساید از حسن خود عشقت ربایدؔ"

اخیر میں ہم یہ لکھنا چاہتے ہیں کہ اگر ان روایات کو کوئی اہمیت بھی دی جائے تو بھی قلندر صاحب کے تقدس و اتقا پاک بازی اور پاک باطنی پر کوئی بُرا اثر عاید نہیں ہو سکتا اور ان کا دامن افراط و تفریط کے ناگوار دھبّوں سے بالکل پاک رہتا ہے

ذاتی حالات

وقائع نگاروں نے قلندر صاحب کے سوانح حیات کچھ ایسے ہیبت ناک پیرایے میں ترتیب دیئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی ایسے پانی پت میں رہتے تھے جہاں انسانوں کا گذر نہ تھا۔ اور ایسے واقعات نہایت بے جگری سے نظر انداز کر دیے جو ایک با اخلاص اور بے ریا درویش کے شایانِ شان ہوتے ہیں۔

موجودہ روایات کی بنا پر اگر کوئی شخص قلندر صاحب کی لائف مرتب کرنے کا تہیہ کرے تو ہر طرف سے اُسے ایسے مایوس کن اسباب سے ضرور دوچار ہونا پڑے گا اور مجبوراً اس کو قلم پھینک کر منصبِ سوانح نویسی سے دست بردار ہونا پڑے گا لیکن الحمدُللہ کہ ہم اپنی لگاتار کوششوں سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اگر جامع اور مکمل نہیں تو کم از کم سنگِ بنیاد ضرور ہے تاکہ آنے والی نسلیں اس خاکہ پر بڑی سے بڑی عمارت تیار کر سکیں۔

یہ تو امرِ واقعہ ہے کہ قلندر صاحب نے شادی[1] نہیں کی اس لئے آپ کی کوئی

---

[1] حضرت مولانا عراقی رہ نے جب حضور کی شادی کا عندیہ ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا ابّا جان میری شادی کس لئے ..... کرتے ہو فرمایا بیٹا اس لئے کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے میرا مقصد اس سے یہ ہے کہ سلسلۂ نسل قائم رہے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ حضرت آپ اندیشہ نہ کیجئے انشاء اللہ میں ایسی بتّی ڈالوں گا کہ چراغ حشر تک نہ بجھے گا چنانچہ یہ حق آپ کی دعا کا اثر ہے کہ شاہ نظام الدین عراقی کی نسل پیرزادوں کے نام سے معزز و ممتاز ہے۔

صلبی اولاد نہ تھی البتہ روحانی اور معنوی اولاد بکثرت تھی اور آپ کے برادرِ کلاں شاہ نظام الدین عراقی کی اولاد میں مولانا اختیار الدین قلندر اور شاہ احمد زندہ پیر حضرات تھے جو آپ کے برادر زادے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد منصب سجادگی شاہ نظام الدین عراقی کی اولاد میں منتقل ہوگیا اور اُن میں سے شاہ احمد زندہ پیر پہلے سجادہ نشین ہوئے اُن کے بعد نسلاً بعد نسلاً اُن کی اولاد منصب سجادگی پر فائز ہوتی رہی چنانچہ موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا پیر محمد عبدالرشید صاحب پانی پتی قلندر صاحب کے برادر نظام الدین عراقی کی نسل سے ہیں آپ کے مکتوبات شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے برادر زادگان سے خاص محبت تھی جو سب کے سب آپ کے حلقہ بگوش اور حلقۂ ارشاد کے حاضر باش تھے اور یہی حضرات قلندر صاحب کی صلبی اولاد کی جگہ تھے ازاں جملہ شاہ اختیار الدین قلندر آپ کے خاص محبوب مرید اور معتقد تھے مکتوب تمام کے تمام انہی کو مخاطب کر کے لکھے گئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا درویشانہ اخلاق نہایت وسیع تھا خاندان والے آپ کے فتوح و برکات سے مستفید ہوتے تھے۔

آپ کی عمر کا کچھ حصہ دربارِ شاہی سے بھی بزمانہ سلطان علاؤالدین خلجی متعلق تھا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ دنیا کے طالب تھے یا دنیا پرست لیکن یہ کہنے میں تامل نہیں کہ تارکِ دنیا بھی نہ تھے اور راہبانہ زندگی سے جس کی اسلام نے مخالفت کی ہے آپ کو سخت نفرت تھی آپ ایک مدرس یا معلم یا واعظ ہی نہ تھے بلکہ اعلےٰ پایہ کے فلسفی ادیب اور انجمن ادب کی شمع فروزاں تھے مہمان نواز تھے "نان دے اور آخرت کی جان لے" پر عامل تھے چنانچہ حضرت امیر خسرو جب تحائف سلطان لے کر آپ کی خدمت میں آئے تو حالانکہ آپ کی جلالیت[1] کا شہرہ چہار دانگ عالم میں پھیل چکا تھا۔

"تا جلالِ تو بسا پر تو فگند   در جہاں شہرہ شدیم آتش مزاج"

لیکن پھر بھی اپنے برادر زادہ شیخ احمد زندہ پیر کو ارشاد فرمایا کہ امیر کو تین دن تک مہمان رکھو اور خاطر

---

[1] ملاقات کے وقت حضرت امیر خسرو نے عرض کی کہ حضور میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے قدموں میں گر جاؤں اور اپنی آنکھیں ان پر ملوں قلندر صاحب نے فرمایا بھائی ہمارے نزدیک مت آؤ کیونکہ یہاں جلانے والی آگ ہے آتش [illegible]

ومدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا اس کے علاوہ سلطان تغلق سلطان محمود اور سلطان فیروز کو شاہزادگی کے زمانے میں ایک دسترخوان پر کھانا کھلا کر سلطنت کی بشارت دی۔

سلطان غیاث الدین نے جب خواہش ظاہر کی کہ مجھے کوئی حکم ہوتا کہ تعمیل کروں تو ملک علی الصاری کے لئے جاگیر اور معاش مقرر کرا دی غرضیکہ ایسے واقعات بکثرت ہیں جن کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سعادتِ دین کے ساتھ ساتھ سعادتِ دنیا بھی آپ کے حصہ میں تھی اور آپ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اچھی طرح برتنا جانتے تھے باوجود ان سب باتوں کے آپ کے مزاج میں استغنا اس درجہ ترقی پذیر تھا کہ وقت کے تمام بادشاہ حلقہ بگوش اور اشارہ چشم پر تن من اور دھن لٹا دینا سعادتِ دارین تصور کرتے تھے لیکن آپ نے کبھی کوئی فرمائش نہ کی اور وہ بلند گردن جسے خدا نے اپنے دروازے پر جھکنے کے لئے بنایا تھا کسی امیر کے دروازے پر نہ جھکی اور زبانِ سوال سے اپنے استغنا کو آلودہ نہ کیا صحیح معنوں میں آپ نِعْمَ الْفَقِیرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیرِ وَ بِئْسَ الْاَمِیرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیرِ پر عامل تھے آپ کی شاعری اکتسابی نہ تھی بلکہ وہبی تھی معاش کا ذریعہ نہ تھی جیسا کہ آپ کے بعض پیش رو نہایت ارذل طریقوں سے اپنے اشعار کا صلہ طلب کرتے تھے آپ دنیا کی دولت پر گویا ٹھوکر مارے ہوئے تھے آپ نے اپنی کسی کتاب میں کسی امیر یا بادشاہ کی مدح و ستائش نہیں لکھی کوئی انعامیہ قصیدہ تصنیف نہیں کیا صرف ایک دو قصیدوں میں سلطان غیاث الدین بلبن کے نظم و نسق کی طرف اشارہ کیا ہے آپ کی روزی کا مدار قصیدہ خوانی پر نہ تھا فتوحات کی آمد بے شمار تھی اس پر بھی آپ ایسے مستغنی المزاج تھے کہ دل چاہا تو رکھ لیا ورنہ مستردان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ذات میں جلال اور جمال کی دونوں شانیں بدرجۂ اتم موجود تھیں اور گو دنیا کے روح فرسا تعلقات سے دامن کش تھے مگر بقول حافظؒ

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندی کردہ ایم · بازمے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

دنیا سے محمود کے تعلقات کو آخری دم تک اپنی زندگی کا مقصود بنائے رکھا اور راہبانہ زندگی سے مجتنب رہے مبارک ہیں وہ ہستیاں جو دنیا میں رہیں لیکن اپنے دامن کو اس کے روح فرسا تعلقات سے بچائے رکھا اللہ تعالیٰ سب کے ساتھ ہم کو بھی صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

وفات

قلندر صاحب کی وفات ۹ رمضان المبارک ۷۲۴ھ بعد نماز مغرب بوڑہ کھیڑہ ضلع کرنال میں ہوئی تین روز تک کسی کو آپ کے وصال کی خبر نہ ہوئی تیسرے دن چند زائرین حضور کی زیارت کے لئے جو گئے تو آپ کو سوتے ہوئے پایا زائرین نے فوراً کرنال جا کر خبر کی کہ قلندر صاحب اس کنج محنت آباد سے عشرت آباد نورانی کی طرف رخصت ہو گئے ہیں سب معتقدین خبر سنتے ہی موضع بوڑہ کھیڑا میں آئے کیا دیکھتے ہیں حضرت رو بقبلہ دیوار کرامت اور جال کے درخت کے نیچے عالی چبوترہ پر جاں سپار ہیں کرنال والے حضرت کی نعش مبارک کو اٹھا کر کرنال لے آئے زائرین کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہزارہا مشتاقان جمال کو کندھا دینا نصیب نہ ہوا ع :-

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

اس وقت پانی پت میں آپ کے استاد مولانا سراج الدین مکی و دیگر حضرات موجود تھے اسی اثنا میں مولانا سراج الدین کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا اٹھو میں اس جہان سے رخصت ہونے والا ہوں مجھے پانی پت لے آؤ اور یہیں دفن کرنا مولانا نے قلندر صاحب کے برادر زادہ شیخ احمدؒ نیز دیگر زعمائے قوم انصار کے بزرگوں کو اس واقعہ سے مطلع کیا سب حضرات کرنال کی طرف روانہ ہوئے جب وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کرنال والے آنحضور کی نعش مبارک کو غسل دے کر تجہیز و تکفین پر آمادہ ہیں ۔

آپ کے بھتیجے شیخ احمدؒ اور دیگر بزرگوں نے اصرار کیا کہ ہم نعش مبارک پانی پت لے جا کر دفن کریں گے مگر کرنال والے قیل و قال کرنے لگے کہ حضور اسی جگہ استراحت فرمائیں گے کیونکہ حقیقتاً یہاں کرنال ہی آپ کی ولایت ہے مولانا سراج الدین نے فرمایا کہ ہم قلندر صاحب کے ایما پر آئے ہیں تم اس بات سے انکار نہ کرو اور شیخ احمد ان کے حقیقی وارث ہیں ان کو اختیار

ہے جو چاہیں کریں مگر کرنال والے کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

جب مولانا نے دیکھا کہ کوئی فیصلہ نہیں ہوتا تو فریقین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگ کیوں بے فائدہ جھگڑتے ہو آؤ اس معاملہ میں حضرت کی لاش مبارک ہی سے فیصلہ لے لیں جو ارشاد ہو گا اس پر عمل کیا جائے گا طرفین نے اس رائے کو تسلیم کیا مگر اس حیص بیص میں دن تمام ہو گیا اور فیصلہ صبح پر چھوڑا گیا اور سب حاضرین لاش کے گرد اگرد بیٹھ کر فاتحہ شریف درود شریف اور سورۂ اخلاص پڑھنے لگے آخر صبح ہوئی مولانا سراج الدین نے مائیکوس بلاول راگنی جو قلندر صاحب کی مقبول و مرغوب تھی گوانی شروع کی اور فرمایا کہ اگر اثنائے راگ میں حضور کا جسم مبارک جنبش کھائے تو پانی پت والے مالک ہیں بصورت دیگر اہل کرنال! اور ساتھ ہی ایک یہ بھی شرط تھی کہ قلندر صاحب کی لاش مبارک کو پہلے کرنال والے اٹھائیں اگر اٹھا لیں تو انہیں اختیار ہے جس جگہ چاہیں دفن کریں بصورت دیگر پانی پت والے اٹھائیں گے اگر وہ اٹھا لیں تو انہیں پانی پت لے جانے کا اختیار تھا چنانچہ مطربوں نے گانا شروع کیا لاش مبارک کے ارد گرد اہل اللہ حضرات اور خاص و عام کا کثیر مجمع تھا دفعتہً حضرت کا ہاتھ اٹھا اور کفن سے باہر نکل آیا۔ اور بدن مبارک جنبش کھانے لگا مولانا نے پاس شریعت کی وجہ سے مطربوں کو گانے سے منع کیا جب گویے خاموش ہو گئے تو فرمایا دیکھو حضرت کی ایک کرامت تو ظاہر ہو گئی اب قول فیصل یہ ہے کہ اہل کرنال جنازہ اٹھائیں کرنال والے اٹھے اور جنازہ اٹھانا چاہا مگر سبحان اللہ لاش مبارک جگہ سے نہ ہلی اب پانی پت والوں کی باری آئی تو شیخ امیر زندہ پیر مولانا سراج الدین مکی و ملک علی انصاری اور دیگر حضرات نے بسم اللہ شریف پڑھ کر اس جسد پاک کو اٹھا کر صندوق میں رکھ لیا اور پانی پت کی راہ لی اور بتاریخ ۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ بعد نماز مغرب اس آفتاب ولایت کو سپرد زیر خاک ہا!

قلندر صاحب نے اپنے دورِ حیات میں سلطان علاؤالدین خلجی کے اہتمام سے جو چھتری نما گنبد بنوایا تھا اسی میں استراحت فرمائی اور وہیں آپ کے بالین کی طرف آپ کے محبوب شاہزادہ مبارک خاںؒ آسودہ ہیں۔

دنیا میں مشہور ہے اور حضور کا ہر ایک معتقد جانتا ہے آپ کی وفات موضع بوڑہ کھیڑہ

میں ہوئی اور وہاں سے لاشِ مبارک کو اہلِ کرنال زبردستی کرنال میں لے آئے اور وہاں سے حسبِ فیصلہ مولانا سراج الدین کی جنازہ مبارک پانی پت لایا گیا مگر چونکہ حضور کے روضہ ہائے مبارک بوڑھ کھیڑا، کرنال اور پانی پت تینوں جگہ ہیں اس لئے آپ کے جائے مدفن میں اختلاف پڑ گیا ہے اور ہر ایک کو اپنی عقیدت ایک طرف لے جا رہی ہے مگر یہ خیال سراسر غلط ہے کیونکہ وقت کے بڑے بڑے نامور مشائخ، علماء و فضلاء کی ایک بڑی جماعت اس پر متفق ہے کہ قلندر صاحب قصبہ پانی پت میں ہی مدفون ہیں چنانچہ منجملہ ان کے حضرت سید محمد گیسو دراز گلبرگوی، سید محمد عبداللہ دکنی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ امان پانی پتی، میر مودود لاری، شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی، شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ دوجن جلندھری، شیخ موسےٰ زبیری، شیخ محمد شریف عظیم آبادی، شیخ عبدالرسول انبالوی، شیخ محمد نظام بلخی، شیخ محمد عثمان پانی پتی، شیخ احمد زاہدی، اور شیخ مومن مست وغیرہ حضرات سب اسی پر متفق ہیں کہ قلندر صاحب کا صحیح مزار پانی پت میں ہے اور وہاں سے آفتاب کی طرح آپ کا فیض جاری و ساری ہے۔

ہمیں تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ قلندر صاحب کا مزار[1] کرنال و بوڑھ کھیڑا میں بھی اب تک موجود ہے جہاں سلسلہ بعد سلسلہ نسلاً بعد نسلاً مجاور اور متولی رہتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ قلندر صاحب کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے وہاں یادگاریں قائم کی گئی تھیں جو اب تک موجود ہیں ورنہ اصلی مزار پانی پت میں ہی ہے۔ خواجہ حافظ شیرازی نے خوب کہا ہے

برزمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود ۔۔۔ سالہا سجدہ گہ صاحب نظراں خواہد بود

کسی عاشق نے قلندر صاحب کی تاریخ پیدائش تعداد عمر شریف اور تاریخ وصال

---

[1] حضور کی تعداد مزار کی وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کو مولائے کائنات حضرت علی علیہ الصلوات کے ساتھ اس قسم کی فنائیت حاصل تھی جیسی کہ مرید کو پیر کے ساتھ ہونی چاہیے جس کو اصطلاح میں فنا فی الشیخ کہتے ہیں طبقہ صوفیاء میں مولائے کائنات کے مزار کی نسبت بھی تعدد مشہور ہے اس نسبت سے حضور کے مزار میں بھی تعدد ہے مذکورہ مزارات کے علاوہ ریاست جودھپور میں بھی کسی پہاڑ کے اندر حضور کا مزار ہے جہاں ایک جوگی جاروب کشی اور چراغ افروزی کرتا ہے۔ ۔۔۔ عطاء مظہر

ایک شعر میں اس طرح لکھی ہے ؎

نامِ خدا ظہورِ سنینش ابوعلی　　　تاریخِ رحلتش شرفِ شاہِ وحدت است

خدا کے عدد ۶۰۵ ہیں جو آپ کا سنِ پیدائش ہے ابوعلی کے عدد ۱۱۹ ہیں جو آپ کی عمر شریف ہے اور شاہِ وحدت سے سالِ وفات ۷۲۴ھ نکلتا ہے۔

ہم نے قلندر صاحب کی تاریخِ پیدائش و وفات مع عمر شریف اس طرح نکالی ہے:-

شرف دادہ شرف دین خدا را　　　خدا بخشد چنیں اہلِ صفا را
بعالم آمدہ از جلوۂ عشق　　　کہ از حکمت کشاید مسئلۂ عشق ۶۰۵
ہمہ عمرش بطلبِ حق صرف شد　　　بجملہ عاشقاں اور اشرف شد
چوں مجنوں در وصالش بیقرارے　　　چوں فرہاد عاشقِ شیریں عذارے
بروزِ سیزدہم ماہِ رمضاں　　　بحق پیوست شاہِ اہلِ عرفاں
منقش روضہ اش کردہ مصور　　　بجو سالش ز خورشیدِ منور ۷۲۴
اب و علی ۱۱۹ عمرش بگوید　　　زفیضش نخلِ مقصودم بروید

روضہ شریف

روضہ شریف تمام سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے اور فرش بھی سنگِ مرمر کا ہے جو نواب ناصر احمد خاں صاحب انصاری پانی پتی متولی موضع ہرناڑی نے ہرناڑی کے محاصل سے ۱۹۰۲ء میں نصب کرایا اور روضہ منورہ کے گنبد کا کلس زریں ۱۹۲۳ء میں سیٹھ ابراہیم حاجی عرب بمبئی والوں نے نذر کیا اور بصرف زرِ کثیر پیش دالان میں جو سنہری کام ہے وہ بھی سیٹھ ابراہیم حاجی عرب کی سعی اور عقیدت کا نتیجہ ہے گلال باڑے کے اندر کا فرش ۱۹۱۶ء موضع پادٹی اور ہرناڑی کی آمدنی سے باہتمام پیرجی لقاء اللہ صاحب نصب کرایا گیا ہے تعویذ کے اوپر چوبی سائبان بنا ہوا ہے جو بیل بوٹوں سے منقش ہے جس کے چاروں طرف خوبصورت شیشے آویزاں ہیں مگر حضور مبارک خاں صاحب کے مزار پر سائبان نہیں۔

چوکھنڈی لکڑی کی بنی ہوئی رنگین منقش اور جالی دار ہے ابتداء میں چوبی کٹہرہ

کی بجائے چاندی اور سونا کا گنگا جمنی کٹہرہ تھا لیکن جب نادر شاہ درانی ہندوستان میں آیا
تو اس نے یہ کہہ کر کہ

"ایں قلندر نیست بلکہ تونگر است"

تلوار کٹہرہ پر رکھی جس کے بعد اس کے سپاہیوں نے کٹہرہ کو لوٹ لیا عام لوگوں کا یہ خیال ہے
کہ نادر شاہ کی یہ بے ادبی قلندر صاحب کو گوارا نہ ہوئی جس کی وجہ سے وہ ہندوستان میں
رہ نہ سکا ورنہ اس کی کابل فتح کے بعد بجز اس باطنی وجہ کے اور کوئی باعث نہ تھا۔

حضرت مبارک خاں کے مزار پر بھی گنگا جمنی کٹہرہ تھا نادر شاہ نے اس کو بھی
لوٹا اور تلوار تعویذ کے اوپر ماری جس کا نشان اب تک قائم ہے

چوکھنڈی کی چاروں دیواروں میں چھوٹے چھوٹے دریچے رکھے ہوئے ہیں۔
جن کی راہ تعویذ کے پاس دو زانو بیٹھ کر عاشقانِ جمالِ قلندری اور مشتاقانِ روضۂ حیدری فاتحہ
پڑھ کر حضرت کی مغفور روح کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ اور تیمناً و تبرکاً تعویذِ مبارک کو بوسے دیتے
ہیں آنکھوں سے لگاتے ہیں جن کے اس ادب اور احترام کی وجہ سے مشتاقانِ حضرت کو بصیرت
حاصل ہوتی ہے اور سائلوں کے دامن گوہر ہائے مقصود سے بھر جاتے ہیں عوام کو احاطۂ چوکھنڈی
میں جانے کی اجازت ہے خصوصاً حضرت کے متوالوں کا حصہ سمجھنا چاہیئے۔

روضہ شریف سے شمال کی جانب وسطی دیوار میں ایک دروازہ ہے وہاں سے
گذر کر حضرت کے محبوب شہزادہ مبارک خاں رحمۃ اللہ علیہ کا گنبد آتا ہے جو حضرت کے بالین
کی طرف ہے مگر کچھ رخ بدلا ہوا ہے وہاں بھی یہی سال ہے اندر داخل ہوتے ہی شانِ محبوبیت
کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے قلندر صاحب کے روضہ شریف کے بیرونی دروازہ پر خواجہ
حافظ کا یہ شعر لکھا ہے ؎

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود　　　سالہا سجدہ گہِ صاحب نظراں خواہد بود

روضہ شریف کے پائیں میں ایک چوکھٹا میں پنڈت امر ناتھ آشفتہ پانی پتی نے
اپنی عقیدت سے ایک قصیدہ حضور کی مدح میں لکھا ہے وہ چوکھٹا روضہ کے کنگرہ کے
ساتھ آویزاں ہے قصیدہ کے اشعار درج ذیل ہیں:-

اے ہادیِ راہِ ہدا اے دوستدارِ انبیاء | صلِ علیٰ صلِ علیٰ اے دوستدارِ انبیاء
اے بخششِ ہند اولیا مقبولِ ربِ کبریا | اے مخزنِ جود و عطا اے دوستدارِ انبیاء
اے زگروہِ احمدی شاہ قلندر بو علی | محبوبِ محبوبِ خدا اے دوستدارِ انبیاء
اے دافعِ رنج و بلا اے شافعِ روزِ جزا | اے صاحبِ حاجت روا اے دوستدارِ انبیاء
اے ساکنِ خلدِ بریں منظورِ ختم المرسلیں | مرغوبِ شاہِ مرتضیٰ اے دوستدارِ انبیاء
اے شاہِ شرفِ اولیا اے واصلِ نورِ خدا | اے مظہرِ شمس الضحیٰ اے دوستدارِ انبیاء
اے دستگیرِ بیکساں کن پیشِ آنحضرت بیاں | بہرِ خدا این التجا اے دوستدارِ انبیاء
خاکِ درِ دیباہِ تو بہار و خسِ درگاہِ تو | صد فخر و زیبِ فرقِ ما اے دوستدارِ انبیاء
آوارہ و سرگشتہ ام از خانماں وارستہ ام | دستِ عنایت برکشا اے دوستدارِ انبیاء

آشفتہ ام بے بال و پر برحالِ زارم کن نظر
اے بو علی مشکل کشا اے دوستدارِ انبیاء

تحریر کردہ [illegible]

روضہ شریف کے اندر غربی دیوار پر بقا اللہ صاحب کا یہ قطعہ درج ہے جس میں اپنی حسنِ عقیدت سے ثابت کیا ہے کہ جو مرادمند عقیدت کے ساتھ اس مزار پر آئے درود و فاتحہ پڑھ کر سکے حق تعالےٰ اس کا دامن گوہرِ مقصود سے بھر دیتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

در درگاہِ شاہِ شرف | ہر کہ آمد بہ اعتقادِ درست
شاہدِ مدعا و مطلبِ خویش | از دعائش گرفت و نیز درست

سالہ ھ مطابق ۱۶۶ء میں نورالدین جہانگیر کے وزیر مقرب خاں عرف رزق اللہ خاں نے روضہ شریف کی عمارت کو بڑھایا ایک دالان تمام کا تمام سنگِ مرمر کے فرش سے مزین ہے دیواریں سنگین ہیں جن پر سفیدی کرا کر اوپر آیاتِ قرآنیہ و قطعات وغیرہ رقم کیے گئے ہیں آٹھ ستون خالص سنگِ محک کے نصب کیے گئے ہیں جو ہندوستان کی کسی درگاہ میں نہیں پائے جاتے ان ستونوں کی وجہ سے حضرت کا روضہ بے مثل اور لاثانی مانا گیا ہے اور فی الحقیقت یہ ستون نادریت کا نمونہ ہیں عمارت کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب رزق اللہ خاں نے لاکھوں روپے اپنی عقیدت کی وجہ سے صرف کر دیے ہونگے دالان کے آگے سنگِ مرمر کا

ایک کشادہ صحن ہے جو بھی روضہ کے احاطہ میں داخل اور رزق اللہ خاں کا بنوایا ہوا ہے صحن کے غربی رُخ پر ایک دروازہ ہے وہاں سے گذر کر مقرب خان کا مدفن آتا ہے اور وہیں اُن کے بعض متوسلین آسودہ ہیں روضہ شریف کے اندر جانے کے لئے تین چار دروازے سے سامنے کی دیوار میں ہیں نعلین وہاں اُتاری جاتی ہیں جن کی حفاظت کم عمر بچے کرتے ہیں اور زائرین واپسی پر انہیں کچھ دے دیتے ہیں مگر درگاہ شریف کے بڑے صحن میں نعلین اُتارنے کی کوئی پابندی نہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ وہ پورا احاطہ ادب و احترام کے قابل ہے ذیل کے اشعار سے امیر رزق اللہ خاں کی عمارت کی تاریخ تعمیر ظاہر ہوتی ہے جو دالان کی دیوار پر سیاہ اور سنہری حروف میں ارقام کئے گئے ہیں۔

مظہر نورِ جلال است جمال	ہمچو عیسیٰ مردہ را بخشد رواں
از مقرب خان افلاطون دہر	خان بن خان است رزق اللہ خاں
بوعلی چوں بوعلی سیناش کرد	زاں شرف گشتہ ارسطوئے زماں
تا بنا فرمود ایواں را چوں گنبد	ہر ستوں سنگ محک در زیر آں
از خرد جستم بنائے سالِ او	چوں طلائے کیمیا کردم عیاں
سالِ تاریخ و بنائش بے حساب	شد بنا از جاہ رزق اللہ خاں

دالان کی چاروں دیواروں پر قرآن مجید کی سورۃ الرحمٰن کا حاشیہ بنایا گیا ہے ظہور کے یہ شعر بھی اسی دیوار پر لکھے ہوئے ہیں۔

سرمہ خاکِ درت در چشم مہر خاوری	سایہ ہیں بر آسماں دائم سپہر چنبری
اے خواجہ و پیر ولی شاہ شرف ابرِ سخی	نورِ کرامت منجلی را چار سوئے عنصری
محبوبِ ذات کبریا مقبول شاہ مصطفیٰ	شمع جمالِ اولیا رچوں مہ و مہرِ انوری
دیوار از حکمت رواں الوا حق در تو عیاں	ہائی تو فردوس و جناں بافر و شان حیدری

آمد ظہور بے نوا بر آستانت جبہ سا

رحمی بکن بہر خدا انشا مسافر پروری

درگاہ شریف کا صحن نہایت کشادہ اور پختہ اینٹ کا تعمیر شدہ ہے مغرب کی طرف

نواب مقرب خاں نے سنگِ سرخ سے ایک مسجد بھی بنوائی ہوئی ہے جہاں پنجگانہ نماز پابندیٔ وقت پڑھی جاتی ہے درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری ہے مسجد کے آگے نواب موصوف کا بنوایا ہوا ایک حوض ہے۔

مسافرین اور زائرین کی رہائش کے لئے چھوٹے چھوٹے حجرے تعمیر کئے ہوا ہیں جو درگاہ کی ملکیت ہیں صحن کے وسط میں اسی زمانہ کا بنا ہوا ایک کنواں ہے جہاں سے وضو کے لئے پانی استعمال کیا جاتا ہے۔

درگاہ شریف کے احاطہ میں جانب جنوب چبوترہ کے اوپر جالی دار آہنی کٹہرہ کے اندر شمس العلما خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی مدفون ہیں اور خواجہ صاحب سے جانب شرق میر عمارت درگاہ شریف کا مزار ہے۔

درگاہ شریف کے اندر داخل ہونے کے لئے دو راستے ہیں ایک شمال کی طرف دوسرا جنوب کی جانب بازار میں اگر شمالی رخ سے درگاہ میں داخل ہوں تو ایک عالی شان مسجد راستہ میں آتی ہے کہتے ہیں کہ یہ مسجد قلندر صاحب کے محبوب مبارک خاں صاحب نے بنوائی تھی۔

جنوبی دروازہ پر مجذوب فقرا جذب و محویت کے عالم میں پڑے رہتے ہیں بہت سے چلہ کش لوگ دور دور سے آکر اپنے اعمال و وظائف اس پاک احاطہ میں پورے کرتے ہیں اور روحانی فیوضات سے مستفیض ہو کر واپس جاتے ہیں احاطۂ درگاہ سے باہر درگاہ کے بالمقابل قلندر صاحب کا نقار خانہ ہے جس کو ۱۲۳۵ھ میں شمس الدولہ نواب لطف اللہ خاں نے تعمیر کرا دیا۔

در جہاں کوس شرف زد صادق

سے تاریخ تعمیر نکلتی ہے۔

غرضیکہ آپ کی درگاہ مرجع خلائق ہے قلندر صاحب کی وصیت ہے کہ جو شخص میری زیارت کے لئے آئے وہ پہلے میرے محبوب کے مزار پر فاتحہ پڑھے اور پھر میری قبر پر آئے چنانچہ بدستور اس وصیت کے مطابق عمل جاری ہے۔

ہم نے روضہ شریف کا جو اجمالی نقشہ اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کھینچا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے روضہ شریف کی زیارت کی ہے یا جو اس جگہ کے رہنے والے ہیں گو وہ اس مضمون سے لطف اندوز نہ ہوں لیکن جن لوگوں کو روضہ شریف کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا وہ گھر بیٹھے ہی اس اجمالی نقشے سے قلندر صاحب کے روضہ کا تصوّر اپنے دل میں جما کر لطف اندوز ہوں۔

عرس شریف | عرس بفتحتین بمعنی طعامِ عروسی یا نکاح مجازاً طعام مجلسِ فاتحہ بزرگان کہ بروز وفات بعد از سالے کنند چراکہ رحلت از عکدۂ دنیا بمنزلہ شادی عروسی است

بحق عاشقانِ حق چنانکہ سعدی فرمودست

عروسے بود نوبتِ ماتمت   اگر نیک روزے بود خاتمت   (غیاث اللغات)

جس روز کسی بزرگ کا وصال ہوتا ہے ہر سال اُسی تاریخ کو اُس بزرگ کے مزار پر ایصالِ ثواب کے لئے ایک مجلس قائم کی جاتی ہے جس کا نام اصطلاح میں عرس رکھا گیا ہے اس موقعہ پر صاحبِ مزار کے وابستگانِ سلسلہ خصوصاً اور عام لوگ عموماً حسنِ عقیدت کے ساتھ حاضری دیتے ہیں جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ صاحبِ مزار کے روحانی برکات سے فیض حاصل کیا جائے اور فی الحقیقت بزرگوں کے ارواح سے فیض حاصل کرنا بعید از قیاس نہیں اکثر عقیدت مند لوگ اُس فیض سے فیضیاب ہوتے ہیں جو بزرگوں کے مزار سے حاصل ہوتا ہے پس ان وجوہات کی بنا پر یہ رسم سنّتِ صوفیائے کرام میں شمار کی جاتی ہے۔

اس سُنّتِ مروجہ کے مطابق ہر سال ۹ رمضان المبارک سے ۱۳ تک قلندر صاحب کا عرس[1] نہایت دھوم دھام سے ہوتا ہے بڑے بڑے مشائخ اہل اللہ بزرگ اور عقیدت مند لوگ حاضرِ آستانہ ہوتے ہیں سماع کی مجالس گرم ہوتی ہیں وعظ و نصیحت و دیگر ایسے مراسم کمال

---

[1] حضور کا عرس شریف ۹ رمضان سے ۱۳ رمضان تک ہوتا ہے دو ڈیڑھ کھیڑا ہیں ۱۱ رمضان کو فاتحہ ہوتی ہے اور ساون کے مہینے میں ہر جمعرات کو عرس ہوتا ہے ایک کا نام جوگیہ ہے جس میں اکثر فقرا شریک ہوتے ہیں دوسرے کا نام مکھو گیمیں میں خاص و عوام سب شریک ہوتے ہیں تیسرے کا نام گھمرو ہے جس میں دور دور کے کھلاڑی ہیں اور چوتھے کا مجمع ہے دور دور سے بچھار آ کر اپنی منتیں ادا کرتے ہیں

خوش اسلوبی سے ادا کیئے جاتے ہیں قرآء و حفاظ قرآنِ مجید ختم کرتے ہیں۔ نیازیں بٹتی ہیں اور جود و سخا کے دروازے کھول کر قلندر صاحب کی مغفور روح کو ثواب پہنچایا جاتا ہے غرضیکہ یہ جملہ مراسم آپ کے موجود سجادہ نشین حضرت مولانا پیر محمد عبدالرشید صاحب پانی پتی کے اہتمام سے انجام پاتے ہیں جو آپ کے برادر شاہ نظام الدین عراقی کی نسل سے ہیں۔ اور درگاہ کے منصبِ سجادگی پر فائز ہیں۔

چونکہ مہمانوں کی آمد یکم رمضان المبارک سے شروع ہو جاتی ہے اس لیئے پہلی تاریخ سے معمولی لنگر درگاہ سے ملتا ہے اور ۹ نالویں شب کو غیر معمولی طریقہ پر لنگر شریف تقسیم ہوتا ہے مشہور حفاظ اور قرآء پہلی شب سے تینوں مسجدوں میں قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے ہیں اور ساتویں شب کو قرآنِ پاک ختم کرتے ہیں ختمِ قرآن مجید کے موقعہ پر موضع ہرناڑی کی آمدنی سے تبرک تقسیم ہوتا ہے اور ۹ نالویں شب کو بعد نماز اور تراویح مسجد لال پتھر میں حضور کا پہلا ختم ہوتا ہے اس موقعہ پر ایک گھڑا پانی کا بھرا جاتا ہے اور شیرینی تقسیم ہوتی ہے یہ شیرینی اور گھڑا جناب سجادہ نشین کے یہاں سے آتا ہے اس کا خرچ یقیناً موضع پاوٹی کی آمدنی سے ہوتا ہے۔

ختم کے بعد گلال باڑہ کے اندر مجلسِ سماع نہایت عمدہ طریقہ پر ادب و احترام کے ساتھ منعقد ہوتی ہے جس میں ہر خاص و عام کو شرکت کی اجازت ہے خوش الحان و خوش گلو قوال دور دور سے آتے ہیں۔

باہر کے صحن میں مختلف قسم کی دکانیں عارضی طور پر بہ اجازت سجادہ نشین صاحب آراستہ کی جاتی ہیں اگرچہ اس صحن میں دکانیں کچھ موزوں معلوم نہیں ہوتیں تاہم ہمارے لئے ضروری ہے کہ جو نقشہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اس کے حسن و قبح پر آزادانہ طریقہ سے رائے زنی کریں ہم نے اس کے متعلق سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں عرض کی ہے اور انہوں نے اس کی اصلاح کا وعدہ بھی فرمایا ہے ہمیں امید ہے کہ آپ وعدہ کا ایفا ضرور کریں گے۔

یہ امر بھی بہت تکلیف دہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم کے آستانِ مبارک کے بڑے صحن میں لوگ جوتیوں سمیت چلتے پھرتے ہیں یہ حرکت عقیدت کیش لوگوں کے لئے صدمہ کی

حد تک پہنچ جاتی ہے ہماری رائے میں یہ پورا احاطہ ادب و احترام کے قابل ہے جہاں پیروں کے بل چلنا بھی سوءِ ادبی ہے چہ جائے کہ جوتوں سمیت ایسے مقدس مقام پر پھرا جائے حقیقتاً یہ ایسا ہی مقام ہے جیسا کہ خواجہ حافظ شیرازی نے فرمایا ہے

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود   سالہا سجدہ گہِ صاحب نظراں خواہد بود

علیٰ ہٰذا القیاس دسویں اور گیارھویں شب کو حسبِ معمول بعد نمازِ عشا اور نزاویح مجلسِ سماع قائم ہوتی ہے اور سحر سے ایک گھنٹہ قبل ختم کی جاتی ہے بارھویں شب کو بھی حسبِ معمول مجلس قائم ہوتی ہے مگر یہ شب سہاگ کی رات کہلاتی ہے اس شب میں حضور دولہا میاں صاحب قبلہ اور حضور کے آستانہ مقدس کا غسل عرق کیوڑہ سے صاحبِ سجادہ کے ہاتھ سے ہوتا ہے غسالہ عرق کو زائرین تبرکاً و تبرکاً ساتھ لے جاتے ہیں۔

ایک بجے شب کے بعد مجلسِ سماع میں سے خاص خاص حضرات حسبِ اجازت سجادہ نشین صاحب گنبد شریف کے اندر جاتے ہیں سب سے پہلے سجادہ نشین صاحب سنگِ سیاہ کی چوکی پر جو اس غرض کے لئے قدیم سے نصب ہے بیٹھ کر شیخ محمود الحسن صاحب بی اے، ایل ایل بی کی معیت میں وضو فرماتے ہیں اس کے بعد چوبی کٹہرے کے اندر داخل ہوتے ہیں زمرۂ خدام سے کسی ایک کو اندر بلا لیا جاتا ہے وہ پائیں کی طرف ایستادہ ہوتے ہیں اور صاحبِ سجادہ بالیں کی طرف! اور دونوں صاحبزادے دونوں پہلوؤں پر!!

عموماً مزار شریف پر دو غلاف ہوتے ہیں سب سے پہلے جب صاحبِ سجادہ اس پر ادے سے دیتے ہیں تو تمام حاضرین صاحبِ سجادہ کے ہم آہنگ ہو کر اسمِ ذات کا ذکر بالجہر شروع کرتے ہیں غلاف شریف اٹھا کر پہلے سجادہ نشین صاحب اپنے سر پر رکھتے ہیں اس کے بعد دونوں صاحبزادوں کے۔

بعد ازاں دوسرا غلاف جس کو اصطلاح میں چوبی یا در پوش کہتے ہیں حسبِ بالا طریق پر اٹھا کر رکھ دیا جاتا ہے غسل شریف سے فارغ ہو کر ذکر بالجہر کرتے ہوئے حضور مبارک خان کے روضہ منور پر جاتے ہیں وہاں بھی یہی مراسم بالالتزام ادا کئے جاتے ہیں۔

۱۴ رمضان کو صبح دس بجے بڑا غسل شریف ہوتا ہے اس میں فرق صرف اتنا ہے

کہ اِس وقت عرقِ کیوڑہ کے علاوہ قریباً عطر ہیں تخمیناً تولہ مزارات شریف پر ملا جاتا ہے بعد ازیں خدامِ درگاہ سقوں کو ہمراہ لے کر ہر دو مزارات کے فرشوں کو دھوتے ہیں قدیم سے رواج ہے کہ بڑے غسل کے شروع سے اختتام تک جس قدر نذرانات چڑھاوے، نقدی یا دیگر صورتوں میں آتے وہ سب سقوں کا حق ہوتا ہے جس کو وہ خود وصول کرتے ہیں اس کے علاوہ سجادہ نشین صاحب سوا دو روپیہ خزانہ درگاہ سے لے کر ان کے مٹکے میں ڈال دیتے ہیں یہ بھی ان کا موروثی حق ہے

ہر دو غسل کے وقت قوالی درگاہ کے خاص قوالوں یعنی ابراہیم و ذکریا قوال کی اولاد کا موروثی حق ہے دورانِ عرس میں آستانہ شریف سے خاص چوکی کو دو سیر آٹا اور چار ٹکہ یومیہ دیے جاتے ہیں اور فصل پر کچھ غلہ دے دیا جاتا ہے۔

نوٹ:۔ اِس وقت ابراہیم و ذکریا قوال کی نسل سے صرف دو لڑکے رشید اور موہنی پسران باقی قوال ہیں لیکن انہوں نے اپنا آبائی پیشہ بوجہ معذوری ترک کر دیا ہے اِس لئے غسل شریف کے وقت جن قوالوں کو وہ اجازت دیں یہ فرائض انجام دیتے ہیں۔

۱۳ ر رمضان کی شب کو حسبِ معمول مجلسِ سماع منعقد ہوتی ہے دوسرے دن بعد نمازِ عصر آخری ختم درگاہ شریف کے اندر ہوتا ہے مہمان رخصت ہونے لگتے ہیں خاص خاص اور چیدہ چیدہ اشخاص جو حضور مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کے عرس شریف میں شرکت کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں رہ جاتے ہیں ۲۱ ر رمضان المبارک کو عصر کی نماز کے بعد سنگین مسجد میں حضور کا ختم پانچ قسم کی شیرینی پر ہوتا ہے اور رات کو آستانہ شریف کو بقعۂ نور بنا دیا جاتا ہے۔

۱۰ ر محرم الحرام کو آستانۂ مقدس کی طرف سے حضور امام علیہ التحیۃ والتسلیم کی سبیل شریف لگائی جاتی ہے اور تعزیہ داری بھی قدیم سے ہوتی چلی آ رہی ہے۔

۱۲ ر ربیع الاول کو بعد نمازِ عشا مجلسِ میلاد شریف چھوٹے صحن میں منعقد ہوتی ہے اور بہت اعلےٰ پیمانہ پر شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔

۱۳ ر ربیع الاول کو صبح کے وقت بعد قرآن خوانی حضور سرورِ کائنات قبلۂ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کا ختم شریف احاطہ درگاہ شریف کے صحن میں ہوتا ہے جس میں نقل تقسیم ہوتے ہیں۔

۱۰ رجادی الثانی کو قبل نمازِ عشا بلا سماع حضرت شہزادہ مبارک خاں رحمۃ اللہ علیہ کا ختم ہوتا ہے اس موقعہ پر شیرینی یا حلوا بہت کثرت سے ہوتا ہے اور مزارات میں غیر معمولی روشنی کی جاتی ہے بسنت کے روز آستانہ شریف کی طرف سے حضور قبلۂ عالم پناہ کی والدہ صاحبہ کا ختم جنابہ کے مزار پر بعد نمازِ عصر ہوتا ہے جس میں سماع کی مجلسیں بھی ہوتی ہیں اور ختم کے بعد قندِ سیاہ تقسیم ہوتا ہے اس کے بعد درگاہ شریف میں دوسرے دن سماع کے بعد ختم ہوتا ہے اور نقل تقسیم کیا جاتا ہے۔

ہم نے زائرین کی سہولت اور وابستگانِ سلسلۂ قلندریہ کی معلومات کے لیئے یہ حالات نہائت تحقیق اور تجسسِ بسیار سے فراہم کر کے درج کیے ہیں ان سب کی سب تقاریب پر جملہ اخراجات جناب سجادہ نشین صاحب کے اہتمام سے درگاہ شریف کی آمدنی یعنی پاؤٹی وغیرہ کے محاصل سے ہوتے ہیں۔

قلندر صاحب کی نیاز

آپ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کو کوئی مشکل یا حاجت درپیش ہو تو وہ خدا کی نذر اور اس فقیر کی نیاز اس طرح پکائے کہ ایک من میدہ یا آٹا کی چپاتیاں ایک من دہی، اور ایک من گوشت پکا کر تقسیم کرے انشاء اللہ تعالیٰ اس کی مشکل خداوند کریم حل کر دے گا اور اس کی دینی و دنیاوی مرادیں بر لائیگا۔

طریقۂ تقسیم نیاز

پہلے یہ تھا کہ جو لوگ نیاز پکاتے تھے وہ درگاہ کے مجاوروں کو حصہ نہیں دیتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد شریف عظیم آبادی نیاولی قلندر صاحب کی تربتِ مبارک کے روبرو مراقبہ میں مشغول تھے کہ باہر خادمانِ درگاہ بسبب طعامِ نیاز کا ذکر کر رہے تھے بعدۂ اندر آکر عرض کرنے لگے" اے قلندر عاشقِ الٰہی جو لوگ آپ کی درگاہ میں نیاز پکاتے ہیں وہ ہمیں حصہ نہیں دیتے شیخ محمد شریف نے ان کی تائید میں عرض کیا۔ "جو کچھ حکم ہو میں اس پر عمل کروں" اشارہ ہوا کہ اے محمد شریف حاجتمندوں سے کہہ دو کہ نیاز کے طعام کو تین حصص میں تقسیم کیا کریں ایک حصہ درگاہ کے خادموں کے لیئے اور ایک فقراء غرباء اور مساکین کے لیئے اور تیسرا حصہ پکانے والے کا ہے اس کو اختیار ہے جس طرح چاہے تقسیم کرے جو اس طرح تقسیم کرے گا اس کی نیاز قبول ہو گی چنانچہ اب تک

یہ عمل بدستور جاری ہے۔

منصبِ سجادگی

قلندر صاحب کے ذاتی حالات میں ہم لکھ چکے ہیں کہ آپ نے شادی نہیں کی اس لئے آپ کی وفات کے بعد منصبِ سجادگی آپ کے برادر مولانا نظام الدین عراقی کی اولاد میں منتقل ہو گیا اس عنوان کے تحت میں ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قلندر صاحب کی وفات کے بعد سے اب تک نسلاً بعد نسلاً کون کون حضرات اس منصب پر فائز ہوتے رہے ہیں:۔

مولانا نظام الدین عراقی کے چار صاحب زادے تھے مولانا شاہ اختیار الدین قلندر[۱]، مولانا شاہ شمس الدین[۲]، مولانا شاہ احمدؒ زندہ پیر[۳]، مولانا شاہ محمد عثمان[۴]

قلندر صاحب نے مولانا شاہ اختیار الدین کو سندِ خلافت اور منصبِ ارشاد اپنی حیات میں ہی عطا فرما دیا تھا جب آپ پر جذب و استغراق کی کیفیات طاری ہونے لگیں تو مولانا نے منصبِ ارشاد و تکمیلِ مریدین اپنے برادرِ خورد شیخ احمدؒ زندہ پیر رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا اس لئے قلندر صاحب کی وفات کے بعد مولانا شاہ احمدؒ زندہ پیر منصبِ سجادگی پر فائز ہوئے

ان کی وفات کے بعد مولانا شاہ سراج الدین کو یہ نعمت عطا ہوئی ان کے بعد مولانا شاہ علیم الدین کو یہ منصب ملا ان کے بعد شاہ صدر الدین صاحب سجادہ ہوئے ان کے بعد شاہ وحید الدین مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے ان کے بعد مولانا شاہ رزق اللہ عرف شاہ عبد السلام کو رشد و ہدایت کا یہ تمغہ ملا ان کے بعد شاہ محمدؒ عرف شاہ بدھا زندہ پیر کو ان کے بعد منصبِ خلافت حضرت شاہ حمید الدین عارف عرف شاہ حمید قلندر کو ملا۔ آپ نے قلندر صاحب کے مناقب میں ایک مجمل فارسی نسخہ موسومہ شرف المناقب تحریر فرمایا ہے۔

شاہ حمید قلندرؒ کے بعد مولانا شاہ نظام الدین اس خدمت پر مامور ہوئے ان کے بعد مولانا شاہ محمد بریان ان کے بعد مولانا شاہ محمد عثمان پھر مولانا شاہ غلام محمد پھر شیخ محمد شرف الدین پھر مولانا شیخ احمد صاحب پھر شیخ محمدؒ پناہ ان کے بعد شیخ امام بخش سجادہ پر بیٹھے شیخ امام بخش صاحب کی حسبِ ذیل اولاد تھی:۔

شیخ علی بخش[۱]، شیخ محمد بخش[۲]، شیخ بوعلی بخش[۳] تین میں سے منصبِ خلافت شیخ

علی بخش کو عطا ہوا ان کے بعد آپ کے صاحب زادے شاہ تفضل حسین صاحب سجادہ ہوئے شاہ تفضل حسین کی ایک لڑکی تھی وہ لاولد فوت ہو گئی (اس لئے منصبِ سجادگی شیخ محمد بخش برادر شیخ علی بخش مرحوم کی اولاد میں منتقل ہو گیا چونکہ شیخ تجمل حسین و شیخ خواجہ عبدالرحیم (والد موجودہ سجادہ نشین صاحب) شاہ تفضل حسین صاحب کی موجودگی میں رحلت فرما گئے اس لئے شاہ تفضل حسین کے بعد مولانا پیر محمد عبدالرشید صاحب منصبِ سجادگی پر فائز ہوئے آپ قلندر صاحب کے موجودہ سجادہ نشین ہیں۔

آپ نے دو شادیاں کی ہیں اہلیۂ اول خواجہ محمد صادق صاحب خلف خواجہ کرامت علی صاحب پانی پتی کی دخترِ اول ہیں جن کے بطن سے شیخ غلام محمد حمید الدین عارف سلمہ ہیں دوسری شادی مولوی محمد اسحاق صاحب ابن مولوی محمد وحید الدین عرف مولوی محمد میر سکو پاموی کی دخترِ نیک اختر سے ہوئی ان کے بطنِ مبارک سے شیخ غلام محمد نظام الدین اور دو صاحب زادیاں ہیں)

اوپر لکھا گیا ہے کہ شیخ امام بخش صاحب کے تین صاحب زادے تھے فرزند ثالث شیخ بو علی بخش کی اولادِ نرینہ نہ تھی دو صاحب زادیاں تھیں دخترِ اول شاہ تفضل حسین صاحب سجادہ کی زوجہ تھیں دخترِ ثانی شیخ تجمل حسین صاحب کے عقد میں تھیں ممکن ہے کہ ناظرین اس عبارت سے ان تعلقات کی تشریح کو سمجھ نہ سکیں اس لیے ہم شیخ امام بخش سے لے کر موجودہ سجادہ نشین صاحب تک ایک شجرے میں ان کی تمام اولاد کے اسمائے گرامی درج کرتے ہیں

شجرہ ۱۵-

شیخ امام بخش صاحب سجادہ نشین

شیخ علی بخش مرحوم و مغفور سجادہ نشین
↓
شاہ تفضل حسین صاحب سجادہ
↓
دخترِ لاولد

شیخ محمد بخش صاحب
شیخ تجمل حسین
شیخ عبدالرحیم صاحب
↓
پیر محمد عبدالرشید صاحب موجودہ سجادہ نشین
شیخ غلام محمد حمید الدین عارف سلمہ
شیخ غلام محمد نظام الدین سلمہ

شیخ بو علی بخش صاحب
دخترِ اول زوجہ شاہ تفضل حسین
دخترِ ثانی زوجہ شیخ تجمل حسین
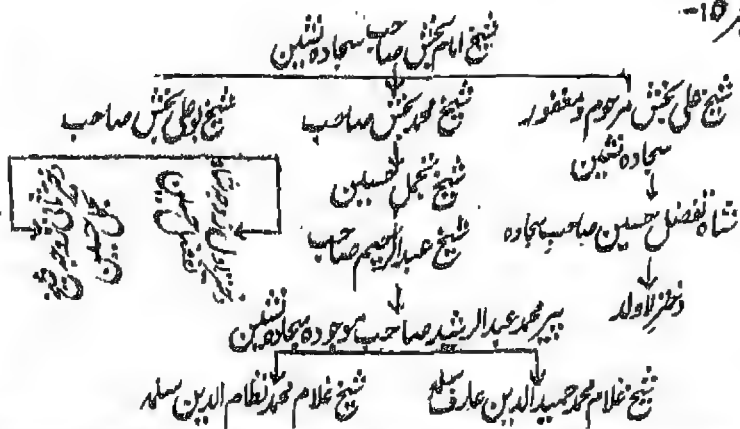
درگاہ شریف کی معاش

موضع اجاہ اور موضع برشام قدیم ایام سے درگاہ شریف کے نام وقف چلے آرہے تھے جن کی مالگزاری اور آمدنی درگاہ شریف میں خرچ ہوتی تھی غدر سنہ ۱۸۵۷ء میں یہ دونوں موضعات ضبط ہو گئے بایں علت کہ اُن دنوں درگاہ شریف میں ایک مولوی صاحب نے انگریزوں کے برخلاف وعظ فرمایا تھا لیکن جب ثبوت دیا گیا کہ سجادہ نشین درگاہ اور متولی و خدام بارگاہ کو اس وعظ سے کوئی علاقہ نہ تھا اور نہ ہی کوئی اس تقریر کا موید تھا تو فیصلہ یہ ہوا کہ مواضعات مذکور تو بدستور ضبط ہی رہیں گے الّا درگاہ شریف کے مصارف کے لئے سرکار انگریزی سے موضع پاؤٹی کے محاصل میں سے ایک ہزار گیارہ روپے پانچ آنہ چھ پائی (لعـــہ ۵ /۶) سالانہ منظور ہو گئے جو اب تک بدستور جاری ہیں۔

قصبہ پانی پت میں ساٹھ بیگہ زمین زمانہ قدیم سے درگاہ شریف کے لئے وقف چلی آتی ہے جو حضرت شیخ محمد بربان کی پیدا کردہ ہے جس کے متولی سجادہ نشین صاحب درگاہ شریف ہیں اس کے علاوہ متعدد دکانیں۔ اور نوخاسے بھی درگاہ شریف کے نام وقف ہیں جن کی آمدنی درگاہ شریف ہی میں صرف ہوتی ہے غرضیکہ یہ تمام آمدنی حضرت سجادہ نشین صاحب کے اہتمام سے مناسب جگہ پر خرچ کی جاتی ہے۔

موضع پاؤٹی جو شمس الدولہ نواب لطف اللہ خاں صاحب صادق انصاری نبیرہ خواجہ ملک علی انصاری رحمۃ اللہ علیہ (جو بہادر شاہ اول شہزادہ محمد معظم کے عہد میں صوبہ بہار کے گورنر تھے) نے مزارات شریفہ یعنی مزار فائض الانوار حضور قبلہ عالم پناہ و مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء و خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کے مصارف کے لئے حسب ذیل طریقہ پر وقف کیا تھا۔

اس کے محاصل میں سے مبلغ نو سو روپیہ حسب ذیل صرف ہوتے ہیں:-

۱۔ درگاہ حضور قلندر صاحب ۲۔ درگاہ خواجہ شمس الدین ترک ۳۔ درگاہ حضرت مخدوم جلال الدین

۶۰۰/- (چھ سو روپیہ) ۱۵۰/- (ماہانہ) ۱۵/- (ماہانہ)

مصارف

نواب خان صادق مرحوم کی اولاد میں نواب ناصر احمد خاں صاحب موضع ہرناڑی کے حسب وصیت متولی ہیں اور اپنے اہتمام سے حسب ذیل طریقہ پر درگاہ حضور قلندر پر خرچ کرتے ہیں:۔

۱۲ رمضان المبارک کو ایک لنگر ان کی طرف سے دیا جاتا ہے نوبت نوازوں کی تنخواہ ماہانہ انہی کے ذمہ ہے حوض متعلقہ مسجد کو بھروانا نیز دونوں مسجدوں کے چاہات کی صفائی ومرمت اور ڈول رسی کے تمام اخراجات کے وہی کفیل ہیں اور کفالتیں وہی ہیں جو نواب صاحب مرحوم کے وقف نامہ میں موجود ہیں۔

جب نواب صاحب موصوف نے موضع ہرناڑی کو ان مصارف کے لئے وقف کرنا چاہا تو اس کا مالیہ معاف ہونے کے لئے دربار شاہی میں درخواست دی گئی کہ اس کا سرکاری نزول معاف فرما کر مرفوع القلم فرمایا جاوے جس کے جواب میں شہزادہ غازی محمد معظم بہادر شاہ اول کے دربار سے یہ فرمان جاری ہوا جس کی صحیح نقل درج ذیل ہے۔

"فرمان والاشان محمد معظم ابوالنصر قطب الدین بہادر شاہ بادشاہ غازی بخط خود

دریں وقت سعیدت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ موضع ہرناڑی موسوم بہ بنا صادق متعلقہ پرگنہ پانی پت سرکار وصوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد جمع دو لک دام کہ سہ ہزار سہ صد و ہشت روپیہ کہ حاصل آں است جہت صرف عرس ولنگر فقرا ودر ماہہ نوبت نوازان روضہ متبرکات قدوۃ الواصلین شیخ شرف الدین بوعلی قلندر وغیرہ اولیائے کرام در طلب منصب لطف اللہ خان بہادر صادق منسوب شد وبعد ازاں بطریق انعام حسب الضمن مقرر باشد باید کہ حکام وعمال ومتصدیان مہمات وجاگیرداران وکروڑیان

تھے۔

حکیم نابینا صاحب مفلوک الحالی کی حالت میں قلندر صاحب کے تصرفِ روحانی سے شاہی حکما کے زمرہ میں ایک ممتاز عہدہ پر فائز ہو گئے جن کی حسن تدبیر نواب مقرب خان کے لئے وزارت کا منصب چھوڑ گئی۔

سنہ ۱۰۱۷ھ میں نواب صاحب نے اپنے عہدِ وزارت میں قلندر صاحب کے روضہ شریف کی عمارت کو بڑھایا اسی دوران میں آپ کے بھائی شیخ حاجی نے جہانگیر سے درگاہ شریف کی سندِ تولیت اپنے نام کرالی تھی نواب موصوف اور شیخ حاجی کی وفات کے بعد شیخ محمود پسر شیخ حاجی نے بزمانہ فضیلت مآب شیخ محمد برہان سجادہ نشین اپنے والد بزرگوار کے کاغذات کی بنا پر تولیت کا دعوےٰ کیا نوبت باینجا رسید کہ سجادہ نشین کو معہ خدامِ درگاہ بزور بیدخل کر دیا اُس وقت غازی شاہجہان کا عہدِ حکومت تھا اِس تحریک کے دوران میں شیخ محمد برہان نے دربارِ شاہجہانی میں اپنی حق تلفی کی نسبت استغاثہ دائر کر دیا جس پر دربارِ شاہی سے فرمان صادر ہوا جس کی نقل بجنسہٖ درج ذیل ہے

اللہ سنہ ۱۱۲۵
محمد
شرع رسول
فضل خادم فا

مُہرِ شاہی

"والسنۃ حسب المسطور بعمل آرند و خلاف آں نہ کنند و در عہدہ او نہ تنہا سند تحریر فی التاریخ بست و پنجم شہر ذی قعد سنہ ۹۸۳ھ قلمی شد۔

چوں بموجب اسنادِ فرامین متقدمین بتحقیق رسید کہ خدمت تولیت روضہ منورہ منبرکہ قطب العارفین زبدۃ الواصلین مخدوم ابوعلی قلندر قدس سرہ العزیز واقعہ در بلدہ پانی پت سرکار دار السلطنت دہلی موروثی باسم شیخ حمید الدین پیرزادہ مقرر بود چوں از دفترِ معلےٰ ظاہر شد کہ شیخ حاجی پسر شیخ بینا ابن شیخ حسن از روئے خلاف نمائی فرمانِ عالی شان از بارگاہ عظمت و جلال حاصل کردہ بردہ فوت گردید

حال و استقبال موضع مذکور را بجہت مصارف روضات مرقومہ باز گذارند و از جمیع وجوہ و عوارض معاف و مرفوع القلم شمارند دریں باب ہر سال سند مجدد نہ طلبند۔"
مطابق پنجم شہر رمضان المبارک سال دوم از جلوس والا نوشتہ شد۔

موضع ہرناڑی اسی خاندان کی تولیت میں ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ نواب صاحب مرحوم نے اپنے وقف نامہ میں مفصل طور پر لکھ دیا ہے کہ اس موضع کی تولیت میرے خاندان میں ہی رہے اس وقت نواب مرحوم کی نسل سے نواب ناصر احمد خاں صاحب موضع مذکور کے متولی اور اپنے بزرگوں کے لائق جانشین ہیں۔

آپ نے ۱۹۱۱ء میں درگاہ شریف کے متعلقہ حجروں کی مرمت بصرف زر کثیر موضع ہرناڑی کی آمدنی سے کرائی و نیز نقار خانہ کی مرمت بھی نواب موصوف نے خود کرائی آج کل اپنے جد اعلےٰ نواب خان صادق کے مقبرہ کی مرمت (جو مدرسہ حالی کے نام سے موسوم ہے) کرا رہے ہیں۔ دیگر اخراجات کے مقابلہ میں نواب صاحب کی توجہ تعمیر کی طرف زیادہ مبذول ہے نواب صاحب کی اس رائے سے ہمیں بھی اتفاق ہے کیونکہ تعمیر کا کام دیگر معمولی اخراجات سے زیادہ ضروری اور اہم ہے۔

چونکہ عرس شریف کے موقع پر مہمانوں کی کثرت ہوتی ہے اور ٹھہرنے کا انتظام سوائے حجروں کے اور کہیں نہیں لہذا ہم بحیثیت حضور قبلۂ عالم پناہ کے عقیدت کیش ہونے کے نواب ناصر احمد خاں صاحب کی خدمت میں پرزور سفارش کرتے ہیں کہ درگاہ شریف کے عقب کے میدان میں یعنی آستانۂ عالیہ کے شمالی چبوتروں پر چند حجرے اور تعمیر کرا دیں تاکہ زائرین کو موسم کے لحاظ سے ہر قسم کا آرام پہنچ سکے جس سے نواب صاحب سلمہ کی نشانی ان کے بعد بھی قائم و برقرار رہے گی چونکہ یہ تعمیر صدقۂ جاریہ کے سلسلہ میں داخل ہے اس لئے نواب صاحب کو قیامت تک اس کار خیر کا اجر و ثواب ملتا رہے گا پس نواب صاحب کو بہت جلد اس کار خیر کی طرف توجہ مبذول کر کے پبلک کو شکریہ کا موقعہ دینا چاہیئے۔

درگاہ شریف کی تولیت	نواب سقرب خان عثمانی النسل شیخ حسن کے پوتے اور حکیم بینا صاحب کبیر الوسی کے بیٹے نور الدین جہانگیر کے وزیر

فضیلت مآب شیخ برہان پسر شیخ محمد نظام ابن شیخ حمید الدین بحضور پر نور آمدہ
بعرضِ اقدس اعلیٰ اظہار نمود کہ عہدۂ تولیت بقعۂ منورہ منبرکہ قطب العارفین
از قدیم عہدہ موروثی بندہ است و شیخ محمود خلف شیخ حاجی متوفی مسطوربہ اسم
فضیلت مآب شیخ برہان نبیرہ برادر زادہ آں قطب العارفین از قدیم عہدۂ موروثی
بندہ است و شیخ محمود خلف شیخ حاجی متوفی از راہِ تعدی دخل مے نماید و تمامی
خدمۂ درگاہ و بندہ را ازاں جا بے دخل مے سازد و فرمان پدر خود ظاہر مے
کند امیدوارِ فضل و کرم! دریں ولا حکم جہانِ مطاع آفتاب شعاع صادر شد
کہ تولیت بقعۂ منورہ مذکور بنا بر عزی شیخ حاجی متوفی مسطوربہ اسم فضیلت مآب
شیخ برہان نبیرہ برادر زادہ آں قطب العارفین خدمتِ تولیت بقعۂ منورہ مذکور
مقرر و مسلم دانستہ شد باید کہ حکام و عمال و کروڑیانِ حال و استقبال پرگنہ پانی پت
از سرکارِ حضرت دہلی بدانند کہ چوں شیخ برہان متولی مزارِ فائز البرکات حضرت قطب
الاولیا دانستہ تولیت را با و سپارند و خادمانِ مزار بے سخن و صلاح او کہ درباب صلاح
دید ایشاں گوید بیروں نروند و او را بہیچ مہمات مطلع آگاہیدہ چیزے پنہاں
و پوشیدہ ندارند و بجاوران اعزاز و اکرام مومی الیہ مرعی نگذارند و بہ استقبال
تمام متصدی امورِ تولیت و لوازمِ آنہا دانستہ دستِ تعدی او را قوی دارند
و خرچِ لنگر کہ موازی نود و پنج بیگہ ہژدہ بسوہ زمین بہ اہتمام شیخ مذکور نمایند و
بغیر مشار الیہ دیگر را دخل نہ دہند و بروز آنچہ واقعہ نشود کہ بے اطلاعِ او کارے
نہ کنند و ہر کرالائقِ خدمات روضۂ منبرکہ مثل لنگر پختن و طلاق داری و خزانہ و
چراغ افروزی آں جا داند نصب کند و ہر کرا لائق نداند عزل نمودہ دیگرے را بجائے
او تعین نماید کہ درباب تاکید تمام لازم است"

جب سے اب تک قبلۂ عالم پناہ کے برادر زادے نسلاً بعد نسلاً سجادہ نشین اور متولی
ہوتے چلے آرہے ہیں البتہ خادمانِ درگاہ کا گروہ رو سلسلے نہیں سے ہے جن میں کچھ تو عثمانی ہیں
کچھ انصاری اور کچھ ساداتِ عظام میں سے ہیں۔

قلندر صاحب کے کلام کا اثر

چہ مشکلیست نزا یاس را بہانہ مکن
کہ زیرِ چرخِ مجدد ہزار مردانند

اس عنوان کے تحت میں ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قلندر صاحب کا طریقِ عمل فرمان خدا اور ارشادِ رسول کے کس قدر موافق تھا اور آپ کے کلام کی خصوصیت پر بحث کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اُس سے کس قسم کی تعلیم ہمیں حاصل ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ انسان کی قسمت اُس کی غیر حاضری میں مقرر ہوئی جیسا کہ میرزا غالب دہلوی فرماتے ہیں ؎

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا۔

اور انسانی رائے کو اس تقسیم میں کوئی دخل نہیں دیا گیا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جب ایک اندازہ جس کو تقدیر کہتے ہیں مقرر ہو چکا ہے تو ہم ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں اور یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ خود بخود مل جائے گا بلکہ ایسا خیال کرنا ہماری سخت نادانی اور جہالت کا باعث ہوگا کیونکہ تقدیر کے مقرر کرنے والے احکم الحاکمین نے اپنے فرمانِ پاک میں صاف لفظوں میں فرما دیا ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی جس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کی قسمت میں وہی ہے جو وہ کوشش کرے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ فرمانِ قدسی دربارِ احکم الحاکمین سے بوساطت سید الانام عام رعایا کے لئے صادر ہوا جس میں کسی کی تخصیص نہیں انبیاء، اولیاء، اور عامۃ الناس کیلئے یہ فرمان یکساں ہے کیونکہ اسلام کی تعلیم کافۃ الناس کے لئے ہے۔

اب اس فرمانِ قدسی کی تعمیل پر نظرِ غور ڈالنی چاہیے اور معلوم کرنا چاہیے کہ اس کی تعمیل کس حد تک ہوئی سب سے پہلے اسلام کے مبلغِ اعظم افضل البشر محبوبِ رب العالمین کا طریقِ عمل دیکھنا چاہیے کہ آپ نے باوجود محبوبِ حق اور منظورِ الٰہی ہونے کے اس فرمان کی تعمیل کس طرح کی چنانچہ آپ کی مبارک اور مسعود دورِ حیات کا ایک ایک واقعہ ہمارے اس دعوے پر شاہدِ عادل ہے کہ آپ کی زندگی سعی عمل اور کوششِ حسنہ کا بہترین نمونہ ہے۔

آپ نے اشاعتِ اسلام کے لئے جو جدوجہد اور کوشش و کاوش کی اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اسلام تن آور اور ثمردار درخت کی صورت میں موجود ہے جس کی شاخیں تمام عالم میں پھیلی ہوئی ہیں یہ جناب کا منصبی فرض تھا جس کو منصبِ رسالت پر مامور ہو آخری دم تک آپ نے نبھایا۔ اس کے علاوہ زندگی کے ہر شعبہ میں کوشش کو پیشِ نظر رکھا حصولِ معاش کے لئے سخت سے سخت کڑیاں جھیلیں عام صحابہ کرام کے ساتھ خندقیں کھودیں سفر و حضر میں اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا۔ اجرت پر لوگوں کے ریوڑ کو پانی پلایا، بکریاں چرائیں، غرضیکہ محبوبِ خدا نے فرمانِ حق کی تعمیل نہایت عمدگی سے کر کے یہ مثال قائم کی کہ کوشش ہر معاملہ میں شرط ہے۔

آپ کے بعد خلفائے راشدین، صحابہ کرام، ائمہ دین متین، صوفیائے کرام و اولیائے عظام کا یہی طرزِ عمل رہا کہ انہوں نے خود کوشش کی اور اپنے حلقۂ ارشاد میں کوشش کی تعلیم کا رواج دے کر اس کا نتیجہ خدا پر چھوڑنے کی ہدایت کی۔

حضرت قلندر صاحب زمرۂ اولیائے حق اور واصلین الی اللہ میں ایک برگزیدہ انسان تھے ممکن نہ تھا کہ آپ کی زندگی سعی عمل اور کوشش و کاوش سے معرّا ہوتی چنانچہ فرمانِ قدسی کی تعمیل میں آپ نے سعی عمل اور کوشش کا بہترین نمونہ دنیا کو دکھلایا آپ کے حالاتِ زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مدت مدید تک درس و تدریس کا کام کیا مسجد قوت الاسلام میں وعظ فرماتے رہے کچھ حصہ عمر کا دربارِ شاہی سے بھی متعلق رہا اور شہر کے مفتی بھی رہے اور بالخصوص جلائے روح کے لئے مجاہدات اس قسم کے کئے جن کی نظیر طبقۂ صوفیہ میں مشکل سے ملے گی مگر باوجود ان سب باتوں کے کوشش کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور دنیائے محمود کی طلب بدستور رہی۔

دنیا ناپائیدار ہے جس پر قرآن شریف گواہ ہے رسول اکرمؐ نے اسے ناپائیدار کہا سلف صالحین نے اس کی بے ثباتی کا نوحہ کیا خود قلندر صاحب نے اس دنیا کی ناپائیداری کے موثر سین کھینچے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا غدار ہے اس کو چھوڑ دو اور ہاتھ پاؤں توڑ کر اپاہجوں کی طرح بیٹھ جاؤ بلکہ شارع علیہ السلام اور بزرگانِ دین نے دنیائے مذموم

کو چھوڑنے کی ہدایت کی ہے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر دنیائے محمود کو حاصل کرو کیونکہ دنیا اس چیز کا نام ہے جو خدا سے غافل کرے بقولِ مولانا رومؒ

چیست دنیا از خدا غافل شدن　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

قلندر صاحب کی تعلیم کا حاصل بھی یہی ہے غرضیکہ آپ کی عمر کا پورا حصہ فرمانِ خداوندی کے ماتحت گذارا خود کوشش اور سعی میں عمر بھر ساعی رہے اور مخلوق کو خدا شناسی کے ساتھ سعئ عمل کی تعلیم دی کیونکہ اسی سعی پر کائنات کا نظام قائم ہے خدائے واحد کا ارشاد ہے وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا یعنی سب سے ٹوٹ کر مجھ سے مل جاؤ اس فقرے میں عرفانِ یزدانی کا راز مضمر ہے دراصل سرِ عجبِ ازلی ہر شئے میں جاری و ساری ہے۔

سرِ حُبِّ ازلی در ہمہ اشیا ساریست　　ورنہ بر گل نہ زدی بلبلِ بیدل فریاد

اگر یہ نہ ہو تو ابھی کے ابھی یہ آسمان سے ستارے درختوں سے شاخیں اور شاخوں سے برگ و بار جدا ہو جائیں اور اس عالم کون و فساد کا شیرازہ بکھر جائے عرفانی دنیا جانتی ہے کہ سب سے ٹوٹ کر خدا سے کس طرح ملا جاتا ہے اس راز کے پردے میں سعی اور کوشش کارفرما ہے نفس بغیر ریاضتِ محمودہ کے مغلوب نہیں ہوتا قلب بغیر سعئ پیہم کے قبولِ انوار کا اہل نہیں بنتا روح بغیر جدوجہد کے جلا نہیں پاتی جس کے جلا سے خالق و مخلوق کا اتصال ہوتا ہے ثابت ہوا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں خدادانی خداطلبی اور خداجوئی کی ہر منزل میں کوشش درکار ہے۔

قلندر صاحب روحانی فلاسفر تھے اس لئے آپ کے کلام میں تمام تر سعئ عمل اور اس کے متعلقات کی تعلیم ہے اب ہم دیوان سے وہ اشعار مع مفہوم بیت نقل کرتے ہیں جن میں ان اقسام کی تعلیم دی گئی ہے اور ساتھ ہی آپ کے حکیمانہ ، ناصحانہ ، اور اخلاقی اقوال درج کریں گے جن سے معلوم ہوگا کہ اس روحانی فلاسفر و مبصر نے کیا کیا موز و نکات عام فہم پیرایہ میں بیان فرمائے ہیں۔

عنوانِ بالا کو جس شعر سے ہم نے مزین کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ منازلِ عشق کی دشواریوں کا خیال کر کے طالب کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں کہ یہ منزل گو دشوار گذار اور

خطرناک ہے لیکن تجھے ناامید ہو کر پائے طلب توڑ کر بیٹھنا نہیں چاہیئے بلکہ جہاں تک ہو سکے عزم و استقلال کے ساتھ کوشش کر کے نتیجہ خدا پر چھوڑنا چاہیئے وہ مشکل ہی کیا ہے جو پے در پے کوشش اور سعی پیہم کے آسان نہ ہو ہمت کر تیرے جیسے صدہا تشنہ لب اس چرخِ مجدر کے نیچے سیراب ہو چکے ہیں

چہ مشکل ایست ترا یا س راہ سا ئیں
که زیر چرخ مجدر ہزار مرد انند

قلندر صاحب کے اسی مضمون کو ایک عارف باللہ نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود
مرد را باید کہ ہراساں نہ شود

سعیٔ عمل کا اس سے بہترین نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے

راہِ عشق میں چونکہ گوناں گوں مشکلات کا پیش آنا لازمی ہے جن سے صحیح و سالم گذرنے کے لیئے عزم و استقلال کی ضرورت ہے اس لیئے دوں ہمت عاشقوں کو ناصحانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ یہ منزل نہایت پرخطر اور ہیبت ناک ہے راستے ایسے تنگ و تاریک اور پیچیدہ ہیں کہ جن میں بڑے بڑے عالی ظرف عاشقوں کا زہرہ بھی پانی پانی ہوتا ہے عشق کو طے مسافت کی خواہش ہوتی ہے عقل راستہ کی مشکلات سے خائف ہو کر دلائل کے روڑے اٹکاتی ہے اور آگے جانے سے باز رکھنا چاہتی ہے سن اگر تیرے پاس سرمایہ شوق اور طلب صادق ہے تو اس راہ میں قدم رکھ ورنہ خاموش بیٹھا رہ

چوں پائے شوق ندارے براہِ دوست متاز
کہ ہست در رہِ الفت بسے نشیب و فراز

قلندر صاحب کا یہ شعر تو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے جس میں انتہائی درجہ کی سعیٔ عمل کی تعلیم پائی جاتی ہے کہ اگر میں نماز نہیں پڑھتا تو میرا ذاتی گناہ ہے گو نوشتہ تقدیر کسی طرح مٹ نہیں سکتا مراد یہ کہ گو ہر ایک انسان کے مقدر میں روزِ ازل سے جو کچھ تجویز ہو چکا ہے وہ کسی صورت میں تبدیل نہیں ہو سکتا لیکن انسان پر کوشش کرنا تو فرض ہے۔

اگر نماز نیارم ہمیں گناہِ من است
گو محو سے نتواں شد نوشتہ تقدیر

بارگاہِ حضرتِ حق جل مجدہٗ میں حسب و نسب کی کوئی تمیز نہیں بلکہ ہر کوئی اپنے جوہر کا ہو مراد یہ کہ اپنے ذاتی اعمال کام آئیں گے باپ دادا کے کسب و کمال کی پوچھ نہ ہوگی

اس مضمون پر فرماتے ہیں

چوں پیراں بر سرِ سجادہ نشیں   بکش ساغر کنوں عہدِ شباب است

قلندر صاحب نے اپنی مثنوی میں بھی یہی تعلیم دی ہے کہ انسان کو اپنے حسب و نسب اور اسلاف کے کارناموں کو اپنی نجات کا وسیلہ نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ جہاں تک ہو سکے اپنے ذاتی اعمال سے دامنِ مقصود کو بھرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

چند مغروری تو بر حسب و نسب   از تکبر دور باش اے بے ادب

عارف لوگ اس زنگ آلود دنیا کا اکثر نوحہ کرتے ہیں اور ہر وقت اپنے دامن کو اس عجوزہ کی افتراق انگیزیوں سے بچا لینے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ انہیں علم ہے کہ اس کے تمام اسباب فانی حادث اور ہالک ہیں ان کے ساتھ دل نہیں لگانا چاہیئے اس مضمون کو قلندر صاحب ان الفاظ میں ادا کر کے اپنے تجرد و اتقا کا ثبوت دیتے ہیں

کے بود دلبستگی ما را بچیزے غیر ازو   در نگاہِ ما دو عالم ہست مشتے از غبار

ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا ناپائدار ہے قلندر صاحب اس کی حقیقت کو موج سراب سے تشبیہ دے کر حسنِ حقیقی پر فدا ہونے کی ترغیب ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

نور بر حسنِ حقیقی جاں فدا کن   کہ حسنِ دلبراں موجِ سراب است

صوفیہ کہتے ہیں کہ جب تک سالک اکلِ حلال پیدا نہ کرے اس کا دل موردِ الطافِ یزدانی اور نزولِ انوار کا استحقاق نہیں رکھتا قلندر صاحب واعظ کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر تو خوانِ عشق سے شکم سیر ہونا چاہتا ہے تو دنیا کا لقمہ منہ میں نہ ڈال مراد یہ کہ اکلِ حلال پیدا کر

لقمۂ دنیا منہ در دہن و کام خویش   خواہی اگر واعظا لقمہ از خوانِ عشق

وجہ حلال کی روزی کے متعلق مثنوی میں فرماتے ہیں

گر خوری یک لقمہ از وجہ حلال   نور تابد بر دلِ از مہر کمال

بہر طاعت لقمۂ باید حلال   تا نیفزاید ترا رنج و ملال

گر شوی از لقمۂ شبہ نفیر   نفس را سازی بفضلِ حق اسیر

اکلِ حلال کے ساتھ صدقِ مقال کا ہونا بھی لازمہ عشق ہے جس سے بارگاہِ حق میں باریابی نصیب ہوتی ہے قلندر صاحب راست بازی اور عجز و اخلاص کو حقیقت کے دروازے کی کلید تصور کر کے طالب کو تاکید کرتے ہیں۔

عجز و نیاز شیوہ کن و راستباز باش　　　شاید درِ حقیقت بر تو کنند باز

عاجزی چونکہ خدا و ند تعالیٰ کو پسند ہے اس لئے اُس کو حل المشکلات کا ذریعہ قرار دے کر فرماتے ہیں۔

بجز عجز و نیاز آں جا نمے پسند چیزے را　　　بفیضِ خاکساری ہاتواں حل کرد مشکلہا

ایک دوسری جگہ عجز و نیاز کو بارگاہِ محبوب تک پہنچنے کا وسیلہ قرار دیتے ہیں

خواہی کہ روی بر درِ آں دوست قلندر　　　آں راہ کہ مقبول شود عجز و نیاز است

وصالِ محبوب کو مصر طالب کو یوسف اور مصائبِ عشق کو چاہِ یوسفی اور اعتکاف سے تشبیہ دے کر فرماتے ہیں کہ اگر تجھے وصالِ محبوب کی خواہش ہے تو یوسف کی طرح مردانہ وار مصائب برداشت کر تاکہ سلطنتِ مصر اور اطاعتِ برادرانِ یوسف کی طرح تجھ کو بھی لذتِ وصالِ محبوب حاصل ہو سعیٔ عمل کی تعلیم کا زرّیں نمونہ ہے۔

مصر خواہی چوں یوسف کنعاں　　　ہمہ اعتکاف در چہ زن

کیوف وجدانیہ کی اہمیت کو عاشقانہ انداز سے تمثیلاً بیان فرماتے ہیں کہ اے شیخ خدارا عشقِ الٰہی میں ایک دم تو وجد و محویت کر دیکھ کہ اشترِ بے عقل بانگ جرس پر ہی رقص کرنے لگتا ہے لیکن تو کہ اشرف المخلوق ہے اس نعمت سے تہی دست اور محروم ہے۔

شیخ در عشقِ الٰہی وجد مے کن یک نفس　　　اشترِ بے عقل مے رقصد ہم بانگ جرس

کیا اچھی تعلیم ہے کہ عشق اختیار کر کیونکہ جو شخص اس نعمت سے محروم ہے اُس سے اشتر ہی بہتر ہے۔

ارشاد خداوندی ہے وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا یعنی سب سے ٹوٹ کر مجھ سے مل جاؤ قلندر صاحب طالب کو خدائے قدوس سے ملنے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

ز دہر قطع تعلق بہ باید کردن　　　چنانکہ قطع شود جامۂ نو از مقراض

اس شعر میں دنیائے مذموم کی محبت کی طرف اشارہ ہے قلندر صاحب کا یہ شعر
ارشادِ خداوندی کی اعلیٰ تفسیر ہے وقت ایک نعمت ہے جس کی قدر کرنا ہر شخص پر فرض ہے اس
کے بیجا اسراف سے اکثر اہلِ حق اجتناب کرتے رہے ہیں شیخ سعدی کا مقولہ ہے "وقت از دست
رفتہ و تیر از کمان جستہ باز نیاید" قلندر صاحب بھی اسی مضمون کی تائید کرتے ہیں کہ جس طرح
کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آسکتا اسی طرح عمرِ رفتہ بھی واپس نہ آئے گی اس لیے موجودہ
وقت کو غنیمت خیال کر اور یادِ حق میں کوشش کر اور دامنِ عشرت کو چنگ سے باہر نہ لیجا
یعنی بیجا اسراف سے پرہیز کر وقت کی قدر میں یہ شعر عدیم النظیر ہے۔

عمرِ رفتہ باز پس ناید نزا ازکمان جستہ می ناید خدنگ
پس غنیمت ہر نفس را میشمار دامنِ عشرت مبر بیروں ز چنگ

ظاہر ہے کہ زینہ کے بغیر بامِ بلند پر رسائی نہیں ہو سکتی گویا کہ زینہ بام پر پہنچانے
کا ذریعہ ہے منازلِ عشق اور راہِ سلوک میں بھی طالب کو وسیلہ کی تلاش ہوتی ہے جس کو اصطلاح
میں مرشد کہتے ہیں اس ضرورت کے متعلق قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ جس طرح بامِ بلند پر
چڑھنے کے لیئے نردبان کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح بامِ حقیقت پر رسائی حاصل کرنے
کے لیئے مرشد کا ہونا بھی لازمی ہے اس کے بغیر نہ منزل کا پتہ لگتا ہے نہ راہ کا نشان ملتا ہے
اس لیئے تجھے بھی مجاز سے حقیقت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے

بے نردبان چوں نہ رسی بر فراز بام پس طالبِ حقیقت شو از رہِ مجاز

شعرِ بالا میں تو کسی کامل کا دامن پکڑنے کی ترغیب دی گئی ہے شعرِ ذیل میں
اس کی طاعت اور خدمت کی بھی تاکید فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے مرشد کی اطاعت اور
فرمانبرداری کر جس سے تجھے احوالِ عالیہ اور مقاماتِ رفیعہ کا ادراک حاصل ہو۔

شاہ ما گردی ز فیضِ اہلِ فقر خاکِ شاں بر سر نہی گر ہمچو تاج

حرص و آز کی نسبت کسی عارف کا قول ہے کہ حرصِ دنیا عارف کے دل کے ساتھ
وہ کام کرتی ہے جو چوہا رباب کے تار دل کے ساتھ کرتا ہے قلندر صاحب لکھتے ہیں کہ بینا
کو نابینا کر دیتی ہے۔

ہیچ مے دانی کہ باشد حرصِ دنیا رابچہ رنگ　　　آنکہ می باشد بصیر اورا نماید بے بصر

قلندر صاحب عام صوفیائے کرام کی طرح دفترِ کائنات کے مطالعہ کو معرفتِ کردگار کا وسیلہ قرار دیتے ہیں کہ خالقِ اکبر کی گوناگوں تجلیات کا جو کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں جاری وساری ہیں مشاہدہ کرکے اُس کا عرفان حاصل کرنا چاہیئے

تجلیّہائے وحدت بیشمار است　　　نظر واجب بہ صنعِ کردگار است

اسی مضمون پر ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ جب کائنات کا ذرّہ ذرہ تیرے نور سے معمور ہے تو میں گوشہ نشین زاہد کی طرح خلوت میں بیٹھنا نہیں چاہتا بلکہ کائنات کے ورق ورق سے تیرا عرفان حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

جمالِ تو چوں بذاتِ جہاں سار یست　　　بخلوتے نہ نشینم چوں زاہدِ مرتاض

وحدت کا یہ مرتبہ ہے کہ وہ کنگرۂ کبریا کے اوپر لے جاسکتی ہے یعنی اس سے ایسے درجاتِ عالیہ اور مقاماتِ رفیعہ کا ادراک ہوتا ہے جن کا ابتدائے کار میں بلندی کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا قلندر صاحب دون ہمت عشاق کو طنزاً خطاب کرتے ہیں کہ وحدت تو اُس مقام پر لے جاسکتی ہے جس کی رفعت اور بلندی وہم وخیال سے بھی وراء الورا ہے لیکن وہ کیا عارف ہے جس کا منتہائے خیال صرف عرشِ اکبر ہو یعنی جو کچھ اُسے مل جائے اُسی پر قانع ہوجائے اور اپنے زعم میں عارف ہونیکا دعوے کرے۔

وحدت ورائے کنگرۂ کبریا کشد　　　کو عارفے کہ منظرِ او عرشِ اکبر است

قلندر صاحب کا یہ شعر بھی سعئ عمل کی تعلیم کا بہترین نمونہ ہے کہ موجودہ مرتبہ سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

عشق میں دین ودل کو نذرِ محبوب کرنا پڑتا ہے اسکے متعلق فرماتے ہیں:۔

بہ عشقش دین ودل بازو میندیش　　　کہ اندر عشق اوامر ونواہی است

دین ودل دے کر رضائے محبوب پر راضی وشاکر رہنا بھی لازمۂ عشق ہے جسے اصطلاح میں وفا واتحاد کہتے ہیں اس خصوص میں کمال ایثار کی تعلیم دے کر اپنی وفاداری کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

شریعت را اگر تو خوں ریزی سرِ تسلیم خم سازد ہر آں قطرہ کہ از خونش چکد نقشِ وفا خیزد

صوفیائے کرام ظاہر پرست مولویوں اور ریاکار زاہدوں سے ہمیشہ شاکی رہے ہیں قلندر صاحب بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

از درونِ او نگاہ منغود ذکر یہ لبہا قاضی بہ نقصد رکہ ہیں حق نماز است

اسی مضمون کو اپنی مثنوی میں ذرا وضاحت سے بیان فرماتے ہیں

اے کنی سجدہ نواز بہرِ ریا گاہ نہ کردی سجدہ از بہرِ خدا

تا بداند خلق مردِ اولیا ست متقی پرہیزگار و پارسا است

ان کے علاوہ اگر قلندر صاحب کے اشعار کا انتخاب کر کے آپ کی عارفانہ معلومات سے ناظرین کو اچھی طرح آگاہ کریں ممکن ہے کہ ایک دوسری شرح تیار ہو جائے مگر اس مختصر میں اتنی گنجائش نہیں تھی لہذا بخوفِ طوالت اس پر اکتفا کر کے ہم دوبارہ قلندر صاحب کے چند اقوال نقل کر کے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

حکیمانہ اقوال

قلندر صاحب ایک عارف کامل ہونے کے علاوہ عالم اجل اور فاضل اکمل بزرگ تھے احکامِ شریعت پر سختی سے پابند تھے اور اپنے حلقۂ ارشاد میں مریدین کو پابندی شریعت کی تلقین کرتے تھے۔

چنانچہ شریعتِ مصطفوی کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

اے برادر باید کہ شریعت را نکو دانی و با شریعت مانی زیراکہ شریعت آئینہ دل است زاہد عشق و حسن را در دل نماید شریعت شمعِ دل است شریعت شرِ نفس را فرو نشاند شریعت ترا با عشق دارد شریعت برائے عشق آرد شریعت حسنِ معشوق ترا نماید شریعت ترا طریقت نماید شریعت تنۂ درختِ طریقت است و حقیقت بار آں"

ایک دوسرے مقام پر شریعت کو تنۂ عشق کہہ کر فرماتے ہیں کہ جب تک تو شریعت پر استقامت نہ پکڑے گا گلِ طریقت تیرے ہاتھ کیسے آئے گا اور بارِ حقیقت کس طرح ملے گا۔

"اے برادر شریعت را برپائے دار زیراکہ شریعت تنۂ عشق است تا در مکتبِ عشق شریعت را نخوانی تنۂ عشق را کے دانی تا بر شریعت مستقیم نمانی عشق و معشوق را

نہ آئی تا شریعت را بخود استقامت ندہی دست بر گلِ طریقت چو نہی گلِ طریقت از شریعت بشکند بار حقیقت عشق از شریعت حقیقت یافتہ عشق با معشوق از شریعت یافتہ اے برادر تن تو شریعت دلِ تو طریقت و روح تو حقیقت است"

صوفیائے کرام نے عقل کی دو قسمیں بیان کی ہیں عقلِ جزوی عقلِ کلی۔ عارف لوگوں نے عقلِ جزوی کی مذمت کی ہے کیونکہ یہ راہِ سلوک میں ولایت کے روڑے اٹکاتی ہے اور سالک کو مراتبِ عالیہ پر فائض نہیں ہونے دیتی البتہ عقلِ کلی کو احسن قرار دیا گیا ہے جو مردِ حق عقلِ کلی کا اہل ہو اسے اصطلاحِ تصوف میں عاقل کہتے ہیں قلندر صاحب عاقل کی تعریف یوں فرماتے ہیں۔

"اے برادر عاقل آں را گویند کہ شناسد خود را و بداند نفسِ خود را و خود را تسلیم معشوق کند در حسنِ او چناں گم کند خود را کہ نداند ہستیٔ خود را عاقل شناخت توحید و دانش شریعت و طریقت و حقیقت از عقل معلوم کند"

گناہوں سے صدقِ دل سے توبہ کرنے کے بعد گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں چنانچہ صحیح احادیث میں اس کے متعلق خاص احکام ہیں نفس چونکہ جسم میں بمنزلہ ایک پلیدی کے ہے اگر وہ نفسِ امارہ مطمئنہ کی صورت میں تبدیل ہو جائے تو سالک عبادت میں لذت و سرور حاصل کرنے لگتا ہے اس حقیقت کو ایک مثال میں اس طرح فرماتے ہیں:

"اے برادر اگر در چاہ موش افتد و در درون آں چاہ بمیرد اگر موش مردہ را بیروں آرند و بعدہ چند دلو کہ بشرط است آب بکشند ہرگز ناپاک نماند ہمچنیں اگر تو از کردہ ہائے خود توبہ کنی و باز گرد آں گناہ نگردی حلال را حلال دانی و حرام را حرام خوانی و ایں مردارِ نفس را بیروں آری ذوقِ عبادت و تقویٰ ترا حاصل آید"

جو لوگ دنیا طلبی کی ہوس میں لگاتار کوشش کرتے ہیں اور یادِ حق سے غافل ہیں وہ لوگ اس فلاسفرِ اعظم کا قول بگوشِ ہوش ذہن نشین کریں:

"اے برادر خاطر جمع دار کہ رزق و موت بدستِ کسے نیست حق تعالیٰ شانہ از عشق آفریدہ ایں دو چیز بہ قدرت اوست کسے را مجال آں نیست کہ زیادت و نقصان کند"

وصالِ محبوب جس مشکل سے حاصل ہوتا ہے اور حصولِ وصال میں اللہ کے ولیاں

جھیلنی پڑتی ہیں وہ عرفانی دنیا پر مخفی نہیں چنانچہ مشہور ہے۔

پسِ مردن بنائی جائینگے ساغر مری گل کے   لبِ جاناں کی خواہش کے سبب ملینگے خاک میں مل کے

اس کی تشریح اپنے عاشقانہ انداز میں اس طرح فرماتے ہیں

اے برادر تا از عشق جگرِ خود را خون نسازی در درِ صاحب جستہ خاک نشوی و از آن خاک درختِ حنا نروئی و در راہ پس گرے خونِ خود را قسمت نہ کنی و در میان و در رنگ خود را آس شدہ نہ بینی بر دستِ صاحبِ حسان کجا نگار شوی"

نفسِ امارہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"نفسِ امارہ بازی گر است با نفس بازی مے آید دا و را بوداں آر و خود خود را بداں دار و فرضیتِ حق و سنتِ رسول بجا آر و خود را بہ تقویٰ و مجاہدہ آر تا کہ از شومیتِ نفس نہ گردی خوار"

ظاہر ہے کہ بحکم حاکم مرگ مفاجات سے چارہ نہیں مگر غافل لوگ اس آنے والی گھڑی کو بھول بیٹھے ہیں قلندر صاحب ایک لطیف مثال کے ذریعہ اُس آنے والی گھڑی کی یاد دلاتے ہیں:۔

"اے برادر اگر گرگ در رمۂ گوسفنداں بیاید یک را از آں ربایدہ گوسفنداں دیگر سر بالا کردہ مے بینند تا آنکہ گرگ از نظرِ ایشاں غائب نشود آنکہ گوسفنداں را فراموش کمے شود چوں غائب شد ایشاں در چرا مشغول مے شوند تو بے خبری از اں روز مرگ دیگراں ترا خبر مید ہند ہم ہشیار نمے شوی"

پارسائی کے متعلق ناصحانہ انداز میں فرماتے ہیں:۔

"اے برادر پارسا باش کہ نورِ پارسائی شمع داہا است دل را از عشق ساختند و در صفائی آئینۂ دل معشوق عکس حسن خود انداختہ

نظارہ تا توانی پارسا باش   کہ نورِ پارسائی شمع دلہا ست"

انسان ضعیف البنیان سراپا عجز و نیاز اور عاجزی کا مجسمہ ہے فقیر ہے درویش ہے اور ہر وقت بارگاہِ حق سے اپنی ضروریاتِ دنیاوی وحاجاتِ دینی کی استعانت چاہتا ہے

کیونکہ اللہ الغنی حبیبِ الٰہی فقر و درویشی کی تو مزیت ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"کہ فقر بہترین ہمہ مخلوقات بر خود قبول کردہ و دانستہ کہ غنا ر حق تعالیٰ را آمد حضور علیہ الصلوات والتسلیم فقر اختیار کرد"

مراد یہ کہ انسان کو ۔۔۔۔۔۔ فقر اور درویشی ہی رہنا ہے اسے غنی ہونے کا گمان نہیں کرنا چاہیئے۔

چوں ہست غنی وصف تو اے جملہ غنیم ۔۔۔ از خرقہ چہ عار است چہ فخر است بہ الملق

حدیث میں آیا ہے "الدنیا سجن المومنین" یعنی دنیا مومنوں کا قید خانہ ہے جس میں راحت نہیں ہوتی قلندر صاحب اس حدیث کی تفسیر فرماتے ہیں:-

"اے برادر دنیا زندانِ دوستاں و بہشت دشمناں است در دنیا دوستاں را مے گدازند و دشمناں را می نوازند و در حقیقت حالِ دیگر است دشمناں یعنی سوزاں و مناقفاں فی السعیر خواہند بود و دوستانِ منعم کش در فردوس النعیم"

مراد یہ کہ اس کنج محنت آباد میں جو مصیبت یا تکلیف بھی آئے اسے بخوشی برداشت کر و یار کہ یہ جاہ و حشم اور آرام و آسائش کا کیا کرو کیونکہ ان کی سلطنت فانی ہے اور سلطنت جو بنام الخاص مومنین کے لیئے ہے جاودانی۔

حدیث نبوی ہے "المومن لایکذب" اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ راستی میں امن و امان ہے:-

"اے برادر خود را ایماں دار کہ زبان را براست گفتن آر زیرا کہ مومن دروغ نگوید راستی ہست رستگاری از ہمہ خطرہا"

یہ حضرت فلاسفر روحانی کے اقوال کا مختصر سا مجموعہ مشتے نمونہ از خروارے جو ہدیۂ ناظرین کرام کیا گیا۔ ورنہ آپ کی ساری تعلیم اسی قبیل سے ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلام کی مقبولیت

شرف باد رعشق روئے تو کلام از قدس آورده　　نہ چوں نظم نظامی آں نہ چوں اشعار خاقانی

قلندر صاحب اپنے وقت کے ایسے ذی علم بزرگ تھے جس کا بیان کرنا ہمارے فہم و قیاس سے بالاتر ہے ہم نے آپ کے حالات میں جو کچھ مجمل سا بیان آپ کی علمیت کے متعلق کیا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ علم و فضل کے بحرِ مواج تھے جو آپ کا آبائی ورثہ تھا لیکن آپ کے مشاغل اور حالات کچھ اس قسم کے تھے کہ آپ نے اپنے دلی جذبات کو صفحہ قرطاس پر لانے کی بہت ہی کم کوشش کی ہے حالانکہ آپ جیسے علم و فضل کے لوگ بے بہا تصانیف اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں لیکن آپ نے اس طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی تاہم جو کچھ لکھا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کو حرزِ جاں اور دستور العمل بنایا جائے ہم آپ کی دیگر تصانیف کے علاوہ صرف دیوان کے متعلق بحث کرنی چاہتے ہیں کیونکہ ہماری بحث کا موضوع اس وقت صرف دیوان ہے ۔

قلندر صاحب کا دیوان اتنا ضخیم نہیں صرف گنتی کی غزلیں ہیں البتہ ردیف وار تمام غزلیات لکھی گئی ہیں اس لئے وہ مجموعہ دیوان کہلانے کا مستحق ہو گیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندر صاحب نے اپنا کلام خود مرتب نہیں کیا اور نہ ہی غالباً انہیں اس کی فرصت ہو گی دیوان کے نسخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام آپ کی وفات کے بعد جمع کیا گیا ہے کیونکہ مختلف نسخوں میں بہت سا اختلاف ہے مگر اس میں شک نہیں کہ جو کچھ جمع کیا گیا ہے وہ معانی و مطالب کا دریائے بیکراں ہے ایک ایک شعر قادر الکلامی اور آپ کے کمالِ فن

کی دلیل ہے آپ کو اس فن میں پورا عبور حاصل تھا اور آپ کی شاعری اکتسابی نہ تھی بلکہ وہبی تھی۔

تذکروں سے یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ اس فن میں آپ نے کس بزرگ سے استفادہ حاصل کیا البتہ آپ کے چکیدۂ کلک اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو واہب العطیات سے اس خصوص میں مدد ملتی تھی کیونکہ آپ کا کلام تمام آمد ہی آمد ہے آورد نہیں جس کی مقبولیت کی نسبت اس قدر عرض کرنا کافی ہے کہ صوفیائے کرام کی کلام کی طرح آپ کا کلام بھی ایک نعمت غیر مترقبہ ہے تمام خصوصیات کے علاوہ اس کے مقبول ہونے کی کافی دلیل جو کہ وقت کے بہت بڑے عالم جید اور صوفی کامل مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامی علیہ الرحمۃ نے قریب قریب آپ کے دیوان کی اکثر غزلیات کا کمال بلند آہنگی سے تتبع کیا ہے حالانکہ آپ یعنی قلندر صاحب کا پورا دیوان کلیات جامی کی ایک ردیف کے برابر بھی نہیں مگر سعادت اور مقبولیت کو دیکھ کر مولانا جامی جیسے قادر الکلام شاعر نے اپنے کلام کی ابتدا اسی تتبع سے شروع کی اور قریب قریب ہر ایک غزل کی تقلید کو ضروری سمجھا قلندر صاحب کے دیوان کے جو اشعار بلحاظ معانی و مطالب دل کو پسند آئے مولانا نے اسی خیال کو دوسرے الفاظ کا جامہ پہنا کر قلندر صاحب کی تقلید کو سعادت تصور کیا۔

اس اتباع او تقلید سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا آپ کے تبحر علمی اور حقائق و معارف کی طرز بیان کے دلدادہ تھے بعض اشعار تھوڑی سی ترمیم و تنسیخ کے بعد دیوان قلندر و کلیات جامی دونوں میں موجود ہیں اور ردیف و قافیہ بھی ایسا ہے جس کلام کو حضرت امیر خسرو جیسے عالی پایہ صوفی شاعر رقت میں آئیں وجد کریں اس کی عظمت اس قابل ہے کہ اگر مولانا جامی اس کی تقلید کریں تو حیرت و استعجاب کا مقام نہیں۔

نہیں اس میں کلام نہیں کہ مولانا جامی اپنے وقت کے برگزیدہ عالم اور صوفی شاعر تھے علوم مروجہ اور متداولہ میں خاص مہارت رکھتے تھے اعلیٰ درجہ کے مصنف اور مولف تھے جیسا کہ تصانیف تصوف میں آپ کی یادگار ہے اور آپ کی کلک گہر بار سے نکلے ہوئے انمول موتی قیمتی ہیں ہر آفتاب کی طرح علمی دنیا اپنی روشنی پھیلا رہے ہیں مگر قلندر صاحب کی تقلید کرنا

یا اُن کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کرنا مولانا کی شان عظمت اور بلند مرتبت کے منافی نہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مولانا غزل کی بنیاد خود نہ رکھ سکتے تھے نہیں بلکہ ماہرینِ فنِ شاعری نے اس کی اجازت دی ہے کہ اگر کوئی مصرعہ پسند آجائے تو اُس کو لے لینا جائز ہے اور اُس پر گرہ لگا کر مضمون کو دوبالا اور واضح کر دینا کوئی قباحت نہیں اسی تقلید میں بادشاہانِ غزل کے شہنشاہ خواجہ حافظ شیرازیؒ نے شیخ سعدی، خواجو کرمانی، ظہیر فاریابی، سلمان وغیرہ استادانِ فن کے خیالات کو اپنے الفاظ میں تبدیل کر کے مضمون کو دوبالا کر دیا مثلاً شیخ سعدی علیہ الرحمتہ کے اس شعر پر

جز ایں قدر نتواں گفت در جمالِ تو عیب — کہ مہربانی ازاں طبع و خو نمی آید

کے پہلے مصرعہ پر خواجہ صاحب نے دوسرا مصرعہ اس طرح لگایا ہے جس سے مضمون کی زینت دوبالا ہو گئی ہے

جز ایں قدر نتواں گفت در جمالِ تو عیب — کہ خال مہر و وفا نیست روئے زیبا را

ذیل میں ہم قلندر صاحب و مولانا جامیؒ کے اشعار کی خصوصیات کے متعلق بحث کرتے ہیں جس سے ثابت ہو سکے گا کہ از روئے فن قلندر صاحب کا کیا مرتبہ تھا۔

مولانا جامی نے ایک غزل میں جس کا مطلع یہ ہے

تجلی از رخِ حسن [illegible] روح فانیہا — [illegible] بخشد ضیائے [illegible] لوتہا

ایک شعر اس طرح لکھا ہے۔

بجاں تو سالکِ کعبہ بیاباں چند پیمائی — چوں نبود قرب روحانی چہ سود از قطع منزلہا

حقیقت میں مولانا کے اس شعر کا ماخذ قلندر صاحب کا شعر مندرجہ ذیل ہے

الا شیخ حرم دارم [illegible] حرم پوئی — چوں یار اندر بغل باشد چہ سود از قطع منزلہا

دونوں اشعار با مفہوم ایک ہی ہے لیکن طرز بیان جداگانہ ہے مولانا کا ایجاز ہے اس واسطے پیچیدہ ہو کر رہ گیا ہے کہ آپ نے [illegible] کا استعمال نہیں فرمایا صرف یہ کہہ دیا کہ یہ کا سالک [illegible] جب تک روحانی قرب حاصل نہیں [illegible] سے کیا فائدہ لیکن قلندر صاحب نے عام محاورہ [illegible] ہے کہ جب یار تیرے دل میں [illegible] ہے [illegible]

نے عشق کی جگہ فقر کا استعمال تو خوب کیا مگر اس جگہ عشق زیادہ فصیح و بلیغ ہے

مولانا کی ایک عاشقانہ غزل ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے

برکش اے صوفی ز سر این خرقۂ سالوس را　　جام مے بستان و بشکن شیشۂ ناموس را

طبیب ظاہر سے فرماتے ہیں۔

رنج بے حاصل مبین در نبض عاشق اے طبیب　　نیست دستور بر نبض عشق جالینوس را

قلندر صاحب نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

من مریض عشقم و از جان نفور　　دست بر نبضم چرا دارد طبیب

دونوں اشعار کا مفہوم ایک ہی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ مولانا نے صرف اسی پہلو پر زور دیا ہے کہ مریض عشق کا علاج جالینوس سے بھی ممکن نہیں قلندر صاحب نے اس کی وجہ یہ بتلائی کہ عاشقوں کو جان کی پرواہ نہیں ہوتی اس لئے نادان طبیب کو میری چارہ گری کا خیال کیوں دامنگیر ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔

دل و جان کردہ ام نذر بتان اکنوں ہمی خواہم　　کہ گر یابم خریدارے فروشم دین و ایمان را

حضرت امیر خسرو کی عبارت ان دونوں سے بڑھ گئی فرماتے ہیں

از سر بالین من برخیز اے نادان طبیب　　دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

مولانا ایک جگہ فرماتے ہیں

کنارہ کن ز جہان تا رسی بدامن عشق　　بکوہ قاف طلب آشیان عنقا را

اس مضمون پر قلندر صاحب فرماتے ہیں

گر ہمی خواہید پیوستن بدو اے رہروان　　باید از دنیا و دین کردن شمارا انقطاع

مولانا کا ایک شعر ہے

بزیر پائے تو جا کردمی سرم بشکست　　رساندہ ام ز پیگر دو دستم اے دوست

اس مضمون کو قلندر صاحب نے اس طرح ادا کیا ہے

چو ستارہ ز فیض قدم تو　　ذرہ را باد برج افلاک است

مولانا نے پائے محبوب میں سر رکھ کر آسمان تک رسائی اور سرافرازی حاصل کی

قلندر صاحب نے مضمون وہی ادا کیا مگر تشبیہ کے ساتھ کہ تیرے قدم میمنت لزوم کی برکت سے میرا ذرۂ دل ستارے کی طرح اوجِ عرش پر جا پہنچا یعنی سربلندی و سرافرازی حاصل ہوئی ستاروں کا آسمان پر ہونا تو ظاہر ہے ہی اور ذرہ کی پرواز بھی مشہور ہے۔

مولانا معشوق کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

غزالے چوں تو در صحرائے چیں نیست   چہ جائے چیں کہ بر روئے زمیں نیست

اس پر قلندر صاحب فرماتے ہیں

کسے ز خوب رخاں کہ با تو لاف زند   کہ خوبیٔ دو جہاں مر ترا مسلّم شد

مولانا درِ محبوب کے مقیم کی اولوالعزمی کی نسبت فرماتے ہیں

بطوفِ روضۂ رضواں کسے دہد مقیم درت   رہا نساخت جدا از تو نقش بوریا حق

قلندر صاحب نے کوئے محبوب کی بلبل بن کر یہی مضمون دوبالا کر دیا

ز کوئے تو نتوانم کہ من کنم سیر حق   کہ بلبلم ز کوئے تو روضۂ زیبا حق

مولانا عشق کو بحر سے تشبیہ دے کر صاحب راہ کو نہنگ قرار دیتے ہیں

کسے کہ گام دریں بحر بے خطر بنہد   بکام مے رسد آخر بہ کامِ نہنگ

اس پر قلندر صاحب فرماتے ہیں۔

راہِ عشاق نیست جز راہِ صفا   راہِ عاشق نیست جز کامِ نہنگ

دونوں حضرات نے مرد راہ کو نہنگ سے تشبیہ دی ہے

مولانا ایک غزل کے مقطع میں جس کا مطلع یہ ہے۔

جدا ز لالہ رخ خود بہار را چہ کنم   ہزار داغ بہ دل لالہ زار را چہ کنم

فرماتے ہیں۔

تو اے اود وبہ کس بے حال او رحمی   چوں یار نیست بدست ایں دیار را چہ کنم

قلندر صاحب بھی اپنے ایک خیال کو یہی جامہ پہناتے ہیں۔

بر تو ز ہر دو جہاں است جمال تو کافی   چنیں بروئے تو دو عالم ہیچ جز تو نہ بینم

قلندر صاحب پر اس قدر شوق غالب ہے کہ روئے محبوب کے مقابلہ میں دونوں

جہاں کی نسبت دانۂ جو کے برابر بھی نہیں سمجھتے مولانا نے سرسری طور پر کہہ دیا کہ جب یار نہیں تو دیار کو
کیا کروں قلندر صاحب اس مضمون کو سمجھ بھی گئے اور ساتھ ہی دونوں جہان سے محبوب کے
حسن و جمال کی برتری ثابت کر کے نکتہ یہ نکالا کہ جب تیرا حسن دونوں جہان سے برتر ہے تو میں انہیں
کیا کروں۔

مولانا کا شعر ہے

ز فرقتِ تو چہ گویم چہ ناتواں شدہ ام — ز قحطِ آب چمن چوں شود چناں شدہ ام

قلندر صاحب نے بھی یہ مضمون ادا کیا ہے لیکن کسی اور انداز میں فرماتے ہیں

ما بہ عشقِ تو ناتواں شدہ ایم — جسم بودیم ہمچو جاں شدہ ایم

دونوں شعروں کا مفہوم ایک ہے البتہ تشبیہات جداگانہ ہیں قلندر صاحب نے
جس جگہ لفظِ عشق کا استعمال کیا ہے وہاں مولانا نے فرقت سے کام چلا لیا۔

اسی غزل کے مقطع میں مولانا فرماتے ہیں

مگو کہ پیر شدی ترکِ عشق گو یعنی — کہ من بہ عشقِ تو پیرانہ سر جواں شدہ ام

قلندر صاحب نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے

ما زیک جرعۂ مے شوقش — باز پیرانہ سر جواں شدہ ایم

قلندر صاحب ردیف میم کی ایک غزل میں فرماتے ہیں

گر کنی لطف در رہی بخشم — ما ز داراں حلقہ در گوشیم

مولانا قلندر صاحب کا دوسرا مصرعہ لے کر پہلا خود لگاتے ہیں

تا تو در گوش کردہ حلقہ — ما غلاماں حلقہ در گوشیم

قلندر صاحب ردیف الف کی غزل [illegible] میں فرماتے ہیں

زاہدا از جام مے پرہیز گاراں را چہ حظ — وز نماز و روزہ و حج میگساراں را چہ حظ

مولانا نے قلندر صاحب کے پہلے مصرعہ کو تھوڑی سی ترمیم و تنسیخ کے بعد اپنی غزل
میں شامل کر لیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

زاہدا ہیچ مگو [illegible] پرہیز گاراں را چہ حظ — لذتِ مے مست دانند ہوشیاراں را چہ حظ

چه دانستم که آخر این همه دشوار پیش آید | که یکن آمد رفته رفته راه سخت و سنگلاخ
رسیده جان بلب دم نمی توانم زد | راز تو بلب نا رود و دل شود پر خون
ای مهر عشق همی ترسم آشکار شود | هر کس که درین دہر ز نا محرم راز است
ز خون دل چه نویسم به لوح خاطر تو نقش | چه گویم اے شرف در حضرت او
چون نسبت از تو نہان آنچه در ضمیر من است | که او داند نہان و آشکارم
هر گل که بر آید ز گل تربت مجنون | چون بعد از مرگ من لیلی گیاه بر گور من رسته
بوی خوشش آید [illegible] است | نوشته نام نوجانان ز هر برگ گیاه خیزد
عمر تو گنج و هر نفس در وی [illegible] گهر | عمر رفته باز پس ناید ترا — از کمان جسته [illegible] باز آید خدنگ
گنج چنین نفیس را مکن رایگان تلف | پس نگه [illegible] شمار — دامن عشق [illegible]
زاهد بکنج محراب آورده روی طاعت | ما را سفر قبلهٔ ابروی تو در پیش
عاشق گرفته قبله آن طاق ابروان را | ایران همه در قصد حجاز ند به تعجیل
دامن بخور که بر فگن اے مه خرگه نشین | پرده بردار که ما روی چو مهرت نگریم
ورنه فغان سوخت آه هم همه افلاک را | ورنه از آه جگر پردهٔ عالم بدریم

فیضِ اویسیہ

اولیاء اللہ سے کرامت کا صدور [illegible] تمام صحابہ کرام اولیاء سے افضل ہیں لیکن ان میں بعض سے [illegible] صادر نہیں ہوئی چونکہ فضیلت اور عظمت کا دار و مدار اخلاص عبادت اور قرب [illegible] پر منحصر ہے۔ اس لئے کرامت کی کوئی خاص اہمیت نہیں کیونکہ خوارق اکثر جوگیوں اور راہبوں سے بھی واقع ہو جاتی ہیں جس کو [illegible] ریاضت [illegible] شعبدہ کہتے ہیں۔

اہل حق اور عارفان باللہ کی بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ شرع [illegible] پر قائم [illegible] اور بڑا کشف یہ ہے کہ طالبوں کی استعداد کے موافق ان کی تعلیم و تربیت کریں۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا ہے کہ بعض اہلِ کرامت نے دمِ واپسیں (بوقتِ نزع) یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش یہ کرامتیں ہم سے ظہور میں نہ آتیں اور شیخ موصوف (فتوحاتِ مکیہ) میں لکھا ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ سے طے الارض کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا کہ یہ ولایت کی کوئی مستحکم دلیل نہیں کیونکہ شیطان (ابلیس) دم میں شرق سے غرب تک طے کر جاتا ہے مگر خدا کے نزدیک وہ مردود اور مقہور ہے۔ ہوا میں اڑنے کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا چڑیاں بھی ہوا میں اڑتی ہیں اگر انسان اشرف المخلوقات ہو کر ہوا میں اڑے تو حیرت و استعجاب کا مقام نہیں غرضیکہ جو کچھ آپ سے پوچھا گیا سب کے کرامت نہ ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ آپ نے ضرور بتلائی اور ولایت کی علامت اتباعِ شریعت قرار دی۔

قلندر صاحب ایک عارف باللہ بزرگ شریعتِ نبویؐ پر مستقیم تھے اور صاحبِ خوارق کثیرہ بھی تھے بے شمار کرامتیں آپ سے وقوع میں آئیں جن میں سے اکثر نہایت ہی عجیب ہیں ہم نے آپ کی سوانح عمری میں وہ واقعات عمداً درج نہیں کیے جن کو خوش اعتقادی سے تعلق تھا البتہ بعض بعض واقعات جن پر کرامت کا اطلاق ہو سکتا ہے اور جن کا تعلق آپ کی زندگی کے ساتھ تھا مختلف عنوانات کے تحت میں مناسب جگہ لکھے ہیں لیکن نرالی بات یہ ہے کہ قلندر صاحب کی وفات کے بعد بھی ان کا سلسلۂ فیضِ ربانی جاری رہا جی نہیں چاہتا کہ ہم ان واقعات کو جن کا تعلق بعد الموت سے ہے قلم انداز کر دیں اس لیے اس عنوان کے تحت ان ہی کو درج کرتے ہیں کہ وہ ذات بابرکات زندگی میں تو مقصودِ انام اور مرجعِ خلائق تھی ہی لیکن زندگی کے بعد بھی اس کا فیض اسی طرح جاری رہا جیسا کہ دورِ حیات میں تھا جو مستحکم دلیل ہے امر اس کی کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ نقل مکان کرتے ہیں اور قلندر صاحب کا ارشاد ہے ع

کشتۂ نازِ ترا زندہ دائم شمس بریم

کس قدر حقیقت کے قریب بلکہ عین حقیقت ہے اب ہم تیمناً و تبرکاً قلندر صاحب کے فیضِ ربانی کے چند ایک واقعات ذیل میں درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ کس طرح وقت کے بڑے بڑے اہلِ کمال بزرگوں نے آپ کے مرقدِ پاک کو کعبۂ مقصود سمجھا اور فیض اٹھایا

جس کا سلسلہ انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

میر مودود لاری رح

آپ کا پورا نام سید میر محمد مودود لاری ہے آپ حضرت بابا نظام الدین ابدال کے مرید تھے جو اللہ رحمہ صاحب کے ماموں سید نعمت اللہ ہمدانی کرمانی کے بڑے خلیفہ تھے۔ میر موصوف نے سیر و سیاحت بہت کی ہے اور اپنے زمانے کے اکثر مشائخ سے ملے فیض پہنچایا اور فیض حاصل کیا۔

علوم ظاہری کی تکمیل مولانا عبدالغفور لاری رحمۃ اللہ علیہ سے کی اور انہی کے ذریعے قطب الاخیار حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمان جامی قدس اللہ سرہ کی صحبت کا شرف حاصل کیا اور مولانا شیخ صدرالدین قونوی کی تصنیفات مولانا جامی کی خدمت میں پڑھیں۔ وقت کے بڑے بڑے اہل اللہ بزرگ شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی، شیخ امان پانی پتی، شیخ موسیٰ زبیری، شیخ فریدالدین کرمانی نے میر موصوف کی صحبت سے فیض حاصل کیا اور توحید کا علم پایا۔

میر مودود ظہیرالدین بابر (بادشاہ غازی) کے عہد حکومت میں ولایت سے ہندوستان تشریف لائے کچھ دن آگرہ میں [illegible] فرمایا۔ شیخ امان پانی پتی کا وطن [illegible] آگرہ ہی میں مقیم تھے حضرت میر موصوف کی نجابت اور پاکیزگی کا شہرہ سن کر حاضر خدمت ہوئے اور دیکھتے ہی ان کے حسن خداداد پر عاشق ہو گئے اور میر مودود کی صحبت میں رہ کر تصوف کی بہت سی [illegible] خصوص الحکم وغیرہ پڑھیں۔

[illegible] اکثر پانی پت کی تعریف کرتے تھے کہ وہاں بو علی قلندر صاحب [illegible] شیخ شرف الدین بو علی قلندر آسودہ ہیں جہاں سے آفتاب کی طرح عرفان کا فیض جاری ہے میر مودود کے دل میں زیارت کا شوق پیدا ہو گیا ایک دن عالم مثال میں قلندر صاحب کی روح سے ملاقات ہوئی قلندر صاحب نے فرمایا۔

"اے مودود ہم بھی قلندر ہیں اور تو بھی قلندر ہے آ ایک ہی جگہ رہیں گے"

ایما پاکر میر صاحب پانی پت آ گئے اور یہیں رہنے لگے تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ آپ ہمیشہ قلندر صاحب کی [illegible] کی زیارت کیا کرتے تھے اور ان کے مقبرہ [illegible] سے

میں نے خیال کیا کہ ہر رات جھنجھانہ سے پانی پت پہنچنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے
جب کہ بیچ میں دریائے جمنا بھی حائل ہے اس معاملہ کی تحقیق کے لیئے میں ایک کونے میں
جو میرے پیر کی مخصوص نشستگاہ تھی چادر اوڑھ کر کھڑا ہو گیا آدھی رات گذری ہو گی کہ حسب
معمول میرے پیر باہر آئے اور اسی کونے میں جہاں میں کھڑا تھا آ گئے اور مجھ کو یا حیّ و یا قیوم
پڑھنے کے بعد آنکھیں بند کرنے کا حکم دیا ایک لحہ کے بعد حسب الارشاد میں نے آنکھیں
کھولیں تو اپنے آپ کو مع شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے پانی پت میں عاشق الٰہی کے روضۂ منورہ کے دروازے
پر دیکھا مجھ کو یقین آ گیا پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے کیا دیکھتا ہوں جناب عاشق الٰہی اور
صاحبزادہ مبارک خاں آپس میں بغل گیر ہو کر حضوری کر رہے ہیں جو نہیں شیخ عبد الرزاق کو دیکھا
فرمایا برادر عبد الرزاق آفرین آ جا شیخ صاحب قریب گیئے اور تھوڑی دیر صحبت میں رہ کر حضرت
امام بدر الدین بدر عالم امام الہم رحمۃ اللہ علیہ[15] کے مزار پر انوار پر تشریف لے گئے اور وہاں سے زیارت کر کے
ایک لمحہ میں مع اس خاکسار کے جھنجھانہ پہنچ گئے اور مجھ کو علیحدہ کر کے خود وضو کرنے لگے

شیخ دوجن جنیدی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد بزرگوار سہارنپور میں پیشۂ زراعت کیا کرتے تھے جب
شیخ دوجن کی عمر بارہ[۱۲] سال کی ہوئی تو آپ کے والد نے فرمایا
کہ ہم تو کھیتی باڑی کیا کرتے ہیں اگر تجھ سے ہو سکے تو ہمارے بیلوں کو جنگل میں لے جایا کرو
شیخ نے والد کا فرمان قبول کیا۔

ایک دن جمنا کے کنارے پر بیلوں کو پانی پلا رہے تھے کہ پانچ مردانِ غیب

---

[15] امام موصوف حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں نبی کی سب سے پہلی دعوتِ اسلام لے کر پانی پت تشریف لائے۔ اور غزوہ میں اللہ کی راہ میں جان دیدی۔ آپکا مزار بلندی شہداء آپکے نام سے مشہور ہے حضرت عاشق الٰہی اکثر اوقات عالم حیات میں امام موصوف کے مزار پاک کی زیارت کے لئے جاتے تھے لیکن بپاس ادب دور ہی سے فاتحہ پڑھتے حضرت امام ابو القاسم اور حضرت امام اسحاق جابری کے مزارات بھی قصبہ پانی پت سے دو کوس مغرب کی طرف یادگار اسلام ہیں آپ چھوٹے شہید کہلاتے ہیں علاوہ اس کے پانی پت میں اور بہت سے شہداء کے مزارات ہیں جو غزوات میں شہید ہوئے ۱۲۔

علما و مظہر

ظاہر ہوئے خواجہ خضر علیہ السلام، قلندر صاحبؒ، بابا بہلول حصاریؒ، بدرالدین سلیمانؒ، شیخ سدو بالبزیؒ، جو ہیں شیخ نے ان غیبی آدمیوں کو دیکھا ڈر گئے مردان غیب نے کہا خوف مت کرو یہ ہمارا ہمراز ہے اسی اثنا میں خواجہ خضر آگے بڑھے اور شیخ کا ہاتھ پکڑ کر پیار کرنے لگے اور اپنے دونوں انگوٹھوں کو شیخ کی آنکھوں پر رکھ دیا۔ جب اٹھائے تو ارض و سما کے اسرار ان پر منکشف ہو گئے اب وہ خوف نہ رہا۔

خواجہ خضر نے فرمایا اے عاشق الٰہی و ابن تمہارا ہے تمہاری سپرد کرتا ہوں قلندر صاحب نے حکم کے بموجب باطنی تعلیم دی اور فیض سے مالا مال کر دیا اور فرمایا تیرا ظاہری حصہ سدو بالبزی کے پاس ہے انہی کا مرید ہونا وہ ابھی زندہ ہیں جب مردان غیب غائب ہو گئے تو شیخ اسی وارفتہ حالت میں شیخ سدو کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہو گئے غرضیکہ آپ نے قلندر صاحب کی روح مبارک سے بہت فیض حاصل کیا آپ تربت قلندر کا طواف کیا کرتے تھے شیخ کی وفات ۹۶۴ھ میں ہوئی اور شہر جنید علاقہ حصار میں خواجگاہ اختیار کی

شیخ عبدالقادر اجودھوری آپ شیخ برہان الدین کے صاحب زادے تھے سلسلہ نسب آپ کا شیخ عبداللہ زبیری تک پہنچتا ہے اکثر مشائخین سے آپ نے فیض اٹھایا خصوصاً قلندر صاحب آپ کے معنوی پیر تھے

اقتباس الانوار میں لکھا ہے کہ

"روحانیت آنحضرت بعد از وفات وے سالہا سے بسیار شیخ عبدالقادر اجودھوری را تربیت کرد و برتبہ تکمیل و ارشاد رسانید"

جب شیخ صاحب موصوف کسی بزرگ سے مرید ہونے کی التجا کرتے تو جواب ملتا تجھ کو کسی ولی کی روح سے فیض پہنچے گا چونکہ آپ کی باطنی نعمت قلندر صاحب کے پاس تھی جب ایسا ہی شیخ پانی پت پہنچے اور روضۂ مقدسہ کے دروازے کے سامنے جو قبلہ رو ہے بیٹھ گئے جب آدھی رات گذری شیخ کے کان میں آواز آئی کہ آؤ شیخ نے عرض کی دروازہ بند ہے کیسے آؤں۔ ارشاد ہوا کہ دروازہ کھول لو شیخ دروازہ کھول کر اندر گئے دیکھا کہ قلندر صاحب مزید اطہر کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے محبوب مبارک خان ہاتھ میں جام لئے کھڑے ہیں قلندر صاحب

نے مبارک خاں کو فرمایا کہ یہ پیالہ اٹھا کر دے دو۔
مبارک خاں صاحب نے پیالہ شیخ کو دے دیا اور شیخ پی گئے پینا تھا کہ [illegible]
بیخود ہو گئے اور نقش حضور کا جلوہ نظر آنے لگا۔ ایک فقیر سکندر نامی مدت سے قلندر صاحب کے
روضہ شریف کے دروازہ پر پڑا رہتا تھا جب شیخ کا یہ حال دیکھا تو کہا ہم مدت سے اسی دروازہ
پر پڑے ہیں اور آپ ایک ہی پیالہ پی کر مالامال ہو گئے شیخ نے فرمایا سبحان اللہ بڑا دینے والا بڑی
کا بیٹا بیچارے یہ کہنا ہی تھا کہ سکندر کا پیٹ پھٹ گیا جس کو دفن کے لیے سجادہ نشین صاحب نے
روضہ مشائخ سے باہر دفن کرا دیا شیخ اپنے وطن تشریف لے گئے اور وہیں وصال فرمایا۔

سید میاں محمد شریف حاجی زاولی رحمۃ اللہ علیہ

دہلی اور مراد آباد کے درمیان کسی قصبہ کے رہنے والے تھے سولہ سترہ سال کی عمر میں حضور کے عرس
شریف پر پانی پت شریف [illegible] حضرت بو علی شریف کے اور جب آخری سلام کے لئے حاضر ہوئے
تو حضور نے روحانی ارشاد فرمایا کہ [illegible] ہم یہاں ٹھہر جاؤ چنانچہ حجرہ آپ کو بتایا گیا تھا اسی میں
ٹھہر گئے چند [illegible] فاقوں کی نوبت آئی چھ روز متواتر فاقہ میں گذرے ناچار درگاہ شریف
میں حاضر ہو کر [illegible] عرض کیا [illegible] حجرہ کا رستہ کے لیے ٹھہرایا تھا ارشاد ہوا کہ آپ
حجرے میں بیٹھے جاؤ رزاق کو تیرے رزاق کا خود فکر ہے۔
[illegible] آ گئے شام کے وقت کسی آدمی نے دروازے پر دستک دی [illegible]
[illegible] معلوم ہوا کہ کوئی شخص کھانا لے کر آیا ہے پوچھا کیا چیز ہے اس نے موٹی موٹی دو روٹیاں
اور کچھ حلوہ بتائی [illegible] طبیعت مرغ کے گوشت اور پراٹھوں کی خوگر ہو چکی تھی اس لیے آپ نے
کھانا لینے سے انکار کر کے اس آدمی کو واپس کر دیا [illegible] آگئی سات
[illegible] الصباح آستانہ عالیہ پر پھر حاضر ہوئے اور یہی سوال کر کے کہا حضرت مجھ سے بجری کی
روٹیاں اور حلوہ کھائی نہیں جاتیں ارشاد ہوا کیا کھاؤ گے عرض کیا مرغ کا گوشت اور پراٹھے
غرضیکہ ہر روز بلا ناغہ [illegible] کو مرغ کا گوشت اور پراٹھے [illegible] پہنچتے رہے [illegible] قیام
کے بعد قلندر صاحب نے ارشاد فرمایا کہ محمد شریف [illegible] ابراہیم رحمۃ اللہ
علیہ کے مرید ہو جاؤ کیونکہ طالب کے لیے دو [illegible] بیعت ہونا [illegible] اور [illegible]

مولوی گل حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ ہے
آپ اٹھارہ ۱۸ سال سات مہینے چھ روز پانی پیتے نہیں رہے
رحمۃ اللہ علیہم اجمعین
مردہ ہرگز نبود آں کہ بمیرد در عشق
کشتۂ از ناز زندۂ دائم شدہ ایم
از چوہدری عبدالرؤف قمر
محلہ شاہ صدیق وزیرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزل نمبر (۱)

ہست در سینۂ ما جلوۂ جانانۂ ما ۱ بت پرستیم دلِ ماست صنم خانۂ ما

اے خضر چشمۂ حیواں کہ بر آں می نازی ۲ بود یک قطرۂ ز دردِ تہِ پیمانۂ ما

جنّت و نار پسِ ماست پے صد جلوہ دود ۳ سے نشا بد بہ کجا ہمتِ مردانۂ ما

جنبد از جا و فتد بر سرِ افلاکِ بریں ۴ بشنود عرش اگر نعرۂ مستانۂ ما

ہم چو پروانہ بسوزیم و بسازیم بعشق ۵ اگر آں شمع کند جلوہ بہ کاشانۂ ما

ما نبازیم بتو خانہ ز البیا ہیم ۶ گر بیائی لبِ شب وصل تو در خانۂ ما

گفت او خندہ زناں گریہ چوں کردم بدرش

۷ بوعلی ہست مگر عاشقِ دیوانۂ ما

ا۔ ترجمہ ہمارے سینہ میں معشوق کا جلوہ ہے ہم بت پرست ہیں اور ہمارا دل بتخانہ ہے۔

صنم (لغوی معنی) فارسی محاورہ میں خوبی صورت کی مناسبت سے معشوق پر اطلاق کرتے ہیں۔

بت کی اصطلاحی تحقیق:۔ ع بت ہیں جا مظہرِ عشق است و وحدت

یعنی صوفیائے کرام کی اصطلاح میں بت سے عشق و وحدت کے مظاہر مراد ہوتے
ہیں کیونکہ موجودات کے تمام ذرات اس حقیقتِ مطلقہ کے آئینے ہیں پس جب حق بت کی صورت میں
ظاہر ہوا اہلِ کمال کے لیے متوجہ الیہ بننا ہی رہے گا۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار (سعدی) ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار ([illegible])

بت کی اصطلاحی تحقیق کے لیے صوفیائے کرام کے ماخذ اہم "گلشنِ راز" کی فارسی
شرح سے چند چند مقامات کا ترجمہ اپنے الفاظ میں ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں جس سے
ناظرین خود اندازہ لگا سکیں گے کہ صوفیہ کی اصطلاح میں ان الفاظ سے کیا [illegible] ہے صاحبِ
گلشنِ راز فرماتے ہیں۔

چو کفر و دین بود قائم بہ ہستی — شود توحید عینِ بت پرستی
چو اشیا ہست ہستی را مظاہر — ازاں جملہ یکے بت باشد آخر
نکو اندیشہ کن اے مردِ عاقل — کہ بت از روئے ہستی نیست باطل

جن سے مراد یہ ہے کہ جب کفر و دین وجودِ مطلق کے ساتھ دو باہمی اضداد ہیں پس خدا تعالیٰ کو
واحد یقین کرنا بت پرستی ہو گی کیونکہ اگر کوئی شخص بت یا کفر کو از روئے حقیقت خدا تعالیٰ کا غیر تصور
کرنے لگا تو یہ شرک ہے اور وہ توحیدِ حقیقی کا قائل نہیں۔

یہ بات تو کسی سے مخفی نہیں کہ موجودات ظاہر در حق تعالیٰ کی ہستی کا مظہر ہے ضرور ہے
کہ بت بھی ان مظاہر میں سے ایک ہے جو قرآن مجید میں وارد ہے۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّاۤ اِيَّاهُ یعنی حکم کیا
تیرے رب نے [illegible] کہ تم عبادت نہ کرو مگر اس کی [illegible] صورت میں کافر بھی حق تعالیٰ ہی کے
عابد ہوں گے جو فطرتی تعین وحدہٗ جا بجا ہو گا قرآن مجید (دوسری جگہ ارشاد ہے) [illegible]
"[illegible] اور آسمان کی پیدائش [illegible]"

بلکہ [illegible] عقلِ سلیم کو ترغیب دی گئی ہے کہ بت ہستی اور زندگی کی وجہ سے بواسطہ اپنی مظہریت
کے جو کچھ ہے باطل نہیں کیونکہ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔

مسلماں گر بدانستے کہ بت چیست — بدانستے کہ دین در بت پرستیست
وگر مشرک ز بت آگاہ گشتے — کجا در دینِ خود گمراہ گشتے

چونکہ قلندر صاحب کا سینہ تجلیاتِ محبوب کا مرکز اور مخزن ہے اس لئے آپ بتخانۂ
دل میں انوارِ یزدانی کا مشاہدہ کرتے ہوئے خود کو بت پرست اور اپنے دل کو جو ذاتِ احدیت
مآب کی وحدت اور عشق کی جولانگاہ ہے صنمخانہ سے تعبیر کرتے ہیں اور حقیقت میں بھی یہی ہے کیونکہ
ایمانِ حقیقی کی اصل یہی بت پرستی یعنی وحدت پرستی ہے اور اسی بت پرستی میں عین حق پرستی کا
راز مضمر ہے قلندر صاحب اپنے مکتوبات شریف میں بت کے متعلق فرماتے ہیں

"عاشق از عشقِ معشوق مست مے بود صاحبِ حُسنے را بنا حسنِ معشوق
بروے نمود عاشق پیشِ بت نشیند زیرا کہ در بت حسنِ معشوق بہ بیند از عشق و حسن پیشِ
بت سجدہ آرد و بخوردن حسنِ معشوق بہ بارد۔ عاشق بت را حسن خانۂ معشوق مے
بیند و در بت خانہ نشیند معشوق در لباسِ بت جمالِ خویش نمود عاشق مست از بود
مست خود را نماند الا از عشقِ معشوق را داند بہ حسن او از عشق ماند"

مراد یہ کہ عاشق جس چیز میں دیکھتا ہے حسنِ معشوق ہی دیکھتا ہے۔

کہ اندر بت نہاں سرِ الٰہی است	خدا در بت پرستی مے تواں دید

۲ ترجمہ:- اے خضر تو آبِ حیات پر ناز کرتا ہے وہ میرے پیالے کی تہ کا میل
آلود قطرہ ہے

خضر بالکسر ایک پیغمبر کا نام ہے و بفتح اول و کسر ثانی بمعنی شاخ سبز گشتن و نزد
در نام پیغمبر مذکور کیونکہ جس جگہ وہ بیٹھے ہیں سبزہ اُگ آیا اور آپ کی سیر و تفریح کے مقامات سبزہ زار
ہیں یا اس وجہ سے کہ آپ کی قدم کی برکت سے بیابان سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں اور آپ
کی نبوت میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک نبی ہیں اور بعض ولی کہتے ہیں وہ بعض تیں نازگی ہو
سبزی یا حضرت خضر علیہ السلام کا اصلی نام ارمیا ہے اور خضر آپ کا لقب ہے۔

چشمہ حیواں: مراد از آبِ حیات در وہ میل وہ رقیق چیز جو پیالے میں نشین ہو جاتی ہے
مجازاً شرابِ تیرہ یا تلچھٹ!

قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ خضر آبِ حیواں پر نازاں تو ہیں لیکن یہ خیال نہیں

کہ وہ میرے پیمانے کی تہ کا میل آلود قطرہ ہے یعنی آبِ حیات کی اصل میرے پیمانہ کی دُرد سے ہے اور جو تاثیر اصل میں ہوتی ہے وہ نقل میں نہیں ہو سکتی اس لئے خضر کو چشمہ حیواں پر ناز نہیں کرنا چاہئے بلکہ مایۂ ناز ہمارا پیمانۂ دل ہے جس کی دُرد بھی آبِ حیواں سے اچھی ہے شیخ سعدی شیرازیؒ کا شعر قریب قریب اسی مضمون کو واضح کرتا ہے۔

گر مے بجاں دہند تہ بستاں کہ پیش دانا ... از آبِ خضر خوشتر خاک شراب خانہ

اسی مضمون پر خواجہ حافظؒ فرماتے ہیں

آنکہ خضر حیات از و یافت ... در میکدہ جو کہ جام دارد

آبِ حیات:۔ کے خواص کے متعلق لکھا ہے کہ جو شخص اُسے نوش کرے اس کو ابدی زندگی عطا ہوتی ہے چنانچہ تذکروں میں مذکور ہے کہ خضر علیہ السلام نے سکندر ذوالقرنین کی معیت میں کوہ قاف میں بردہ ظلمات کے اندر چشمہ حیواں سے وہ پانی پیا جس سے آپ کو حیاتِ جاودانی کی نعمت ملی اور سکندر اس نعمت سے محروم رہے۔

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل ... کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

لیکن اس زندگی کا تعلق اسبابِ ظاہری سے ہے جو فقط قیامت تک کے لئے محدود ہے مگر زندگی جاوید جو مار فانِ حق کو مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا سے حاصل ہوتی ہے اس کو حیاتِ خضر سے کوئی نسبت نہیں۔

شرابِ محبت:۔ یعنی فناہ کی شراب جو ذاتی تجلّی اور نیستی کے لئے لازم ہے تاکہ اپنی ہستی اور تعین کا حجاب دور ہو کر حق تعالےٰ کے ساتھ بقا کا مرتبہ حاصل ہو اور یہ وہ بقا ہے جس پر خضر کو بھی رشک آنا چاہئے کیونکہ اس پر کسی قسم کا تغیر جائز نہیں جس کو یہ شراب عطا ہوئی اُسے عالمِ بقا میں ابدی اور غیر فانی زندگی حاصل ہو گئی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے

اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ ... یعنی اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں نقل کرتے ہیں۔

قلندر صاحب نے بھی حیاتِ خضر اور حیاتِ عاشق کا مقابلہ کر کے شربِ محبت کو آبِ حیوان پر فوقیت دی ہے کہ مایۂ نازش آپ کا پیمانۂ دل ہے نہ کہ چشمۂ خضر!

اصطلاحِ تصوف میں بالفاظ صاحبِ جواہرِ غیبی ساغر و پیمانہ سے مشاہدۂ انوارِ غیبی اور ادراکِ مقاماتِ عالیہ مراد ہیں مگر یہ ادراک شربِ محبت کے بغیر نہیں ہو سکتا اور چونکہ شراب کا تعلق جام سے ہوتا ہے اس لئے تشبیہ فرمایا کہ ہمارے پیمانہ کی تہ کا میل آلود قطرہ بھی آبِ حیوان سے بہتر ہے کیونکہ عشقی شراب تو بجائے خود اس کی درد سے بھی ایسے ایسے مقاماتِ رفیعہ اور احوالِ عالیہ کا ادراک اور انکشاف ہوتا ہے جن کا بیان حیطۂ تحریر و تسطیر سے خارج ہے جب تلچھٹ کا یہ حال ہے تو اس کی اصل کا اندازہ ناظرین خود کرلیں۔

۳۔ جنت و دوزخ صدہا منزلیں ہمارے پیچھے ہیں وہ ہماری مردانہ ہمت کے ساتھ شتاب روی کب کر سکتے ہیں۔

مرحلہ ماخوذ از رحل بمعنی منزل مراد از منازلِ عشق۔

شتابد مضارع از شتافتن بمعنی دوڑنا

آیت اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ الخ کی تفسیر میں مفسرین نے امانت سے عشق و محبت مراد لی ہے چنانچہ مفسرین لکھتے ہیں کہ جب یہ امانت آسمان و زمین اور ملائکہ ملکوت کے سامنے پیش کی گئی تو سب نے اپنے عجز کا اعتراف کرکے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا جس کے بعد یہ امانت حضرتِ انسان کے حصہ میں آئی۔

شعر

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید ۔۔۔ قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

جنت باوجود اپنے ساز و سامان اور دوزخ باوجود اپنے ہیبت ناک عذاب کے لذتِ عشق و محبت سے محروم ہیں اور جس منزل میں حضرتِ انسان گامزن ہیں وہاں ان دونوں کا گذر نہیں قلندر صاحب نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ جس منزلِ عشق اور جادۂ محبت میں ہم چل رہا ہوں اس میں دوزخ اور بہشت کو بار نہیں کیونکہ وہ اس نعمت سے محروم ہیں اور نہ ہی انہیں اس کا احساس ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ۔۔۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ٥

۴۔ اگر عرش ہمارے مستانہ نعرے سنے تو اپنی جگہ سے ہل کر آسمانوں پر گر پڑے۔

عرش: تخت و سقف۔

یعنی اگر عرش میرے مستانہ نعرے سے نوبتاب ہو کر کانپ اٹھے اور اپنی جگہ سے ہل کر گر پڑے ان نعروں سے وہ سوز و ساز مراد ہے جو سالک کے دل میں ضبطِ عشق کی وجہ سے ہوتا ہے جس کے انکشاف سے جہان اور اہلِ جہان کے درہم برہم ہونے کا احتمال ہے عارف رومی فرماتے ہیں۔

سرِّ پنہان است اندر زیر و بم	فاش اگر گویم جہان برہم زنم

قلندر صاحب خود ہی ردیف آخ میں اپنے اس دعوے کا اعادہ کرتے ہیں

آہِ من آتش زند در خرمنِ شمس و قمر　　نعرۂ من مے شگافد گوشِ گردوں را صماخ

۵۔ اگر وہ شمع ہمارے کاشانے میں جلوہ کرے تو ہم پروانہ کی طرح جل کر عشق منائیں۔

کاشانہ۔ خانہ کوچک و مختصر اور خانۂ زمستانی جس کے روشندانوں میں جامچہ کی طرح روشنی کے شیشے لگائے جاتے ہیں کاش کے معنی شیشہ کے ہیں جس کو زبانِ ہندی کانچ کہتے ہیں۔

یعنی اگر محبوب میرے کاشانۂ دل میں جلوہ افروز ہو تو میں پروانہ کی طرح جل کر اپنے عشق کا اظہار کروں یعنی جلوۂ محبوب میں اس قدر محو و رحجو ہو جاؤں کہ اپنی وہمی ہستی کی اصلا خبر نہ رہے اور من و تو کا امتیاز اٹھ جائے حضرت امیر خسرو دہلوی لکھتے ہیں

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی　　تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

بہ الفاظ صاحبِ جواہر غیبی "وصل عبارت است از زبان خود شہود نورِ وجود حق تعالیٰ یعنی ذاتِ حق میں اس قدر محو و رحجو ہونا کہ اپنی ہستی کی اصلا خبر نہ رہے وصل کہلاتا ہے پروانہ کیطرح قلندر صاحب بھی مرتبۂ فنا کے طالب ہیں ظاہر ہے کہ پروانہ بمصداق ع

ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد

اپنی وہمی ہستی کو جلا کر ہمرنگ شمع ہو جاتا ہے یہی مقصود قلندر صاحب کا ہے

۶۔ ہاں اگر تو ایک دفعہ وصل کی رات ہمارے گھر آئے ہم تجھ پہ ناز کریں مگر تجھے اور بہت سے گھر ہیں

یعنی اگر محبوب شبِ وصال ہمارے گھر آئے تو میں اس پر ناز کروں کہ محبوب نے
اپنے قدوم میمنت لزوم سے میرے غریب خانہ کو رونق بخشی مگر شاید محبوب کو ہرجائی سمجھ کر خود ہی
کہتے ہیں کہ "خانۂ زا بسیار یم" میں غریب کس شمار و قطار میں ہوں جبکہ تیرے اور بہت سے طلبگار ہیں
واقعی اگر محبوب خانۂ دل میں رونق افروز ہو تو مقامِ ناز ہے مگر درگاہِ محبوب میں ایسی
بے جوڑ درخواستیں منظور نہیں ہوتیں اور بجائے اس وصل کے ہجر و فراق کی تجویز کر کے جواب
ملتا ہے صبر کن تا نیغ مصور!

۷:- جب میں اس کے دروازے پر رویا اس نے ہنس کر کہا کہ لو چلی ہمارا دیوانہ
عاشق ہے۔

یعنی میں نے جب درِ جاناں پر نالہ و فریاد کی تو کمال خندہ لبی سے جواب ملا کہ چلی
ہمارا دیوانہ عاشق ہے معشوقوں کی خندہ دہنی مشہور ہے کہ خود تو ہر وقت خندہ لب رہتے ہیں لیکن
عشاق کو اس نعمت سے محروم رکھنا چاہتے ہیں امیر مینائی کا شعر ہے۔

وہ ہنس ہنس کے نشتر چبھو یا کیا	میں رو رو کے دامن بھگویا کیا

حضرت امیر خسرو نے بھی یہی شکوہ کیا ہے فرماتے ہیں

ما ز گریہ چوں نمک بگداختیم	تو ز خندہ شکر افشانی ہنوز

شاید معشوق کی خندہ دہنی سے مراد یہ ہوگی کہ لو چلی کی نالہ و زاری خالی از علت نہیں ہے
کیونکہ بغیر کسی وجہ کے رونا بھی نہیں آتا داناؤں کا قول ہے کہ عاشقوں کا رونا لازمۂ عشق ہے
جیسے قلندر صاحب سر العشق میں گریۂ عاشق کی ذرا وضاحت کرتے ہیں

"آنچہ دیدۂ عاشق در گریہ شود از غیرتِ عفیفتِ وجود اوست و غیبتِ
وجود او کہ عشق صفت اوست از غیرتے خواہد تا دیدۂ او از گریہ سفید شود و از
دیدن نومید شود زیرا کہ داند کہ آں دیدار بدیں دیدہ موانع بود در دالود کہ دیدہ از آں
گریہ خیرہ شود تا نظر بہ جمالِ آں دلربا نیفگند زیرا کہ بترسد آں روئے
از نازکی بدیں نظر مجروح شود"

غزل ۲

نقاب از روئے خود چوں افگند آں شمعِ محفلہا ۱ بسوزد چوں پرِ پروانہ ہم جانہا و ہم دلہا

تو چہ می پرسی اے مجنوں رہ و رسمِ طلب از ما ۲ کہ ما طے کردہ ایم از عاشقی صد گونہ منزلہا

بجز عجز و نیاز آنجا نمی پرسند چیزے را ۳ بفیضِ خاکساری ہا تواں حل کرد مشکلہا

بدل شمعِ حرم داری چرا سوئے حرم پوئی ۴ چوں یار اندر بغل باشد چہ سود از قطعِ منزلہا

شرف حسنِ ازل بینی بچشمِ جان و دل ہر دم
۵
عیاں در جلوتِ جانہا نہاں در خلوتِ دلہا

۱۔ اگر وہ شمعِ محفل اپنے چہرہ سے نقاب اٹھائے تو دل وجاں پرِ پروانہ کی طرح جل جائیں۔

نقاب:۔ پردہ۔

یعنی محبوب اگر رخِ زیبا سے پردہ اٹھائے تو عاشقوں کے دل وجاں پروانہ وار جل جائیں وجہ یہ کہ تجلیات کی کئی قسمیں ہیں اور ہر ایک کے جدا جدا آثار ہیں منجملہ ان کے ایک کا نام ذاتی تجلی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اگر سالک کے وجودِ عنصری کے آثار اور صفات کچھ باقی ہوں تو وہ بیہوش ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت کلیم الرحمان طور پر بیہوش ہو گئے اور اگر آثارِ عناصر مطلق فناہ ہو چکے ہوں تو مشاہدہ کر سکتا ہے چنانچہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از وفات یہ خاص الخاص خلعت بار ہا رب العزت سے عطا ہوئی اور بعد از مرگ عامتہ المسلمین کو دیدارِ الٰہی ہوگا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ مشاہدہ عالمِ ناسوت میں جسدِ عنصری کے ساتھ ناممکن ہے کیونکہ جب حضرت کلیم جیسے اولوالعزم مرسل اور پیمبر مشاہدہ ذات کی تاب نہ لا سکے تو اور کوئی کیونکر متحمل ہو سکتا ہے قلندر صاحب کسی ایسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ اگر محبوب اپنے چہرہ پر نور سے

نقاب اٹھائے یعنی بے حجابانہ تجلی کرے تو عاشقوں کے دل پروانہ کی طرح شمعِ جمال پر جل کر خاک ہو جائیں پس قولِ فیصل اس معاملہ میں یہ ہے کہ مشاہدۂ ذاتِ بجسدِ عنصری عالمِ اسباب میں ناممکن ہے

خفاکہ اگر پردہ ز روئے تو برافتد
وز غیر تو نہ عین تواں یافت نہ آثار

کلیم نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے

کلیم شکر کہ وحشت تک نہ ہوش آنا	ہوئی ہے خبر کہ وہ شوخ بے حجاب نہ تھا

مگر حضور رسالت مآب کا مشاہدۂ ذات بجسدِ عنصری کرنا عامۂ خلائق کے لئے حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ معاملہ اور ہے جس کی بحث موجبِ تطویل جان کر قلم انداز کرتے ہیں

۱۰۲۔ اے مجنوں تو ہم سے راہِ محبت کی رسم و رواج کیا پوچھتا ہے جب کہ ہم عشق کی صدگونہ منزلیں طے کر چکے ہیں۔

یعنی تو ہم سے طلب محبوب اور دیارِ عشق کے رسم و رواج نہ پوچھ کیونکہ ہم نے عشقِ محبوب میں ایسی صدہا منزلیں قطع کی ہیں شاعر حق پر ہے کیونکہ جو منزلیں آپ نے محبوب کے عشق و محبت میں طے کیں وہاں بیچارے مجنوں کا کیا دخل!

مجنوں کا لیلےٰ کے ہجر و فراق میں منزلیں قطع کرنا ایک مشہور بات ہے لیکن مجنوں اور شاعر کی منزلوں میں بعد المشرقین ہے کیونکہ وہ مقامات جو عاشق کو اثنائے وصال میں طے کرنے پڑتے ہیں مثلاً توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید، توکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ، تفکر وغیرہ ان کی دلیل یا ہیئت اور طریق تحصیل پر اگر صوفیانہ نکتۂ نظر سے غور کیا جائے تو قلندر صاحب کے شعر کا مطلب صاف صاف واضح ہو جاتا ہے کہ جو مقامات اور جو دار دات قلندر صاحب نے طلبِ محبوب اور وصالِ معشوق کی خاطر طے کئے وہ مجنوں کی منازل سے مختلف ہیں اس لئے یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مجنوں اور قلندر صاحب کی منازل میں بڑا فرق ہے جن میں حفظِ مراتب کا خیال ضروری ہے ع۔

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

۱۰۳۔ اس جگہ عجز و نیاز کے سوا کچھ نہیں پہنچتے وہاں خاکساری کے فیض سے

مشکلیں حل ہو سکتی ہیں

مراد یہ کہ بارگاہِ محبوبِ مطلق میں عجز و انکسار اور نیاز مندی کی ضرورت ہے کیونکہ حلِ مشکلات کا واحد علاج عجز و نیاز ہے اور یہی تحفہ بامِ وصال کے لئے بمنزلۂ معراج ہے

سلطان العارفین حضرت ابا یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہِ حق میں دعا کیا کرتے تھے کہ اے محبوبِ مطلق ابا یزید کہ تیرے ہجر میں جاں بلب اور بے قرار ہے اُسے اپنے وصل سے سرفراز کریں کے جواب میں

یہ ہوا فرمانِ حق اے بایزید — گرچہ محنت ہے تری از بس مزید
پر نہ ہووے وصل سے بہرہ تجھ — جب تلک لاوے نہ تو تحفہ مجھے
یعنی لا وہ چیز جو مجھ میں نہ ہو — دوں تجھے وہ چیز جو تجھ میں نہ ہو

یہ جواب سن کر حضرت بایزید روئے اور عرض کی اے پروردگارِ عالم! فقیر کہ ہمہ اوست کا قائل ہے تجھ سے ہی سب کچھ جانتا ہے اور کسی کو تیرا غیر نہیں دیکھتا ارکانِ اسلام میں سے تیری خوشنودی اور رضامندی کے لیے ادا کئے علم پڑھا اور اس سے وعظ کہتا رہا رات دن تیرا ذکر کیا اور تیرے سوا کسی فکر کو دل میں آنے نہ دیا جب حضرت بایزید محبوب سے تمام راز کہہ چکے تو محبوب کی درگاہِ لاابالی سے آواز آئی۔

یعنی یہ اعمال جو تو نے کئے — حور و غلماں ان کے بدلے میں لئے
اِن عبادات سے اسے عالی گہر — یاں بھرے لاکھوں خزانے سر بسر

یہ جواب سن کر حضرت بایزید چشم پر آب التجا کرنے لگے کہ یا الٰہ العالمین مجھے اُس چیز سے آگاہ کر کیونکہ میں لاعلم ہوں۔

پھر ہوا یوں حکمِ ربِّ دوجہاں — گوشِ دل ہی سن ذرا اے نیک داں
یعنی وہ ہے درد و سوز و انکسار — ہم منزہ جس سے ہیں اے ذی وقار
درد کیا ہے وصل کا پیغام ہے — ہجر کیا ہے وصل کا انجام ہے

اس حکایت سے پایا جاتا ہے کہ عجز و نیاز افضل ترین عبادت ہے کسی بزرگ کا ارشاد ہے

پیشِ حق یک نالہ از روئے نیاز — بہ کہ عمرے بے نیاز اندر نماز

اسی مضمون پر شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

درین آستان عجز و مسکینیت	بہ از طاعت و خویشتن بینیت
گنہگار اندیشہ ناک از خدا	بہ از پارسائے عبادت نما

۴۴۔ جب تو دل میں شمع حرم رکھتا ہے تو کعبہ کی طرف کیوں دوڑتا ہے جب یار بغل میں ہو تو منزلیں قطع کرنے سے کیا فائدہ!

حرم یقیناً وہ چار دیواری جو خانہ کعبہ کے گرد اگرد بنی ہوئی ہے جس کے اندر کسی آدمی یا حیوانات کو قتل کرنا حرام ہے اہل فارس نے شریف آدمیوں کے گھروں کو بھی حرم کہا ہے منکوحہ۔ پوئی۔ مضارع از پوئیدن یعنی دوڑنا۔

یعنی جب تیرے دل میں انوار سبحانی کا تسلسل جاری ہے اور یہی دل اس قابل ہے کہ صدہا کعبے اس پر رشک کریں تو پھر تجھے کعبہ مجازی کی طرف نہیں دوڑنا چاہیے طالب کے لیے قیمتی نصیحت ہے۔ حدیث میں آیا ہے

قُلُوبُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَرْشُ اللّٰهِ تَعَالٰى — ایمان داروں کے دل خدا کا تخت ہیں۔

جس سے مراد یہ ہے کہ اگر آئینہ دل دنیاوی آلودگیوں سے پاک صاف اور مصفا ہو تو اس میں انوار و جمال محبوب جلوہ ریز ہوتا ہے شعر بالا میں قلندر صاحب نے کعبہ مجازی پر کعبہ دل کی فوقیت ثابت کی ہے اور حق بھی یہ ہے کہ اگر دل صحیح معنوں میں دل ہے تو وہ کعبہ سے افضل ہے کیونکہ کعبہ کی بنا آب و گل سے ہے اور دل کی ساخت انوار یزدانی سے ہے اس طرح بھی دل کو فوقیت حاصل ہے۔ عارف رومی دل کی عظمت کے متعلق فرماتے ہیں۔

کعبہ بنگاہ خلیل آزر است	دل گذرگاہ جلیل اکبر است
آسمان را این بزرگی از کجاست	کہ دل پاک ولی اللہ است
[illegible]	[illegible] الوہیت
در زمین و آسمان [illegible]	[illegible] دانی یقین
در دل مومن بگنجم [illegible]	گر مرا جوئی در آن دلہا طلب

استدلال مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ دل انوار محبوب کی آماجگاہ بن چکا ہو تو پھر کعبہ

مجازی کی طرف دوڑنا بے سود ہے لیکن اس سے فریضۂ حج ساقط نہیں ہو جاتی کیونکہ صاحب استطاعت پر حج فرض ہے جو ارکانِ اسلام سے ایک خاص رکن ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کعبہ کے طواف سے صرف فریضۂ حج ادا ہو سکتا ہے لیکن اصلی لذت اور حقیقی انبساط جو روح کی پرواز اور سیر الی اللہ کا ذریعہ ہے صفائی دل اور جلائے قلب سے متعلق ہے اس کے علاوہ کعبہ یا بیت المقدس ہر جگہ موجود نہیں لیکن حسب ارشاد قدسی کعبۂ دل میں انوارِ محبوب کا جلوہ ضرور ہے اس لحاظ سے بھی دل کو فضیلت حاصل ہے قلندر صاحب اس مضمون کے متعلق اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :-

"عاشقان کہ سرگردانِ معشوق شدہ اند بعضے بہوائے او سوئے خانۂ کعبہ برائے طواف روانند و بعضے دلِ خود را کعبہ ساختند و خود را بہ طوافِ کعبۂ دل انداختند و بعضے در ہر چیزے کہ حسن ادیافتند خود را در عشق آن حسن والہ ساختند !"

خداوند چشم در خانۂ ما ست — تمنائے بیابانی کجائی (انابیری) ۱

قلندر صاحب کے اس خیال کو مولانا جامی نے بہ پیرایہ یوں بیان کیا ہے کہتے ہیں

بجان شو ساکن کعبہ بیابان چند پیمائی — چو لاہوت فریبد ومانی چہ سود از قطع منزلہا

۵ - عشق جان و دل کی آنکھوں سے ہر دم حسنِ ازل دیکھتا ہے جلوت جاں میں ظاہر اور خلوتِ دل میں پوشیدہ

جلوت : ظاہر کردن و نمودن خود را بمردم لفظ خلوت کی ضد ہے

یعنی میں شاہدِ حقیقی کا جلوہ ظاہر و باطن میں دیکھتا ہوں خلوتِ دل میں پوشیدہ طور پر اور عالمِ وجود میں ظاہرا۔

جب سالک کا دل دنیاوی آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے تو اس میں انوارِ یزدانی کا نزول ہو جاتا ہے اور جمالِ محبوب کا مشاہدہ بھی اسی خلوت اور جلوت کی نسبت میرزا آغا دہلوی نے ایک نکتہ پیدا کیا ہے فرماتے ہیں۔

ضمیر پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں	صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

غزل ۳

ساقی بیار شرابِ کہنہ پر کن جام را	۱	خاک بر سر کن چو بینی زاہدانِ خام را
عاشقِ بے ننگ و نامم نعرۂ خوش میزنم	۲	من نخواہم ننگ را من نہ جویم نام را
شاہد آں شہباز روزے از ہوا آید بزیر	۳	دانہ افشاندم بخاک و می کشانم دام را
زاہد ار خیزد و رود در حلقۂ اہل ریا	۴	لائقِ صحبت نئی رندانِ مے آشام را

۵

مے نہ نخسبد بو علی ہر گز مقدا اندر خودی
تو ہمے خواہی بر سی در کعبہ باز اصنام را

۵

ترجمہ:- اے ساقی پرانی شراب سے جام لبریز کر اور اگر تو زاہدانِ خام کو دیکھے تو ان کے سر پر خاک ڈال۔

شرابِ کہنہ: پرانی شراب مراد حق شراب سے ہے جو بروزِ میثاق ارواح کو دی گئی جس کی نسبت ارشادِ باری ہے وسقاہم ربہم شرابا طہورا جس کی وجہ سے ارواح نے جوابِ الست بربکم بلیٰ کہا۔ زاہدانِ خام:- سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی طاعت و عبادت سراسر ریا و مکر اور تزویر کی ہوتی ہے چونکہ عشق میں وہ ناتمام ہوتے ہیں اس لئے خام کہا۔

قلندر صاحب دوبارہ اسی شراب کے طالب ہیں ظاہر ہے کہ پرانی شراب میں نشہ زیادہ ہوتا ہے جس کے پینے سے مراد یہ ہوتی ہے کہ میں عشقِ ازلیش دوبارہ حاصل کروں اور ان زاہدانِ خام اور صوفیانِ ریاکار کی نسبت جو اس شراب کے اہل نہیں طنزاً فرمایا کہ ان کے سر پر خاک ڈال یعنی ان کو اپنے حال پر رہنے دے خواجہ حافظ بھی قلندر صاحب کے ہم خیال ہیں فرماتے ہیں

ساقیا لبریز مے کن جام را   خاک بر سر کن غمِ ایام را

شراب اور اصطلاحی تحقیق:-

شراب بیخودی درکش زمانے	کہ تا از دستِ خود یابی امانے	(گلشن راز)
بخور می تا ز خویشت وارہاند	وجودِ قطرہ در دریا رساند	
شدہ زو عقلِ کل حیران و مدہوش	فتادہ نفسِ کل را حلقہ در گوش	
ہمہ عالم چو یک خمخانہ اوست	دلِ ہر ذرہ پیمانہ اوست	
خرد مست و ملائک مست و جاں مست	ہوا مست و زمین مست آسماں مست	
عناصر گشتہ از یک جرعہ سرخوش	فتادہ گاہ در آب و گاہ در آتش	
ز بوئے جرعہ کافتادہ بر خاک	برآمد آدمی تا شد بر افلاک	
ز عکس او تنِ پژمردہ جاں گشت	ز تابش جانِ افسردہ رواں گشت	
یکے از نیم جرعہ گشتہ صادق	یکے از یک صراحی گشتہ عاشق	
یکے دیگر فرو بردہ بہ یکبار	خم و خمخانہ و ساقی و میخوار	

"قلندر صاحب بھی شرابِ فنا و بیخودی کے طالب ہیں جو ذاتی تجلی اور بینی کے لیئے لازم ہے تاکہ تعین اور ہستی کا حجاب دور ہو جائے اور وصول الی اللہ کا مرتبہ حاصل ہو مگر خام زاہد چونکہ اس شراب کا نااہل ہے اس لیئے اُس کے سر پر ضرور خاک ڈالنی چاہیئے۔

خاک بر سر کردن یا افگندن ایک مشہور محاورہ ہے جس سے عدم التفاتی اور غیر توجہی مراد ہوتی ہے قلندر صاحب نے اس محاورہ کو عدم التفاتی کے معنوں میں استعمال کیا ہے کہ جب زاہد اس شراب کا اہل نہیں تو اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرنی چاہیئے۔

۳۔ ترجمہ: میں بے ننگ و نام عاشق خوش نعرے مارتا ہوں کہ مجھے ننگ و نام کی پرواہ نہیں ہے"

مطلب صاف ہے کہ مجھے ننگ و ناموس کی پرواہ نہیں فی الحقیقت عاشق ایسا ہی ہونا چاہیئے جو محبوب کی خاطر متاعِ ناموس لٹا دے اور افسوس نہ کرے قلندر صاحب میں یہ صفت بدرجۂ غایت موجود تھی۔

کرا پائے خاطر بر آید بہ سنگ	نیندیشد از شیشۂ نام و ننگ

۴۔ ترجمہ۔ شاید وہ شہباز کسی روز ہوا سے نیچے آ جائے اس لیئے خاک پر دانہ ڈال

کر جال بچھاتا ہوں (قاعدہ ہے کہ پرندوں کو پکڑنے کے لئے زمین پر دانہ ڈال کر اوپر جال بچھا دیا جاتا ہے)

قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اسی امید پر کہ شاید وہ شہباز کسی روز ہوا سے نیچے آئے دانہ بکھیر کر دام پھیلایا ہے اگر شہباز سے وصالِ محبوب اور مشاہدۂ ذات مراد لی جائے تو کہنا پڑیگا کہ دانہ و دام کی ترکیب تو اچھی ہے مگر شہباز کا دام میں پھنسنا ممکن نہیں گو قلندر صاحب کو معلوم ہے کہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے مگر یہ سب کچھ تسکینِ خاطر اور سکونِ احساس کے لئے ہے ورنہ نتیجہ معلوم عرفی لکھتا ہے

دانم کہ نرسد ذرہ بخورشید ولیکن	شوقِ طیران میکشد ارباب ہمم را

ومجدد کرلم اللہ نفسہٗ والداللہ رؤف بالعباد کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنظرِ شفقت اپنے بندوں کو متنبہ کیا کہ مشاہدۂ ذات کی امید اور کوشش بیکار ہے سلطان محمود غزنوی اسی مشاہدۂ ذات کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔

بستم سے خیال کہ بینم جمال دوست	آں ہم نہ شد نصیب و سودائے خام شد

۴۔ ترجمہ: اے زاہد اٹھ اور اہلِ ریا کے حلقہ میں جا کیونکہ تو شراب نوش رندوں کی صحبت کے قابل نہیں۔

یعنی تیرا ظاہر و باطن یکساں نہیں اس لئے تو بادہ نوشانِ وحدت کی مجلس میں بیٹھ نہیں سکتا اسی مضمون پر ہے

بروائے واعظ ناداں زبزم مے خواراں	درونِ مستاں چہ کار لیست پارساں را

زہدِ خشک اور اتقائے ریا آمیز کے مقابلہ میں خاصانِ حق رندی سے عشقِ محبوب اور اس کی مستی مراد لیا کرتے ہیں۔

۵۔ ترجمہ: اے بوعلی خودی میں خدا نہیں سماتا تو پھر بھی کعبہ میں بتوں کو لیجانا چاہتا ہے

اصنام ۔ جمع صنم کی بمعنی بت مراد از تعلقاتِ ماسوا اللہ

مطلب یہ کہ جب خودی میں خدا کی سمائی نہیں تو تو کعبۂ دل میں بتوں کو (جن سے تعلقاتِ ماسوا اللہ مراد ہیں) کیوں لے جانا چاہتا ہے یہ عام ارشاد ہے ورنہ قلندر صاحب بیخودی کے راز سے

آگاہ ہیں اور جانتے ہیں کہ کعبۂ دل میں بتوں کو رکھ کر وصالِ محبوب کی خواہش رکھنا خیالِ محال و ناممکن ہے

ترا با حق آں آشنائی دہد — کہ از دستِ خویشت رہائی دہد

کہ تا با خودی با خدا راہ نیست — درین نکتہ جز بیخود آگاہ نیست		سعدیؒ

اسی مضمون کی تائید میں خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ فرماتے ہیں۔

شہودِ حق طلبی از وجودِ خود بگذر — کہ جز وجودِ تو او را حجابِ دیگر نیست

مراد یہ کہ قصدِ دل وصال کے لئے ان چیزوں سے جو راہِ عشق میں حائل ہوتی ہیں کنارہ کش رہنا چاہئے جب ہی حقیقی راحت اور سرافرازی حاصل ہوتی ہے۔

غزل ۴۲

اگر بینم شبے ناگاہ من آں سلطانِ خوباں را ۱ سر اندر پائے او ریزم فدا سازم دل و جاں را

فروزم آتشے در دل بسوزم قبلۂ عالم ۲ پس آنگہ قبلۂ سازم من آں ابروئے جاناں را

بیا ساقی کہ روئے تو مرا شمعِ حرم باشد ۳ نگیرد ہم گرے میخانہ بوسم پائے مستاں را

دل و جاں کردہ ام نذرِ بتاں اکنوں چہ می خواہم ۴ کہ گر یابم خریدارے فروشم دین و ایماں را

نہ باک از آتشِ دوزخ نہ پروائے جناں دارم ۵ منم شوریدۂ جاناں نخواہم حور و غلماں را

مگو گفتی ایں سخن کفر است اگر گوئی شوی کافر ۶ بروائے واعظِ نادان ندانی سرِ مستاں را

شرف ا بربند لب از گفتنِ اشعارِ رندانہ ۷
کہ تا کہ تہمت است از اشعارِ تو گبر و مسلماں را

اس پوری غزل میں قلندر صاحب نے اپنے محبوب و مرید شہزادہ مبارک خان صاحب کو مخاطب فرمایا ہے چنانچہ دیکھو سوانح عمری صفحہ ۵۶

ا ترجمہ۔ اگر میں سلطانِ خوباں کو اچانک ایک رات دیکھوں تو اس کے قدموں پر سر رکھ کر دل و جان قربان کر دوں

سلطانِ خوباں: حسینوں کا بادشاہ مراد معشوق

مطلب صاف ہے محبوب کے قدموں پر دل و جان فدا کرنے کی تمنا ہے

خواہم کہ دست در زنم آں پیرہن شوم	آتش بجان زنم یا آتش ہم بنصب افگنم

۲ ترجمہ۔ دل میں آگ جلا کر قبلۂ عالم کو جلا دوں بعد ازاں ابروئے جاناں کو اپنا قبلہ بنا دوں

قبلۂ عالم۔ سے ظاہری قبلہ مراد ہے یعنی وہ چیز جو عوام الناس میں رائج ہو مثلاً التفات ماسوا المطلوب۔۔

قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں آتشِ عشق کو دل میں افروختہ کر کے ان التفات کو جو راہِ طالب میں مانع اور حائل ہیں جلا کر پھر ابروئے جاناں کو اپنا قبلہ بناؤں العشق نار یحرق ما سوی اللہ

العشق اولہ نار و اوسطہ نار و آخرہ نار لیس من عجائب العشق نار الاشتیاق ... نار فلہذا ...

و بہ کالنور اذا دخل قلب العاشق ہیبہ صار وجود العاشق

عارف لوگوں کے نزدیک رخِ محبوب اور ابروئے معشوق ہی کو اپنا قبلہ بنانا عین اسلام ہے ورنہ مسلمانی کا مقصد و مراد یہ کہ ایمان بالغیب کی بجائے ایمان بالعین حاصل کرنا چاہیے کیونکہ علم الیقین تو غیب پر موقوف ہے مولانا جامی کا شعر ہے

قبلۂ اہلِ نظر روئے جاناں بود	ہر کہ رو تابد ازیں قبلہ مسلماں نبود

مثنوی شریف میں مولانا روم نے قبلہ کے مذاق سے مختلف قبلے لکھے ہیں جو بعض تفسیروں ... میں ... الاعتقاد کا نسخہ سے نقل کئے ہیں۔۔

قبلۂ شاہاں بود تاج و کمر	قبلۂ ارباب دنیا سیم و زر
قبلۂ صورت پرستاں آب و گل	قبلۂ معنی شناساں جان و دل
قبلۂ بے حاصلاں خواب و شکم	قبلۂ بے صبراں کاسۂ نول
قبلۂ عاشق وصالِ بے زوال	قبلۂ عارف جمالِ ذوالجلال
قبلۂ اہلِ حق منصب بال و جاہ	قبلۂ اہلِ سلوک اسپ راہ

قبلۂ تن پروراں خواب و خورش　　قبلۂ انساں بدانش پرورش
قبلۂ حرص و اہل باشد ہوا　　قبلۂ قانع توکل بر خدا

جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قبلۂ حقیقی کی طرف کم لوگوں کی توجہ ہے بلکہ ہر ایک نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اپنا قبلہ جدا جدا بنا لیا ہے ان اشعار کو بنظرِ تحقیق دیکھنے سے شعر زیرِ تشریح کا مطلب صاف ہو جاتا ہے کہ جب قبلۂ حقیقی کی طرف کسی کی توجہ ہی نہیں تو یہ بتا قبلے اس قابل ہیں کہ ان کو آتشِ عشق سے جلا کر محرابِ ابروئے جاناں کو اپنا قبلہ بنایا جائے ابروئے جاناں کو بوجہ خمدار ہونے کے محراب یعنی قبلہ کہا ہے۔

۳۔ ترجمہ۔ اے ساقی آ کیونکہ تیرا چہرہ مجھے شمعِ حرم ہے میں مے خانہ کے گرد پھرتا ہوں اور مستوں کے پاؤں چومتا ہوں۔

ساقی سے التجا کی گئی ہے کہ آ اور میری قندیلِ دل کو روشن کر کیوں کہ تیرا چہرہ میرے لئے شمعِ حرم ہے شمع کے پرتو سے قندیلِ دل کا روشن ہونا ظاہر ہی ہے مصرعِ ثانی میں اعتراف کیا گیا ہے کہ میں مستانِ وحدت و عشق کا خدمت گذار ہوں لہذا ان کی طفیل میری طرف بھی توجہ کی جائے...

اصطلاحِ صوفیہ میں مے خانہ سے مراد بالفاظِ صاحبِ جواہرِ غیبی عالمِ لاہوت ہے ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کی طفیل مجھے بھی لاہوتی راز و اسرار سے بخشش از بخشش سرافراز فرما ساقی۔ سے مرشد بھی مراد لی جا سکتی ہے۔

۴۔ ترجمہ میں نے دل و جان بتوں کی نذر کر دئے ہیں اب چاہتا ہوں کہ اگر کوئی خریدار ملے تو دین و ایمان بھی بیچ دوں۔

بتاں۔ سے معشوق مراد ہے۔

یعنی میں نے اگلی منزلِ وحدت کی صورت پرستی اور حق شناسی کے لئے دل و جان وقف کر دئے ہیں باقی رہا دین و ایمان سو ان کو بھی بیچنا چاہتا ہوں بشرطیکہ اگر کوئی خریدار مل جائے

ملتِ عشق از ہمہ دینہا جدا ست　　عاشقاں را مذہب و ملت خدا ست

دین و ایمان سے رسمی اور تقلیدی ایمان مراد ہے جس کے بیچنے سے عاشقوں کی مراد یہ

ہوتی ہے کہ جب ہمارا ایمان یقینی ہے تو علمی اور تقلیدی ایمان رکھنا یہ معنی دارد اعارضہ رقمی اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں۔

	بوگر بید بعد ازاں کہ دید رد	شاہ را غیرت بود بر ہر کہ او	

یعنی شاہِ خوباں کو اس پر غیرت آتی ہے جو اس کا چہرہ دیکھے اور پھر بھی بو سونگھنے کا مشتاق ہو مراد یہ کہ ایمانِ یقینی حاصل کرنے کے باوجود بھی دین و ایمانِ تقلیدی کا قائل ہو۔

۵ ترجمہ۔ نہ دوزخ کا ڈر ہے نہ جنت کی پرواہ میں محبوب کا شوریدہ عاشق حور و غلمان کو بھی نہیں چاہتا۔

حُور۔ بالضم بروزنِ نور حوراکی جمع وہ عورت جو سفید جسم ہو اور اس کی آنکھیں سفید اور سیاہ ہوں اور بال بغایت سیاہ ہوں یعنی وہ معشوق جو مومنین کو بہشت میں نصیب ہوں گے حُوریان جمع الجمع ہے۔ غِلمان۔ بالکسر جمع غلام کی اور غلام کا اطلاق امرد لڑکوں پر کیا جاتا ہے یعنی وہ بے ریش لڑکے جو جنت میں مومنین کے خدمت گزار ہوں گے۔

یعنی نہ مجھے آتشِ دوزخ کا خوف ہے اور نہ نعمائے جنت کا اشتیاق میں فقط اپنے محبوب کا شوریدہ عاشق ہوں فی الحقیقت عاشق ایسا ہی ہونا چاہیے جس کی نظر بجز مطلوب کسی چیز پر پڑے اگر خوف ہو تو اس کا شوق ہو تو اس کا قلندر صاحب بھی انہیں شوریدہ سر عاشقوں سے تھے جنہوں نے رضا جوئی محبوب کو اپنی زندگی کا مقصود سمجھا

	ز تو از رازی اے سادہ ہم سخن بار ... خواہم	اگر گوئی	کہ جنت نخواہم نے حور و نے انہار نیز خواہم

۱۱ ترجمہ۔ کیا کہا یہ بات کفر ہے اگر تو کہے گا تو کافر ہو جائے گا جا اے نادان واعظ تو میرے کے بھید کو نہیں جان سکتا۔

یعنی تو ہماری باتوں کو کفر کہتا ہے لیکن ایسا نہیں بلکہ اگر تو ہماری باتوں کو کفر کہے گا تو خود کافر ہو جائے گا کیونکہ تو ہمارے راز و اسرار کو نہیں سمجھ سکتا چونکہ حقائقِ تصوف کی تفسیر اہلِ کشف نے محسوسہ صورتوں کے ساتھ تعبیر فرمائی ہے چنانچہ بت و زنار، کفر و ایمان، لب و دہان خال و خط، زلف و رخ، غمزہ و عشوہ، شراب و جام وغیرہ کی تاویلیں دیکھ کر اہلِ ظاہر اور ظاہر بیں واعظ ہمیشہ ان کو کفر کہنے اور تکفیر کرنے کے خوگر رہے ہیں مگر چونکہ ان تاویلات میں ہمیشہ حقیقت کا راز مضمر

رہا ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں ۔ ع

واعظ نادان ندانند فہمہ از اسرار ما

نااہل لوگوں اور ظاہر پرست واعظوں کی ایسی شکایت کی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہیں

زاہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست ۔۔۔ در حق ما ہر چہ گوید جای ہیچ اکراہ نیست

کا ترجمہ شرفا رندانہ اشعار کہنے سے زبان بند کر کیونکہ گبر و مسلمان تیرے اشعار کی شکایت کرتے ہیں ۔

گبر ۔ بالکسر وہ لوگ جو معبودِ حقیقی کی پرستش کی بجائے آگ کی ظاہری چمک دمک کو اپنا معبود سمجھ کر عبادت کریں آتش پرست فرقہ ۔

یعنی ایسے رندانہ اشعار کہنے چھوڑ دے کیونکہ لوگ تیرے اشعار کے شاکی ہیں

صوفیہ کے کلام تمام نکاتِ توحید اور رموز و عرفانِ یزدانی سے لبریز ہیں جن میں خدا طلبی خدا جوئی اور حصولِ وصال کے لئے سالک کو متصوفانہ طریقے بتلائے گئے ہیں کہ دنیا سے قطع نظر کر کے خدا سے کس طرح ملا جاتا ہے مگر چونکہ اہلِ طریقت کے نزدیک دل آزاری بھی ایک بدترین گناہ ہے اس لئے قلندر صاحب کمالِ اخلاق کا ثبوت دے کر فرماتے ہیں کہ اگر تیرے رندانہ اشعار سے کسی کی دل آزاری ہو تو بہتر یہی ہے کہ ایسے اشعار نہ لکھے جائیں تاکہ کسی کا دل نہ دکھے

قمر اشعارِ رندانہ ہیں اب خاموش بھی ہو جا ۔۔۔ شکایت ہے ترے اشعار سے گبر و مسلماں کو

محبِّ طریق ڈاکٹر محمد قمر الدین صاحب ہلالی شاہ نظامی قبلہ نے اپنے گلدستہ (بابِ عشق) میں قلندر صاحب کی اس غزل ۔ ع

اگر بینیم شبے ناگاہ من آں سلطانِ خوباں را

پر ایک غزل لکھی ہے اور پوری کی پوری غزل میں وہی خیالات ادا کئے ہیں جو قلندر صاحب کی غزلِ بالا میں پائے جاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے قلندر صاحب کا دیوان کو سامنے رکھ کر اصلی فارسی غزل کو اردو رنگ کا ایسا جامہ پہنایا ہے کہ ایک ایک شعر کو اپنی نادر قابلیت اور تبحرِ علمی کی وجہ سے اصل فارسی غزل کا منظوم ترجمہ بنا دیا ۔ چنانچہ فرماتے ہیں ۔

اچانک خواب میں دیکھوں جو میں سلطانِ خوباں کو ۔۔۔ رکھوں سر اُن کے قدموں پر کروں قربان دل و جاں کو

کروں گا آتشِ دل تیز تیشہ بھی جلاؤں گا | بناؤں گا میں قبلہ ابروئے خمدارِ جاناں کو

مجھے شمعِ حرم ہے ساقیا تیرا رخِ روشن | پھروں اطرافِ میخانہ کہ چوموں پائے مستاں کو

دل و جاں کر چکا نذرِ بتاں اب پھر یہ جا بیٹھا ہوں | کوئی گاہک اگر پاؤں تو بیچوں دین و ایماں کو

نہ مجھ کو خوف دوزخ کا نہ جنت کی مجھے پرواہ | میں دیوانہ ترا ہوں کیا کروں گا حور و غلماں کو

نہ کہہ رندوں کو تو کافر نہ جا مجلس میں زاہد نشّی | نہیں پائے گا اے واعظ کبھی اسرارِ رنداں کو

قمر اشعارِ رندانہ ہیں اب خاموش بھی ہو جا
تشکا بہ بنا ہے ترے اشعار سے گبر و مسلماں کو

غزل ۵

بنازم چشمِ آں عزلت نشیں را ۱ کہ دارد سرمۂ عین الیقیں را

زہے چابک سوارانِ طریقت ۲ بجنگِ نہ فلک بستند زیں را

ازاں سرّے کہ با محبوب دارم ۳ خبر نبود کراماً کاتبیں را

چوں من در کوچۂ جاناں نشستم ۴ چہ خواہم کرد فردوسِ بریں را

اگر یک شعلہ خیزد از دلِ ما ۵ بسوزد شہپرِ روح الامیں را

من از یک نعرۂ مستانۂ خویش ۶ بجنبش آورم عرشِ بریں را

۷ قلندر رو علی آزاد گشتم
ندانم راہ و رسمِ فرد و دیں را ۷

ا ترجمہ میں اُس گوشہ نشین آنکھ پر ناز کرتا ہوں جو عین الیقین کا سرمہ رکھتی ہے۔

عین الیقین کسی چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر اس کی ماہیت کو سمجھنا اصطلاحِ صوفیہ میں یقین کے تین مراتب شمار کئے گئے ہیں:۔

(۱) علم الیقین (۲) حق الیقین (۳) عین الیقین

پہلا مرتبہ علم الیقین ہے یعنی علم اور اعتقاد کے لحاظ سے خدا تعالےٰ کی ربوبیت کا اقرار کرنا اور اس پر ایمان لانا۔ علم الیقین ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں ایمانِ علمی اور تقلیدی ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص یہ سن لے کہ کعبہ شریف ارضِ حجاز میں ہے جس کا حج مسلمانوں پر فرض ہے ایسا پریم کو کامل الیقین ہو جائے کہ کعبہ ضرور ہو گا ایسا یقین علم الیقین کہلاتا ہے کہ علم اور اعتقاد کے لحاظ سے خدا تعالےٰ پر ایمان لانا کہ کوئی واجب الوجود ہستی ضرور ہے جو تمام عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔

حق الیقین۔ اس کے بعد بذاتِ خود کعبہ شریف دیکھنے کا ارادہ کریں اور قریب جا کر چشمِ خود اس کو دیکھ لیں اور یہی کامل الیقین ہو جائے کہ یہی کعبہ ہے اس شناخت کو حق الیقین کہتے ہیں یعنی خدا تعالےٰ کو نزولِ واردات اور صفات کے ذریعے پہچان لینا کہ خدا تعالیٰ ضرور ہے۔

عین الیقین۔ یہ تیسرا مرتبہ ہے جس کا درجہ اول الذکر دونوں مراتب سے بلند ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کعبہ شریف کے اندر جا کر اس کی ماہیت کو جان لینا کہ کس کس چیز سے بنا ہے اس شناخت کا نام عین الیقین ہے یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات اور صفات کا عرفان اس طرح حاصل کرنا کہ سالک کی نظروں میں بجز ذاتِ باری اور کوئی چیز نہ سما سکے اور کامل انفصال ہو جائے جس کو اصطلاح میں فنا فی الذات کہتے ہیں چونکہ یہ مرتبہ فناءِ افعال و اخلاق اور صفات کے بعد حاصل ہوتا ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس گروہ تشنگین مرد حق پر ناز اں ہوں جو عین الیقین کے مرتبہ میں ہو۔ مراد یہ کہ ایسا آدمی نہایت ہی پیارا ہے جو فناءِ افعال و اخلاق کے بعد وصول الی اللہ کی

ہیں اس تشنہ ِ چشم حق میں پر ناز کرتا ہوں جو شاہ حقیقی کی نسبت عین الیقین کی منزل میں سے مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے

۴۴ ترجمہ۔ شاباش اے چابک سواران طریقت نے تو آسمانوں کے ساتھ رنگ سے ارادے پر زین کسی ہے۔

جیسا ایک عظیم باسے سوار دوڑتے چلا لاک وجابد وتا زیانہ زین۔ کاٹھی گھوڑے کی۔

نہ فلک مراد از ۹ آسمان ۱۔ فلکِ زحل ۲۔ فلکِ مشتری ۳۔ فلکِ مریخ ۴۔ فلکِ شمس ۵۔ فلکِ زہرہ ۶۔ فلکِ عطارد ۷۔ فلکِ قمر ۸۔ فلکِ ثابتہ یعنی آٹھواں آسمان جس کو شرع میں کرسی کہتے ہیں اور حکماء کے نزدیک فلک البروج ہے ۹۔ فلکِ اطلس یعنی فلک الافلاک جس کو شرع کی زبان میں عرش کہتے ہیں جو سب آسمانوں سے اونچا ہے اور سب پر محیط ہے۔

حوادث روزگار سے مقابلہ کرنے کے لئے سعی عمل کی تعلیم کا دریں شعر پیش کر کے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ گو ۹ آسمانوں سے جنگ محال ہے مگر سوارانِ طریقت کی مردانہ ہمت قابلِ صد ستائش ہے کہ ان کے مقابلہ میں بھی تیار نظر آتے ہیں چونکہ حوادث کے وقوع کو گردشِ فلکی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لئے حوادثِ روزگار کا مقابلہ گویا گردشِ فلکی کا مقابلہ ہے مراد یہ کہ عارف لوگ دنیا کے روح فرسا تعلقات میں ہرگز مبتلا نہیں ہوتے بلکہ دنیا سے نذموم کے گمراہ کن تعلقات کے مقابلہ کے لئے ہر وقت کمالِ جوانمردی سے سینہ سپر رہتے ہیں اور انہیں مغلوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ صرف عارف لوگوں کا حصہ ہے دنیا دار لوگ اکثر اس نعمت سے تہی دست ہیں کوئی عارف اپنی اس جوانمردی کے متعلق فخریہ کہتا ہے۔

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں   جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

مرزا داغ دہلوی نے تو اس معاملہ میں شرطیہ کہہ دیا۔

	پڑا افلاک کو کبھی دلِ جلوں سے کام نہیں	جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں	

زمین کرنا محاورہ ہے جس سے مراد آمادۂ جنگ و پیکار ہونا ہے۔

ترجمہ۔ اس بھید کی جو میں محبوب کے ساتھ رکھتا ہوں کراماً کاتبین کو خبر نہیں۔

کراماً کاتبین۔ خدا تعالےٰ نے ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے مقرر کئے ہیں ایک اعمالِ خیر لکھتا ہے دوسرا اعمالِ شر انہیں کراماً کاتبین کہتے ہیں۔

یعنی گو کراماً کاتبین میرے اعمال سے واقف ہیں لیکن جو راز میرے اور محبوبِ مطلق کے درمیان ہے اسے نہیں جانتے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حق تعالےٰ نے اس اشرف المخلوق انسان کے دل میں جو سربستہ راز ودیعت فرمائے ہیں انہیں کراماً کاتبین کیا ملائکہ ملکوت بھی نہیں جان سکتے انسان کی پیدائش ہی بجائے خود ایک عقدۂ بھید ہے جس کا سوائے اس عبد اور معبود کے

کسی دوسرے کو ادراک حاصل نہیں قرآن مجید میں وارد ہے کہ جب حق تعالےٰ کو خلیفہ فی الارض بنانے کا شوق پیدا ہوا تو ملائکہ ملکوت عرض کرنے لگے یا الہ العالمین یہ خاکی خلیفہ دنیا میں فساد اور خونریزی کرے گا کیا ہم تیری طاعت وعبادت اور تسبیح وتہلیل کے لئے کافی نہیں چونکہ قدرت کا منشا فقط عبادت ہی نہ تھا بلکہ اس کی تخلیق کی غرض وغائت کچھ ایک سربستہ رازوں پر مخفی کر لی مقصود تھی اس لئے ملائکہ کی عرضداشت کے جواب میں ارشاد ہوا۔

قَالَ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ — جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جان سکتے

چنانچہ خلیفہ بنایا گیا اور تمام ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوا سب نے ارشاد خداوندی کی تعمیل لیکن ابلیس چونکہ اس کے محاسن فطرت سے ناواقف تھا اس لئے حکم کی تعمیل میں گردن خم نہ کی اس لئے ابدی لعنت کا طوق اس کے گلے میں پہنایا گیا آدم کے اس سجدہ اور ابلیس کی اس نافرمانی میں بھی یہی راز مضمر تھا جس کا قلندر صاحب نے اعتراف کیا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے

اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ — تو راز درون من منم راز درون تو

تو بھر بھلا عاشق ومعشوق کے راز واسرار کو اغیار کیسے سمجھ سکتے ہیں ظہیری نیشاپوری کا شعر ہے

گوئی بغیر واسطہ در گوش یار گفتے — رازے کہ زاں خبر نبود جبرائیل را

مع ترجمہ ۔ جب میں کوچہ جاناں میں بیٹھا ہوں تو فردوس بریں کو کیا کروں ۔

عاشقوں کے نزدیک بہشت بریں سے کوئے محبوب کا درجہ زیادہ افضل ہے کوئے محبوب کا نظارہ نقد اور جنت کا ادھار ہے اس لئے عقل مند نقد کو ادھار پر ترجیح دیتے ہیں چنانچہ قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بہشت بریں کی خواہش نہیں بلکہ میرے لئے کوچہ محبوب جنت سے بہتر ہے۔

رخ بہ دنیا ودیں نمے آریم	متقیمان کوئے دلداریم

ﮫ ترجمہ ۔ اگر ہمارے دل سے شعلہ اٹھے تو روح الامین کا پر جلا دے

روح الامین سے حضرت جبرائیل مراد ہیں مطلب صاف ہے عاشق کے سوز دروں کا اظہار کیا ہے قلندر صاحب کی عمر شریف کا آخری حصہ جذب ومحویت کا تھا اور اس وقت آپ

کی جلالیت کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل چکا تھا قاضی ضیاء الدین سنامی کے سات لڑکے اسی نظرِ قہر و جلال کے متحمل نہ ہو سکے اور ساتوں ہی نے جان دیدی اس کے علاوہ حضرت امیر خسرو دہلوی نے جب خواہش ظاہر کی کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے قدموں پر اپنی آنکھیں ملوں اور پاؤں کو بوسہ دوں تو قلندر صاحب نے فرمایا کہ بھائی میرے نزدیک مت آنا کیونکہ یہاں جلانے والی آگ ہے یہ بھی آپ کی کمالِ جلالیت کی ایک روشن کڑی۔

۶۔ ترجمہ میں اپنے ایک مستانہ نعرے سے عرشِ بریں کو ہلا دوں۔

مطلب واضح ہے محتاجِ تشریح و توضیح نہیں اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ۱/۴ و ۲۹/۵ ۔

۷۔ ترجمہ۔ اے بو علی قلندر میں آزاد ہوں اور کفر و دین کے طریق و اطوار نہیں جانتا۔

قلندریہ طریق۔ اس مبارک سلسلہ کا سلوک نہایت آزادانہ حضور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محترم ارشاد کے ماتحت ہوتا ہے

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ — اے اللہ ہم کو اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ ہیں دکھا دے

پس علم ذاتی اور واہب العطیات کی عطا و نوازش سے یہ بزرگ حقائق الاشیاء پر کما حقہٗ مطلع ہوتے ہیں اس لئے ان کا مشرب و طریق اور سلوک نہایت آزادانہ ہوتا ہے اور آیت

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ — اپنے رب کی یہاں تک عبادت کر کہ تجھکو یقین کا مرتبہ حاصل ہو

کے عامل ہونے کی وجہ سے اس خاندان کے صوفی عین الیقین کی انتہائی مراتب پر فائز ہوتے ہیں اور ایمان بالعین کے قائل۔ اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں آزاد قلندر ہوں کفر و دین کے طریق و اطوار نہیں جانتا ہوں نہ جاننے کی فرصت ہے یعنی میں ہر قسم کے تعلقات سے فارغ ہوں

تعلقات ماسوا اللہ سے تین قسم کے تعلقات مراد ہوتے ہیں۔

۱۔ تعلقِ محمود جس کا شریعت نے امر فرمایا ہے یہ تعلق علیٰ حق ہے۔

۲۔ تعلقِ مذموم جس کی شریعت نے نہی فرمائی ہے اسکو قطع کرنا لازم و واجب ہے۔

۳۔ تعلقِ مباح جو نہ طاعت میں شمار کیا جاتا ہے نہ معصیت میں۔ اسے بالکل ترک کرنے کی ضرورت نہیں البتہ تقلیل اور انہماک کرنا ضروری ہے لیکن شعر زیرِ تشریح میں قلندر صاحب کا

مطلب یہ ہے کہ میں بجز تعلق محمود کے مذموم اور مباح سے قطعاً کنارہ کش ہوں جس کو کفر و دین کے نام سے تعبیر کیا گیا جس کی مفصل تحقیق کے لئے دیکھو شعر ۵۹

غزل ۶

هم شرحِ کمالِ تو نہ گنجد بہ گمانہا ۱ هم وصفِ جمالِ تو نیاید بہ بیانہا

یک واقفِ اسرارِ تو نبود کہ بگوید ۲ از ہیبتِ رازِ تو فرو بستہ زبانہا

ما مرحلہ در مرحلہ رفتن نتوانیم ۳ در وادیِ توصیفِ تو بگسستہ عنانہا

حسنِ تو عجیب است و جمالِ تو غریب است ۴ حیرانِ تو دلہا و پریشانِ تو جانہا

چیزے نبود جز تو کہ یک جلوہ نماید ۵ گم در نظرِ ماست مکینہا و مکانہا

یک ذرہ ندیدیم کہ نبود ز تو روشن ۶ جستیم ز اسرارِ تو در دہر نشانہا

یک تیرِ نگاہت را ہمسر نتوان شد ۷ صد تیر کہ بر جستہ ز آغوشِ کمانہا

۸ دارد شرفے از عشقِ تو اے فتنۂ دوراں
در سینہ نہاں آتش و در حلق فغانہا ۸

ترجمہ۔ تیرے کمالات کی شرح گمان نہیں ہو سکتا اور تیرے جمال کی توصیف بیان میں نہیں آسکتی۔

شرح بفتح کھول کر بیان کرنا کسی پیچیدہ مضمون کو بوضاحت بیان کرنا۔

یعنی اے محبوب تیرے کمالات اور جمالِ بے مثال کی شرح لکھنا غیر ممکن ہے کیونکہ تیرا جمال ایسی ایسی دلربائیوں کا مخزن ہے جن کا تعلق فقط روح سے ہے اور روح نہ خود بولتی ہے

اور نہ اسے مخفی رازوں کے انکشاف کی ضرورت ہے ظاہری عقل اور قوتِ گویائی اس مقام میں عاجز ہے

حدیث نبوی مَنْ عَرَفَ رَبَّهُ كَلَّ لِسَانُهُ سے اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے کہ تیری (ذات و صفات کی) توصیف میں زبانِ قلم گنگ اور قوتِ ناطقہ مسکوت ہے

دفتر تمام گشت بپایاں رسید عمر	ما ہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم	(سعدی)

(۲) ترجمہ۔ تیرے بھیدوں کے واقف سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تیرے راز کہے کیونکہ تیری ہیبت سے اُن کی زبانیں بند ہیں۔

یعنی جو شخص تیرے راز و اسرار کا محرم ہے اُس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ خلقت کے سامنے تیرے رازہائے سربستہ کا انکشاف کرے وجہ یہ بتلائی کہ تیرے جاہ و جلال اور عظمت و ہیبت کی وجہ سے ان کی زبانیں خاموش ہیں گویا کہ عاشقوں کے دل تیرے رازہائے سربستہ کی امانت سے لبریز ہیں مگر طاقتِ گفتار نہیں۔

افشائے راز۔ اہل طریقت کے ہاں رازداری لابدی قرار دی گئی ہے یعنی واردات قلب کو مخفی اور پوشیدہ رکھنا کیونکہ ان کے اظہار سے بجائے منفعت کے نقصان کا احتمال ہوتا ہے صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ جب سالک پر سکر کا غلبہ ہوتا ہے تو انوارِ غیب کے مسلسل نزول سے سالک کے دل میں افشائے راز کا جوش پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے ضرور اسے کچھ نہ کچھ کہنا پڑتا ہے چنانچہ حضرت منصور حلاج نے اسی غلبۂ سکر کی وجہ سے اناالحق کہہ دیا جس کی پاداش میں وہ سزائے دار کے مستوجب قرار دیئے گئے اور اگر اثنائے سکر میں صحو کا غلبہ ہو جائے تو سالک افشائے راز سے باز رہتا ہے چونکہ قلندر صاحب پر مذاقِ ثانی غالب ہے اس لئے فرمایا کہ تیرے واقف سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تیرے راز افشا کرے۔

مہرِ خموشی بر لب است و در دل رازہا	لب خموش و دل پر از آوازہا
عارفاں چوں جامِ حق نوشیدہ اند	رازہا دانستہ و پوشیدہ اند

(۳) ترجمہ ہم منزل بمنزل جانہ سکے کہ تیری توصیف کی راہوں میں پاؤں پھٹ گئیں

مرحلہ منزل گاہ۔ کوچگاہ۔ جائے رخت و اسباب۔ پالان شتر و مقدارِ مسافت چہار فرسنگ اور ایک عمارت کا نام ہے جس میں پیر اموان بیٹھ کر نغمہ لغین کے سنتے جہنگ کرتے تھے۔

وہی مضمون جو مطلعِ غزل میں ہے کہ جب ہم نے تیری توصیف کی وادی میں قدم رکھا یعنی تیری توصیف شروع کی تو تمام باتیں راستہ ہی میں ٹوٹ گئیں یعنی تیری توصیف کی ایک سطر بھی ختم نہ ہوئی یک سر عنا نہا کا اشارہ قلمِ تحریر کی طرف ہے کہ وہ تیری توصیف نہ لکھ سکی اور شق ہو گئی مراد یہ کہ اپنے عجز کا اعتراف کیا۔ توصیفِ ربانی کے متعلق قرآن مجید سورہ لقمان میں آیا ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ

زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان کے قلم بنا دیئے جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں اور ان سمندر پر سات سمندر اور بڑھائے جائیں تو بھی تم کلماتِ خدا کو تحریر نہیں کر سکتے

اس خصوص میں قلندر صاحب نے بھی اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے۔

دفتر تمام گشت بپایاں رسید عمر (اسعدی)	ما ہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

۴۔ ترجمہ۔ تیرا حسن و جمال عجیب ہے دل اور جان تیرے جمال کی آرزو میں حیران اور پریشان ہیں۔

جمیلِ مطلق کے جمال روز افزوں کو مافوق الحسن بیان کر کے فرماتے ہیں کہ تیرا حسن و جمال اس قدر عجیب و غریب واقع ہوا ہے کہ میرے دل و جان اس کی آرزو میں محوِ حیرت اور مضطر ہیں

ہر آں کہ روئے او بیند قرار رفتہ ازو نگار ما چنیں آب و تاب سے گذرد

۵۔ ترجمہ۔ کوئی چیز نہیں کہ بجز تیرے ایک جلوہ کرے میری نظروں میں کیں و مکاں گم ہیں۔

صوفیائے کرام دنیا کی کسی چیز کو جمال الٰہی سے الگ تصور نہیں کرتے قلندر صاحب بھی اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ کائنات کی کوئی چیز بجز تیرے جلوہ کے قائم بالذات نہیں جس جگہ اور جس چیز پر ہے تیرا جلوہ ہے اس لئے میری نظروں میں مکین یعنی اہلِ دنیا اور مکان یعنی دنیا سب گم ہیں اور میری نظر ان سے گذر کر تجھ تک پہنچتی ہے اور قدرت کے مخفی تماشوں کو دیکھتی ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ہٰذَا بَاطِلًا۔

ہمہ اسست و عیاں بہر سو ہمہ اوست	در دیر و دل بجاں بکعبہ ہمہ اوست
لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ	باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

۱۔ ترجمہ:۔ ایک ذرہ بھی نہیں دیکھا جو تجھ سے روشن نہ ہو ہم نے زمانے میں تیرے اسرار تیرے نشانات سے ڈھونڈے ہیں۔

وہی مضمون ہے جو شعر بالا میں بیان کیا گیا ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں تیرا نور جلوہ کناں ہے

	یک ذرہ ز ذرات جہاں پیدا نیست	کز نور تو لمعہ دراں پیدا نیست	جامی
	از غیر نشانے تو ہے تسلیم ولے	امروز ز غیر تو نشاں پیدا نیست	

حدیث میں آیا ہے "وہی ہے" یعنی سب چیزوں کا ظہور ہیں لیکن نہیں نہ عین سب چیزوں کا ان کی ذات میں "اسی مسئلہ ہمہ اوست کے متعلق قلندر صاحب اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"اے برادر قطرہ از دریا جدا نیست و ذرہ از آفتاب چوں جوش بدریا غالب مے شود بخار از دریا مے آید و ہوا میگردد آخر ابر میگویند چوں چکید باراں میخوانند چوں جمع شود حوض گویند چوں رواں شود لب آش خوانند چوں بدریا رسد ہماں دریا است و ذرہ خالی از آفتاب نیست زیرا کہ ذرہ در گشت مے باشد و ایں ذرہ سوئے آفتاب در ناز و آفتاب از ایں ذرہ بے نیاز آں از آفتاب پیدا و ہم در آفتاب ماند"

اسی مضمون پر ہے

آں چیز کہ در تختہ ہستی پیدا است	ایں صورت آنکس کا یں نقش پیدا است	
دریائے کہن چو بر زند موج نفس	موجش خوانند در حقیقت دریا است	

۱۔ ترجمہ:۔ کمان کی گود سے نکلے ہوئے صد ہا تیر تیری نگاہ کے ایک تیر کی ہمسری نہ کر سکتے۔

آنکھ کو بوجہ خمدار ہونے کے کمان کہتے ہیں اور پلکوں کو تیر ممکن ہے کہ تیر سے عدم التفاتی مراد ہو جس کو غمزہ کہتے ہیں چونکہ غمزہ کا تعلق آنکھ سے ہوتا ہے اس لئے اسے تیر کہنا صحیح ہے غمزہ دو حالتوں پر مشتمل ہوتا ہے آنکھ کا بند کر لینا عدم التفاتی اور کھولنا دلنوازی کی طرف اشارہ ہے

ع ۱:۔ ز غمزہ ہے دہد ہستی بغارت

تیرِ نگاہ کو اصطلاحِ تصوف میں غمزہ یعنی عدم التفاتی سے مطابق کر کے قلندر صاحب فرماتے
ہیں کہ کمان کے صدہا تیر اتنی خونریزی نہ کر سکے جتنی تیری ذراسی عدم التفاتی نے کی گویا سینکڑوں تیر
تیرِ نگاہ کے مقابلہ سے عاجز ہیں۔ ع

غمزۂ چشمم او دل مے رباید

یعنی معشوق کی آنکھ بے خوف و خطر ظہورِ جفا کیساتھ عاشقوں کے دل لے جاتی ہے پھر بھلا کمان
کے تیر اس کی برابری کب کر سکتے ہیں۔

۸۔ ترجمہ۔ اے فتنۂ دوران! اشرف بوجہ تیرے عشق کے حلق میں آہ و فغاں اور سینہ میں آگ
رکھتا ہے۔

فتنۂ دوران۔ زمانے کا فسادی مراد معشوق کیونکہ جور و جفا معشوق کا شیوہ ہے
یعنی میرا سینہ آتشِ عشق سے لبریز ہے اور حلق شور و شغب سے۔ صاحب کشف الاسرار
اس آگ کے متعلق فرماتے ہیں کہ "وہ آگ جو عاشقوں کے دل میں راہ پاتی ہے عجیب آگ ہے"۔
قرآن مجید سورۂ ہمزہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔
نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ   آگ ہے لگائی ہوئی اللہ کی جو چڑھ آتی ہے اوپر
دلوں کے۔

یعنی خدا تعالیٰ نے اُس کو اپنی قدرتِ کاملہ سے افروختہ کیا ہوا ہے جس کو حق تعالیٰ
افروختہ کرے وہ کسی سے بجھ نہیں سکتی

چراغے را کہ ایزد بر فروزد   ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

شہیدِ عشق حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ستر سال سے
آتشِ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ میرے اندر موجزن ہے تاکہ مجھکو جلا دے ناگہاں ایک شرر بشکل انا الحق باہر آیا
اور اُس نے مجھے جلا دیا یہی وہ آگ ہے جو قلندر صاحب کے مجمر سینہ میں شعلہ زن ہے۔

غزل

یارِ ما آں کو کہ نبود در پئے آزارِ ما ۱ در پئے آزارِ ما ہرگز نباشد یارِ ما

بہتر از بیکاری ما نیست ہرگز کارِ ما ۲ در دلِ ما گر بود مسجود ما مسجد رویم

واعظِ ناداں نداند شمّہ از اسرارِ ما ۳ ما حریم کعبہ مے دانیم کوئے یار را

جاں فروشی را رواجے ہست در بازارِ ما ۴ آں کہ نامرد است نبود قیمتش در عاشقاں

کاش در یاد آورد یارا فراموش گارِ ما ۵ نازِ یادش رفتہ ایم از خود فراموشیم ما

بعد ازیں ہرگز نخواہد طالعِ بیدارِ ما ۶ کردہ با یارِ ما عہدِ وفا و اتحاد

۷ ما کہ مجروحیم از تیغِ نگاہِ او شرف
بوئے خوں مے آید از گفتار و از کردارِ ما ۷

ترجمہ:- ہمارا یار ہمیں آزار دینے پر آمادہ نہ ہوگا ہمارا یار وہ ہے جو کبھی بھی ہمیں آزار دینا گوارا نہ کرے گا۔

محبوبِ مطلق کے لطفِ عام پر نظر کر کے قلندر صاحب فرماتے ہیں رح۔

یارِ ما آں کو کہ نبود در پئے آزارِ ما

مراد نبی قادرِ مطلق کا فیض عام ہے وہ کسی کے درپئے آزار نہیں الخلق عیال اللہ کے مطابق وہ والدین سے بھی زیادہ شفیق اور مہربان ہے حدیث میں آیا ہے

سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ اس کی رحمت اس کے غضب پر فائق ہے

اور اگر کوئی عارضی تکلیف ہو بھی تو اس کی بنا بھی کسی مصلحت پر ہوتی ہے فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْ عَنِ الْحِکْمَۃِ کیونکہ اس تکلیف کے پردے میں ہماری بہتری کا راز مضمر ہوتا ہے لیکن ہم نہ سمجھ کر شکایت کرنے لگتے ہیں۔

۲۔ ترجمہ۔ اگر ہمارے دل میں مسجود ہو اور ہم مسجد کی طرف جائیں تو ہمارا کام بیکاری سے کچھ بہتر نہیں۔

دل کہ انساں است عرش اللہ بداں　　　　از حدیث حضرت آمد ایں کلام

دلِ چونکہ انوارِ محبوب کی منزلگاہ ہے اس لیے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ہمارے دل میں مسجود یعنی محبوب کا جلوہ ہو یا دوسرے لفظوں میں آئینۂ دل مجلّٰی و مصفّٰی ہو چکا ہو اور نزولِ انوار و تجلّیات کا اہل بن گیا ہو اور ہم پھر بھی مسجد کی طرف جائیں تو ہمارا یہ فعل فعلِ عبث ہوگا زلف کے منتظر صوبیدار حضرتِ ذوق دہلوی دل کے متعلق ترجیحاً لکھتے ہیں۔

دیکھیے آئینے بہتر ہیں خاک بھی نامناسب　　　　ہیں کمال اہلِ صفا اہلِ صفا کہنے کو ہیں

کیوں کہ دل جب انوارِ الٰہیہ کا مخزن بھی ہوا اور تجلیاتِ محبوب کی جلوہ گاہ بھی تو اسے چھوڑ کر مسجد کی طرف رجوع کرنا بیکار ہے۔

دل بود مرآتِ ذاتِ ذوالجلال　　　　در دلِ صافی نماید حق جمال
مظہرِ شانِ الٰہی دل بود　　　　مظہرِ شانش کماہی دل بود
ہست در ہر گوشہ اش صد بتکدہ　　　　ہر طرف صد کعبہ و صد معبدہ

دلِ چونکہ اللہ کے اسم العدل اور عظمت و کبریائی کا محل ہے اس لیے اگر وہ صاف ہو اور عبادت میں اخلاص تو وہ ہر جگہ مقبول و منظور ہو سکتی ہے مسجد کی تخصیص نہیں اشعارِ ذیل بھی دل کی عظمت کو واضح کرتے ہیں۔

اے خانہ پرستاں چہ پرستید گل و سنگ　　　　آں خانہ پرستید کہ خاصاں طلبیدند
آں خانۂ دل خانۂ حق واحدِ مطلق　　　　خوش وقت کسانیکہ دراں خانہ خریدند
خوش وقت کسانیکہ شمس الحق تبریز　　　　در خانہ نشستند و بیاباں نبریدند

مزید وضاحت کے لیے دیکھو شعر $\frac{۲}{۱۴}$

۳۔ ترجمہ۔ ہم یار کی گلی کو حریمِ کعبہ جانتے ہیں نادان واعظ ہمارے راز و اسرار کا شمہ بھی نہیں جانتا۔

شمہ۔ بالفتح و تشدید یعنی بوئے اندک اور کسی چیز کو ایک بار سونگھنا و بالکسر و فتح میم یعنی

سرِ تسلیم جس کو زبانِ ہندی میں ملائی کہتے ہیں ماخوذ از فہم یعنی بو سیدن مجازاً فارسی میں اہنگ اور کم کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

یعنی کوئے محبوب میرے لئے حریم کعبہ ہے حریم کعبہ سے منازلِ عشق کی چاروں شاہراہیں۔ شریعت، طریقت، حقیقت، اور معرفت مراد ہیں۔ جو کعبۂ مجازی کے فصولِ اربعہ سے افضل ہیں کیونکہ مصنوعی کعبہ کی چار دیواری آب و گل سے ہے لیکن کعبۂ دل کی حریم محبوب کے انوار سے ہے مگر کیا کیا جائے نادان واعظ ہمارے ان راز و اسرار کو سمجھ نہیں سکتا اتیہ بیانی کا شعر ہے۔

کیا زاہدوں کو مسئلۂ عشق کا ہو فہم	نامحرموں سے راز کی کیا گفتگو کریں

ظاہر ہے کہ اگر سالک مرشد کی متابعت اور اس کے زیرِ فرمان ان چاروں منزلوں کو طے کر لے تو وصالِ محبوب کوئی مشکل بات نہیں ان چاروں منزلوں کو حریمِ کعبہ سے تشبیہ دینا قلندر صاحب کی شاعرانہ بلند پروازی کی اعلےٰ دلیل ہے۔

۴ ترجمہ۔ جو نامرد ہے عاشقوں میں اس کی قدر و قیمت نہیں ہوتی ہمارے بازار میں جانفروشی کا رواج ہے۔

مطلب یہ کہ بار آور اور ثمر یاب وہی ہو سکتا ہے جو بازارِ عشق میں نقدِ جان دینے سے گریز نہ کرے۔

میرے یوسف کی عزیزو ہے خریداری محال نقدِ جاں اسکی ہے قیمت نقدِ دل بیعانہ ہے (ناسخ)

اسی مضمون پر خواجہ حیدر علی آتش فرماتے ہیں

یوسف نہیں جو ہاتھ لگے چند درم سے	قیمت جو دو عالم کی ہے بیعانہ ہے اُسکا

۵۔ ترجمہ۔ جب ہم اُس کی یاد سے جانتے رہے ہم اپنے آپ کو بھلے رہے کاش کہ ہمارا فراموش کار ہمیں یاد میں لاسکے۔

فراموش کار سے محبوب مراد ہے جو تجاہلِ عارفانہ سے عاشقوں کے ساتھ بے اعتنائی کرتا ہے۔

مراد یہ کہ محبوب کی عدم التفاتی اور بے اعتنائی سے ہم آوارہ و سرگرداں ہیں اور اپنے

آپ بھولے ہوئے ہیں کاش ایسا ہو کہ محبوب ہمیں پھر یاد کرے یعنی محبوب کے التفات اور اعتنا کی تمنّا ظاہر کی گئی ہے۔

۱۶ ترجمہ۔ ہمارا یہ یار جس نے ہمارے ساتھ وفا و اتحاد کا عہد کیا اس کے بعد وہ ہماری بیدار قسمت نہیں چاہتا۔

یعنی محبوب اب ایفائے عہد پر آمادہ نہیں اور نہیں چاہتا کہ ہمارا بخت گراں خواب بیدار ہو مرزا مظہر جانجاناں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اشکوں کے سیلاب بہادیے مگر افسوس کہ میرا بخت گراں خواب بیدار نہ ہوا۔

آسیبے نزد بر روئے گراں خواب بخت ما	باآں کہ گریہ داد بہ سیلاب رخت ما

مراد یہ ہے کہ محبوب معاہدۂ وفا و اتحاد کرنے کے بعد ہمیں مہجور کر کے اب ایفائے عہد پر آمادہ نہیں اور ہمارے بخت گراں خواب کی بیداری نہیں چاہتا یعنی وصل و وصال سے پہلو تہی کرتا ہے معشوقوں کی بیوفائی مشہور ہے قلندر صاحب بھی اپنے محبوب کی بیوفائی اور عدم التفاتی کے شاکی ہیں۔

تبسمِ گل کی بیوفائی پر بلبل کو خطاب کر کے لسان الغیب فرماتے ہیں۔

نشانِ مہر و وفا نیست در تبسمِ گل	بنال بلبلِ مسکیں کہ جائے فریاد ست

مراد یہ کہ حسینوں میں وفا کی بو نہیں ہوتی۔

یہاں بھی دہر میں ہوں تو رنگ رنگ کے پھول	وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی	اقبال

مرزا داغ دہلوی کا شعر ہے۔

خوب رہے ہو گئے باوفا ہم سے	ہم نہ مانیں اگر خدا ہو سے

۱۷ ترجمہ۔ اے شرف ہم جو اس کی تیغِ ابرو کے گھائل ہیں ہماری گفتار اور کردار سے خون کی بو آتی ہے۔

مراد یہ کہ تیری تیغِ نگاہ میں ایسی بلا کا اثر ہے کہ ہمارے کام اور کلام سے کبھی ہنوز بوئے خون سے آید جس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ شرف حضر در کسی کی تیغِ نگاہ کا گھائل ہے تیغِ نگاہ اور خون کی نسبت ظاہر ہے۔

غزل ۸

جلوۂ آں شوخِ بے پروائے ما	۱	می برد از جسمہا جانہائے ما
گوشِ گردوں کرّ در لحظۂ	۲	بشنود گر ہے ہے و ہاہائے ما
اے خیالِ تو زپنہاں در گذشت	۳	مے نہ گنجد در دلِ دانائے ما
آید از ہر ذرّۂ دشتِ وجود	۴	جلوہ اش در دیدۂ بینائے ما
دور چشیم امروز از نارِ فراق	۵	بیں چہ خواہد بود در فردائے ما
ما چو مجنوں در بیاباں مے رویم	۶	ہست در محمل نہاں لیلائے ما
ساقئ ما مے کند ہر ساعتے	۷	از شرابِ شوق پیمانائے ما
مے نگردد کس زوحشت گردِ ما	۸	مے گریزد خلق از سودائے ما
جائے ما آنجا بود نہ ایں جہاں	۹	در جہاں ہرگز نہ باشد جائے ما
ہر کہ او آرنی بگوید بشنود	۱۰	لن ترانی چہرۂ زیبائے ما
از خیالِ چہرۂ پرنورِ او	۱۱	مے رود تاریکئ شبہائے ما
اے خوشا عشقِ مسیحائے کہ او	۱۲	شد طبیبِ چارۂ علت ہائے ما
مے زنیم ایں نعرۂ خوش مے زنیم	۱۳	شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
بر دلِ ما عشق نشتر مے زند	۱۴	مے چکد خوں از ہمہ رگہائے ما
شیشہ را بگذار و ہم جام را	۱۵	النہایہ گر مئے صہبائے ما

بوعلی لا مائیم و مولا علی

۱۶ بوعلی باشند علی مولائے ما ۱۶

۱ترجمہ۔ ہمارے اس شوخ بے پرواہ کا جلوہ جسموں سے جانوں کو لے گیا۔

تجلّئ بے حجاب تو جسم عنصری کے ساتھ ممکن نہیں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ تجلّیات بالمرآت اور جمال کی تمنا میں جسم سے جان چلی گئی اقسام تجلیات سے اگر سالک کے دل پر صفات جلالی تجلّی کریں تو اس پر شوخ و مضطرب کا غلبہ ہوتا ہے جس سے اس کے ظاہری حواس کچھ عرصہ کے لیے معطل اور بے کار ہو جاتے ہیں البتہ اگر صفات جمالی تجلّی کریں تو سالک کے دل میں انس اور سرور پیدا ہوتا ہے اور مشاہدہ کر سکتا ہے قلندر صاحب پر کیفیت اولی طاری ہے

۲ترجمہ۔ آسمان کے کان بہرے ہو جائیں اگر ایک لحظہ ہماری ہائے ہو سنے

کرؔ۔ بہرہ یعنی آسمان میں ہماری ہائے ہو اور شور و شغب سننے کی تاب نہیں۔

فی الواقع عاشق کے دل میں اس قدر سوز و عشق موجود ہوتا ہے کہ آسمان باوجود اس قدر بھاری بھرکم ہونے کے اس کا متحمل نہیں ہو سکتا قلندر صاحب اسی مضمون کا اعادہ کرتے ہوئے ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

آہ من آتش زند در خرمن شمس و قمر — نعرہ من می شگافد گوش گردون را صماخ

پڑا افلاک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں — جلا کے راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

اسی مضمون کے لیے دیکھو شعر ۱۴۳ و ۲۹۵

۳ترجمہ۔ اے کہ تیرا خیال خلوت سے گذر گیا اور ہمارے دانا دل میں نہیں سماتا۔

یعنی تیرا خیال وہم و گمان سے بھی وراء الوراء ہے جو نہاں خانۂ دل میں نہیں سماتا مراد یہ کہ کنہ ذات کی حقیقت اور اس کا عرفان وہم و ادراک سے بالاتر ہے نظیری کا شعر ہے۔

ز نشان عین تو نتوان نشان گفتن معاذ اللہ — تو در دانش کجا گنجی تو در بینش کجا آئی

قلندر صاحب بھی محبوب مطلق کی کنہ ذات کے ادراک سے اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں کہ تیری ذات کی حقیقت معلوم کرنا وہم و گمان سے بھی بعید ہے اور حقیقت بھی یہی ہے

کہ انسان ضعیف الخلقت اُس کی ذات کی حقیقت معلوم کرنے سے عاجز و قاصر ہے اور یہ لا ینحل عقدہ جیسا کہ ازل سے اب تک سربستہ ہے ابد تک اسی طرح سربستہ رہے گا کیونکہ اُس کے ادراک سے ادراک بھی عاجز ہے اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْکِ لَادْرَکْ اِدْرَاکٌ شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں۔

جہاں متفق بر الٰہیتش — فرو ماندہ کنہِ ماہیتش
نہ بر اوجِ ذاتش پرد مرغِ وہم — نہ در ذیلِ وصفش رسد دستِ فہم

عرفی شیرازی نے بھی مشاہدۂ ذات کے ادراک سے اپنے عجز کا یوں اعتراف کیا کہ لکھتا ہے۔

در حیرت در شب از اندیشہ اوصاف او — بس ہمایوں مرغِ عقل از آشیاں انداختہ

۴ ترجمہ۔ میری آنکھیں دشتِ وجود کے ہر ذرّہ میں اُس کا جلوہ دیکھتی ہیں۔
مطلب صاف ہے کہ میں دشتِ وجود کے ہر ذرّہ میں محبوبِ مطلق کا نور جلوہ گر دیکھتا ہوں ذیل کی رباعی بھی یہی مضمون واضح کرتی ہے۔

در صورتِ آب و گل عیاں غیر تو کیست — در خلوتِ جان و دل نہاں غیر تو کیست
گفتی کہ زغیرِ من بہ پرواز دلت — اے جانِ جہاں در دو جہاں غیر تو کیست

وجودِ عنصری کو دشت کہنا خلافِ قیاس نہیں کیونکہ اُس کی ساخت محض آب و گل سے ہے اور یہ بھی مختلف عناصر کا مجموعہ ہے۔

۵ ترجمہ۔ آج ہم نارِ فراق کے دوزخ میں ہیں دیکھیں کل کیا ہوگا۔
یعنی آج ہم مبتلائے ہجر و فراق ہیں دیکھیں کل کو قسمت میں کیا ہے یعنی روزِ حشر کیا دیکھنا پڑے اس خصوص میں مولانائے روم علیہ الرحمۃ کا جواب معقول ہے۔

مرا از آتشِ دوزخ چہ باک است — کہ از ہستی تن و جانِ تو پاک است
ز آتش زرِ خالص بر فروزد — چو غِشّے نیست اندر وے چہ سوزد

جس سے مراد یہ ہے کہ جب سالک نفسانی مقتضیات سے صحیح و سالم آزاد ہو تو طلائے ناب کی طرح اسے آتشِ دوزخ سے ہراس نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بے غش سونے پر آگ کا اثر نہیں ہوتا چونکہ قلندر صاحب بھی ہجر و فراق کی آتشِ سوزاں سے دلگداز ہو رہے ہیں لہٰذا میں

خلق کیا جانے کہ ایسی بے سروسامانی اور ظاہری خستہ حالی میں کیا مصلحت ہے
مگر مولانا آزاد نے یہ راز خوب سمجھا ۔ لکھتے ہیں

کمال عشق یہی ہے کہ جو بظاہر حال	بگاڑ بیٹھے ہیں وہ ہی سنوار بیٹھے ہیں

فی الواقعہ اس سلسلہ کے بعض سالکوں کا مقام استغراق سے بھی بدرجہا بلند ہوتا ہے مگر وہ اپنی جامعیت کی وجہ سے پابند شرع بھی ہوتے ہیں لیکن بعض سالکین جو حدیث نبوی اِسْتَعِینُوا عَلَی الْحَوَائِجِ بِالْکِتْمَانِ کے تحت اپنی ضروریات کو بہم پہنچانے کی وجہ سے اپنے حالات کو مختلف ذرائع سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں اس لئے ایسے طریق اختیار کرتے ہیں جس سے کوئی غیر شخص رجوع عن الحق میں ان کا ہارج نہ ہو بلکہ ہر شخص ان کے ظاہری حالات و حرکات خراب ہونے کی وجہ سے ان سے نفرت کرتا ہے ایسے درویش ملامتی قلندر کہلاتے ہیں یہی وجہ قلندر صاحب کی وحشت کی ہے جو خلق کے تنفر کا باعث ہے۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر (حافظ)	تو چہ دانی کہ درین خاک سوارے باشد

۹۔ ترجمہ ۔ ہماری جگہ وہ ہے نہ کہ یہ جہاں اس جہاں میں ہماری جگہ ہرگز نہ ہو۔
مطلب یہ کہ میرا مسکن باغ ملکوت ہے نہ کہ یہ دار فناہ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دنیا ناپائدار ہے اور انسان اس میں عارضی طور پر مقیم ہے ۔

اگر روح کو مخاطب کیا جائے تو یہی مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ روح دراصل عالم ارواح کا باشندہ ہے جب حق تعالے نے اسے جسم کے تنگ و تاریک قید خانے میں ڈالا تو یہ بہت ہراساں ہوئی اور بارگاہ رب العزت میں فریاد کرنے لگی کہ یارب العالمین کیا مجھے ہمیشہ کے لئے اسی تنگ و تاریک قید خانے میں رہنا پڑے گا اس پر فرمان ہوا کہ نہیں بلکہ تھوڑے عرصہ کے لئے بالآخر تو نے یہاں ہی آنا ہے مولانا روم نے مثنوی شریف کے دیباچہ میں روح انسانی کو نے سے تشبیہ دے کر اس کی اصل کو نیستان قرار دیا ہے۔

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند	از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

نے کی نفیر بھی اپنے اصل سے جدا ہونے کی وجہ سے ہے اور روح انسانی بھی اصل سے واصل ہونے کی متمنا میں کوشاں ہے ۔

۱۰ ترجمہ۔ جو مجھے ارنی کہے گا وہی جواب سنے گا کہ تم میرے روئے زیبا کو دیکھ نہیں سکتے۔

مراد یہ کہ محبوب ازلی کے دیدارِ بے حجاب کی خواہش رکھنا خیالِ خام ہے کیونکہ درگاہِ محبوب سے صاف جواب ملے گا کہ لن ترانی

دیدار بالمرآت یعنی بذریعہ تجلیات تو ممکن ہے مگر دیدارِ بے حجاب کی نفی قرآن مجید سے ثابت ہے ویحذرکم اللہ نفسہ واللہ رؤف بالعباد حضرت خواجہ امداد اللہ صاحب مہاجر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

میں طورِ عشق پر نیر سے ہوں گرچہ رب ارنی　　نہیں لاتا زباں پر کیونکہ خوفِ لن ترانی ہے

اسی مضمون پر ہے

میں نے ارنی کہا تو یوں بولا　　جب تک تو ہے لن ترانی ہے

۱۱ ترجمہ۔ اس کے پرنور چہرے کے خیال سے ہماری رات کی تاریکی جاتی رہی۔

شعرا تاریکی شب سے ہجر و فراق مراد لیتے ہیں مطلب یہ کہ جب مجھے محبوب کے رخسارِ پر انوار کا خیال آتا ہے تو ہجر و فراق کی تاریکی میں قدرے تخفیف ہو جاتی ہے یا میرے دل کو قرار و سکون حاصل ہوتا ہے اصطلاح میں نزول واردات اور تجلیات کو بسط کہتے ہیں اور انوار و تجلیات کے رک جانے کو قبض کہا جاتا ہے اسی لئے حالتِ قبض کو تاریکی شب کہا گیا ہے جس سے اپنے دل کی گرفتہ ہونے کا اظہار مقصود ہے اور حالتِ بسط کو روئے پرنور کہہ کر نزول تجلیات کے دوبارہ عود کرنے سے عارفانہ تمثیل میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اس کے چہرۂ پرنور کے خیال سے ہماری رات کی تاریکی مبدل بہ روشنی ہو جاتی ہے۔

۱۲ ترجمہ۔ اے مسیحا عشق! خوش رہو تو ہماری تمام علتوں کا طبیب ہے۔

۱۳ ترجمہ۔ ہم بصد خوشی نعرہ کناں ہیں کہ اے ہمارے خوش سودا عشق شاد رہو

حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت مشہور ہے کہ آپ بحکم حق تعالیٰ مردوں کو زندہ فرماتے تھے گویا آپ روحانی طبیب تھے عشق کو بھی روحانی طبیب کہنا بجا ہے اور حضرت مسیح سے نسبت دینا شاعرانہ کمال اور جدتِ طبع کا ثبوت ہے کیونکہ حضرت مسیح خود سراپا۔

غرضِ عشق تھے اور اصطلاحِ حکما میں سودا بھی لوازماتِ عشق سے ہے۔

صوفیائے کرام نے اخلاقِ ذمیمہ کے دو علاج تجویز فرمائے ہیں

(۱) جزئی یعنی خاص (۲) کُلّی یعنی عام۔

جزئی سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک خلق کا جدا جدا علاج کیا جائے اس کو طریقِ سلوک کہتے ہیں علاجِ کلی کے یہ معنی ہیں کہ ذکر و شغل سے یا جس طرح شیخ طریقت ارشاد فرمائے حق تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا کی جائے جب اس کا غلبہ ہوگا تو اپنی خودی اور ہستی خود بخود مضمحل ہونے لگے گی اور سب اخلاقِ ذمیمہ جو خودی اور ہستی سے پیدا ہوتے ہیں زائل ہو جائیں گے اس کو طریقِ جذب کہتے ہیں

پہلا طریق گو بے خطر ہے مگر ایسا کرنے کے لئے ایک عرصہ درکار ہے اور طریقِ ثانی گو خطرناک ہے مگر بہت جلدی اثر دکھاتا ہے قلندر صاحب پر چونکہ مذاقِ ثانی غالب ہے اس لئے دعائیہ انداز میں اس کی مدح فرماتے ہیں کہ اے طبیبِ عشق خوش رہو کہ تو ہماری تمام علتوں کا بیخ کن ہے حضرت مولانا روم بھی عشق کی مدح میں فرماتے ہیں۔

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد	او ز حرص و عیب کلی پاک شد
شاد باش ای عشق خوش سودائی ما	اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما	اے تو افلاطون و جالینوس ما

قلندر صاحب نے اپنی مثنوی میں اکثر خیالات مولانا روم کے استعمال کئے ہیں اس لئے ہو سکتا ہے کہ قلندر صاحب نے اشعار زیرِ تشریح میں مولانا روم کے شعرِ ثانی کا اتباع کیا ہو اور ممکن ہے کہ پوری غزل مولانا روم کے اشعار کے تتبع میں لکھی گئی ہو کیونکہ بعض مصرعوں میں تو بالکل توارد پایا جاتا ہے۔

۴ا ترجمہ جب عشق ہمارے دل پر نشتر لگاتا ہے ہماری رگوں سے خون ٹپکتا ہے وہی مطلب ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے ان اشعار میں عشق کو مسیح اور یہاں فصاد کہا گیا ہے اور اس تمثیل میں مطلب یہی ادا کیا ہے مراد یہ کہ جب فصادِ عشق میرے دل کا فصد کھولتا ہے تو زخموں کے رستے خون کے قطرے بہتے ہیں فصد کھولتے وقت میل آلود گندہ خون خارج ہوتا ہے جس کو تعلقاتِ ماسوا اللہ سمجھو تو یہ عارفانہ مثال ہے ورنہ نہ کوئی فصاد

ہے دلنشیں کی ضرورت ہے صرف مطلب یہ ہے کہ۔

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد — او ز حرص و عیب کلی پاک شد

(۵) ترجمہ۔ شراب کی حدت سے شیشہ اور جام ہم نے چھوڑ دیا

التہاب۔ بالکسر آگ کا جلنا یا شعلہ زن ہونا مجازاً گرمی۔

صہبا۔ بالفتح شراب انگوری اور مؤلف غیاث اللغات لکھتے ہیں کہ صہبا ایک شراب کا نام ہے جس کا رنگ سرخی مائل ہوتا ہے کیونکہ صہبا مؤنث ہے اصہب کا اور اصہب صفت مشبہ ہے صہوبت سے۔

شعر ہذا میں قلندر صاحب نے شراب محبت کی حدت کا اثر بیان فرمایا ہے کہ شراب عشق ایسی پُر التہاب ہے کہ جس کے پیتے ہی ہم نے شیشہ و جام یعنی تعلقات ماسوا المطلوب کو چھوڑ دیا مراد یہ کہ تعلقات دارین کی محبت میرے دل سے جاتی رہی جن کو شراب عشق کی حدت نے جلا دیا اصطلاح میں شراب سے بیخودی مراد لی جاتی ہے چنانچہ صاحب گلشن راز فرماتے ہیں۔

شراب بیخودی در کش زمانے — کہ تا از دست خود یابی امانے
بخور مے تا ز خویشت وا رہاند — وجود قطرہ در دریا رساند

پس جب کامل بیخودی حاصل ہو گئی اور فناء فی المحبوب کا مرتبہ حاصل ہو گیا تو وہ تعلقات جو رجوع الی اللہ میں خارج اور حائل تھے خود بخود زائل ہو گئے جن کو شاعر نے التہاب شراب سے جلنا ظاہر کیا ہے۔

(۶) ترجمہ۔ بوعلی ہم کچھ نہیں ہیں آقا علی ہیں اے بوعلی ہمارے آقا علی ہیں۔

مولا۔ غلام اور آقا دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے مصرعہ اولی میں اگر اس سے غلام کے معنی لئے جائیں تو بھی مطلب درست ہے کہ ہم علی کے غلام ہیں بوعلی کی وجہ تسمیہ کے لئے دیکھو سوانح عمری صفحہ ۲۵۔

شعر ہذا میں قلندر صاحب نے اسی حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ ہم کچھ نہیں بلکہ ہمارے آقا و مولا حضرت علی علیہ السلام ہیں اور ہم ان کے غلام یوں بھی سلسلہ فقر میں ایک نقشبندیہ سلسلہ کے سوا باقی سب سلاسل حضرت امیر المومنین سے مربوط ہیں اس لئے انہیں مولا و آقا

کی طفیل ... اور انہی کے کمال سے معرفتِ خدا تعالےٰ کے احوال مستنبط کیے گئے خداشناسی کی
راہیں انہی کے بیان سے روشن ہوئیں تمام دنیا میں نورِ معرفت انہی کی تعلیم سے پھیلا بدیں وجہ قلندر
صاحب فرماتے ہیں ؎ بوعلی مانند علی مولائے ما۔

غزل ۹

رُخِ او نورِ مقدس لبِ او روحِ مصفّا ۱ جعدِ او افعیِ موسیٰ کفِ او چو یدِ بیضا
مریم از قدسِ لبش حاملۂ روح اللہ ۲ آدم از پرتوِ رویش زِ گلے یافتہ اسما
عارف از مئے لعلش شدہ سرمست و خموش ۳ بر شعاعِ رُخِ او گشتہ قلندر شیدا
آزر از پیکرِ او دیدہ نہاں بشکستے ۴ پسرش دستِ عملہائے پدر راز تماشا
یوسف از عکسِ جمالش نگریدی در خواب ۵ مست و سرگشتہ شدی چو پر او بود زلیخا

۶ بوعلی عاشقِ رخسارِ نگارینِ وئے است
گاہ مولا شود و گاہ قلندر شیدا ۶

یہ غزل غیر مطبوعہ ہے مطبوعہ دیوانوں میں درج نہیں ہم نے ایک پرانے قلمی نسخہ سے
انتخاب کر کے زیبِ شرح کی ہے۔

(۱) ترجمہ۔ اُس کا چہرہ نورِ مقدس ہے اور لب روحِ مصفّا اُس کی زلف افعیِ موسیٰ ہے
اور ہاتھ یدِ بیضا۔

جُعد۔ بالضم موئے مرغول سر زلف۔ افعی بفتح سیاہ قسم کے ایک سانپ کو کہتے
ہیں جو بہت زہرناک ہوتا ہے کہتے ہیں کہ افعی زمرد دیکھنے سے اندھا ہو جاتا ہے افاعی اس کی جمع ہے
اس جگہ افعیِ موسیٰ سے عصائے موسیٰ مراد ہے جو آپ کو حضرت شعیب علیہ السلام سے عطا ہوا تھا

جس کی خاصیت تھی کہ فوراً اپنی ہیئت بدل کر اژدہا بن جاتا تھا قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ساحروں اور جادوگروں کا زور تھا جو آپ کو ہر طرح سے اذیت پہنچاتے تھے خداوند کریم نے ان کے مقابلے کے لئے آپ کو یہ عصا عطا فرمایا جو ہمیشہ ان کے سحر و فسون پر غالب رہا۔

ید بیضا۔ روشن اور سفید ہاتھ کہ موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ جلتا ہوا آگ سے جل گیا تھا حق تعالیٰ نے اس کے عوض حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دے دیا کہ جب آپ اپنے سوختہ ہاتھ کو بغل میں رکھ کر باہر نکالتے تو وہ آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا اور ید بیضا سے مجازاً کرامات اور خرق عادات بھی مراد ہوتی ہے۔

اس شعر میں قلندر صاحب نے محبوب کے روئے پرنور لب پرکیف اور زلف پرشکن کی توصیف باحسن الوجوہ بیان فرمائی ہے۔

۲ ترجمہ۔ مریم اس کے لبوں کی پاکیزگی سے روح اللہ کی حامل بنیں آدم اس کے چہرے کے پرتو سے مٹی سے زندہ ہوئے۔

قدس۔ پاکیزگی۔ پاک ہونا۔ لب۔ ہونٹ۔ اور اصطلاح میں حکم اور ارشاد مراد لی جاتی ہے حاملہ۔ اٹھانے والی روح اللہ مراد از حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آپ بحکم خدا بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی روح کہا۔ پرتو۔ روشنی تجلی عکس۔ مستعار جو اجرام نورانی سے ظاہر ہوتا ہے احیاء۔ زندہ ہونا۔

اس شعر میں فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیرے حکم اور ارشاد سے عالم وجود میں آئے اور آدم کو تیرے چہرہ کے پرتو سے زندگی ملی پیدائش حضرت عیسیٰ کے متعلق حضرت مولانا حسین الواعظ کاشفی تفسیر حسینی میں فرماتے ہیں کہ چونکہ لوح محفوظ پہ حضرت کا بن باپ کے پیدا ہونا مذکور و مسطور ہو چکا تھا اس لئے حضرت جبرئیل بحکم رب العالمین حضرت مریم کے پاس آگئے

"بدمید و آستین یا گریبان یا دہان او پس مریم بار گرفت ہماں دم عیسیٰ"

جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا

خلاصہ یہ کہ حضرت مسیحؑ کا مرتبہ وجود میں آنا اور حضرت ابو البشر آدمؑ کو شرف زندگی عطا ہونا محبوب مطلق کے ارشاد اور اذن و رضا سے ہے۔

اور اگر اس شعر کی تفسیر نعتیہ رنگ میں کی جائے تو حدیث پاک "انا من النور اللہ تعالیٰ و خلق کلھم من النوری" اس کے مفہوم کو باحسن پورا کر سکتی ہے۔

۳۳ ترجمہ - عارف اس کے سرخ لعلین سے مست ہو کر جوش میں آیا اور قلندر اس کے چہرے کی شعاع پر عاشق ہوا۔

عارف پہچاننے والا حکیم۔ مے لعل - سرخ شراب - شراب کا رنگ عموماً سرخ ہوتا ہے اصطلاح میں شراب سے بیخودی مراد لی جاتی ہے مطلب یہ کہ عارفان حق کی بیخودی اور مستی محبوب کے شراب لعلین سے ہے اور قلندر بھی اسی کے رخسار پر انوار کے شیدائی ہیں۔

۳۴ ترجمہ - آزر اگر اس کی شکل کو دیکھتا تو بتوں کو توڑ دیتا جیسا کہ اس کے بیٹے نے باپ کے عملی کاموں کو ایک تماشا سمجھا۔

آزر یہ والد حضرت ابراہیم کے باپ کا نام ہے بعض کہتے ہیں کہ آپ کے چچا کا نام تھا اہل تواریخ آپ کے باپ کا نام تارخ ہے لکھتے ہیں لیکن قرآن شریف اس پر دلالت کرتا ہے کہ آزر حضرت خلیل الرحمٰن ہی کے باپ تھے ہمارے لئے یہی گواہی افضل ہے

پیکر شکل و صورت قرآن مجید سے ثابت ہے کہ آزر بت تراش اور بت پرست تھا جیسا کہ حضرت خلیل الرحمٰن نے اپنے باپ سے فرمایا تھا کہ تم اور تمہاری قوم معبود حقیقی کی پرستش کی بجائے خود تراشیدہ بتوں کو کیوں پوجتی ہے میں تم کو اور تمہاری قوم کو گمراہی میں دیکھتا ہوں حضرت ابراہیم کو حق جلشانہ نے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلائیں آپ نے فراست نبوت سے معبود حقیقی کو پہچانا جیسا کہ سورج اور چاند کے زوال نے آپ کے اعلیٰ مذاق کو عرفان یزدانی کی طرف مائل کر دیا شعر ہذا میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اگر آزر اس حقیقت سے واقف ہوتا کہ ذرہ ذرہ اس محبوب حقیقی کے نور سے معمور ہے تو وہ بتوں کی پرستش کی بجائے انہیں توڑ کر خدائے واحد و یکتا کی پرستش کرتا مگر افسوس کہ وہ اس حقیقت کو سمجھ نہ سکا حالانکہ اس کا فرزند رشید باپ کی اس صنعت کو ایک تماشا سمجھتا تھا چنانچہ آپ نے بتوں کو توڑا اور قادر مطلق کی پرستش کا اعلان کیا۔

ترجمہ: اگر یوسف اُن کے جمال کا عکس خواب میں دیکھتے تو بیخود ہو جاتے جس طرح ان پر زلیخا تھی۔

زلیخا بضم اوّل بفتح لام از زلیخا کی مونث ہے ماخوذ از زلیخ بمعنی پاؤں کے لغزش کھانے کی جگہ مراد یہ کہ اگر کوئی عورت حسن و جمال میں اس قدر لاثانی ہو کہ دیکھنے والوں کی عقل دنگ رہ جائے اور پائے ثبات لغزش کھا جائیں تو ایسی عورت کو زلیخا کے نام سے موسوم کرتے ہیں بعض محققین لکھتے ہیں کہ زلیخا کا مولد ملکِ مغرب ہے اور آپ کے باپ کا نام طیموس تھا مولانا جامی بھی اس کے موید ہیں جیسا کہ آپ مثنوی یوسف زلیخا میں فرماتے ہیں۔

که در مغرب زمین شاہی نہاں بود ... ہمے زد کوسِ شاہی نام طیموس
زلیخا نام زیبا دخترے داشت ... که با از ہمہ عالم سرے داشت

زلیخا کا اصلی نام سریانی زبان میں راعیل تھا زلیخا اہلِ عرب کا وضع کردہ ہے اور بعض اسم عجمی کہتے ہیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب نار بیخ جہاں کا آغاز ہوا تو کل ذریتیں صف بصف ایستادہ تھیں اور جب حضرتِ آدمؑ کو اپنی کل اولاد کے معائنہ کا حکم ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام انبیاء کی صف میں کھڑے ہونے کے علاوہ بادشاہوں کی صف میں بھی نظر آئے آپ کے سر پر شاہانہ تاج تھا اور روش پر ردائے دلبری! آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر حضرتِ آدم علیہ السلام نے ذاتِ باری سے سوال کیا کہ بار الٰہا یہ نونہال کس گلزار کا ہے۔

خطاب آمد که نور دیدہ تست ... فرح بخشِ دل غم دیدہ تست
ز باغستانِ یعقوب این نہالیست ... ز صحرائے خلیل اللہ غزالیست
ز کیواں بگذرد ایوانِ جاہش ... زمین مصر باشد تخت گاہش

آخر وہ وقت بھی آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کتم عدم سے بردہ دنیا پر جلوہ افروز ہوئے۔

چو یوسف بر زمین آمد ز مادر ... برخ شد ماہِ گردوں را برابر
دمید از بوستانِ دل نہالے ... نمود از آسمانِ جان ہلالے
ز گلزارِ خلیل اللہ گلے رست ... قبائے نازک اندامے بر او چست
برآمد اخترے از برجِ احسان ... ز روئے او منور چشمِ انسان

غزالے نسد نسیم آفریلے کنعاں　　　　اذور شک خلق صحرائے کنعاں

آپ کا حسن وہ حسن تھا جس کی کشش کی نسبت خواجہ حافظ شیرازی نے فرمایا ہے۔

من ازاں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم　　　　کہ عشق از پردہ عصمت بروں آرد زلیخا را

زلیخا ملک مغرب کے ایک باقبال بادشاہ طیموزس نامی کی صاحبزادی تھیں جو جمالِ یوسفی پر اس طرح فریفتہ ہوگئیں کہ چودہ برس کے سن و سال میں آپ نے تین دفعہ جمالِ یوسفی کو خواب میں دیکھا جیسا کہ مولانا جامی فرماتے ہیں۔

بخوابش چشم صورت بیں غنودہ　　　　ولے چشم دگر از دل کشودہ

درآمد ناگہاں از در جوانے　　　　چہ گویم جوانے نہ کہ جانے

ہمایوں پیکرے از عالم نور　　　　بباغ خلد کردہ غارت حور

جب حضرت یوسف علیہ السلام سے تیسری بار زلیخا نے خاندان اور وطن و مکان کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے اپنے آپ کو عزیز مصر بتلایا۔

بگفتا گر بدیں کارت تمام است　　　　عزیز مصرم و مصرم مقام است

بمصر از خاصگان شاہ مصرم　　　　عزیزے وادعز و جاہ مصرم

خواب سے بیدار ہو کر جب دایہ نے استفسار حال کیا تو زلیخا نے خواب کا واقعہ من و عن دایہ سے کہہ دیا آپ کے حسن و جمال پر اکثر شاہان وقت فدا تھے لیکن جب خواستگاری کا پیغام آتا تو آپ مسترد کر دیتیں بالآخر جب طیموس کو اصلی واقعہ کا علم ہوا تو اس نے شاہ ریان کو جو اس وقت عزیز مصر تھا نکاح کا پیغام بھیجا اس نے منظور کر لیا اور زلیخا کی شادی عزیز مصر سے قرار پا گئی شادی ہونے کے بعد جب زلیخا مصر میں آگئیں تو معاملہ برعکس نکلا کیونکہ یوسف علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے بالآخر یوسف علیہ السلام کے مصر آنے تک آپ ہجر و فراق میں مبتلا رہیں۔

قلندر رحمۃ اللہ علیہ اپنے محبوب کے حسن و جمال کی نسبت فرماتے ہیں کہ اگر یوسف علیہ السلام میرے محبوب کو خواب میں دیکھتے تو اسی طرح وارفتہ ہو جاتے جس طرح کہ ان پر زلیخا تھی یہاں محبوب کے حسن و جمال کی برتری ثابت کرنا مقصود ہے۔

ترجمہ۔ یوسف علیہ السلام جو معشوق کے رخسار کا عاشق ہے کبھی تو مولا ہوتا ہے کبھی قلندر شیدا

مراد یہ کہ بزدل ایسا عاشق ہے کہ کبھی تو غلامی محبوب کا دعویٰ کرتا ہے اور کبھی قلندر رشید ا
بنتا ہے۔ غلامی کے دعویٰ سے اظہار وفاداری مراد ہے۔

غزل نمبر ۱۰

ذرّہ ذرّہ شد منوّر چوں کشید از رخ نقاب	۱	آں جمالِ بے حجاب آمد بروں چو آفتاب
بر دَرِ صد پردہ را گر بر رُخِ او افگند	۲	حُسنِ بے پروائی او ہرگز نماند در حجاب
نازم آں شرم و حیا را کاں جمالِ لم یزل	۳	عاشقاں را در شبے ہرگز نمی آید بخواب
در جہاں بینی رخِ جاناں بدیں چشم حریص	۴	ایں خیالِ خام از زاہد بود نقشے بر آب
از خمارِ زہد و تقویٰ سر مرا باشد تہی	۵	من کہ از خمخانۂ وحدت ہمے نوشم شراب
غرقِ بحرِ عشقِ او ہم گر کنم قصدِ نماز	۶	گسترم سجادہ بر آب رواں ہم چو حباب

۷	جز خلوص و عجز آں جا سے نہ پرند ای شرف زاہدا از زہد ریائی سے نہ گردد کامیاب	۷

اے شرف جب اس نے اپنے چہرے سے پردہ اٹھایا ذرّہ ذرّہ نور سے منور ہو گیا اور وہ
بے حجاب جمال آفتاب کی طرح باہر آ گیا۔

یہاں قلندر صاحب نے اس وقت کی بات چھیڑی ہے جب کہ کائنات کا موجودہ
سلسلہ کتمِ عدم میں مستور تھا اور کائنات کے نظام کو سنبھالنے والی ذات بھی کنزِ مخفی میں تھی۔

(مولانا)	واں خلوت کہ ہستی بے نشاں بود جمالِ مطلق از قیدِ مظاہر نوائے دلبری با خویش می ساخت	بکنجِ نیستی عالم نہاں بود بنورِ خویش ہم بر خویش ظاہر قمارِ عاشقی با خویش می باخت	(جامی)

مخلوق کا خالق سے کوئی تعلق نہ تھا عشق و محبت کے چرچے نہ تھے کفر و ایمان کا کوئی شیرازہ نہ
تھا غرضیکہ ہو کا عالم تھا یکایک ذاتِ احدیت مآب کو اپنا جمال خود دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی جس کے لئے ایک
آئینہ کی ضرورت محسوس کی گئی

ہر گہ کہ سلطانِ جمال خواہد کہ بیند روئے خود　　　از اولیائے مملکت آئینہ سے دارد طلب

پھر کیا تھا محبوبِ مطلق کے لبوں کی روحانی آواز یعنی کُن سے یہ تمام کارخانہ جو سرِ عشق تھا عدم سے شہود
پر جلوہ گر ہو گیا اور کائنات کا ذرہ ذرہ محبوبِ حقیقی کے انوار سے نور ہو گیا اور خود محبوب کا جمال جہاں عالم فروز آفتاب کی طرح
پردہ سے باہر آگیا

برون از خیمۂ اقلیمِ تقدس	تجلی کرد بر آفاق و انفس
ز ذراتِ جہاں آئینہا ساخت	ز روئے خود بہر یک عکس انداخت
جمالِ دوست ہر جا جلوہ کردہ	ز مستوران عالم بستہ پردہ

ترجمہ: اگر اس کے چہرہ پر صدہا پردے ڈالے جائیں تو وہ پھٹ جائیں اور اس کا بے پرواہ
حسن ہرگز حجاب میں نہ رہے۔

بر درد مضارع از مصدر دریدن یعنی پھٹنا چاک ہونا ایک مطبوعہ دیوان میں بر درد
کی بجائے بر درد لکھا ہوا ہے جس سے ترجمہ کرنے میں بہت دقت محسوس ہوئی کیونکہ بر درد و بر رخ او
کی دونوں ضمیریں ایک ہی طرف اشارہ کرتی نہیں معلوم ہوا کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔

یعنی اگر محبوب کے رُخِ پُر نور پر صدہا پردے ڈالے جائیں تو بھی اس کا پردوں میں چھپنا نا
ممکن ہے کیونکہ پردوں میں اس نورِ مطلق کو چھپانے کی طاقت نہیں امیر مینائی کا شعر ہے۔

پردے میں ہو تو اس پہ یہ عالم ہے حسن کا	پردے سے باہر آئے تو کیا جانے کیا کرو

جیوگرافیکل اصولات کے مطابق یہ بات مسلمہ ہے کہ سورج کی روشنی صدہا ہوائی
طبقات سے گزر کر زمین پر آتی ہے دراصل یہ طبقات سورج کے منہ پر حجاب ہیں لیکن پھر بھی دیکھو کہ
صدہا سے آفتاب پر ان حجابات کا کوئی نمایاں اثر معلوم نہیں ہوتا جب ایسے ضخیم حجابات کا غبار سے
آفتاب پر کوئی اثر نہیں ہوتا حالانکہ نورِ مطلق کا عکس ہے تو کیا اس قادرِ مطلق کے جمال کا پردوں میں
چھپنا ممکن ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

۴۳ ترجمہ: میں اس شرم و حیا کا ناز بردار ہوں کہ وہ دلفریب جمال رات کو بھی عاشقوں کو خواب میں نظر نہیں آتا۔

وجہ یہ کہ وہ مطلب جمالِ غیور ہے اور اُس کی غیرت کا تقاضا ہے کہ وہ پردہ میں رہے دراصل یہ بھی ایک مصلحت ہے اس پردہ نے عاشقوں کی آتشِ شوق کو تیز کیا ہوا ہے۔

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی	بازارِ خویش و آتشِ ما تیز می کنی

کیونکہ اگر وہ شاہدِ حقیقی عام مجازی معشوقوں کی طرح بے نقاب ہوتا تو اتنی قدر و قیمت نہ رہتی جتنی کہ ہے دوسری وجہ یہ کہ اگر اُس صاحبِ جمال کی غیرت پردہ کی مقتضی نہ ہوتی تو کائنات کا یہ نظام درہم برہم ہو جاتا کیونکہ اُس تجلائے جمال کی تاب کی استعداد کسی چیز میں نہیں تو لامحالہ بے حجابی کا نتیجہ وہی ہوتا جو کوہِ طور کا ہوا حضرت کلیم الرحمان نے بے حجابانہ دیدار کی خواہش کے جواب میں لن ترانی کے بعد بھی اصرار کر کے دیکھ لیا کہ محبوبِ مطلق کا در پردہ رہنا ہی ٹھیک ہے جب ذرا سی تجلی نے طور جیسے رفیع الشان پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر کے جلا دیا اور کلیم جیسے عظیم المرتبت مرسل غش کھا کر بیہوش ہو کر گر پڑے تو پھر بھلا اب دیدار کس میں ہے پس ثابت ہوا کہ اُس دلفریب جمال کی غیرت مصلحت کا تقاضا ہے ورنہ نتیجہ معلوم!۔

ایہا العاشق اگر معشوق بردارد نقاب	دیدۂ ما در خور او نیست تا آبا چہ کنم

۴۴ ترجمہ: تو ان حریص آنکھوں سے جنت میں معشوق کا چہرہ دیکھنا چاہتا ہے اے یہ زاہد یہ خیالِ خام پانی پر نقش کی طرح ہے۔

ظاہر ہے کہ نقش بر آب کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی اور سطحِ آب پر نقش و حباب کا تا دیر قائم رہنا غیر ممکن ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اے زاہد تو باغِ فردوس میں محبوبِ مطلق کا دیدار کرنا چاہتا ہے لیکن تیری آرزو اس کے سامنے نقش بر آب کی طرح ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

(نکتہ) موت کے بعد عامۃ المسلمین کو جنت میں دیدارِ الٰہی کا ہونا جو کتبِ تصوف میں وارد ہے اُس میں دو باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں ایک تو یہ کہ دیدار ہر شخص کو حسبِ استعداد حاصل ہوگا

دوسری یہ کہ حضرتِ حق کا دیدار کے لئے وہ آنکھیں عطا کی جائیں گی یا آنکھوں کو وہ نور دیا جائیگا جو دیدارِ حضرتِ حق کی تاب لا سکیں ورنہ ان آنکھوں میں وہ تاب نہ تو ہے اور نہ ہوگی۔ اس لئے غالبؔ صاحب زاہد سے خطاب کرتے ہیں کہ تو ان آنکھوں سے دیدار کرنا چاہتا ہے تیرا یہ خیال نقش بر آب کی مانند ہے یا یہ کہ تو زہدِ خشک اور اتقائے ریا آمیز کے صلہ میں دیدارِ محبوب کی آرزو رکھتا ہے تیرا یہ خیال اُس نقش کی طرح ہے جو سطحِ آب پر ہو آیتِ قدسی اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ اس کی شاہد ہے کہ ہر ذی حیات نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ ملے گا کہ بغیر ریاضتِ محمودہ اور محنتِ شاقہ اور عشقِ کامل کے وصال اور دیدارِ محبوب محال ہے حکیم عمر خیام کی رباعی اسی مضمون پر ہے

در دہر کسے بہ گلعذارے نرسید	تا بر دلش از زمانہ خارے نرسید
در شانہ نگر کہ تا بصد شاخ نشد	دستش بسرِ زلفِ نگارے نرسید

۵ ترجمہ میرا سر زہد و تقویٰ کے خمار سے خالی ہے کیونکہ میں خمخانۂ وحدت سے شراب پیتا ہوں۔

زہد بالضم۔ لذاتِ دنیا اور خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرنا

تقویٰ۔ پرہیزگاری۔ ڈرنا۔ خمخانہ شراب خانہ اصطلاحی تحقیق کے لئے دیکھو شعر ۱۳۔

مطلب یہ کہ میرے سر میں زہد و تقویٰ کا خمار نہیں بلکہ میرے خمار کا باعث وہ شرابِ عشق ہے جو مجھے میخانۂ وحدت سے پینے کیلئے ملتی ہے۔

ناصحانہ انداز ہے کہ زہدِ خشک اور اتقائے ریا آمیز کے مقابلہ میں شرابِ عشق نوش کرنی چاہیئے تاکہ بامِ وصال تک رسائی ہو مرزا غالبؔ نے ترکِ تقوے کا خوب بہانہ تجویز کیا ہے

سخن کوتاہ مرا ہم دل بہ تقوےٰ مائل است اما	ز ننگِ زہد افتادہ بکافر ماجرائے ما

۶ ترجمہ میں غریقِ بحرِ عشق ہوں اگر نماز کا قصد کروں تو سجادہ کو آبِ رواں پر حباب کی طرح بچھا دوں۔

سجادہ۔ سجدہ کرنے کی جگہ نماز مصلےٰ   حباب۔ بلبلہ۔

ظاہر ہے کہ اگر بلبلا کو خفیف سی حرکت بھی ہو الگ جائے تو وہ فی الفور پھٹ کر پانی میں

رل جاتا ہے۔

قلندر صاحب نے نمازِ بالحضور کی طرف اشارہ کیا ہے کہ واصلانِ حق کی نماز کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس میں تجلیات کا مشاہدہ ہو اور نماز میں اس قسم کا اتصال ہو کہ الصلوٰۃ معراج المومنین کا صحیح منظر پیش نظر ہو جائے اور اس وقت فانی ہستی کا تعلق نادر یوبیت سے اصلی ہستی کے ساتھ ایسا ہو جیسا کہ حباب کا پانی کے ساتھ ہوتا ہے ایسی نمازِ بالحضور کی نسبت حضرت خواجہ عبدالصمد صاحب نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی تحفۃ العاشقین میں فرماتے ہیں۔

جیسا کر یں تکبیر اولیٰ و اتمام	نورِ وحدت دیکھ لیں بدن نیک نام
بعد اسکے جب پڑھیں ام الکتاب	جلوہ گر ہو معرفت کا آفتاب
جب پڑھیں اخلاص کر با صدقِ دل	نورِ وحدت سے وہیں جاویں مل

اسی مضمون پر حضرت مولانا روم فرماتے ہیں۔

ہمچنانکہ با تکبیر اے مقتدی بسا شنید	ہمچو قربان از جہان بیرون شوید

ترجمہ۔ اے شرف اس جگہ عجز و نیاز کے سوا کچھ نہیں پہنچنے زاہد تو ہرگز یہاں کامیاب نہ ہوگا۔

شاعر نے اس خیال کو بہت خوبصورتی اور موزونی الفاظ سے ادا کیا ہے کہ عجز و انکسار خدا کی درگاہ میں بہت عزیز ہے اس کے علاوہ کسی اور چیز کی پرسش اور قبولیت نہ ہوگی چونکہ زاہد کو اپنی عبادت پر فخر ہے اور فخر خدا تعالیٰ کو پسند نہیں اس لیے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوگا حدیث شریف میں آیا ہے

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنْ کِبْرٍ — وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ بھر کبر و غرور ہوگا۔

حضرت لسان الغیب بھی قلندر صاحب کے ہم خیال ہیں۔

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ	رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

غزل نمبر ۱۱

اے شرف خواہی اگر وصلِ حبیب	۱	نالہ مے زن روز و شب چوں عندلیب
من مریضِ عشقم وار محباں نفور	۲	دست بر نبضم چرا دارد طبیب
رسم و راہِ ما نداند ہر کہ او	۳	در دیارِ عاشقی ماند غریب
شربتِ دیدارِ دلداراں خوش است	۴	در نصیبِ ما نباشد یا نصیب
بر سرم جنبیدہ تیغِ محتسب	۵	در دلم پوشیدہ اسرارِ عجیب
ما از و دوریم دور اے وائے ما	۶	از رگِ جاں است او ما را قریب

بوالعجبی شاعر شدی ساحر شدی
ایں چہ انگیزی خیالاتِ غریب

از ترجمہ۔ اے شرف اگر تو وصلِ حبیب چاہتا ہے تو بلبل کی طرح روز و شب نالہ و فریاد کر
عندلیب۔ بالفتح و دال مفتوح بلبل کسر کے ساتھ پڑھنا غلط ہے
نالہ۔ بلند آواز جو سوزِ دل سے ہو
یعنی اگر تجھے وصالِ محبوب کی خواہش ہے تو بلبل کی طرح سوزِ دل کے ساتھ نالہ و فغاں
کر کیونکہ دردِ دل کے ساتھ رونا بھی علاماتِ عشق سے ایک علامت ہے اور عاشق کی صفت ہے
کہ کم ہنسے اور زیادہ روئے کیونکہ وصل کے شوق اور قطعیت کے خوف سے رونا دریائے رحمت
کو جوش میں لاتا ہے فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا

تو عشقِ گلے داری من عشقِ گل اندامے	اے بلبل اگر نالی من با تو ہم آوازم

لسان الغیب بھی نالہ و فریاد کو وصالِ محبوب کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

حافظ از دیدہ دانۂ اشکے ہمی فشاں	باشد کہ مرغِ وصل کند قصدِ دامِ ما

مگر عرفیؔ کو شاید ان تدابیر سے اتفاق نہیں لکھتا ہے۔

عرفیؔ اگر بگریہ میسر شدے وصال	صد سال می‌توان بہ تمنا گریستن

ترجمہ میں مریضِ عشق جان سے بیزار ہوں طبیب میری نبض پر کیوں ہاتھ رکھتا ہے

نفور۔ نفرت کرنے والا دور بھاگنے والا۔ نبض۔ رگ کا ہلنا۔

یعنی میں مریضِ عشق اپنی جان سے تنگ ہوں اس لئے طبیب کو میری نبض پر ہاتھ نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ وہ مریضِ عشق کی تشخیص کا اہل نہیں اس لئے اس کے علاج اور تشخیص سے مجھے کوئی آرام نہ ہوگا فی الحقیقت مریضانِ عشق ظاہری اطباء کے علاج سے مستغنی ہوتے ہیں اور حقیقتاً ان کی تشخیص اس مرض میں قابلِ اعتبار نہیں چنانچہ سلطان باہو حکیمِ مطلق کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں۔

طبیباں جملہ مسکینند دوا ہرگز نمی‌دانند	طبیبے تو دوا کن بہ بیماران با خود را

مرضِ عشق۔ اصطلاحِ اطباء میں عشق جنون کی قسم سے ایک مرض ہے جو خوبصورت چیز کو دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے جیسا کہ عارف رومی نے مثنوی معنوی میں بادشاہ اور کنیز کے معاشقہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ چونکہ کنیز مرضِ عشق میں مبتلا تھی اس لئے ظاہری اطباء کی تشخیص اور علاج اس کے لئے مفید ثابت نہ ہوا چنانچہ مولانا صاحب فرماتے ہیں۔

ہرچہ کردند از علاج و از دوا	گشت رنج افزوں و حاجت ناروا
شربت و ادویہ و اسباب او	از طبیباں برد یکسر آبرو

چونکہ وہ مریضِ عشق تھی اور اس کی مرض کو ظاہری علاج سے کوئی تعلق نہ تھا اس لئے ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اور ادویہ نے مخالف اثر کرنا شروع کر دیا چنانچہ

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود	روغنِ بادام خشکی می‌نمود
از ہلیلہ قبض شد اطلاق رفت	آب آتش را مدد شد ہمچو نفت
سستیٔ دل شد فزون و خواب کم	سوزشِ چشم و دلِ پُردرد و غم

آخر سب طبیبوں نے کنیزک کے علاج سے اپنے عجز کا اظہار کیا جب بادشاہ بالکل مایوس ہوگیا تو عین بے کسی میں خداوند تعالےٰ کی بارگاہ میں سجدہ ہو کر رو یا اور استمداد چاہی اس پر دریائے رحمت کو جوش آیا اور اسے غنودگی اور کمال محویت کی حالت میں ایک کامل اور غیبی طبیب کی بشارت بایں الفاظ ملی کہ ۔

گفت اے شہ مژدہ حاجاتت رواست	گر غریبے آیدت فردا ز ماست
چونکہ آید او حکیم حاذق است	صادقش داں کو امین و صادق است
در علاجش سحر مطلق را ببیں	در مزاجش قدرتِ حق را ببیں

الغرض حسبِ ارشاد طبیب غیبی آیا اور بادشاہ سے ملاقات کی مصافحہ اور معانقہ کے بعد بادشاہ اُس طبیب غیبی کو اپنے محل میں لے آیا طبیب تخلیہ میں مریض کے سرہانے بیٹھ گیا اور حکمت عملی سے مرض کی تشخیص اس طرح شروع کی یعنی مریض سے پوچھا ۔

نرم نرمک گفت شہرِ تو کجاست	کہ علاج و سنج ہر شہری جداست
واندراں شہر از قرابت کیست	خویشی و پیوستگی با چیست

کنیز نے سوالات حکیم کے جوابات بالکل صحیح صحیح دیئے اسی اثنا میں

دست بر نبضش نہادہ یک بیک	باز مے پرسید از جورِ فلک

کہ تو اپنے شہر سے جدا کیوں ہوئی اور زیادہ عرصہ کس شہر میں ٹھہری کنیز نے شہر کا نام سمرقند بتلایا اب طبیب نے سمرقند کا حال پوچھنا شروع کیا اور بطور مبالغہ کہا کہ وہ شہر واقعی حلاوت اور لذت میں مثل قند ہوگا اس طبیب کا یہ کہنا تھا کہ نبض نے سرعت کے ساتھ حرکت شروع کردی اور اُس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا بالآخر اس نے اپنا راز اس طرح ظاہر کر دیا کہ ۔

گفت بازرگاں کزانجا آورید	خواجۂ زرگر دراں شہرم خرید
در برِ خود داشت سہ ماہ و فروخت	چوں بگفت ایں ز آتشِ غم برفروخت

یہ کہتے ہی اُس کی حالت اور بھی نازک ہوگئی طبیب غیبی اپنے فہم و فراست سے تاڑ گیا کہ کنیز زرگر پر عاشق ہے مریض کو تسکین دلائی کہ میں تمہارا کامل علاج کروں گا اور بادشاہ کو حال واقعہ سے آگاہ کر کے کہا کہ اگر کنیز کی صحت مطلوب ہے تو زرگر کو یہاں بلاؤ چنانچہ بادشاہ نے اپنے

معتمد سمرقند بھیج کر انعام و اکرام کے لالچ پر زرگر کو اپنے پاس بلایا اور حکیم نے کچھ ایسی دوائیں اُس کو
پلائیں کہ جن کے اثر سے وہ دن بدن گھلنے لگ گیا جب اُس کی شکل و صورت میں وہ حسن و جمال نہ
رہا تو کنیز کی محبت بھی بدل گئی اور اُس کو زرگر سے نفرت پیدا ہو گئی کچھ عرصہ کے بعد زرگر مر
گیا کنیز چونکہ مریضِ عشق تھی صحت یاب ہو گئی اسی طرح مریضِ عشق اور طبیبِ روحانی جس کو صوفیوں
کی اصطلاح میں مرشد بھی کہتے ہیں سمجھو کہ طبیبِ عشق امراضِ باطنی یعنی اخلاقِ ذمیمہ مثل شہوت، آفاتِ
لسان، غضب، حقد، حسد، حُبِ دنیا، بخل، حرص، جاہ، ریا، عجب، غرور، تکبر وغیرہ کی تشخیص
اور معالجہ، مراقبہ، مجاہدہ، مشارطہ، محاسبہ اور ذکر و اذکار کے ذریعہ تدریج کرتا ہے تشخیص مرض
اور پیہم علاج کے بعد امراضِ باطنی کا قرار واقعی انسداد ہو جاتا ہے اور سالک بخیر و خوبی اپنی منزلِ
مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔

حکایت مندرجہ بالا سے ثابت ہو سکتا ہے کہ جس طرح کنیز زرگر کی عاشق تھی ٹھیک
اسی طرح ابتدا میں سالک کا نفس اخلاقِ ذمیمہ اور تعلقاتِ ماسوا اللہ کا عاشق ہوتا ہے اور جس
طرح طبیبِ الٰہی نے پہلے تو مرض کی تشخیص کی اور پھر زرگر کو حکمتِ عملی سے ہلاک کیا اسی طرح
مرشد مرید کے دل سے تعلقاتِ دنیاوی کو ہٹا کر نفس کو مغلوب کرنے کے طریقے بتلاتا ہے۔ ہدایتوں
پر کاربند ہونے کے بعد مدارجِ روحانی میں ترقی ہوتی ہے اور سالک اپنے مقصود کو حاصل کر لیتا
ہے پس بمقابلہ ظاہری اور اطباء روحانی کے مقابلہ میں قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ مریضِ
عشق کو ظاہری اطباء کے علاج سے فائدہ نہ ہوگا وہ اس کی تشخیص نہ کریں۔

رنج بے حاصل میں در نبضِ عاشق اے طبیب   نیست دانند بر مریضِ عشق جالینوس را

ترجمہ۔ دیارِ عشق کا مسافر ہمارے رسم و رواج کو نہیں جانتا۔

تشریح۔ مسافر سے مراد ناتمام یا مبتدی جو ابھی راہ میں ہو اگر وہ خام ہے تو بالکل درماندہ
ہے اگر مبتدی ہے تو منتہی کی حالت کو کیسے جان سکتا ہے۔

مثنوی معنوی کے دیباچہ میں مولانا روم فرماتے ہیں کہ بعض لوگ تو ایسے ہیں جو سدا
تجلیات اور نزولِ واردات سے کبھی سیر نہیں ہوتے بلکہ تشنہ اور کشادہ دہن ہی رہتے ہیں ایسے
لوگ اصطلاح میں ماہی کہلاتے ہیں اور ایک وہ جن کو کچھ ملا اور اُسی پر قانع ہو گئے وہ زاہی کہلاتے

ہیں اور ایک وہ جن کو کچھ حاصل نہ ہوا ان کو بے روزی کہا۔ اب جیسے جزماہی ماہی کی حالت سے
بے خبر ہے ویسے ہی بے روزی جزماہی کی حالت سے غافل ہے یہی مراد قلندر صاحب کی ہے

ع کجا دانند حالِ ما سبکساران ساحلہا

ترجمہ۔ دلداروں کے دیدار کا شربت بہت اچھا ہے گو ہمارے نصیب میں ہو یا نہ ہو
دیدارِ دلدار سے مراد اگر دیدار بے حجاب ہو تو کہنا پڑتا ہے کہ یہ شربت واقعی اچھا ہو
قسمت میں بھی ہے لیکن آئینہ خانہ دہر میں ناممکن ہے ہیں اس خصوص میں تو حضرت کلیم الرحمان جیسے
اولو العزم پیغمبر بھی ربِّ ارنی کے جواب میں لن ترانی سن چکے اس لئے قلندر صاحب کو بھی لفظ ہو
تک صبر کرنا پڑا۔

۵۵ ترجمہ۔ میرے سر پر محتسب کی تلوار لٹکی ہے مگر میرے دل میں عجیب اسرار پوشیدہ ہیں
محتسب۔ شرعی حاکم اور تلوار سے انتقام اور آداب شریعت مراد ہے۔
یعنی اگر آداب شریعت کا خیال دامنگیر نہ ہوتا تو میں ان رازہائے سربستہ کا انکشاف
کرتا جو میرے دل میں پوشیدہ ہیں مگر انکشاف راز کی حقیقت منصور سے پوچھنی چاہئے یہ شعر ضبط
عشق کا زریں نمونہ ہے ریاکار صوفیوں کو جو کرامات کی ڈینگ مارتے ہیں اس سے عبرت حاصل کرنی
چاہئے

۵۶ ترجمہ۔ ہم اس سے دور ہیں افسوس کہ دور ہیں ورنہ وہ ہماری رگ جاں سے بھی قریب ہے
وائے۔ افسوس۔ کلمہ حسرت۔
قلندر صاحب اظہار تاسف کرکے فرماتے ہیں کہ افسوس ہم اس سے دور ہیں حالانکہ
وہ ہماری رگ جاں سے بھی قریب ہے۔ محبوب مطلق کی نزدیکی اور قربت کے متعلق اس مقام پر
ہم قرآن مجید سے دو ثبوت پیش کرتے ہیں پارہ ۲۶ سورہ ق رکوع ۲ میں اللہ تعالےٰ ارشاد
فرماتے ہیں

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ — اور البتہ پیدا کیا ہم نے آدمی کو اور جانتے ہیں ہم جو
بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ — کہ خطرہ کرتا ہے ساتھ اس کے دل اس کا اور ہم
ہم بہت نزدیک ہیں طرف اس کی رگ جان سے۔

پارہ ۲۶ سورہ الذاریت رکوع ۱ میں ارشاد باری ہے

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ — اور بیچ جانوں تمہاری کے ہے پس کیا نہیں دیکھتے ہو تم۔

پس جب محبوبِ مطلق انسان کے اس قدر قریب ہیں تو قلندر صاحب نے اپنی دوری کا افسوس کیوں ظاہر کیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ محبوب تو واقعی قریب ہے لیکن انسان کی خودی اور ہستی وہمی کا پردہ درمیان میں حائل ہو گیا ہے جو جدائی کا باعث بن گیا ہے اگر اس خودی اور ہستی کا وہمی پردہ درمیان سے اٹھ جائے تو پھر محب اور محبوب کا کامل اتصال ہے کوئی دوری نہیں رہتی البتہ اس قرب اور نزدیکی کے متعلق ایک عارفانہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ یہ نزدیکی اس کی علم اور قدرت کے لحاظ سے نہیں۔

صاحبِ بحر الحقائق لکھتے ہیں کہ حبل الورید قربِ اجزائے نفسِ انسانی ہے حاصلِ کلام یہ کہ حق سبحانہ انسان کے بہت قریب ہیں پس انسان جب خود کو طلب کرتا ہے خدا کو پا لیتا ہے اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ سے بھی یہی مضمون واضح ہوتا ہے زبور میں آیا ہے اَلَا مَنْ طَلَبَنِیْ وَجَدَنِیْ حضرت مولانا روم بھی اسی قرب اور بعد کی نسبت مثنوی میں فرماتے ہیں۔

نحن اقرب گفت من حبل الورید — تو فگندہ تیرِ فکرت را بعید
اے کمان و تیرہا انداختہ — صید نزدیک و تو دور انداختہ

کشف الاسرار میں آیا ہے کہ قربِ حق بندے کے ساتھ یہ ہے کہ فرمایا وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی نماز کی حالت میں انسان خدا سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے اور یہ قرب پہلے ایمان بالتصدیق ہے اور آخر احسان بالتحقیق یعنی مشاہدہ اور قربِ الٰہی انسان کے ساتھ دو قسم کی ہے ایک بکافہ خلق علم اور قدرت کے ساتھ یعنی وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ دوسرا خواص درگاہ کو باختصاص و شواہد کے لطف نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ پہلے بندے کو قربِ علمی عطا ہوتا ہے تاکہ وہ قیود و تعلقات دنیاوی سے رہا ہو جاوے اور پھر قربِ حقیقی سے سرفراز ہوتا ہے تاکہ آب و گل یعنی ہستی موہوم سے گزر جائے چنانچہ پہلی حالت میں وہ خود ہوتا ہے اور آخر سب کچھ وہ اسی مضمون پر مولانا روم

فرماتے ہیں ؎

رحمان در رحم رحیم اللہ بالہیم	شیطان رجیم لعنت اللہ بالہیم

اس جگہ علائق مرتفع و اسباب منقطع رسومات باطل مسدود و متلاشی کچھ نہیں رہتے اور وہ خود باقی رہتا ہے۔

موج بحر لمن الملک آید ناگاہ	غرق گردند دراں بحر دوئی چہ شاہ
خرمن ہستی موہوم جہاں سوزاند	ز آتش عشق کہ نی دانہ بماند نے کاہ

ترجمہ۔ بوعلی شاعر ہو گیا یا ساحر یہ کیا عجیب خیالات رکھتا ہے۔
شاعرانہ فخریہ مقطع ہے کہ بوعلی کے اشعار پر سحر کا دھوکا ہوتا ہے۔

غزل نمبر ۱۲

دادی چرا بہ قامت زیبائش وز خوب	۱	گر دیدنش گناہ بود اے غافر الذنوب
گر عیب من ہمیں کہ شدم مبتلائے عشق	۲	خواہم فزوں کند عیوباً علی العیوب
آں گوہرم ز بحر جمال قلندری	۳	کس جوہری نبود مگر عالم الغیوب
اہل ملامتیم نہ سنگیم ز طاعناں	۴	لو زرقت القلوب وان نفذت الجیوب
برکش نقاب از رخ آتش جمال خویش	۵	اے از رخ تو اوقدت النار فی القلوب
طال الفراق واحترقت لی ترائب	۶	من کربت العشق یا کاشف الکروب
من از شمائل تو چناں غرق حیرتم	۷	کز جانب شمال ندانم ہمی جنوب
نخلے کہ کاشت بوعلی اندر دلش ز عشق	۸	تو بر شگاف و نخل کن اے فالق الحبوب

ترجمہ: اے غافر الذنوب! اگر اسے دیکھنا گناہ ہے تو تو نے اسے قامتِ زیبا کے ساتھ اتنی خوبروئی کیوں دی۔

قامت - قد   غافر الذنوب - گناہ بخشنے والا مراد از خدا۔

محبوب کی زیبائی اور رعنائی پر دل دینے کی نسبت فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کا چہرہ نہایت خوبصورت اور قدِ بالا نہایت موزوں ہے اس لئے ہم مجبور ہیں کہ اسے نہ دیکھیں مگر اس کو دیکھنے میں گناہِ عظیم کا مرتکب قرار پا جاؤں۔ مگر فطرتاً اس معاملہ میں مجبور ہوں کیونکہ تو نے اسے مقبول صورت بنایا تھا اور اچھی چیز ہر ایک کو پسند آتی ہے شیخ سعدی شیرازی بھی اپنے کو مجبور لکھتے ہیں۔

دوستاں منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم   باید اوّل بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

خواجہ حافظ بھی قلندر صاحب کے ہمخیال ہیں کہ معشوق کو مجبوراً دل دینا پڑا ہے کیونکہ

بہا این حکمت بدست عاشق نیست۔

چوں چشم تو دل می برد از گوشہ نشینیاں	دنبالِ تو بودن گنہ از جانبِ ما نیست

ترجمہ: اگر میرا مبتلائے عشق ہونا بھی عیب ہے تو میں چاہتا ہوں کہ میرے عیب اس سے بھی زیادہ ہوں۔

عشق - بالکسر کسی چیز یا آدمی کے ساتھ حد اعتدال سے زاید الفت و محبت کرنا عشق کہلاتا ہے اور اطبا کے نزدیک عشق جنون کی قسم سے ایک مرض ہے جو کسی خوبصورت چیز کو دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔

مولانا عبدالرزاق شارح ظہوری نے شرح اسباب و فتوحات الحکم سے نقل کیا ہے کہ عشق عشقہ سے ماخوذ ہے اور وہ نبات کی قسم سے ایک بیل ہے جس کو لبلاب کہتے ہیں جب وہ کسی درخت پر چڑھتی ہے تو اس کو خشک کر دیتی ہے یہی حالت عشق کی ہے کہ جس دل پر طاری ہوتا ہے صاحبِ عشق کو خشک کر دیتا ہے عاشق کا زرد رنگ ہونا عشق کی علامت ہے عشق کی معنوی تحقیق قلندر صاحب نے خود اس طرح بیان فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں۔

آنچہ عشقہ بر شجرہ می پیچد تا او را از بیخ بر آرد و بنیاد او را خود در آرد
نہ از عداوت است نہ از محبتِ خود صاحبِ او آنست کہ با ہر کہ دست در کر آرد

اورا از بیخ برآرد ہم چنیں عشقِ عشق بر شجرۂ نہادِ مدرج عاشق ازاں می پیچد تا اورا از بیخ

ہستی بر کند و لطافت اورا در خود در آرد زیرا کہ خاصیت او آنست کہ با ہر کہ آمیزد

او برد اورا با کس عادت نیست و محبت ہم نہ ہر بار نیز سے کہ ظاہر کند خاصیت وجود کند بہ

اختیار را و آنچہ عاشق را در عشق اختیار شدنے مانند شرابِ عشق است"

یعنی اگر عشق اختیار کرنا عیب ہے تو میں چاہتا ہوں کہ میرے عیوب اور بھی زیادہ ہوں تاکہ

میں وصال و قربِ محبوب کی جاں نواز لذت حاصل کروں عشق چونکہ ایک شریف ترین فن ہے جس کے

ذریعہ وصالِ محبوب نصیب ہوتا ہے اور بامِ وصال کے لئے معراج ہے جس کے ذریعہ قربِ حق میں

باریابی نصیب ہوتی ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ خدا کرے میرے عیب اور زیادہ ہوں

۳ ترجمہ میں قلندری حال کے سمندر کا وہ موتی ہوں کہ اس عالم الغیوب کے سوا

میرا کوئی جوہری نہیں۔

عالم الغیوب۔ غیب کا علم جاننے والا مراد از خدا تعالیٰ

جوہری۔ صاحبِ جوہر جو جواہر پرکھتا ہو۔

اقسامِ اولیاء اور مقاماتِ ولایت میں قلندری مرتبہ السیار رفیع الشان ہے جو برگزیدگان

حق کو خاص الخاص عنایت ایزدی سے منجانب اللہ عطا ہوتا ہے چونکہ قلندر صاحب اپنے وقت کے

بڑے کامل اور مکمل قلندر تھے پانی پت میں قلندریہ سلسلہ آپ ہی کے ذریعہ شروع ہوا اس لئے بطور اظہار

نعمت فرماتے ہیں کہ میں بحرِ عشق و محبت کا وہ گوہر نایاب ہوں کہ عالم الغیب کے سوا میرا کوئی جوہری نہیں

یعنی بجز اس کے کوئی میری شناخت نہیں کر سکتا دراصل لعل و الماس کی قدر و قیمت جوہری ہی جانتے

جانتے ہیں۔ مصرعہ شعر قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری

اور ممکن ہے کہ قلندر صاحب ابنائے زمانہ سے شاکی ہوں جیسا کہ اکثر اہلِ کمال نااہلوں اور ناقدروں کے

ہاتھوں شاکی رہے ہیں۔

۴ ترجمہ میں اہلِ ملامت ہوں اور مطاعن کی سنگ باری سے مجھے صبر نہیں آتا اگرچہ میرا

دل پگھلا ہوا ہے۔ مگر نہیں آتا ہے۔

لو۔ مگر یہ وہ وقت۔ بالکسر تو تشریح بر قلب تری و لائی الفت و محبت سنگ ۱۰ اگرچہ

جیوب ۔ گریبان و پیرہن   شق شدن چاک ہونا   کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے

سینہ و دل جمع الجمع ہے جیب کی جیب کی جمع جیاب ہے

فرماتے ہیں کہ گو آتش عشق سے میرا دل گداز ہو رہا ہے اور گریبان چاک ہے مگر ملامتوں

کی طعنہ بازی اور ملامت سے میرا دل نا صبر نہیں ہوتا یہی عالی ظرف لوگوں کی نسبت فرمان باری ہے۔

وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

جس کا حاصل یہ ہے کہ میرے محب ملامت کرنیوالوں کی ملامت سے خوف نہ کریں جس سے

حضرات صوفیائے کرام نے نتیجہ نکالا ہے کہ محبوب اپنے دوستوں کو اغیار کے ملاحظے سے محفوظ رکھنا

چاہتا ہے تاکہ کسی کی آنکھ ان کے حال کے جمال پر نہ پڑے اور میرے محب اپنا جمال اور مرتبہ دیکھ کر

متکبر نہ ہو جائیں اس لئے خلق کو ان پر طعن و ملامت کے لئے مقرر کر دیا۔

کشف المحجوب میں خواجہ سید علی ہجویری داتا گنج بخش اسی ملامت کے متعلق لکھتے ہیں۔

اِنَّ الْمَلَامَةَ فِيْ هُوَاكَ لَذِيْذَةٌ لِاَنَّ الْمَلَامَةَ رَوْضَةُ الْعَاشِقِيْنَ وَنُزْهَةُ الْمُحِبِّيْنَ وَرَاحَةُ الْمُشْتَاقِيْنَ

وَسُرُوْرُ الْمُرِيْدِيْنَ ۔

ترجمہ۔ اپنے آتشیں چہرے سے نقاب اٹھا تاکہ میرے دل میں آگ بھڑکے۔

آوقد آگ بھڑکانا ۔   مطلب صاف ہے۔

ترجمہ۔ دیکھ میرا سینہ درازی ہجر سے جل گیا ہے اندوہ عشق کے پیدا کرنے والے

طال ۔ طول طویل۔   احترقت یا کسر سوختہ شدن ماخوذ از احتراق

لی۔ بالفتح وتشدید کردانیدن وتافتن و پیچانیدن چیزے وگردانیدن زبان دگراہ وپیمان نا پیدانا

اور پیچھے پھر کر دیکھنا اس جگہ آخرالذکر معنی مراد ہیں۔   شرائب بالفتح اول وکسر ہمزہ استخوانہائے

سینہ جس کی جمع ہے جاناں سینہ کے معنوں میں آتا ہے۔   رمق سے ۔ بقیہ جان

شجر بجم غیظ ۔ اندوہ وغم کرب اس کی جمع ہے   کاشف ظاہر کرنے والا۔

یعنی اے غم عشق پیدا کرنیوالے تیرے عشق میں درازی ہجر کی وجہ سے میرا سینہ جل گیا اور

سانس میں اسقدر آگ گئی ہے کہ میری طرف دیکھ کہ تیرے ہجر و فراق میں میرا سینہ سوختہ ہو رہا ہے کہ ہجر و فراق

و وصال محبوب کے لئے اور غم عشق و سوز مرض معشوق کے لئے لازمی ہے۔

سرالعشق میں قلندر صاحب نے اس حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے کہ وصال میں ہجر کا کھٹکا دامن گیر ہوتا ہے لیکن ہجر میں وصال کی امید ہوتی ہے اس لئے ہجر و فراق میں عاشق کی بہبودی کا راز مضمر ہے۔

وصل میں ہجر کا ڈر ہجر میں ملنے کی امید	کون کہتا ہے کہ فرقت سے وصال اچھا ہے

۷۔ ترجمہ میں تیری شکل و صورت سے ایسا غرق حیرت ہوں کہ شمال و جنوب نہیں جانتا۔
شمائل بفتحتین و کسرہا و تنہا شکل و صورت کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔

یعنی تیرے جمالِ جانفزا کے نظارہ میں میں ایسا محوِ حیرت ہوں کہ مجھے شمال اور جنوب کی بھی خبر نہیں ہے۔

یہ شعر کمال استغراق کا نمونہ ہے اسی مضمون پر قلندر صاحب اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں

"اے برادر شنیدہ باشی حالِ عشق مجنوں بہ لیلیٰ کہ اگر در میان ایشاں
ملاقات شدے مجنوں سر خود در پائے لیلیٰ نہادے و بیہوش گشتے لیلیٰ برفاستے
و رفتے مجنوں را از رفتن او خبر نبودے ثبوت براں است کہ در مرتبۂ عشق نفس لیلیٰ ذکر نیست"

۸۔ ترجمہ۔ اے خالق المحبوب بوعلی نے دانۂ عشق جو اپنے دل میں بویا ہے تو اسے سر سبز و شگفتہ کر۔

نخل۔ بالفتح درخت یا خرما   حبوب۔ جمع حب کی دانہ ہائے مثل گندم جو وچنا وغیرہ

یعنی اے نخلِ مراد کو سر سبز اور شاداب کرنے والے خالق بوعلی نے تخمِ عشق اپنی زمینِ عشق میں بویا ہے تو اس کو اپنے فضل و کرم اور بارانِ رحمت سے بار آور کر مراد پر کامیاب فرما۔

الٰہی غنچۂ امید بکشا	گلے از روضۂ جاوید بنما

غزل نمبر ۱۳

دیہیم خسرواں بہ پا نعلِ اسپ ماست ۱ خسرو کسے کہ خلعتِ تجرید در بر است

سیمرغ وار روئے نہفتیم بہ قافِ عشق ۲ کز ہر دو کون دانہ و دامے نہ در خور است

وحدت ورائے کنگرۂ کبریا کشد ۳ کو عارفے کہ منظرِ او عرشِ اکبر است

گفتیم بہ علم و عقل بہ ملکِ دگر شویم ۴ گفتم ز علم و عقل چو دیدیم برون تر است

ما ہم کوئے عشق و خرابات و بیخودی ۵ دیں رسم و سیر نا نسبت کہ خاص قلندر است

بخشد خدا علمِ لدنّی بہ عاشقاں ۶ کیں علم و عقل درسی و حسّی مختصر است

۷ درسِ شرف نبود از الواحِ ابجدی
لوحِ جمالِ دوست او را در برابر است ۷

اس غزل کے متعلق ایک تاریخی واقعہ سوانح عمری صفحہ ۲۵۷ پر ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

اردو ترجمہ۔ شاہانہ تاج ہمارے لئے سم خر کے برابر ہے بادشاہ وہ ہے جس کے بدن پر خلعتِ تجرید ہو۔

دیہیم۔ تاج شاہی۔ نعل۔ آہنی کفش جو گھوڑے کے پاؤں میں لگاتے ہیں

الغرض خجر۔ خلعت۔ جامہ دو ختہ جو کسی کو پہنایا جائے مجازاً وہ لباس جو بادشاہ یا امرا اپنے بدن سے اتار کر کسی شخص کو بخشدیں اور وہ زین پارچہ سے کم نہیں۔ ہوتا تجرید۔ کسی چیز کو برہنہ کرنا وپیر استن۔ اور اصطلاح صوفیاں میں مجازاً تارک الدنیا ہونا۔ اور قطع علائق کرنا یہاں مراد وحدت ہے دنیا کی بے ثباتی اور عشقِ باقی کے مقابلہ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک تاجِ شاہانہ اور خلعتِ سلطانی کی یہ وقعت ہے کہ ہم اس کو نعلِ اسپ سے زیادہ نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے نزدیک بادشاہ وہ ہے جو خلعتِ تجرید و اتقا سے آراستہ و پیراستہ ہو مراد یہ کہ عشق الٰہی کا تاج سر پر اور بقا باللہ کی خلعت

تن پر بھلا ایسے شخص کی غلامی غلبہ رسی کو شاہانِ دہاں فخر سمجھیں گے کیونکہ دنیا کے تاج و تخت سب فانی ہیں اور عشقِ الٰہی باقی ۔

ہو سکتا ہے کہ شاید قلندر صاحب نے شاہی تحائف کا خیال کر کے سلطان علاؤالدین کی طرف اشارہ کیا ہو گو کہ وہ بادشاہِ وقت ہے لیکن ہمارے نزدیک اُن کی سلطنت ہم خسرو کے برابر ہمارے لئے مایۂ ناز تجرید و اتقا کی خلعت ہے چونکہ قلندر صاحب کے مزاج میں استغنا بدرجۂ نہایت تھا اور مقام استغراق سے بھی بالاتر اور اپنی نادر محویت کی وجہ سے طبیعت لاابالی تھی چنانچہ سلطان کو جو خط حضرت امیر کے ہاتھ بجواب تحائف و ہدایہ آپ نے لکھا اُس میں خوجہ دار کے لقب سے بادشاہ کو مخاطب کیا گیا تھا اور اُس سے پہلے ایک خط میں شحنۂ دہلی کہا گیا تھا اس لئے بہت ممکن ہے کہ شاہانہ جاہ و حشم ہی کو ہم خسرو سے تشبیہ دی گئی ہے

اور شعر میں لفظِ خسرو کا استعمال اس وجہ سے ہو کہ قلندر صاحب نے امیر خسرو کی موجودگی میں یہ اشعار برجستہ کہہ دیئے ہوں کیونکہ قادر الکلام شاعر سے ایسا ہونا ممکنات سے ہے اور قلندر صاحب تو خاقانی رموز و اسرار کے ترجمان تھے لہٰذہ مقام استعجاب و حیرت نہیں کہ جوشِ عشق سے پوری غزل ہی فی البدیہہ کہہ دی ہو واللہ اعلم بالصواب ۔

ترجمہ۔ سیمرغ کی طرح میں نے اپنا منہ قافِ عشق میں چھپا لیا کیونکہ دونو جہان کا دانہ میری روح کے سزاوار نہ تھا۔

سیمرغ مشہور جانور ہے کہتے ہیں کہ ہر لون نقش و رنگ جو ہر ایک مرغ کے پروں میں ہے سب اس اکیلے پرند میں ہیں اور بعض سیمرغ کو اسم فرضی کہتے ہیں کہ وجود نہیں رکھتا اور بعض نے سیمرغ کو عنقا لکھا ہے

قاف۔ ایک پہاڑ کا نام ہے جو دنیا کے گرداگرد ہے کہتے ہیں کہ تمام کا تمام زمرد کا ہے

در خور۔ سزاوار موافق۔ سیمرغ کی نسبت مشہور ہے کہ کوہ قاف میں رہتا ہے ۔

قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے سیمرغ کی طرح اپنا منہ قافِ عشق میں چھپا لیا یعنی دو جہاں سے اپنا تعلق قطع کر لیا اور منہ چھپا لینے کی یہ وجہ بیان کی کہ میری روح کو دونو جہان کی غذا سزاوار نہ تھی مراد یہ کہ تعلقاتِ دارین بایں سبب روح کی غذا میسر نہ ہوتی اس لئے میں نے جہاں اور اہلِ جہاں سے تعلق قطع کر لیا اور قافِ عشق یعنی پردہ وحدت میں اپنا منہ چھپا کر تعلقات کی بجائے عشقِ الٰہی

اختیار کیا جو روح کی اصلی تمنا اور حیاتِ انسانی کا اولین مقصود ہے۔

۳۔ ترجمہ: وحدت کنگرۂ کبریا کے اوپر کھینچ سکتی ہے کیا ہے وہ عارف جس کا منتہا عرشِ اکبر ہے

کنگرہ۔ جو عمارت کے اوپر بناتے ہیں مراد از عرشِ عظیم۔ ورا ار بفتح دو عقب

بکسر یعنی بدون بہ معنی مخلوقات از جن وانس۔ اور فارسی ہیں اور اکا مخفف ہے۔

یعنی وحدت کا یہ مرتبہ ہے کہ کنگرۂ کبریا کے اوپر جس کی رفعت اور بلندی خیال سے بھی ورا الورا ہے لے جا سکتی ہے وہ عارف کیا ہے کہ جس کی حدِ نگاہ اور منتہائے خیال صرف عرشِ اکبر ہے اس خصوص میں خواجہ حافظ بھی قلندر صاحب کے ہم خیال ہیں۔

بال بکشا و صفیر از شجرِ طوبیٰ زن	حیف باشد چو تو مرغ کہ اسیرِ قفسی

جس سے مراد یہ ہے کہ عارف اس کنجِ محنت آباد یعنی دل ندلگائے تو کنگرۂ کبریا کے اوپر بھی بلند پرواز ہی کر سکتا ہے یعنی بیش از بیش مراتب درجات حاصل کر کے مقبول و منظورِ خدا ہو سکتا ہے خواجہ حافظ کی طرح قلندر صاحب کا یہ شعر بھی ناصحانہ انداز میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے اعلےٰ مراتب اور درجاتِ عالیہ پر فائز المرام ہونے کی کوشش کر کے نورِ وحدت میں ملنا چاہیے۔

۴۔ ترجمہ: میں نے کہا علم و عقل سے دوسرے ملک میں چلا جاؤں جب میں نے دیکھا تو اس ملک کو علم و عقل سے باہر پایا دوسرے ملک سے مراد مملکتِ عشق ہے۔

فرماتے ہیں کہ میرا خیال تھا کہ میں علم اور عقل کے ذریعے مرتبۂ وحدت کو حاصل کروں اور اس دارِ فناہ سے علم و عقل کی وساطت سے دارِ بقا میں پہنچ جاؤں اور بقا بالمحبوب کا درجہ پاؤں لیکن جب میں نے بنظرِ تحقیق دیکھا تو یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ وہاں علم و عقل کے ذریعہ پہنچنا امرِ محال اور خیالِ خام ہے۔

عقل۔ اس شعر میں عقل سے عقلِ جزوی و عزیزی اور علم سے علمِ رسمی مراد ہے یہ دونوں چیزیں حق تعالےٰ کی کنہ ذات کے ادراک سے عاجز ہیں کیونکہ وادیٔ عشق میں ان کا گذر نہیں قانونِ عشق میں لکھا ہے کہ

"جیسے عقل کی اپنی حقیقت اور روح کی حقیقت عقل سے مخفی اور اسرار میں داخل ہے مگر کتنے جاہل بہ عبیر اجہل بس ہر امر اور ہر شئے کی حقیقت دریافت کرتے ہیں۔

عقل جاہل ہے اور عرشِ حقیقت تو بہت ہی دور ہے اور یہ لنگڑی اونٹنی ایک اونچے ٹیلہ سے کے اسرارِ حقیقت تک تو پہنچ ہی نہیں سکتی یہاں بس عقال کے سوار کو بڑی مشکل پیش آتی ہے وہاں کرا کرتا ہے وہ ٹھوکریں کھاتی چلتی ہے سوار یہاں ٹھہر گیا وہاں گر سواران تیز رفتار پاس سے نکل گئے اور کیفیت سند دیکھتے رہ گیا اس مشکل سے وہی صاحب نکل سکتے ہیں جو عقال کے اوپر سے گزریں اور اشہب بادپا تیز رفتار نورِ بصیرت کو بقیمت ترکِ لذاتِ جسمانی و مخالفتِ خواہشِ نفسانی عالمِ غیب سے خرید سکتے ہیں اور اس پر سوار ہو کر میدانِ حقیقت کے شہسواروں کے اتباع میں عرشِ حقیقت پر پہنچتے ہیں اور معراجِ معنوی سے سرفراز ہوتے ہیں اسے اس کا کیا حال ہے جس کے پاس نہ عقال ہو نہ اشہب تیز رفتار"

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی فرماتے ہیں۔

چندانکہ نظر کردم شب ہا بکتاب اندر	از منطق و از حکمت بحثِ عشق نہ فہمیدم
پیادہ مے روم و ہمرہاں سوار انند	خورشید شبگیر شتوائے خضر سپہ جستند کہ من حافظ

۵ ترجمہ۔ ہم ہیں اور عشق و خرابات کی گلی اور بیخودی اور یہ رسم و سیرت کہ تیری ہی خاص قلندرانہ ہے۔
خرابات۔ مے خانہ۔ قمار خانہ۔ قلندر۔ دراصل کلندر بمعنی کندہ و ناتراشیدہ مجازاً وہ آدمی جو بظاہر اچھا نہ ہو مگر اہل دل ہو اور نیک باطن۔ جواہر الحروف میں لکھا ہے کہ قلندر دراصل غلندر ہے تحقیق کے لئے دیکھو سراج المنیر ص

فرماتے ہیں کہ میں ہوں اور عشق کی گلی خرابات کا دروازہ اور بیخودی گویا مجھ میں اور ان میں ایک خاص نسبت ہے اور میری یہ روش خاص قلندرانہ ہے چونکہ قلندر صاحب نے شعر ہذا میں قلندریہ استغراق کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے اس کے متعلق ہم اجمالاً کچھ لکھتے ہیں۔

قلندروں کی بیخودی اور محویت مشہور ہے چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز نے قلندر کے تذکرہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی محویت سالہا سال تک ہوتی تھی اور چونکہ تصوف اور فقر کے راز سینہ بسینہ منتقل ہوتے چلے آئے ہیں اس لئے اس سلسلہ کے بزرگ یہ باطنی نعمت عطا ہوتی رہی ہے لہٰذا [illegible] یہ معنی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ لوگ بیخودی اور محویت کا مکمل

ممنون ہونے کی وجہ سے ہر وقت جذبات حق میں محو و مخمور رہتے ہیں قلندر صاحب نے یہی کوسے عشق خرابات اور بیخودی سے اپنے قلندرانہ مشرب کا اظہار کیا ہے خرابات کی حقیقت بالفاظ صاحب گلشن راز یہ ہے۔

خراباتی شدن از خود رہائیست	خودی کفر است اگر خود پارسائیست
نشانے دادہ اند اہل خرابات	کہ التوحید اسقاط الاضافات
خرابات از جہان بے مثالی است	مقام عاشقان لاابالی است
خراباتی خراب اندر خراب است	کہ در صحرائے او عالم سراب است
خرابات آشیان مرغ جان است	خرابات آستان لامکان است

ترجمہ – عشاق کو خدا نے علم لدنی بخشا ہوا ہے کیونکہ یہ حسی اور درسی علم ذلیل حقیر ہیں
لدنی منسوب بہ لدن وہ علم جو کسی کو بغیر اُس کی یا کسی کی سعی کے حاصل ہو۔
تحقیر – حقیر – ناچیز۔
یعنی عاشقان حق کو لدنی علم از حق تعالےٰ عطا ہوتا ہے کیونکہ بجز امداد غیبی اسرار تصوف کا بیان ہونا ناممکن ہے اور اس لدنی علم کے مقابلہ میں علم درسی و حسی قابل قدر نہیں بلکہ بالکل حقیر ہے قاآنی کا ایک شعر ہے۔

رموز علم ادریسی بود ذاتی نہ تدریسی	چہ داند ذوق ابلیسی رموز علم الاسرار

ترجمہ – شرف کا سبق الواح ابجدی سے نہیں بلکہ لوح جمال دوست سے ہے جو کہ ہر وقت اُس کی آنکھوں کے آگے رہتی ہے۔

الواح جمع لوح بمعنی تختی   ابجدی حروف ابجد یا حروف تہجی جن کی ترتیب یوں ہے:۔ ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ

یہ شعر پہلے شعر سے مترشح ہے دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں ناظرین خود مطلب پا پہنچ سکتے ہیں۔

غزل نمبر ۱۴

دردیده تا خیالِ جمالت مصور است ۱ ملکِ دو عالم به چشمانت مسخر است

روحانیاں بہ پیشِ تو در سجده میروند ۲ عیسے اگر سجود نیارد دمم خراست

تا نقشِ پیکرِ تو بچشمم شعاع زد ۳ پیوسته نورِ پاکِ فدائم برابر است

شوقت بہ سینه شورِ انا اللہ مے زند ۴ ایں قولِ نزدِ مدعیاں گرچه منکر است

نورت بصورتے که بچشمم نموده اند ۵ نورِ الٰہی است که موعودِ محشر است

چندیں ہزار نکتهٔ توحید خوانده ایم ۶ زاں خط که در عبارتِ حسنت مسطر است

ذاتِ خدا اگر نه بصورت کند حلول ۷ دیدم بروئے تو که ز نورش منور است

از لمعه که روئے تو افگنده چشمِ من ۸ تا حشر از جمالِ الٰہی منور است

از نفحه که زلفِ تو سر داد مغزِ من ۹ تا حشر از شمائمِ قدسی معطر است

پرعیب ترم ز دیده که دیدمت روئے تو ۱۰ یا بر سرے که دیدهٔ من اندراں سر است

چنداں که آرزوئے تو در سینه جائے گرد ۱۱ ہر آرزو که داشتم اکنوں مختصر است

آں کو خدائے را بتصور برد نماز ۱۲ مومن بظاہر است و بتحقیق کافر است

چندیں ہزار سرِّ الٰہی عیاں پدید ۱۳ روحم بداں خیال که پوشیده در سر است

آزاد از ظواہرِ حکمِ شریعت است ۱۴ خوش طالعِ کسے که به عالم قلندر است

۱۵	بابو علی گوز اسرار معرفت کو راہبر از نکتۂ توحید از براست	۱۵

اثر جہد - جب سے آنکھوں میں ترے جمال کی تصویر کا خیال ہے میرے سلئے دونوں جہان حمایت میں مقرر ہوئے ۔

یعنی جب سے میری آنکھیں سراپائے پر انوار کی تصور میں مراد یہ ہے کہ میری آنکھوں میں تیری تصویر کا جلوہ ہے اس کے صلہ میں حضور کی عنایت سے دونوں جہان میرے ہو گئے مطلب یہ کہ میں نے تری تصویر کو آنکھوں میں جگہ دے کر عزت دارین حاصل کی سالک جب عبادت کے ذریعے قرب حقیقی حاصل کر لیتا ہے تو دونوں جہان اس کے مطیع اور فرمانبردار ہو جاتے ہیں چنانچہ اکثر اولیائے حق اور خود قلندر صاحب کی غلبہ بوسی کو نشان زمان فخر خیال کرتے تھے بیشک اگر تواضع اور عبودیت کی رو سے حق تعالے کی عبادت کی جائے تو کونین کو مسخر کر لینا کوئی تعجب خیز نہیں کیونکہ تسخیر کونین کا اس سے بہتر کوئی عمل نہیں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ایک منظوم حکایت میں فرماتے ہیں

یکے دیدم از عرصۂ رودبار	کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار
چنان ہول از آں حال بر من نشست	کہ ترسیدم پائے رفتن ببست
تبسم کناں دست بر لب گرفت	کہ سعدی مدار آنچہ دیدی شگفت
تو ہم گردن از حکم داور مپیچ	کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ
براینست رواز طریقت مآب	بنہ گام در کام ہر کہ خواہی بیاب

۲ اثر جہد - فرشتے تو تیرے آگے سجدے میں جاتے ہیں جیسے اگر سجدہ نہ کرے تو دم بھر ہے

رو با بیان - باسمجم فرشتگان در پیان دم تنجید دلن - ہرزہ کاری کردن

از ابطالکف -

یعنی ملائکہ ملکوت باوجود نوری معصوم اور پاک ہونے کے لیل ونہار تیری حمد وثنا میں مصروف رہتے ہیں پھر اگر عیسے علیہ السلام گو وہ اولو العزم پیغمبر ہیں تجھے سجدہ نہ کریں تو وہ کوئی چیز نہیں لہٰذا یعنی کی ضمیر انسان کی طرف ہے کہ انسان باوجود خطا کار اور عاصی ہونے کے اگر سجدہ نہ کرے

اور عضوِ لقصیر پہ چلا ہے تو اُس کی زندگی پر افسوس ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکثر اوقات دراز گوش جانور (خچر) کی سواری کیا کرتے تھے چنانچہ نصاریٰ اب تک اس جانور کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں لہذا عیسیٰ اور خر کی رعایت ظاہر ہوا۔

۳ ترجمہ جب سے تیری تصویر کے نقش نے میری آنکھوں میں شعاع ڈالی ہیں برابر اس نورِ پاک پر فدا ہوں۔

مطلع غزل کی طرح یہاں بھی قلندر صاحب معترف ہیں کہ جب سے محبوبِ ازلی کی تصویر میری آنکھوں میں بسی ہیں اسی وقت سے اس پاک نور پر فدا ہوں۔

۴ ترجمہ تیرا اشتیاق سینہ میں اناالحق کا شور کرتا ہے گو یہ قول مدعیوں کے نزدیک کفر ہے

مدعیان - مراد از اہلِ ظاہر

یعنی گو اہلِ ظاہر کے نزدیک یہ قول کفر ہے مگر تیری محبت کی وجہ سے میرے سینے میں اناالحق کا شور ہے سبحان اللہ اے عاشقانِ شوریدہ سر کی محبت بھی عجیب ہوتی ہے حضرت حسین بن منصور حلاج رحمتہ اللہ علیہ نے نار اللہ الموقدہ کے جوش اور تکمیلِ محبت کے بعد آخر اناالحق کہہ دیا جس پر پیاسِ شریعتِ مصطفوی علمائے کرام نے کفر و تکفیر کے فتوے دے مگر اُس عاشق جاں باز کی زبان بند نہ ہوتی تھی اور نہ ہوئی بالآخر دار پر چڑھ کر محبوب سے جا ملے لیکن زہے عشق کہ ان کے قطرات خون سے بھی اناالحق کا نقش پیدا ہوتا ہے۔

قلندر صاحب پر چونکہ حالتِ صحو غالب ہے اس لئے ان کا شور سینہ ہی تک محدود ہے اور احترامِ شریعت کی وجہ سے زبان بند ہے

۵ ترجمہ تیرا انور جس صورت میں کہ میری آنکھوں نے دیکھا ہے نورِ الٰہی ہے کہ جس کا حشر میں وعدہ کیا گیا۔

موعودہ - وعدہ کیا گیا۔

یوں تو ہر شعر کو جس طرف چاہو لیجاؤ مگر یہ خاص نعتیہ شعر معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ تیری صورت کا نور جو میری آنکھوں نے دیکھا وہی نورِ الٰہی ہے جس کے دیدار کا حشر کے روز وعدہ کیا گیا کہ قلندر صاحب نے معشوق کے سراپائے جمالِ مبارک کو نورِ الٰہی لکھا ہے جو عین حقیقت ہے خود

حضور نے اپنی زبانِ قدسی لسان سے فرمایا ہے اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَخُلِقَ کُلُّھُمْ مِنْ نُوْرِیْ مراد یہ کہ
دیدارِ الٰہی جو افضل از نعمائے بہشت ہے تیری صورت کا نور ہی وہی نور ہے جو میری آنکھوں نے دیکھا

۶۔ ترجمہ میں نے کئی ہزار توحید کے نکات اس خط سے پڑھے ہیں جو تیرے حسن کی تعریف
میں لکھا ہے

خط سے مراد قرآن شریف ہے مقصود حضرت سیدی مولائی خواجہ حسن نظامی صاحب
قبلہ نے اپنے ایک مضمون میں خط سے مراد قرآن شریف لی ہے

یعنی اے محبوب اس خط سے جو تیرے حسن و جمال کی توصیف میں مسطور ہے میں نے
کئی ہزار توحید کے نکات پڑھے ہیں یعنی وہ خط تمام تر توحید پر مشتمل ہے۔ چونکہ قرآن شریف میں رسالت و
محبوبیت کے رازہائے سربستہ کا انکشاف کیا گیا ہے اس لئے قلندر صاحب کا یہ کہنا کس قدر حقیقت
کے قریب بلکہ عین حقیقت ہے۔

۷۔ ترجمہ۔ گو خدا کی ذات کسی کے وجود میں داخل نہیں ہو سکتی لیکن میں نے تیرے چہرے
کو دیکھا کہ اسی نور سے منور ہے۔

حلول یعنی۔ فرود آمدن ایک چیز میں دوسری چیز کا گھس جانا ایسی طرح پر کہ تمیز
نہ ہو سکے۔

شاعر کی مراد یہ ہے کہ گو میں تناسخ کا قائل نہیں مگر تیرا روئے پرنور ذاتِ حق کی تصویر و تعبیر

۸۔ ترجمہ۔ تیرے روئے منور کی روشنی جو میری آنکھوں میں ڈالی گئی حشر تک وہ نورِ جمالِ
الٰہی سے منور رہے گی۔

لمعہ۔ روشنی حاصل یہ کہ میری آنکھوں کا نور تیرے نور سے ہے اس لئے حشر تک
وہ آنکھیں نورِ جمال سے منور رہیں گی جن آنکھوں میں نورِ وحدت ہو ان کا حشر تک منور رہنا معلوم!
لیکن قلندر صاحب نے وجہ یہ بتلائی ہے کہ وہ نور حضور پرنور کے روئے منور کا نور ہے اس
لئے میری آنکھیں تا حشر نظارۂ نورِ جمالِ دوست سے پرنور رہیں گی بعض دفعہ رخ سے نورِ ایمان
بھی مراد لی جاتی ہے ایسی صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ میری آنکھوں میں نورِ ایمان ہے۔

۹۔ ترجمہ۔ تیری زلف جس نے میرے منہ میں اپنی خوشبو ڈال حشر تک پاک خوشبو

سے معطر رہے گی۔

نفحہ - خوشبو   **شمائم** - خوشبوئیں جو سونگھی جائیں شمیم کی جمع ہے

قدسی - پاکیزہ صاف۔

محبوب یا مطلوب کے حق میں دعا فرماتے ہیں کہ تیری وہ زلف جس نے میری مشامِ جان کو معطر کیا حشر تک پاک خوشبوؤں سے معطر رہے

شعرا زلفِ محبوب کو خوشبو دار لکھتے ہیں مولانا شبلی کا شعر ہے۔

ہر گز نگاہ چین عطر فروشِ سحری	بوئے زلفِ تو بکفِ داشت دسودا بیکرد

کسی عارف نے کیا عمدہ بیان فرمایا بلکہ حقیقتاً موتی پروئے

نسیم زلفِ عنبر بوئے اوساخت	دماغ جملہ عالم را معطر

یعنی اُس کی زلفِ عنبریں کی ہوا نے سارے جہان کے دماغ کو خوشبو دار بنا دیا خواجہ حافظ بھی قلندر صاحب کی طرح محبوب کے حق میں دعا فرماتے ہیں

حماک اللہ عن شر النوائب	جزاک اللہ فی دارین خیرا

۱۔ ترجمہ میں اُس آنکھ پر غیرت کرتا ہوں جس نے تیرا چہرہ دیکھا یا اُس سر پر کہ جس میں میری آنکھ ہے۔ یعنی مجھے ان آنکھوں پر رشک آتا ہے جنہوں نے ظاہر کو نہ میں تیرے چہرے کو دیکھا یا وہ سر قابلِ صد احترام ہے جس میں میری قابلِ رشک آنکھ ہے۔

"در عشق کارِ چشم بروئی تراست از کار دل اگرچہ با یکدگر پیوستہ حسد مے کنند و پیوستہ از یکدگر رشک مے برند"۔ (اسرار العشق)

القلب یحسد عینی لذۃ النظر   والعین یحسد قلبی لذۃ الفکر

یعنی آنکھ کو جو لذتِ دیدار سے حاصل ہوتی ہے اس پر دل رشک کرتا ہے اور دل کو جو لذت تصور سے حاصل ہوتی ہے اُس پر آنکھ رشک کرتی ہے۔

۱۱۔ ترجمہ یعنی کہ تیری آرزوؤں نے میرے سینے میں جگہ کی گو ہر آرزو مجھے دوست ہی لیکن تھوڑی ہے۔

یعنی تیری ہر آرزو مجھے عزیز ہے اور جس قدر تیری خواہشوں اور آرزوؤں نے میرے

دل میں جگہ کی وہ گو سب کی سب مجھے عزیز ہیں لیکن تصور ٹری ہیں مراد یہ کہ تیری طلب جس قدر ہو تھوڑی ہے طالب سالک کے لئے قیمتی نصیحت ہے کہ موجودہ مرتبہ پر قناعت نہیں کرنی چاہیئے بلکہ جہاں تک ہو سکے اعلےٰ مراتب پر فائز ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

۱۲۔ ترجمہ۔ وہ شخص کہ نماز میں خدا کا تصور کرے بظاہر مسلمان ہے مگر باطناً کافر

چونکہ خدا تعالےٰ بے مثل و بے مثال ہے اس لئے اس کی ذات کا تصور جائز نہیں کیونکہ تصور کے لئے وجود کا ہونا لازمی ہے اور وہ ذات پاک وجود سے منزہ ہے اس لئے ایسا کرنے والا ضرور کافر ہے۔

	عنقا شکار کس نتواں دام باز چیں کایں جا ہمیشہ باد بدست ست دام را	

۱۳۔ ترجمہ۔ میری روح نے کئی ہزار اسرار الٰہی ظاہر دیکھے تو جان کہ وہ خیال میرے سر میں پوشیدہ ہیں۔

یعنی میری روح نے وہ اسرار ربانی کہ میرے سر میں پوشیدہ ہیں ظاہر و عیاں دیکھے سر لطائف ستہ سے ہے اور سر کی غذا مکاشفہ ہے جس سے قلندر صاحب کی مراد یہ ہے کہ میری روح نے اسرار الٰہیہ کو مکاشفہ کی صورت میں دیکھا۔

۱۴۔ ترجمہ۔ وہ شخص ظاہری احکام شریعت سے آزاد ہے اور خوش قسمت ہے جو دنیا میں قلندر رہے۔

گویا بالفاظ حضرت قلندر صاحب دنیا میں قلندر ہونا خوش نصیبی کی علامت ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ خوش قسمت قلندر شریعت کے ظاہری احکام سے بھی آزاد ہے اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ نعوذ باللہ قلندر صاحب شریعت کے احکام سے مطلق آزادی کا اظہار فرما رہے ہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ اس خاندان کے اکثر و بیشتر سالکین پر ہر وقت بیخودی کا عالم طاری رہتا ہے اور یہ عالم ایسی محویت کا ہوتا ہے کہ ان کو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی قرآن شریف میں وارد ہے کہ نماز کے نزدیک نہ جاؤ جب تم حالت نشہ میں ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ نشہ کی عالت میں جب تن بدن کی ہوش نہ ہو تو نماز کس طرح ادا کرے بعینہٖ اسی طرح قلندریہ سالک جب اپنی نا محویت اور انتہائی استغراق کی وجہ سے ہر وقت ذات حق میں فانی اور باقی ہو تا رہتا ہے تو ایسی پر سے

ظاہری آداب کی پابندی بھی اٹھ جاتی ہے چونکہ ان کا سلوک آئینۂ قدسی وحید رب کی سنتی یا نیک الیقین کے ماتحت ہوتا ہے اس لیئے وہ شریعت کے لیئے پرعمل پیرا ہوتے ہیں اور اکثر حضرات بوجہ اپنی جامعیت کے ظاہری احکام بھی نہیں چھوڑتے جیسا کہ حضرت شاہ مجاقلندر کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ہر وقت آ ذیر قضا نماز یں ادا کر لیا کرتے تھے بہرکیف وجدانیہ کیفیات کی وجہ سے یہ حضرات اکثر مجبور ہوتے ہیں۔

۱۵ ترجمہ۔ بزقل سے اسرار معرفت نہ کہہ کیونکہ ایسے ہزاروں نکات از بر ہیں۔

از بر۔ حفظ یاد کرنا۔

مطلب یہ کہ میرے آگے اسرار معرفت بیان نہ کر کیونکہ میں بذات خود اسرار و رموز آگہیہ کا مخزن ہوں مجھے سننے کی فرصت نہیں ایک قلمی نسخہ میں پہلا مصرعہ اس طرح لکھا ہے

"تا بوعسل مگوے ز اسرار معرفت"

اگر اسے تسلیم کیا جائے تو مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ میں حلق تک حقائق و معارف کے اسرار سے پر ہوں بلکہ مجھے ہزارہا نکات زبانی یاد ہیں زہے فہم!۔

غزل نمبر ۱۵

جمالِ پیکرِ ش ستر آلہی است ۱ کہ برتر از سفیدی و سیاہی است

بہ عشقش دین و دِل باز و بلندیش ۲ کہ اندر عشق او امر و نواہی است

زہے شاہد کہ من شیدائے اویم ۳ ز روئش پر تو از ماہ تا بماہی است

خدا در بت پرستی مے تواں دید ۴ کہ اندر بت ہمیں ستر آلہی است

بلنگیرد ہمیں عشق آلہی ۵ بگو آواز مطرب از ملاہی است

ہمیں غافل کند از غیرِ معشوق ۶ مگر نوشیدنِ مے از مناہی است

سوال از وے غنی کردست مارا ۷ گدائی درش چوں پادشاہی است

ز طوفانِ ہوا و حرصِ دنیا ۸ بہائے عمر ما اندر تباہی است

زجرمِ کشفِ اسرارِ تو در نظمم
قلندر در مقامِ عذر خواہی است

۱ ترجمہ۔ اس پری پیکر کا جمالِ خدا کا بھید ہے کہ سفیدی و سیاہی سے بالاتر ہے

پیکر۔ شکل یا صورت   برتر۔ اونچا۔ بلند

سفیدی و سیاہی سے بالاتر ہونا تیسرے رنگ کی طرف اشارہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر حضور رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھا گیا ہے یعنی حضور کا جمالِ مبارک خدائی بھیدوں سے ایک بھید ہے کہ وہ تصویر پاک سفیدی و سیاہی سے برتر بلکہ ملیح ہے خود حضور نے اپنی زبانِ قدسی لسان سے فرمایا کہ انا ملیح واخی یوسف صبیح

یہ وہی جمالِ پاک ہے جس سے کونین کی آنکھوں نے نور حاصل کیا قلندر صاحب کا اپنا شعر ہے

ذاتِ خدا اگر نہ بصورت کند حلول   دیدم زروئے تو کہ زنورش منور است

چونکہ حضور رسالت مآب کا نور حقیقت میں اللہ تعالےٰ کا نور ہے لہذا اس جمالِ پاک کو سرِ الٰہی کہنا عین حقیقت ہے

نور از درونِ من من را در روانِ تو   (اقبال)

۲ ترجمہ۔ اس کے عشق میں دین و دل ہار دے اور اندیشہ نہ کر کیونکہ اس کے عشق میں امر و نہی کا رواج ہے۔

باز۔ فعل امر از مصدر باختن بمعنے ہارنا   امر۔ حکم جو شریعت نے لگایا ہو۔

نواہی۔ جمع ہے نہی کی یعنی وہ کام جو شرعاً ممنوع ہیں۔

یعنی عشق محبوب میں دین و دل ہار دے اور یہ اندیشہ نہ کر کہ دین و دل گئے کیونکہ اس کے

عشق میں بھی شرع کی طرح امروز اہی کا رواج ہے مراد یہ کہ دین و دل تمار خانہ عشق میں دینے پڑتے ہیں ہمہ تن رضائے محبوب میں فنا ہونا پڑتا ہے اور یوں بھی دونوں چیزیں اس کی ہیں اس لیے اگر اس کے عشق میں نذر کر دی جائیں تو زہے نصیب!

دل ہو کہ جان تجھ سے کیونکر عزیز رکھیے (حالی)   دل ہے سو چیز تیری جاں ہر سو مال تیرا

دل و دین کیا بلکہ نقد جاں تک نذر محبوب کرنا پڑتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں کی زمین خون شہیداں سے لالہ زار بنی ہوئی ہے اور سر سر قدم پر ایک ایک سر نذرانہ مانگا جاتا ہے۔

شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی نے اسی مضمون کو ایک لطیف پیرائے میں اس طرح ادا کیا ہے

میرے یوسف کی عزیزو ہے خریداری محال   نقد جاں ہے اس کی قیمت نقد دل بیعانہ ہے

شاہد حسن جاناں بس گراں است (۳) (انور)   گر بہ سودا بجاں بود سے چہ بود سے

۳ ترجمہ۔ آفریں! کہ جس شاہد پر ہم عاشق ہوں اس کے چہرے کا پر تو چاند سے چاند کی روشنی تک ہے

گویا شاہد حقیقی کا جمال ارض و سما بحر و بر میں جاری و ساری ہے قرآن مجید میں ارشاد باری ہے اللہ نور السموات والارض۔ قلندر صاحب کے انور کو اس آیت کی تفسیر کہنا چاہیے
بے شک کائنات کا ذرہ ذرہ نور مطلق سے معمور اور حسن مطلق کی جلوہ گاہ ہے

اے ذات تو در صفات عیاں ساری   اوصاف تو در صفات نہاں ساری

وصف تو چوں ذات مطلق است ابیت (۴) (ابو سعید) در ضمن منظر سر از الفید جساری

۴ ترجمہ۔ خدا بت پرستی میں دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ بت کے اندر بہت سے اسرار الٰہی پوشیدہ ہیں۔

مراد یہ کہ حق تعالیٰ کی شناخت اور اس کے عرفان کا واحد ذریعہ بت پرستی ہے

ع   بت ایں جا مظہر عشق است و وحدت

کیونکہ بت بذات خود اسرار الٰہیہ کا خزانہ ہے گلشن راز میں لکھا ہے :-

مسلماں گر بدانستے کہ بت چیست   بدانستے کہ دیں در بت پرستی است

یعنی اگر مسلمان بت کی حقیقت سے کما حقہ واقف ہوتا کہ یہ ہستی مطلق کا مظہر اور

اسرار و رموز کا خزانہ ہے اور حق تعالےٰ نے اس کے بت کی صورت میں ظہور کیا ہے تو سمجھ لیتا کہ دین
آلہی بت پرستی میں ہے یعنی حق تعالےٰ کا عرفان بت کی حقیقت پر غور و خوض کرنے سے حاصل ہوتا ہے
چونکہ اصطلاح صوفیائے کرام میں بت سے عشق و وحدت کے مظاہر مراد لیے جاتے ہیں
لیے قلندر صاحب طالب کو ترغیب دلاتے ہیں کہ دل کو غیر اللہ کی محبت سے خالی کر کے وحدت
پرستی اختیار کرنی چاہیے اور مظاہر کائنات کی حقیقت پر غور و خوض کر کے اس کا عرفان حاصل کرنا
چاہیے کیونکہ یہ سب اسی حقیقت مطلقہ کے آئینے ہیں۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار (سعدی) ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

بت کی مفصل تحقیق کے لیے شعر ۱

ترجمہ: یہی عشق الہی پیدا کرتی ہے کہو کہ مطرب کا آواز اس کی کھیلوں سے ہے
ملاہی لغت جمع ہے لہو کی کھیل کود لہو بازیاں۔ بازیہا۔

اس شعر میں اشارہ ہے سماع کی وجدانی کیفیتوں کی طرف کہ مطرب کی آواز میں
کبھی یہی جذبات پوشیدہ ہیں جو قوائے روحانی کو برانگیختہ کر کے پرواز روح کا باعث ہوتے ہیں
بیشک نغمات میں یہ اثر موجود ہوتا ہے چنانچہ صاحب ذوق لوگوں کے وجدان حقیقی اس کا ثبوت ہیں
کشف المحجوب سے نقل ہے کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ کا ایک مرید سماع میں بہت
اضطراب کرتا تھا اور درویش لوگ اس کے ساتھ مشغول ہوتے تھے کسی نے اس صاحب
وجد و اضطراب کے متعلق حضرت جنید کے آگے شکایت کی آپ نے اسے فرمایا کہ اگر تو آئندہ
سماع میں اضطراب اور وجد کرے گا تو میں تیرے ساتھ صحبت نہ رکھوں گا چنانچہ حضرت
ابو محمد حریری قدس سرہ کہتے ہیں کہ میں نے اس درویش کو دیکھا رہا لب آپس میں بند تھے اور
چپکا تھا اور اس کے بدن کے ہر رونگٹے سے ایک چشمہ جاری ہوا تھا کہ وہ بیہوش ہو گیا اور ایک
روز اسی طرح بیہوش رہا میں سمجھ گیا کہ وہ سماع میں زیادہ درست تھا اور مرشد کی بزرگی اس کے
دل پر زیادہ قوی تھی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت جنید فرماتے ہیں ایک دفعہ میں ابن الکرطی کے
ساتھ دجلہ کے کنارے پر جا رہا تھا درمیان بصرہ و ابلہ کے ایک مکان پر پہنچے ایک خوبصورت
نوجوان نیک بخت آدمی کو ایک دروازے پر بیٹھا ہوا دیکھا ایک لونڈی اس کے آگے بیٹھی ہوئی مصروف

نغمہ تھی اور ایک ایک بیت پڑھتی تھی چنانچہ میں نے ایک جوان کو اُس محل کے نیچے کھڑے ہوئے دیکھا جو صاحب ذوق معلوم ہوتا تھا اُس نے کنیزک سے کہا کہ اس بیت کو پھر کہو کیونکہ میری زندگی اب ایک نفس سے زیادہ نہیں لہذا پڑھ تاکہ ذوقِ وجد میں تن سے جان باہر آوے کنیزک نے بیت پڑھا اور اُس جوان کو ایسا وجد ہوا کہ روح جسمِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ صاحب ذوق لوگوں کو سماع میں ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے

نوٹ: بہشت میں وہ شریف ترین لذت جو بعد از مشاہدۂ ذات و انوار و تجلیات حاصل ہوگی یہی سماع ہے مثنوی کے ایک شارح صاحب نے مولانا کے اس شعر

عاشقاں کلیں نغمہ را بشنوند	جز دیگداز ند سوئے کل روند

کے تحت میں لکھا ہے کہ سماع منادی ہے اس امر کی کہ درماندگانِ بیابانِ تیرگی افزائے دنیا عشرت آبادِ بہشتِ نورانی کو یاد کرتے ہیں یعنی سماع سے مقصود اُس عشرت آباد کا یاد کرانا ہے حضرت یحییٰ بن معاذ رازی سے کسی نے پوچھا کہ کونسی آواز کو آپ دوست رکھتے ہیں فرمایا کہ۔

"مَزَامِیْرُ الْاُنْسِ فِیْ مَقَاصِیْرِ قُدْسٍ بِاَلْحَانٍ تَحْسِیْنٍ فِیْ اَلرِّیَاضِ تَمْجِیْد"

پس قلندر صاحب کا یہ ارشاد کہ مطرب کی آواز عشقِ الٰہی کو برانگیختہ کرتی ہے کس قدر صحیح اور حقیقت ہے۔

اخبار الاخیار میں سماع کے اثر یعنی حال کے متعلق حضرت خواجہ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی سے منقول ہے کہ

"اول انوار از عالم علوی نازل می شود بر ارواح بعدہٗ اثر آں ظاہر می شود بر جوارح و جوارح متابع قلب است چوں قلب متحرک شود جوارح نیز در حرکت می آید"

اما ترجمہ: گو شراب پینا منع ہے مگر غیر خدا سے غافل کرنا اسی کا کام ہے نہی کے احکام شراب انگور کے متعلق ہیں لیکن یہ شراب شرابِ عشق ہے جو اہل نسب میں بیخودی پیدا کر کے عبد و معبود کے راز و نیاز کا وسیلہ بنتی ہے۔

شراب بے خور کہ جامش رو دریا راست	پیالہ چشم مست بادہ خوار است

طہور آں مے بود کز لوث ہستی   ترا پاکی دہد در وقت مستی

شراب کا خاصہ ہے کہ وہ کم از کم کچھ عرصہ کے لئے ہجر یار کے صدمات کے احساس
سے انسان کو بے خبر کر دیتی ہے اور اسے خمار کی حالت میں اس کا حس باقی نہیں رہتا انسان آخر
انسان ہے زمانے کے تعلقات اسے اکثر تکلیف دیتے ہیں اس لئے شراب محبت کی بیخودی
اسے زمانے کی کشمکش سے غافل کر کے تجلیات محبوب کا مشاہدہ کراتی ہے ۔

سے نیابد در دلش زنگار دنیا ہیچگاہ	زاہدا ہر کس کہ شد از ساغر سرشار مست

۷۔ ترجمہ ہم نے سوال کیا اور اس نے ہمیں غنی کر دیا اس کے دروازے کی گدائی
بھی بادشاہی ہے ۔

محبوب مطلق کے لطف و اکرام پر نظر کر کے فرماتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ اس سے مانگا اس
نے دیا اس حد تک ہم غنی ہو گئے مصرعہ ثانی بطریق ترجیع ہے کہ محبوب مطلق کے دروازے
کی گدائی بھی گویا بادشاہی ہے یعنی در محبوب کا گدا ہفت اقلیم کی بادشاہی سے بھی بدرجہا افضل ہے

زہے سخا کہ ہوا اک نظر میں مستغنی	سوال آ کے ترے در پہ جس گدا نے کیا

اسی مضمون کو سلمان ساوجی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے

من ازاں روز کہ در بند توام آزادم	پادشاہم چو بدست تو اسیر افتادم

۸۔ ترجمہ دنیا کی ہوا و ہوس کے طوفان سے ہماری عمر کا جہاز تباہی میں ہے ۔
شعر حیاتِ انسانی کو جہازِ رواں بھی کہتے ہیں کیونکہ جہاز کی طرح اس کے پاؤں بھی
نہیں ہوتے ہیں اور ہوا کے مخالف کی طرح اسے بھی ہر وقت بادِ فنا کا کھٹکا لگا رہتا ہے ۔

جہاز عمر رواں پہ سوار بیٹھے ہیں (ذوق)	سوار خاک ہیں بے اختیار بیٹھے ہیں

جہاز کی تباہی اور غرقابی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ ہوا کے موافق سے ذرا مخالف
سے بدلا فی الفور سمندر میں طوفان آ گیا اور جہاز غرقاب ہونے لگا بعینہ یہی حال انسانی زندگی کا ہے
اہل حرص و اہل دنیا کے تعلقات میں سرتاپا اسیر ہوتے ہیں نہ دنیا کی خبر نہ چھٹنے کا خیال حالانکہ ان کی
زندگی کو بھی بادِ فنا کا خدشہ لگا رہتا ہے

قلندر صاحب نے بھی اسی حقیقت کو واضح کیا ہے

کہانیاں ہیں حکایات خضر و آبِ بقا (ذوق) بقا کا ذکر ہے کیا اس جہانِ فانی میں

۹ ترجمہ۔ قلندر نظم میں تیرے اسرار ظاہر کرنے کے جرم سے معافی کا طلبگار ہے
شعر آسان ہے محبوب سے طلبِ معافی کی درخواست کی گئی ہے اور حقیقت میں
ایسی غزل کا مقطع بھی ایسا ہی ہونا چاہیے غزل کی مثال ایک شاہراہ کی طرح سمجھنی چاہیے
عاشقِ حق اس ذریعہ سے محبوب کے راز و اسرار کا ترجمان بنتا ہے اور صورِ حقیقت کو ظلی جامہ پہنا کر
خلق کے سامنے پیش کرتا ہے لیکن قلندر صاحب چونکہ زمانہ کی نااہلیت اور تلونِ طبع کے شاکی
ہیں اس لئے محبوب سے التجا کرتے ہیں کہ مجھے انکشافِ راز کے جرم سے معاف فرما اعطا
کار کریماں عفو است۔

غزل نمبر ۱۶

تجلیہائے وحدت بیشمار است ۱ نظر واجب بہ صنعِ کردگار است
ببیں زاہد جمالِ لم یزل را ۲ کہ گردِ آں خط و خالِ عذار است
تجلی در صفاتِ نیست ہست ۳ نگار اندر نگار اندر نگار است
شدم غرقابِ حیرت کاندریں بحر ۴ ز گوہر ہا کہ ایں آب دار است
میانِ عاشقاں سردار گشتی ۵ زِ حق گوئی سرِ تو کو بدار است
جمالِ کل کہ در کل آں جمال است ۶ بروحِ قدسی من آشکار است
سرم وارد خیالِ جلوۂ ہو ۷ دلم روحانیاں را راز دار است
ہمیں است ای شرف بسم اللہِ عشق ۸ کہ دل چو مرغِ بسمل بے قرار است
شرف کم گو ز اسرارِ الٰہی ۹ دریں دوراں کہ چوں اغیار یار است

۱۔ ترجمہ۔ وحدت کی تجلیات بشمار ہیں کردگار کی صنعت پر نظر کرنا واجب ہے

تجلّی۔ ظہور کو کہتے ہیں اس کی کئی قسمیں ہیں اور ہر ایک کے جدا جدا آثار

۱۔ تجلّی ذاتی جس کو مشاہدہ کہتے ہیں اس کا تعلق روح سے ہوتا ہے اگر سالک کے وجود عنصری کے صفات اور آثار کچھ باقی ہوں تو وہ بیہوش ہوجاتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر بیہوش ہوگئے جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور اگر وجود عنصری کے آثار بالکل فنا ہوچکے ہوں تو مشاہدہ کرسکتا ہے چنانچہ قبل از وفات یہ خلعت خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا اور بعد وفات سب مومنین کو جنت میں دیدار ہوگا

۲۔ تجلّی صفاتی جس کو مکاشفہ کہتے ہیں اس کا تعلق سر سے ہوتا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ اگر صفات جلالی تجلّی کریں تو سالک پر خشوع و خضوع کا غلبہ ہوتا ہے اور اگر صفات جمالی تجلّی کریں تو سالک کو سرور اور انس حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ تجلّی افعالی جس کو محاضرہ کہتے ہیں اس کا تعلق قلب سے ہوتا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ سالک کی نظر کسی کی مدح و ذم نفع و ضرر اور رد و قبول پر نہیں پہنچتی۔

غرضیکہ خالق اکبر کی تجلیات کارگاہ عالم میں اس قدر ہیں کہ دیدہ حیران محو حیرت ہیں اس لئے کردگار مطلق کی صنعت اور قدرت پر نظر کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ عاشقان حق انہی تجلیات سے خالق کا عرفان حاصل کرتے ہیں۔

۲۔ ترجمہ اے زاہد جمال لازوال کو دیکھ کہ اس کے گرد اگرد خط و خال و عذار ہیں۔

لم یزلی۔ لازوال۔ خط۔ سبزۂ نورستہ معشوق

خال۔ وہ سیاہ نقطہ کہ اندام انسان پر ہوتا ہے اگر چہرے پر ہو تو خوبصورتی کے لوازم سے ہے

عذار۔ رخسار یا عارض۔

اس شعر میں قلندر صاحب نے وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کا سبق دیا ہے یعنی اے زاہد تو نظر تحقیق و تجسس دیکھ کہ جمال محبوب اپنی صفتوں کے لحاظ سے کس قدر آراستہ و پیراستہ ہورہا ہے اور زیبائی کی وحدت و یکتائی پر نظر کر۔ صاحب گلشن راز فرماتے ہیں۔

رخ ایں جا مظہر حسن خدائیست	مراد از خط جناب کبریائیست

رُخ سے مظاہرِ حسنِ حق تعالےٰ مراد ہیں جو اسمائی اور صفاتی کمالات کی جمعیت اور لازمۂ
ذات ہیں کیونکہ ذات کے لئے صفات کا ہونا ضروری ہے اور خط سے بارگاہِ کبریائی مراد ہے یعنی
عالمِ ارواحِ مجردہ جو وجودِ مطلق کے مراتب میں سے ہے مرتبۂ اطلاق کے ساتھ قریب ہے جیسا کہ
سبزہ یعنی خط رخسار پر اگتا ہے اسی طرح عالمِ ارواح کے تعینات ذاتِ الٰہی کے گرداگرد ظاہر ہوگئے
ہیں اور چونکہ کثرت کا آغاز اور انتہا وحدت ہے اس لئے گلشنِ راز میں آیا ہے

بر آں رخ نقطۂ خالش بسیط است	کہ اصل و مرکزِ دورِ محیط است

یعنی خال سے وحدتِ حقیقی مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وحدت کی رنگا رنگ تجلیات
سے اس میں کسی قسم کا تعدد لازم نہیں آیا کیونکہ کثرت کی انتہا آخر وحدت ہے اس لئے قلندر صاحب
فرماتے ہیں کہ اے زاہد اس لم یزل اور لازوال وحدت کو دیکھ کہ وہ باوجود رنگا رنگ تجلیات کے ...
پھر بھی انقسام اور تعدد سے پاک ہیں یعنی باوجود عالمِ کثرت میں ظہور فرمانے کے بھی وہ ذات یکتا اور
واحد ہے خط، خال اور رخسار سے کثرت کا عالم مراد ہے کیونکہ یہ ذات کی صفات ہیں۔

۳۔ ترجمہ: مقاماتِ محبت میں بھی تجلیاتِ محبوب نقش و نگار میں ہیں۔
مطلعِ غزل اور شعرِ بالا کی طرح اس شعر میں بھی گویا کہ بتلایا ہے کہ عشقِ حقیقی و محبت کی تجلیات
کے آثار بتلائے گئے ہیں کہ جیسے عالمِ اسباب میں صانعِ حقیقی کی تجلیات رنگا رنگ رنگوں میں جلوہ گر ہیں
اسی طرح منازلِ عشق میں سالک کو گوناگوں تجلیات کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے گویا کہ عالمِ کثرت کی
طرح وادئ عشق بھی محبوبِ مطلق کے انوار و اظہار کی جلوہ گاہ ہے ان تجلیات کی مفصل تحقیق کے
لئے مطلعِ غزل ملاحظہ فرمائیے۔

۴۔ ترجمہ: میں غرقابِ حیرت ہوں کہ اس سمندر کے موتیوں میں آبدار موتی کونسا ہے
قلندر صاحب نے عشق کو سمندر اور رنگا رنگ تجلیات کو درِ آبدار سے تشبیہ دے کر
اس امر کا اظہار کیا ہے کہ میں کیا کہوں کہ ان موتیوں میں سے زیادہ آبدار موتی کونسا ہے کیونکہ جس طرف
نظر کی جائے ہمہ از دوست کا منظر پیشِ نظر ہو جاتا ہے فی الحقیقت سمندر کے موتیوں میں اسی کی
آب ہے عالمِ کثرت میں اسی کا جلوہ ہے منازلِ سالک میں اسی کی تجلیات ہیں غرضیکہ ہر جگہ اور
اور ہر چیز میں سب اسی کا جلوہ ہے ان اللہ تعالیٰ کل شیء محیط اور [illegible]

وساری ہے اور حیرت کی وجہ یہ ہے کہ ان کے عدل وانصاف اور یکساں برتاؤ پر نظر کرتے ہوئے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دے سکتا کیونکہ کائنات کی سب اشیاء اپنی مظہریت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہیں۔

۵ ترجمہ۔ نرم گوئی سے عوض عاشقوں کے درمیان ممتاز ہو جاتے گو نیز اسم سولی پر چڑھ ناصحانہ انداز ہے کہ اگر نرم گوئی اور راستبازی اختیار کرے تو تجھے اعلیٰ مراتب اور درجات حاصل ہوں گے کیونکہ یہی بات بہشتی تلخ لگتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ حاسدان زمان سے تجھ کو آزار پہنچے جس کو مجازاً سولی سے تعبیر کیا گیا لیکن نرم گوئی اختیار کر حضرت منصورؒ کی استبازی اور واقعۂ دار اس کی بیّن دلیل ہے ؏

ہر آنکہ گفت انا الحق بدار مے آید

۶ ترجمہ۔ جمال مطلق کہ کائنات میں ہے میری پاک روح پر آشکار ہے
یعنی نور مطلق کہ کائنات کے ہر ذرہ میں جاری وساری ہے میری روح بھی اسی نور جمال سے فیضان حاصل کرتی ہے مزید تشریح کے لئے دیکھیے شعر (۲/۵)

۷ ترجمہ۔ میرا سر جلوۂ ھُو کا خیال رکھتا ہے اور میرا دل قرشتوں کا رازدار ہے۔
ھُو۔ اسم ذات باری تعالےٰ
یعنی میرے سر میں اس قدر اسم ذات کا جلوہ سمایا ہوا ہے جس کی وجہ سے میرا دل قرشتوں کا رازدار ہے کمال ہر کاشفہ کی طرف اشارہ ہے جس کا تعلق سر سے ہوتا ہے نیز دیکھیے شعر (۱۶/۲)

۸ ترجمہ۔ اے شرف عشق کی ابتداء یہی ہے کہ دل مرغ بسمل کی طرح بیقرار ہے جب ابتداء میں یہ حال ہے تو انتہا کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں فی الحقیقت عاشق کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا ۔۔ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

۹ ترجمہ۔ اے شرف اسرار الٰہی ظاہر مت کر کیونکہ اس زمانہ میں اغیار بہت ہیں۔
اغیار سے مراد وہ لوگ ہیں جو باوجود یکہ ظاہر کرنے کے کرامات کی ٹینگیں مارتے ہیں اور بظاہر اس مقدس لباس سے آراستہ ہو کر رہزنی اور ننگ انسانیت کے کام کرتے ہیں اس لئے

قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ عوام اس کے اہل نہیں اس لئے اسرار و رموزِ الٰہیہ کا انکشاف نہ کرو۔

غزل نمبر ۱۷

منکہ باشم از بہارِ جلوۂ دلدار مست ۱ چوں منم ناید نظر در خانۂ خمار مست

مے نباید در دلش زنگارِ دنیا ہیچگاہ ۲ زاہدا ہر کس کہ شد از ساغرِ سرشار مست

منکہ از جامِ الستم مست ہر شام و سحر ۳ مے نظر آید مرا ہر دم در و دیوار مست

چونکہ اندر عشقِ او جاوید مستیہا کنیم ۴ شاہد یار ابود گفتار ہم رفتار مست

تا اگر رازِ شما گوید نہ کس ہمراہ کند ۵ زیں سبب باشد شما را محرمِ اسرار مست

جلوہ مستانہ کردے دورِ ایامِ بہار ۶ شد نسیم و بلبل و نہر و گل و گلزار مست

۷ غافل از دنیا و دیں از جنت و نار است او
در جہاں ہر کس کہ مے باشد قلندر وار مست ۷

ترجمہ:- میں کہ محبوب کے جلوۂ بہار سے مست ہوں خانۂ خمار میں میری طرح کوئی مست نظر نہیں آتا۔

خانۂ خمار = میخانہ مجازاً دنیا، عالمِ اسباب۔

یعنی میں جلوۂ حسنِ محبوب سے ایسا مست اور بے خود ہوں کہ مجھے عالمِ اسباب میں اپنی طرح کوئی مست نظر نہیں آتا یعنی مستانِ عشق کی مستی میرے جذب و استغراق کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔ فی الحقیقت قلندریہ سلسلہ کا سالک اپنی نادر محویت کی وجہ سے ہر وقت محو در محو رہتا ہے اور سلوک کی انتہائی منزلوں پر پہنچ کر اس کی محویت اور وجدانی کیفیات کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ ماسوائے المطلوب اس کی نظر کسی چیز پر نہیں ٹھہرتی۔

قلندر صاحب کو بھی اپنے انتہائی جذب و استغراق پر ناز ہے کہ معشوق کے جلوۂ جمال نے مجھے بالکل مست کر دیا

۲ ترجمہ: اے زاہد جو شخص ساغرِ سرشار سے مست ہے اس کے دل پر دنیا کا زنگار کبھی نہیں آتا

دنیائے مذموم کی محبت کو زنگار کہا جاتا ہے جو دل کو زنگ آلود کر دیتی ہے جس سے آئینۂ دل کی صفائی اور پاکیزگی زائل ہو جاتی ہے اور وہ مشاہدۂ انوار و تجلیات کے قابل نہیں رہتا حدیث میں آیا ہے

اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔

جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ اچھا ہوتا ہے تو تمام جسم اچھا ہوتا ہے اور اگر وہ بگڑتا ہے تو تمام جسم بگڑتا ہے اور جان لو کہ وہ ٹکڑا دل ہے

قلندر صاحب زاہدِ زنگ آلود کو طعنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ساغرِ توحید سے مست ہے اس کے دل پر دنیائے مذموم کی محبت مسلط نہیں ہو سکتی یعنی اس کا آئینۂ دل عکسِ رخِ یار کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔

۳ ترجمہ: میں کہ جامِ الست سے ہر شام و سحر مست ہوں مجھے ہر دم در و دیوار بھی مست معلوم ہوتے ہیں

یعنی روزِ الست کے فقط ایک ہی جام سے اب تک میری مستی کا یہ عالم ہے کہ مجھے ہر چیز مست معلوم ہوتی ہے انکشاف قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہر وقت مغموم و متفکر ہی رہتا ہو تو اسے سارا جہان بیت الحزن معلوم ہوتا ہے گو حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا یا اگر کوئی شخص مال و زر کی کثرت یا کسی اور وجہ سے ہمیشہ خوشی و خرمی کی زندگی بسر کرتا ہے تو اسے اپنی طرح ساری دنیا خوش نظر آتی ہے اسی طرح چونکہ قلندر صاحب بھی جامِ الست سے مست ہیں اس لئے آپ کا یہ کہنا ع

نظر آید مرا مست ہر چہ بینم۔

خلافِ قیاس نہیں بلکہ عین حقیقت ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

من ازاں جامی کہ در روزِ ازل نوشیدہ ام
آنچناں سرمست خواہم بود تا یوم النشور

اسی مضمون پر یہ ہے :۔

اک فقط ہیں ہی نہیں ہوں عاشق ایں ہنگ کرست — شش تبریز بر جنید و شبلی و عطار ست

۴ ۔ ترجمہ ہم اس کے عشق میں کیوں ہمیشہ مست نہ رہیں جب کہ ہمارے محبوب کی گفتار و رفتار مست ہے ۔

جاوید ہمیشہ — شاہد محبوب حقیقی

ع بود شاہد فروغ نور ازل را ح

یعنی ہماری مستی کی علت غائی معشوق مطلق کی رفتار و گفتار ہے

۵ ۔ ترجمہ ۔ تیرا محرم راز اسی واسطے مست ہوا کہ اگر تیرے راز کہہ جاویں تو کوئی پرواہ نہیں کرتا

یعنی اگر تیرے سربستہ رازوں کا انکشاف کیا جاوے تو اہل دنیا سمجھ نہیں سکتے اس لئے تیرے راز و اسرار کے راز دان اور محرم مست ہیں تاکہ نہ وہ کہیں اور نہ نااہل سنیں یہاں مست کو مراد مطلق خاموشی ہے ۔

۶ ۔ ترجمہ ۔ تو نے ایام بہار میں مستانہ جلوہ کیا کہ نسیم و بلبل و سبزہ و گل و گلزار مست ہو گئے

نسیم ۔ باد نرم یا وہ چیز جس سے اچھی خوشبو آئے ۔

بہار کے دن محبوب حقیقی کی خصوصیت فیض رساں اور جمال جانفزا کے زمین منتہ اور مرہون احسان ہیں کیونکہ اس موسم میں اس کا خاص الخاص جلوہ ہوتا ہے اور ہر برگ و گل میں اسی کی شان کبریائی نظر آتی ہے جس کی وجہ سے نسیم و بلبل و گل و گلزار بھی مست نظر آتے ہیں یہاں بھی وہی شان جمال کام کر رہی ہے جس سے ع ۔

خاک مست و آب مست و باد مست و نار مست

۷ ۔ ترجمہ ۔ وہ شخص دنیا و دین جنت و دوزخ سے بے خبر ہے جو یہاں قلندر کی طرح مست ہے

مطلب صاف ہے کہ جو شخص قلندر وار مشاہدہ محبوب میں مست اور بے خود ہے وہ دین و دنیا ۔ دوزخ اور بہشت سب سے غافل ہے قلندروں کی مستی مشہور ہے ۔

غزل نمبر ۱۸

دلم از جلوۂ اش در اضطراب است	۱	مرا اندر بغل صد آفتاب است
چوں پیراں بر سرِ سجادہ منشیں	۲	بکش ساغر کنوں عہدِ شباب است
ہزاراں فتنہ ہا در دہر برپا است	۳	ہنوزش چشمِ میگوں نیم خواب است
ببیں آں شوخِ سرکش را کہ ہر دم	۴	دلم از آتشِ عشقش کباب است
دل از دنیا و دیں نومید گرداں	۵	کہ ایں دنیا و دیں نقشے بر آب است
بنورِ حسنِ حقیقی جاں فدا کن	۶	کہ حسنِ دلبراں موجِ سراب است
معلم درسِ توحیدت چہ گوید	۷	کہ ایں اسرار بیروں از کتاب است
اگر باشد حجابے پاک سوزد	۸	جمالِ شاہدِ ما بے حجاب است
درآئینہ ببیں چشمِ خودت را	۹	کہ ایں مستی ازاں جامِ شراب است
برو از درمیاں تا او درآید	۱۰	خدائے را خودی مثلِ نقاب است

۱۱ مشرف ہر گز مکن اسرارِ حق فاش ۱۱
کہ نزدِ ما خطائے ناصواب است

۱ ترجمہ میرا دل اس کے جلوہ سے اضطراب میں ہے گویا میری بغل میں سو آفتاب ہیں۔ مراد یہ کہ محبوب کے جلوۂ جانسوز سے میرا دل بیقرار اور مضطرب ہے مصرعہ ثانی بطریق ترشیح ہے کہ میرے اضطراب کی وجہ یہ ہے کہ جلوۂ محبوب کے سینکڑوں آفتاب میری بغل میں شعلہ زن ہیں اور میں ان کی تاب و حدت سے بیقرار ہوں۔

موسم گرما میں جب آفتاب کی تمازت پوری شدت کے ساتھ ہوتی ہے تو اس کی حدت کی برداشت نہیں ہو سکتی مگر آفتاب چونکہ آفتابِ حسنِ حقیقی کا عکس ہے اس لیے حسنِ مطلق کی تجلیات کے مقابلہ میں اس کی شعاعیں بے وقعت اور ہیچ ہیں۔ انہی تجلیات کو قلندر صاحب نے صد آفتاب کہہ کر اپنے اضطراب کا اظہار کیا ہے کہ میں اس جلوۂ جمال سوز کی حدت سے نعل در آتش ہوں۔

حسنِ مطلق کی ادنیٰ سی تجلی کے مقابلہ میں سینکڑوں آفتاب کی تمازت بھی قابلِ اعتبار نہیں لیکن قلندر صاحب تجلیات کے صدہا آفتاب بغل میں دبائے ہوئے ہیں۔ اس سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کا ظرف جو حسنِ مطلق کی آماجگاہ ہے کس قدر وسیع اور عالی ہے۔

۲۔ ترجمہ۔ پیروں کی طرح سجادہ پر نہ بیٹھ شراب پی کہ ابھی شباب کا زمانہ ہے۔

سعیٔ عمل کی تعلیم کا زریں نمونہ ہے کہ پیرانِ ظاہر دار کی طرح صرف سجادہ نشینی ہی کو حصولِ معرفت کا ذریعہ نہ سمجھ بلکہ ساغرِ وحدت نوش کر کیونکہ ابھی تجھ پر شباب کا زمانہ ہے یعنی کسبِ کمال حاصل کرنے کا موقعہ ہے عالمِ پیری کی پرہیزگاری اور صفائے باطنی قابلِ قدر نہیں۔

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است	وقتِ پیری می شود گرگِ کہن پرہیزگار

اسی مضمون پر حکیم عمر خیام ایک رباعی میں فرماتے ہیں۔

عمرت تا کے بخود پرستی گذرد	یا در پے نیستی و ہستی گذرد
مے خور کہ چنیں عمر کہ غم در پے اوست	آں بہ کہ بخواب یا بہ مستی گذرد

طالب کے لیے قیمتی نصیحت ہے کہ تو ان پیروں کی طرح جنہوں نے صرف بزرگوں کے کسب و کمال اور دلق و عمامہ کو طلبِ دنیا کا حیلہ بنا رکھا ہے سجادہ پر نہ بیٹھ کیونکہ بارگاہِ ایزدی میں اپنے اپنے اعمال کام آئیں گے لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ اس لیے تو صحیح معنوں میں عشقِ الٰہی اختیار کر کیونکہ ابھی تجھ پر شباب کا زمانہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ موجودہ وقت کو غنیمت شمار کر شیخ سعدی کا مقولہ ہے۔

"وقت از دست رفتہ و تیر از کمان جستہ باز نمے آید"

اسی طرح اگر وقت گذر گیا تو بعد میں کفِ افسوس ملنے سے کیا فائدہ۔

کھیتوں کو پانی دو لو اب بہہ رہی ہے گنگا — کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں (امیر مینائی)

۳ ترجمہ۔ دنیا میں ہزاروں فتنے برپا ہیں مگر اس کی مست آنکھ ہنوز نیم خواب سے
شعرا معشوق کی آنکھ کو مست کہا کرتے ہیں۔ ع۔

چشمش خواست بیاری و مستی

فرماتے ہیں کہ معشوق کی مست آنکھ نے ایک عالم کو تہ و بالا کر دیا لیکن اتنے فتنے
برپا ہونے پر بھی اس کی آنکھ نیم خواب ہے خدا جانے کیا کچھ کرنے کو ہے گویا اس کی مے گوں
آنکھ ابھی تک مخمور ہے اور اپنے کیے سے بے خبر ہے۔

بال سا جگر پر چل گئیں چھریاں کسی مشتاق کے	جان خبر تک بھی نہیں ناز و ادا نے کیا کیا

۴۔ ترجمہ۔ اس شوخ سے کشش کو دیکھ کہ میرا دل ہر دم اس کی آتشِ عشق میں کباب ہو رہا ہے
مضمون بالا کا اعادہ کیا گیا ہے۔ عدم التفاتی کی شکایت ہے۔

۵ ترجمہ۔ دل کو دنیا اور دین سے ناامید کر کیونکہ یہ دنیا اور دین نقش بر آب کی مانند ہیں
یعنی دنیا مقام فنا ہے اس کی محبت کو دل میں جگہ نہ دینی چاہیے کیونکہ یہ آخر ہو فانی
کر جانی ہے دنیا کی بے ثباتی پر قلندر صاحب اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں۔

اے برادر دنیا را ساعت ازاں گفتہ اند کہ نابود را حق پیدا گرداند تا اظہار
کند قدرت خود را بیشی خود در ساعت کہ پیدا گرداند دنیا را آفرید یک مرغ را و
دنیا بدو داد پس از دانہا پر کرد ازاں دانہا رزق او گرداند و گفت تا کہ ہیں دانہا باقی
است حیات تو نیز باقیست چوں ایں دانہا تمام شود عمر تو نیز فانی گردد مرغ آں
دانہا بر تمام کرد حق تعالیٰ دیگر دانہا پر کرد و باز رزق آں مرغ گرداند ہمچنیں ہفت بار
ایں دنیا را از دانہا پر کردند آں مرغ تمام بخورد ہفتم بار فرمان آمد اے مرغ نصیب
تو ہمیں بار است مرغ آں دانہا آہستہ خوردن گرفت چنانکہ در روز قیامت بر
یک دانہ ست چوں دید دانہ دانہ کم مے شود لابدہ بماہ دانہ خوردن گرفت بعد ازاں
سالے دانہ خوردن گرفت چندیں ہزار سال آں مرغ تصرف دنیا آں دانہا کرد
چوں دانہ تمام شد او را ہم تمام کردند چندیں ہزار سال ہمراں مرغ ساعتے شود

نیز دیکھو شعر ۴۹/۳۔

ترجمہ۔ تو حسن حقیقی پر جان فدا کر کیونکہ دلبروں کا حسن مثلِ سراب ہے

حسن دلبراں۔ مراد از زیبائش دنیا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ط

ہم نے جو کچھ زمین پر پیدا کیا ہے اس کی آرائش کے لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ آزمائش کریں انسان کی کہ کون اعمال میں نیک تر ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں ما علی الارض سے محرمات مراد لی ہے کہ خدا نے محرمات دنیا کو انسان کے امتحان کے لیے آراستہ کیا کہ کون ان منہیات کو ترک کرتا ہے بہرکیف دنیا کی زیب و زینت انسان کی آزمائش کے لیے ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے سب کچھ دنیا کی زینت کے لیے ہے

سراب۔ بالضم چمکتی ہوئی صحرائی ریت جس پر مسافر کو پانی کا دھوکہ ہوتا ہے لیکن در اصل وہ پانی نہیں ہوتا۔

یعنی محبوب حقیقی کے حسن و جمال پر جان فدا کر کیونکہ دلبروں کے حسن میں تجھے سراب کی طرح دھوکا ہوگا اور تجھ کو نادم ہونا پڑے گا مراد یہ کہ لائق پرستش اور عبادت تعالیٰ اکبر کی ذات ہے اسی کی اطاعت کرنی چاہیے اور حسن دلبراں یعنی دنیا کے پر زیب اور دلکش تعلقات سے جو فانی حادث اور ہالک ہیں کبھی دل نہ لگانا چاہیے کیونکہ ان کی مثال سراب کی سی ہے جو مسافر کو پانی کا دھوکا دے کر مار ڈالتی ہے اسی طرح یہ دنیا بھی اپنے عاشق کو رجھا رجھا کر آخر بیوفائی کر جاتی ہے۔

حکایت۔ حضرت عیسیٰ نے مکاشفہ میں دنیا کو ایک بوڑھی عورت کی شکل میں دیکھا پوچھا تیرے کتنے شوہر ہیں کہنے لگی بے شمار آپ نے فرمایا کہ سب نے تجھے چھوڑ دیا کہنے لگی نہیں میں سب کو کھا گئی حضرت نے متعجب ہو کر فرمایا کہ افسوس وہ نادان پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے

قرآن مجید سورۂ مریم رکوع میں آیا ہے

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا

اور بہت سے ہلاک کیے ہم نے ان سے پہلے انسانوں کے طبقے جو باعتبار مال و متاع اور ہیئت و منظر کے ان سے بہتر تھے۔

دوائم پرورش اندر کنار با در ہر	طمع مکن کہ درو بوے مہربانی نیست
مباش غرہ و غافل چو ہیچ سر در پیش	کہ در طبیعت ایں گرگ گلہ بانی نیست

یہ شعر طالب کے لئے بہترین نصیحت ہے۔

۷ ترجمہ معلم تجھے توحید کا کیا سبق پڑھائے جبکہ یہ اسرار کتاب سے باہر ہیں

طالب سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ معلم تجھے عشق و وحدت کا سبق کیا پڑھائے جبکہ یہ رموز و اسرار درسی کتب میں مسطور نہیں یعنی درس عشق کتابوں کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتا اس لئے تجھے حصولِ مقصد کے لئے معلم کے پاس نہیں جانا چاہیئے کیونکہ وہ ان رموز و اسرار جان نہیں سکتا اور جو شخص خود وحدت پرست نہیں وہ تجھے توحید کے نکات کیسے بتلائے گا بلکہ عشق و وحدت کا سبق کسی عارف کامل سے سننا چاہیئے۔

درکشند و ہرایہ عنواں دید خدا را	در صفحۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

اگر توحیدت کی (ت) کی ضمیر خدا تعالےٰ کی طرف منسوب کر کے اس طرح ترجمہ کیا جائے کہ معلم تیری توحید کا سبق کیا بتلائے" تو یہی مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ علمائے ظاہر تیری توحید کے راز بیان نہیں کر سکتے کیونکہ یہ راز علم و عقل کی دسترس سے بعید ہیں البتہ اگر کوئی صاحب تحقیق کامل تیرے اسرار کی ترجمانی کرے تو خلاف قیاس نہیں ہے غالباً یہی مطلب قلندر صاحب کا ہے کہ توحید کے رموز و اسرار حاصل کرنے کے لئے علمائے باطن کی طرف رجوع کرنی چاہیئے۔

۸ ترجمہ ۔ اگر ہمارے شاہد کے جمال پر حجاب ہو تو وہ بالکل جل جائے ۔ کیونکہ وہ حجاب ہے مراد یہ کہ جمالِ محبوب کا حجاب میں چھپنا ممکن نہیں مزید وضاحت کیلئے دیکھو شعر ۱/۴

۹ ترجمہ ۔ تو آئینہ میں اپنی آنکھ کو دیکھ کہ یہ مستی اس جام شراب سے ہے

شراب کی مستی آنکھوں کے خمار سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان میں سرخ ڈورے مستی کی علامت ہوتے ہیں از راہ تشخیص فرماتے ہیں کہ آئینہ دیکھ کہ تیری چشم مخمور کا خمار اس جرانی شراب سے ہے جو بروز الست تجھ کو پلائی گئی وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا جس کی کیفیت ہے

خرد مست و ملائک مست و جاں مست	ہوا مست و زمیں مست آسماں مست

۱۰ چونکہ دید کا ذریعہ آنکھ ہے لہذا آئینہ اور چشم مستی اور جام شراب کی لطافت ظاہر

ترجمہ: خودی کو درمیان سے اٹھا تاکہ وہ اندر آئے خدا کو خودی مثل نقاب ہے
یعنی اپنی خودی اور ہستی کو مٹا تاکہ حجاب دور ہوں اور حسن حقیقی جلوہ پیرا ہو جائے کیونکہ تیرے
اور خدا کے درمیان تیری خودی اور ہستی کا پردہ حائل ہے ورنہ وہ تیرے قریب ہے۔

ترا با حق آں آشنائی دہد — کہ از دست خویشت رہائی دہد
کہ تا با خودی با خدا راہ نیست — دریں نکتہ جز بیخود آگاہ نیست

کسی حوض کے کنارے ایک تشنہ دہن بیٹھا تھا لیکن حوض کے درمیان ایک دیوار حائل
تھی اور وہ غریب پیاس کی وجہ سے سخت مضطرب اور بے قرار تھا جیسا کہ مثنوی شریف کے
مترجم نے باغ و بہار میں لکھا ہے۔

تشنۂ مستسقی زار و نزار — عاشق مست غریب بیقرار

لیکن دیوار حائل ہونے کی وجہ سے پانی تک اس کی رسائی نہ ہو سکتی تھی اور وہ آب
آب پکار رہا تھا۔

ناگہاں اک خشت اس دیوار کی — کھینچ کر پھینکی تو پانی میں گری
گوش میں پہنچی جو اسکے بانگ آب — خشت لے لے پھینکتا تھا جیسا ...
یک بیک اس آب سے آئی ندا — پھینکنے اینٹوں سے کیا حاصل ہوا

یہ سوال سن کر اس نے کہا کہ اس عمل سے مجھے دو فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ پانی کی آواز
سے تسکین و راحت حاصل ہوئی۔

دوسرے جو خشت گرتی ہے ادہر — متصل پانی سے ہوتا ہوں ادھر
اس حکایت کے نتیجہ کی نسبت عارف رومی نے یہ فرمایا ہے۔
جب تلک دیوار ہو تن کی بلند — آب مطلب سے ہو تو تا بہرہ مند
اس سے بادِ سے گانہ جبتک تو نجات — کب میسر ہو تجھے آب حیات

مراد یہ کہ جب تک سالک اپنی خودی اور ہستی سے گذر نہ جائے وصال محبوب حاصل نہیں کر سکتا

سبغتا خود ولیسبر نیست دیدار شما — ے فروشند حضرت ازل خریدار شما

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر (۲۵)

الترجمہ: اے شرف اسرارِ حق ہرگز فاش نہ کر کیونکہ میرے نزدیک یہ خطا ناصواب ہے
یعنی اسرار و رموزِ الٰہیہ کا انکشاف کرنا سخت غلطی ہے اس لئے تو اجتناب کر کیونکہ عوام
اس کے اہل نہیں ہوتے اس لئے ان کے غلطی میں پڑ جانے کا احتمال ہے راز داری کی تعلیم ہے

غزل نمبر ۱۹

چوں بیاد آمدہ ایں قامتِ زیبا کہ تراست	۱	شیخ از جامع مسجد بہ اقامت برخاست
کیست مشاطۂ آں شوخ منم بندۂ آں	۲	کیں چنیں روی بیاراست چنیں پیراست
نیست آں موی مگر سلسلۂ ارواح است	۳	نیست آں روی مگر کارگہِ صنعِ خداست
ہر کہ با عارضِ او گشت معارض بجمال	۴	آخرش روسیہی کرد و ندید ایچ بکاست
گر بہ شمشیرِ محبت کُشدی ہیں نہ زندہ شوم	۵	ور جفا کاری کنی نیز دریں آں عینِ وفاست
جلوہ ریز از رخِ پاکِ تو چہ شمس و چہ قمر	۶	عطر بیز از سرِ زلفِ تو شمال و چہ صباست
سرو با قامتِ او لاف زدن نتواند	۷	کہ دراں شوخیِ رفتارِ حسینانہ کجاست
اے شرف نکتۂ توحید ز روئش مے خواں	۸	نورِ آں روی بر اثباتِ خداوند گواست

۹	ہر علی گر ز ملامت بہ ہوا است رنجید نہ ز اخوانِ صفا و نہ ز مردانِ خداست	۹

الترجمہ: حبیب با تمیز سے قامتِ زیبا کی یاد آئی شیخ نے جامع مسجد سے اقامت اٹھالی
قامت - قد　　　اقامت - قیام
اصطلاحِ تصوف میں محبوب کے قدِ بالا سے صفتِ معبودیت مراد لی جاتی ہے ایسی صورت

میں مطلب یہ ہوگا کہ جب شیخ کو تیری صفتِ معبودیت کا خیال آیا تو وہ بایں خیال جامع مسجد سے چلا گیا کہ عبادت صرف مسجد ہی پر منحصر نہیں اگر وہ عجز و اخلاص سے ہو تو ہر جگہ قبول ہو سکتی ہے۔

منزلِ ارباب قرب است چہ روئے چہ پشت	سجدہ اگر بہ نیاز است چہ مسجد چہ کنشت

بعض دفعہ قامتِ محبوب سے حقیقتِ ذاتیہ بھی مراد ہوتی ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ کی معرفت اور الوہیت وہم و گمان سے ورا الوریٰ ہے اور مسجد اس کی حقیقت کے ادراک کے لئے مخصوص نہیں اس لئے وہ جامع مسجد سے اٹھ کر چلا گیا حاصل یہ کہ شیخ نے زاہدوں کی طرح مسجد کی چار دیواری میں زندگی بسر کرنے کی بجائے ان قیود اور تعلقات سے علیحدہ ہو کر تیری حقیقت شرح کی یا تیرے قدِ بالا کے خیال میں زمرۂ اہلِ قال سے گروہِ وجد و حال میں داخل ہو گیا۔
قامتِ محبوب کے متعلق جس سے کنہ ذات کی حقیقت مراد ہے مختلف صوفیہ کی خیال آفرینی ملاحظہ ہو۔

ہمائے ہمتِ ما عمرِ پست کز جاں	ہوائے آں قدِ بالا گرفتہ است	حافظ
شبلی از قامتِ زیبائے تو میکرد سخن	باز گوئی سخن از عالمِ بالاست کرد	شبلی نعمانی
سخن بلند شد اکنوں بلند سے گویم	کہ تا علم بہ ہوائے تو قدِ بالا گشت	قاسم دیوانہ

۲ ترجمہ۔ اُس شوخ کی مشاطہ کون ہے میں اُس کا غلام ہوں جس نے اس کے چہرے کو آراستہ اور بالوں کو پیراستہ کیا ہے
۳ ترجمہ۔ وہ بال نہیں بلکہ ارواح کا سلسلہ ہے وہ چہرہ نہیں بلکہ صنعتِ خدا کی کارگاہ ہے
مشاطہ۔ کنگھی کرنے والی عورت   کارگاہ۔ جہاں کاریگر کام کرتے ہیں
صنع۔ صنعت گری۔ کاریگری۔

یہ دونوں شعر بلحاظِ تسلسلِ مضمون قطعہ بند ہیں یعنی فرماتے ہیں کہ میں اُس مشاطہ کا غلام ہوں جس نے تیری زلف اور رخ کو آراستہ و پیراستہ کر کے دل پسند اور نظر فریب بنایا کہ ایک عالم اُس پر مر مٹا شعر ثانی میں زلفِ محبوب کو سلسلہ یعنی زنجیر کہہ کر فرمایا کہ وہ زلف نہیں بلکہ ارواح کا سلسلہ ہے اور روئے محبوب کو کارگاہِ صنائعِ عالم کہہ کر فرماتے ہیں کہ وہ چہرہ نہیں بلکہ صنعتِ خالق کی کارگاہ ہے سلسلۂ زلف کی نسبت گلشنِ راز میں لکھا ہے۔

معلق صد ہزاراں جہاں ز ہر سو نشد یک دل برون از حلقہ او

مراد یہ کہ تمام کائنات اس کی زنجیر زلف کا اسیر ہے اور کوئی دل حلقہ ہائے سلاسل سے باہر نہیں چہرہ کی نسبت صاحب گلشن راز نے فرمایا ہے

مگر رخسار او سبع المثانی است	کہ ہر حرفے ازو بحر معانی است

حاصل یہ کہ ایک عالم اس کی زنجیر زلف کا اسیر اور اس کے چہرہ گلگوں کا دیوانہ ہے زلف و رخ سے کفر و ایمان بھی مراد لی جا سکتی ہے ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ زلف کیا ہے بند کفر اور چہرہ انوار ایمان جس سے مومنین اور کفار کا ظہور ہوا

از روئے دوست ایں ہمہ مومن عیاں شدہ وز زلف اوست ایں ہمہ کفار آمدہ

۴۔ ترجمہ۔ چاند نے اس کے چہرے کے ساتھ اپنے حسن کا معارضہ کیا آخر ہار گیا اور اب بدر رخ بے قراری کے ساتھ رو رہا ہے

عارض ۔ رخسار۔ چہرہ۔ معارض ۔ اعتراض کرنا جھگڑنا

رو بکسی کردن ۔ کسی کی طرف منہ کرنا یعنی گھٹنا بڑھنا ہارنا۔ بکا۔ بیقراری کی حالت میں رونا

یعنی چاند نے رخسار محبوب کے ساتھ جھگڑا کیا اور برابری کا دعویٰ کیا۔ آخر تاب حسن نہ لا کر ہار گیا اور ندامت و خجالت کی وجہ سے اب تک بیقراری کے ساتھ رو رہا ہے شاعر نے چاند کے گھٹنے اور پھر بدر ہونے کو اس کے رونے سے تعبیر کیا اور وجہ گریہ یہ بتائی کہ عارض محبوب کے ساتھ معارضہ کرنے سے نادم اور خجل ہو کر رو رہا ہے چونکہ گو رخسار محبوب کا پرتو اور عکس ہے پھر بھلا معارضہ کیوں کیا اور منہ کی کھائی حالانکہ اس کا صرف عارض ہی عارض ہے نہ سر نہ پیر نہ قد بالا پھر بھلا ایں معارضہ چہ معنی دارد!

بمیزان لطف حسن تو با ماہ سنجیدم میان ایں و آں فرق از زمین و آسمان دیدم

اسی مضمون پر سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے۔

قائل النور ز خورشید در رخ خوباں ست	دعوی حسن اگر ماہ کند باشد لاف

مصرعہ ثانی میں اگر بکی کی بجائے کہن پڑھا جائے تو مطلب زیادہ موزوں ہوگا کہ چاند نے رخسار محبوب سے معارضہ کیا اور تاب مقابلہ نہ لا کر آخر نادم اور خجل ہو کر رو بہ کہن کر دیا یعنی چھپ گیا چاند کا

غروب ہونا ظاہر ہی ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ اگر تو مجھے شمشیرِ الفت سے ہلاک کرے تو میں زندہ ہو جاؤں اور اگر جفا کرے تو میرے نزدیک عینِ وفا ہے۔

رضا و تسلیم کا اس سے بہتر نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے لفظ لفظ سے ادب ٹپکتا ہے ع

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

سر العشق میں قلندر صاحب جفائے محبوب کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

" آں جفا را کہ معشوق کند بر عاشق چوں بحقیقت بنگری بدانی کہ آں جفا از معشوق برائے طلبِ وفا است زیرا کہ در مقامِ فراق مقام کردن و در بے خودی آرام گرفتن کثرتِ دوئی است او مے خواہد تا کہ کثرتِ دوئی عاشق بوحدت رسے باز آید و در بے پیوندی پیوند سے پدید آید!!"

۶۔ ترجمہ۔ تیرے رخِ پاک سے جلوہ ریز ہے کیا سورج اور کیا چاند اور تیری زلف سے عطر بیز ہے کیا شمال اور کیا صبا۔

شمال۔ وہ ہوا جو شمال کی طرف سے چلے۔ صبا۔ جو ہوا مشرق کی طرف سے چلے

یعنی شمس و قمر تیرے رخسارِ پر انوار سے جلوہ نما اور شمال و صبا تیری مشکبیز زلف سے مشکبو اور عطر بیز ہیں یعنی ہر چیز میں جمالِ لایزال کا پرتو اور ہر پھول زلفِ مشکبو کی خوشبو ہے۔

اگر زلف سے عالمِ کثرت مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ محبوبِ مطلق کا نور پردہ کثرت میں ہے اور کائنات کے تمام نقش و نگار آئینہ نور کی شعاعیں ہیں جو پردہ کثرت سے باہر نکل نکل کر ظاہر ہو رہی ہیں وحدت اور کثرت کے متعلق مولانا جامی کی پوری غزل ملاحظہ ہو۔

ساریست سرِّ عشق در اعیاں علی الدوام — کالبدر فی الدجیٰ و کالشمس فی الغمام

کس را چو تاب سطوتِ دیدارِ خود ندید — در پردہ صورِ اہلِ نظر مے کند خرام

ممکن ز تنگنائے عدم ناکشیدہ رخت — واجب بہ جلوہ گاہِ عیاں نانہادہ گام

در حیرتم کہ ایں ہمہ نقشِ غریب چیست — بر لوحِ صورت آمدہ مشہورِ خاص و عام

ہر یک نہفتہ لیک ز مرآتِ آں دگر — بر داشتہ ز جلوۂ احکامِ خویش کام

بادہ پنہان و جام پنہاں آمدہ پید   در جام عکس بادہ و در بادہ رنگ جام

دوست یک گفتگوئے کہ آغاز ما چہ بود   جیسے بہ جستجوئے کہ انجام ما کدام

جامی معاد و مبدا ما وحدت است و بس   ما در میانہ کثرت موہوم والسلام

۷ ترجمہ۔ سرو اس کے قامت کی برابری نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں حسینانہ رفتار کی شوخی کہاں ہے۔

سرو کو بوجہ درستی قامت ہونے کے قدِ محبوب سے تشبیہ دی ہے فرماتے ہیں کہ سرو گو راست قامت ہے لیکن محبوب کے قدِ بالا کی برابری نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں حسینانہ رفتار نہیں گو راست قامت ہے مگر پاجگی اور ساکن ہے اس لیئے اس کی برابری کا دعویٰ قابلِ اعتبار نہیں

سرورا کیرم کہ دارد با قدِ او راستی نسبتے (رقی) آں گلِ رخسارہ کو آں شیوۂ رفتار کو

سرو اور قدِ یار کے مقابلہ میں مختلف شعرا کی خیال آفرینی ملاحظہ ہو۔

سرو را با قدِ رعنائے تو بود نسبتے (جامی) گر ز گل عارض و از غنچہ دہانی پیداشت

سرو را قدِ یار سے گو بند (شوکت) سرو جمعیت نازاں شدہ

اگر بگلشن ز ناز گردد قدِ بلند تو جلوہ فرما (بیدل) ز بیکسی سرو موج خجلت شود نمایاں بجوئے زیبا

کسے از راستی خوش نبودہ است چگل (شوکت) سرو پیشِ قدش از راستی خود خجل است

قامت شیوۂ رفتار چوں بنیاد کند (ملا زہانی) سرو را بندۂ خود سازد و آزاد کند

قدِ موزوں ترا با سرو نسبت چوں کنم (عرفی) ایں قدر خود فرق در موزوں و ناموزوں کنم

سرو پیادہ خوش بود اندر چمن و لے (امیر خسرو) آں سرو کہ پیادہ خوش است سوار خوش

شد منعدم است پیش قدش الشتت زخود است (صائب) باغ زنگلے پیادہ و سرو سوارہ اش

حلقہ ہا در گوش سرو از طوق قمری میکند (رر) گر بگلشن راہ قدِ سرو خراما نے ترا

بگلشن کہ در آمد بجلوہ نخل قدش (رر) چوں ابر از سر سرو آب انفعال گذشت

بگلستانے کہ آں شمشاد قامت بگذرد (عرفی) سرو را انگشتِ حیرت بر لب جو میکند

سرو سہی کہ خواستہ بود از چمن بپا رسد (رر) چوں دید شکل قد ترا بر زمیں نشست

۸ ترجمہ۔ اسے شرف توحید کے نکات اس کے چہرے سے پڑھ کیونکہ اس کے چہرے

کا نورِ خدا کے اثبات پر گواہ ہے۔

یعنی نکاتِ وحدت محبوب کے چہرے سے پڑھ

اگر رخسار او سبع المثانی ست	کہ ہر حرفے از و بحر معانی است

رخسار کو مصحف بھی کہتے ہیں قرآن مجید نکاتِ توحید سے سراسر لبریز ہے اس لئے قلندر صاحب کا یہ کہنا کہ وحدت کے نکات رخسارِ محبوب سے پڑھ کس قدر کھلی ہوئی حقیقت ہے اصطلاح میں رخ سے مظاہر کونیہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ ع

رخ ایں جا مظہرِ نورِ خدا ئیست

ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مظاہر کونین کے ہر ذرہ میں اس کی وحدت کا جلوہ ہے تو بھی ان مظاہر سے توحید کا سبق حاصل کر۔ ع

ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

۹ ترجمہ۔ اگر بوعلی تیرے عشق میں ملامت سے رنجیدہ ہو تو نہ وہ اہل صفا سے ہے نہ مردانِ خدا سے

یعنی اگر بوعلی تیری محبت میں طعن و ملامت سے رنجیدہ ہو تو وہ اہل صفا اور مردانِ خدا سے نہیں ہے اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر (۱۲/۱۲)

غزل نمبر ۲۰

مائیم و چشم و قفِ رہِ انتظارِ دوست ۱ بنشستہ ایم ما بسرِ راہ گذارِ دوست

گر دوست جلوہ گر نشود امشب بجانِ ام ۲ ہوش و حواس و صبر کنم من نثارِ دوست

اے خضرِ دستگیرِ من بے قرار باش ۳ آوارہ مے روم و ندانم دیارِ دوست

ہر جا کہ مے بردم اسپ چارہ می روم ۴ باشد عنانِ من بکفِ اختیارِ دوست

ماہیم در پسِ ہجر کہ شام و سحر کشیم ۵ خوش طالعے کسے کہ شود ہمکنارِ دوست

مرغِ دلم بہ دانۂ دنیا نمے پرد ۶ زیرا کہ گشت طائرِ روحم شکارِ دوست

ایں دفترِ ارباب دہی پُر مناسب است ۷ کیں علم و عقل و دین تو باید بکارِ دوست

تا دوست در کنارِ من آید بدیں امید ۸ دل از کنارِ من رود اندر کنارِ دوست

۹	گر چشمِ دل کشادہ شود اے شرف ترا ہر ذرہ جہاں شود آئینہ دارِ دوست	۹

۱۔ ترجمہ۔ میری آنکھیں دوست کے انتظار میں وقفِ راہ ہیں اور ہم دوست کی گزرگاہ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔

مطلب صاف ہے علامہ اقبال اس مضمون پر فرماتے ہیں۔

نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانہ ابھی وہی کیفیت ہے اسکی ‌ کہیں سرِ رہگذار بیٹھا ستم کشِ انتظار ہوگا

۲ ترجمہ۔ اگر دوست آج رات میرے گھر میں جلوہ افروز ہو تو میں ہوش و حواس اور صبر اس پر نثار کر دوں۔

ظاہر ہے کہ اگر محبوبِ حقیقی خانۂ دل میں جلوہ گر ہو تو ظاہری ہوش و حواس عقل اور بیکار ہو جاتے ہیں اور یوں بھی جلوۂ محبوب کے وقت عاشق کا از خود رفتہ ہونا تعجب خیز نہیں قلندر صاحب نے بھی اسی کیفیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حکایت عاشق اور دیدارِ محبوب کے متعلق روایت ہے کہ جب مجنوں کی دیوانگی حد اعتدال سے تجاوز کر گئی تو اس کے والد نے لیلیٰ کے باپ سے مجنوں کی شادی کی درخواست کی کہ اب تو اس غریب کو صدمۂ انتظار سے رہا کرو لیلیٰ کے باپ نے مصلحتاً عذر کیا اور کہا کہ یہ معاملہ کچھ اور ہے اگر ایسا ہو گیا تو بہت خطرناک حالات رونما ہو جائیں گے فی الحقیقت اس کی سلامتی جدائی میں ہے بے حد اصرار کے بعد لیلیٰ کے باپ نے آزمائش کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا۔

باپ نے پھر دی ندا ہو کر اداس — آ دُلاری لیلیٰ اک دم میرے پاس

جب لیلیٰ کے باپ نے لیلیٰ کو اپنے پاس بلایا

جب اٹھی لیلےٰ تو دامن پر نظر — جا پڑی مجنوں کی اس دم بے خبر

اب کیا تھا جوش جنون از سر نو تازہ ہو گیا اور کچھ عرصہ کے لئے ہوش و حواس نذرِ محبوب ہو گئے

گر پڑا بیتاب ہو کر دل حزیں — مارتا تھا وہ پڑا سر بر زمیں
پھر کیا لیلےٰ کے والد نے کلام — دیکھ لے مجنوں کو تو اے نیک نام
دیکھ کر دامان لیلےٰ ہی یہ حال — اُس کو گر دیکھے تو جینا ہی محال

اس حکایت اور مثال سے یہ بھی واضح ہو سکتا ہے کہ دیدارِ بے حجاب کی نفی جو قرآن مجید میں وارد ہے مصلحت کا تقاضا ہے کیونکہ سالک اُس نظارے کا متحمل نہیں ہو سکتا

۳۔ ترجمہ:۔ اے خضر مجھ بے قرار کا دستگیر بن کیونکہ میں آوارہ ہوں اور دیارِ دوست نہیں جانتا

خضر۔ لغوی تحقیق کیلئے دیکھو شعر (۱۲)

ظاہر ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ہر آوارہ و گمراہ کی رہنمائی پر منجانب اللہ مامور ہیں لیکن قلندر صاحب کا روئے سخن اپنے مرشد اور پیر طریقت کی طرف ہے منزل عشق کے پیچ در پیچ رستے اور پھر اندھیری رات میں طے کرنے کچھ معنی رکھتے ہیں جب تک عالم تعینات کی تاریکی میں شمعِ ہدایت اور نورِ تجلی رہبری نہ کرے ان کو طے کرنا اور ان سے صحیح و سلامت گذر جانا محال ہے خواجہ حافظ انہی راہ و پیچ اور شمعِ ہدایت کے متعلق فرماتے ہیں۔

شب تیرہ چو سر آرم رہ پیچ پیچ زلفت — مگر آں کہ شمع رویت برہم چراغ دارد

قلندر صاحب بھی اپنے راہبر طریقت سے التجا کرتے ہیں کہ میری راہبری کرو اور دیارِ محبوب کا راستہ بتاؤ منزلِ عشق کے پیچیدار راستے بوسیلہ مرشد ہی طے ہو سکتے ہیں چنانچہ مولانا روم ان منزلوں کے خطرات اور مرشد کی ضرورت کے متعلق مثنوی شریف کے دفتر اول میں فرماتے ہیں۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر — ہست بس پر آفت و خوف و خطر
ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد — او ز غولاں گمرہ و در چاہ شد
گر نہ باشد سایۂ پیر اے فضول — پس ترا سرگشتہ دارد بانگ غول

بار با پدر زاہ بانشہ سا امرد	از سر طور اندریں صحرا مرد	
اندریں وادی مرو ای بیدلی	لا احب الآفلین گو چو خلیل	

سوالکہ سری الف۔ پر لکھا ہے کہ قلندر صاحب کو جناب خضر علیہ السلام کی ملاقات نصیب ہوئی تھی اس لئے شعر ہذا میں مرشد کے معنوں میں لفظ خضر کا استعمال ایک خاص لطف پیدا کرتا ہے

۴۔ ترجمہ جس جگہ کہ تجھے لے جاتا ہے بیچارہ چلا جاتا ہوں میری عنان دوست کے اختیار میں ہے

عناں ۔ باگ گھوڑے کی

باگ سوار کے قابو اور اختیار میں ہوتی ہے جس طرف سوار عنان کا رخ پھیرتا ہے گھوڑے کو اسی طرف پھرنا پڑتا ہے بعینہٖ قلندر صاحب نے یہی حالت اپنی بیان فرمائی ہے کہ میری تمام حرکات و سکنات محبوب کے کف اختیار میں ہیں جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے کراتا ہے یہ شعر بھی تسلیم و رضا میں ہے۔ لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللہ۔

۵۔ ترجمہ ہم ہیں کہ صبح سے شام تک ہجر کا رنج اٹھاتے ہیں خوش طالع وہ ہے جو دوست کا ہمکنار ہو۔

طالع ۔ بالکسر اسم نصیب۔ برآمدہ و طلوع کنندہ۔ اور نجومیوں کی اصطلاح میں ایک برج ہے جو ولادت یا کسی چیز کے سوال کے وقت افق شرقی سے نمودار ہوتا ہے اور ہر طالع کا اثر بارہ برج سے نحوست اور سعادت میں علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔

اپنی ہجراں نصیبی اور اغیار کی ہم آغوشی کا اظہار کیا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ خوش طالع شخص وہی ہوتا ہے جو کنار محبوب میں رہ کر وصال کی لذت اٹھاتا ہے۔

۶۔ ترجمہ۔ میرا مرغ دل دنیا کے دانہ کی طرف مائل نہیں ہوتا کیونکہ میرا طائر روح دام دوست کا شکار ہو گیا۔

دانہ ۔ سے مراد تعلقات کونین ہیں یعنی میرا دل دانہ دنیا (تعلقات کونین) کی طرف مائل نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کہ میرا طائر روح معشوق کے دام محبت کا نخچیر ہے الغرض یہ شعر اسیری عاشق کا بہترین نمونہ ہے۔

	بنالہ معشوق چوں بیت بیاسے	الزمہ بسند ا ر ا بودن

۷۔ ترجمہ سائیں دفتر کو برباد کرنا اچھا ہے کیونکہ علم وعقل اور دین دوست کے کام نہیں آتے

مراد یہ کہ دفترِ علم وعقل کو برباد اور غارت کر دینا ہی اچھا ہے کیونکہ ذات کی حقیقت عقل وعلم کے ادراک سے بالاتر ہو یہ دونوں اس کے ادراک سے عاجز اور قاصر ہیں۔

صوفیا نے عقل کی دو قسمیں لکھی ہیں ۱۔ عقل فلسفی و دنیوی ۲۔ عقل ایمانی و دینی

عقلِ فلسفی تو واقعی ترک کر دینے کے قابل ہے کیونکہ یہ حاجب عن الحق ہوتی ہے وجہ یہ کہ یہ ہر بات میں دلیل طلب کرتی ہے اور کنہ ذات کی حقیقت کا ادراک عقلیہ دلائل سے برتر ہے اس لئے یہ عقل تو یہاں کام نہیں دیتی البتہ عقلِ ایمانی و دینی کہ وہ مشیرِ الہام ہی ہے قابلِ اعتماد ہو سکتی ہے شعر ہذا میں قلندر صاحب کا روئے سخن عقلِ فلسفی و دین و ایمانِ تقلیدی و علمِ رسمی کی طرف ہے جو واقعی حاجب عن الحق ہے۔

عشق و عقل کے مقابلہ میں قلندر صاحب نے اپنے دیوان میں متعدد جگہ طبع آزمائی کی ہے وہاں قلندر صاحب کی مراد یہی عقلِ فلسفی یعنی جزوی و عرفی ہی ہے چنانچہ دیکھو شعر ۱۳/۴، ۲۲/۱، ۲۲/۳، ۲۹/۲، ۳۷/۸، ۳۷/۹، ۲۶/۲۷، ۱۶/۲، ۱۴/۲، ۲۴/۹، ۶۲/۱۰، ۶۷/۱۲، ۷۴/۲، ۷۵/۳، ۸۶/۸۔

۸۔ ترجمہ سا گر دوست اس امید پر میری بغل میں آئے تو میرا دل اپنی کنار سے آغوشِ محبوب میں چلا جائے

مصرعہ اولیٰ میں بدیں امید سے مراد یہ ہے کہ اگر محبوب دل لینے کی امید پر میری بغل میں آ سکے تو میرا دل بلا طلب آغوشِ محبوب میں چلا جائے تو ہے سخا!

۹۔ ترجمہ سا اے شرف اگر دل کی آنکھ کھول جائے تو تجھے جہاں کا ذرہ ذرہ آئینہ دارِ دوست معلوم ہو۔

آئینہ۔ منہ دیکھنے کا شیشہ۔ آئینہ دار۔ آئینہ دکھلانے والا یا آئینہ نما۔ یہاں مظاہرِ کونین مراد ہیں۔

دنیا محبوبِ مطلق کے نور کے لئے آئینہ ہے فرماتے ہیں کہ اگر تو بھی چشمِ دل سے دنیا کے مظاہر پر غور کرے تو تجھے کائنات کا ذرہ ذرہ نورِ مطلق کا آئینہ معلوم ہو اور تو ہر ذرے

میں مانس کا نور دیکھیے۔

چشمِ حق بیناں اگر بودے ترا — او رخ از ہر ذرّہ بنمودے ترا

نیز دیکھو شعر ۱/۶، ۵/۴

غزل ۲۱

گر عشق حقیقی است وگر عشق مجاز است ۱ مقصود ازیں ہر دو مرا سوز و گداز است

گفتی تو الست از دم آواز بلی من ۲ ہنگر کہ مرا با تو ز میثاق نیاز است

راز تو طلب نا ورد و دل شود ش خوں ۳ ہر کس کہ دریں دہر ترا محرم راز است

عشق است و صدآفات و محن لازم و ملزوم ۴ ایں منزلِ دشوار و رہِ محنت دراز است

ایں جائے مجال است کہ در کعبہ تواں دید ۵ بنگر سوئے بتکدہ گر چشم تو باز است

اندر دلِ او گاو خر و ذکر بہ لب ہا ۶ قاضی بہ تصور کہ ہمیں حق نماز است

۷ خواہی کہ روی بر درِ آں دوست قلندر
آں ہدیہ کہ مقبول شود عجز و نیاز است ۷

اے ترجمہ حقیقی عشق ہو یا مجازی ان دونوں سے میرا مقصود سوز و گداز ہے
مجاز بفتح راہ۔ جائے گذشتن و ضد حقیقت اور وہ کلمہ جو اپنے اصلی لفظوں کے غیر معنوں میں استعمال ہو اور اس کے حقیقی موضوع کے معنے متروک نہ ہوئے ہوں مثلاً اصل میں خر کا معنی حیوان ناطق ہیں لیکن تشبیہاً احمق آدمی پر بھی اطلاق کرتے ہیں اسی طرح خوان خواستند طعام خواستند کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی عشق خواہ مجازی ہو خواہ حقیقی سوز و گداز دونوں میں ہوتا ہے اور

دونوں کا مقصود بھی ایک ہی ہے چنانچہ حقیقت تو حقیقت ہی ہے اب رہا مجاز سو اس میں بھی اگر شرائط کی پابندی کی جائے تو وہ حقیقت کی منزل میں پہنچا دیتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے
المجاز قنطرۃ الحقیقۃ

حضرت عارف رومیؒ عشق کی صفات کے تحت میں لکھتے ہیں ۔

عاشقی گر زیں سر و گر زاں سر است	عاقبت ما را بداں شہ رہبر است

اس شعر کی شرح میں شارح صاحب مثنوی فرماتے ہیں کہ مولانا نے اس شعر میں سر بمعنی طرف ہے جس سے مولانا نے عشق مجاز کو ذریعہ معرفت الٰہی ہونا بیان فرمایا ہے کہ عشق خواہ اس طرف کا ہو یعنی مجازی خواہ اس طرف کا ہو یعنی حقیقی لیکن آخر وہ طالب کو بارگاہ حق جل علی شانہ میں لے پہنچاتا ہے اگر وہ خالص حقیقی ہو تو اس کا حضرت حق میں لے جانا ظاہر ہی ہے کیونکہ موصل الی اللہ ہوتا ہے اور اگر عشق مجازی ہو تو وہ ایک خاص طریقہ سے منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور عاشق موصل الی اللہ کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور اس طرح یہ دونوں عشق ذریعہ معرفت اسرار بن جاتے ہیں لیکن مطلق عشق مجازی کو ذریعہ معرفت اسرار نہیں کہہ سکتے اس لئے مولانا نے شعر میں (ما) کی قید لگا دی جس سے عارفین حق مراد ہیں کہ وہ مجاز سے حقیقت حاصل کرنے کا طریقہ جانتے ہیں۔

طریقہ۔ اگر اتفاقاً عشق مجازی میں مبتلا ہو جائے تو ان باتوں کا خاص خیال رکھے۔

۱۔عفت اور پارسائی اختیار کرے ۔کوئی امر خلاف شرع نہ کرے نہ قصداً دیکھے نہ بات کرے حتیٰ کہ قصداً دل میں بھی اس کا خیال نہ لائے کیونکہ شرع کی مخالفت منافی ہے حقیقت کی اور منافی کے ہوتے ہوئے کیونکہ امید ہو سکتی ہے کہ عشق حقیقی حاصل ہو جائے۔

۲۔اس سے دوری اختیار کرے کہ اتفاقاً بھی اس پر نظر نہ پڑنے پائے نہ اس کی آواز کان میں پہنچے ۔یہ قلب میں سوز و گداز پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اگر قصداً اس کے خلاف کرتا رہا تو عمر بھر میں مطلوب حقیقی کی طرف توجہ نہ ہوگی

۳۔خلوت و جلوت میں خیال کرے کہ اس کے حسن و جمال کا ماخذ کون ہے جب مجازی موصوف کی یہ حالت ہے تو موصوف حقیقی کی شان کس قدر ارفع و اعلیٰ ہے اس سے اس کا عشق مخلوق سے خالق مصنوع سے صانع کی طرف منتقل ہو جائے گا ۔

ثابت ہوا کہ عشق ہے گو وہ مجازی کیوں نہ ہو قلب میں سوز و گداز ضرور پیدا ہوتا ہے اور سوائے معشوق کے باقی تعلقات یکسر کافور ہو جاتے ہیں اور خیالات میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے البتہ صرف اس تعلق کو حق تعالیٰ کی طرف پھیرنے کا کام باقی رہ جاتا ہے جو آسانی سے شیخ کامل کے ذریعہ ممکن ہے یہی مراد قلندر صاحب کی ہے کہ ان دونوں سے میرا مقصود سوز و گداز ہے۔

۲ ترجمہ۔ تو نے الست کہا اور میں نے بلیٰ کی آواز دی دیکھ تجھ بغیر سے سامنے میثاق سے نیاز ہے۔

اَلَسْتُ۔ قرآنی آیت کا حصہ یعنی الست بربکم (کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب) جس کے جواب میں ارواح نے کہا کہ بلیٰ (ہاں یعنی حق تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔

میثاق۔ عہد و پیمان واستواری روز الست جبکہ روحوں سے اقرار ربوبیت لیا گیا

نیاز۔ حاجت۔

مطلب یہ کہ روز میثاق بالفاظ الست بربکم اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اور میں نے از رہِ نیاز بلیٰ کہا اب دیکھ کہ میں اس دن سے تیرا خواہشمند ہوں۔

روایت ہے کہ جب حسب الحکم باری تعالیٰ بروز میثاق ارواح کی چار صفیں قائم ہو گئیں تو ارشاد ہوا الست بربکم جس کے جواب میں صف اول و دوم نے جو انبیاء، اولیا اور مومنین کی روحیں تھیں دل اور زبان سے کہا بلیٰ، دوسری فرمان پر تیسری صف کی روحوں نے جو منافق تھے دل سے نہیں بلکہ زبان سے ہاں میں ہاں ملا دی تیسرے فرمان پر کفار کی روحوں نے جو چوتھی صف میں تھیں کہا اَنَا اَنَا۔ اَنْتَ اَنْتَ یعنی ہم ہم ہیں اور تو تو ہے۔

وہ اقرار اسی طرح انبیاء اور اولیا کو عالم اجسام میں بھی یاد ہے چنانچہ اسی کے اثبات میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی دہلوی نے فرمایا ہے کہ مجھے الست بربکم کا نغمہ رب کی زبان میں سنایا گیا تھا جو مجھے اب تک یاد ہے

قلندر صاحب نے بھی میثاقیہ اقرار کا اظہار کر کے یہ بات واضح کر دی کہ میں اس وقت سے تیرا نیازمند ہوں جب کہ کائنات کے یہ جلوے اور رعنائیاں پردہ عدم میں مستور تھیں اور حسن مطلق کے سوا کوئی چیز موجود نہ تھی غرض یہ کہ میں پرانا عاشق ہوں میری اسیری نئی نہیں۔

کچھ آج میں نے بھی پی ہے حضرت واعظ	ازل کا مست پرانا شراب خوار ہوں میں

۳۔ ترجمہ۔ جو شخص اس دنیا میں تیرا محرم راز ہے اس کا دل خون ہو گیا لیکن راز لبوں پر لایا عاشق و معشوق آپس میں راز دار ہوتے ہیں اور صوفیائے کرام نے رازِ عشق کو پوشیدہ رکھنے کی تاکید کی ہے حضور رسالت مآب کا محترم ارشاد ہے کہ راز جب دو لبوں سے باہر ہو گیا تو سمجھو کہ شائع ہو گیا شائع ہونے سے بڑی بڑی خرابیوں کا احتمال ہوتا ہے جس کی وجہ سے عوام ان رازوں اسرار کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عاشق بدنام ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ جان پر آ بنتی ہیں چنانچہ اکثر صوفیائے کرام نے حالتِ سکر میں کچھ ایسے کلمات زبان سے کہے جن کے مفہوم کو عوام سمجھ نہ سکے چونکہ یہ راز اُس امانتِ عشق سے متعلق ہیں جس کو قدرت کی بھاری بھرکم مخلوق نے بھی اٹھانے سے اپنے عجز کا اقرار کیا جس کے بعد یہ امانت حضرتِ انسان کو سپرد کی گئی اس لئے اس امانت کا اٹھانا اور اُس کے رازوں کی حفاظت کرنا کچھ معنی رکھتا ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ تیرے راز کی امانت جو شخص اپنے صندوقِ سینہ میں بند رکھے اُس کا دل آخر خون ہو جاتا ہے لیکن زہے ہمت تیرے محرمانِ راز کی کہ جو تیرے راز سے واقف ہوا وہ چل گیا لیکن آہ نہ کی۔

نوٹ۔ سکر کی حالت میں سالک راز کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے چنانچہ جن صوفیاء نے ایسے کلمات کہے وہ اسی حالت کے تحت ہیں کہے صاحبِ صحو لوگ ہمیشہ اس سے اجتناب کرتے رہتے ہیں۔

افشائے راز کے متعلق "سرالعشق" میں خود قلندر صاحب فرماتے ہیں۔

"بشنو سبب ہلاکی عاشق دریں راہ از افشائے سرِ معشوق است زیرا که در عالم طریقت افشائے سرِ ربوبیت کفر ثابت است و کفر از نور ایمان بغیرت معشوق ارتداد بود و ارتداد موجب قتل ! مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ ۔"

۴۔ ترجمہ۔ عشق میں صدہا آفات ممکن لازم ہیں یہ منزل دشوار اور رستہ دراز ہے۔

محن۔ بکسر میم مِحْنَۃ کی جمع بمعنی رنج و تکلیف۔ آزمودن امتحان لینا آزمائش کرنا عشق کہنے کو تو ایک معروف کلمہ ہے لیکن اگر اس کی حقیقت پر غور کیا جائے تو عشق

اس کی ہمہ گیری کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کیونکہ حقیقت میں تخلیقِ عالم کی علتِ غائی اور ظہورِ مطلق کا حقیقی معیار
اسی عشق ہی کو بنایا گیا ہے اور دنیا کا نظم ونسق اسی کی بدولت قائم ہے اگر اس کی ابتدائی رنگ آمیزیوں
پر غور کیا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ عشق کیا ہے بچوں کا کھیل ہے جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر شیخ و شاب
کو اس لعبتِ عشق سے دل بہلانا چاہیے۔

ہندی کو اس کی ابتدائی منزلیں ایسی روح افزا، دل نواز اور دلکش معلوم ہوتی ہیں اور حسن و عشق
کی مخفی رمزوں اور معشوق و شیدائی کی روح پرور داستانوں میں ایسا لطف حاصل ہوتا ہے کہ وہ فیلِ مست
کی طرح جھوم جھوم کر طے مسافت کرتا ہے اور بے تاب دل ہار دیتا ہے۔

عشق کی ابتدائی منزلوں کی خوش آئند اور خوش گوار ہواؤں کے روح پرور جھونکے عاشق
کو صورِ اسرافیل کی آواز معلوم ہوتے ہیں کہ مردوں میں از سرِ نو جان ڈال دیتے ہیں یوسف کا کام دیتے ہیں
جس نے مصر سے کنعان پہنچ کر حضرت یعقوب کی آنکھوں کو بینائی عطا کی رعد کی آواز پیدا کرتے ہیں خشک
اور سنگلاخ زمین پر اپنی آب پاشیوں سے گلستان اور سبزہ زار کا فرش بچھا دیتی ہے روضۂ دارالسلام کی
کی اس ہوا کا لطف آتا ہے جو جنت میں اہل جنت پر چلے گی یا وہ لیلیٰ کے پیام معلوم ہوتے ہیں جن سے
مجنوں کے مردہ تن میں جان آتی تھی غرضیکہ عاشق کو طے مسافت میں کسی قسم کی ذلت و رسوائی معلوم نہیں
ہوتی چونکہ کائنات ظہور اور تخلیقِ عالم کی علتِ غائی یہی حضرتِ عشق تھے اور قدرت کو اس کا وجود منظور تھا
اس لئے آسانی سے ہر بشر کے دل میں اس کو جگہ مل گئی اور ہر شخص نے اپنے زعم میں عاشق ہونے کا دعویٰ
کیا لیکن اس کا ایفا اور نبھانا ایسا ہی مشکل نظر آیا جیسا کہ اس کی ابتدائی منزلیں سہل اور آسان معلوم ہوئیں
چنانچہ کچھ دور آگے چل کر کچھ اور رنگ دیکھنا پڑتا ہے جو منزلیں فراخ اور سبزہ زار سے معمور نظر آتی تھیں
جہاں کی ہوا دمِ عیسیٰ کا کام کرتی تھی اس کی بجائے اب خار دار جنگل ہیں اور بادِ سموم اور ریگستان ہیں اور
سراسر ایسی زمین ایسی سنگلاخ کہ ہر قدم پر خار و خارا کے درمیان مرکبِ عشق ٹھوکریں کھاتا ہے اور رک جاتا
ہے ایسے مقام پر پہنچ کر کہنا پڑتا ہے کہ عشق کیا ہے باغِ محرومی کا اک خود رو پھول ہے جسے باغبان
کی پروا نہیں ہوتی گل چیں کا اندیشہ نہیں ہوتا غرضیکہ عاشق کی امیدیں ٹوٹنے لگتی ہیں کم ظرف اور دوں
ہمت عاشقوں کے لئے یہ مقام قعرِ ذلت ہے وہ اسی مقام پر رہ جاتے ہیں اور آگے ترقی نہیں کر
سکتے لیکن خدا تعالیٰ نے جنہیں عالی ظرفی اور عزم و استقلال کے ساتھ تحقیق و اجتہاد کا سامان عطا

فرمایا ہو وہ ہر ایک امتحان میں پورا اترنے کے بعد آخر حریمِ محبوب میں وصال کی لذت اٹھاتے ہیں
بقول داغ دہلوی مرحوم۔

رہ رو راہِ محبت کا خدا حافظ ہے　　　اس میں دو چار بڑے سخت مقام آتے ہیں

چونکہ قلندر صاحب بھی راہِ عشق کے مسافر ہیں اس لئے شعر زیرِ بحث میں منازلِ عشق کی
کی دشواریوں کا خیال کر کے فرماتے ہیں کہ عشق آسان نہیں بلکہ نہایت دشوار اور مشکل ترین مہم ہے سر العشق
میں فرماتے ہیں :-

"بادیہ بے پایانِ عشق مردم خوار است و در وے کل اصناف مردم خوار
است اگر عاشق را برگِ مسافرت بود درست و رشارع بے سراوی زند بلکہ نہالِ ہستی
از چمن وجود برکندہ و در دریائے نیستی افگند"

راہیست پر از خطر رہِ عشق　　　آنجا ہمہ راہزناں بیباک
بے بدرقۂ عنایتِ تو　　　نتواں شد ازیں رہِ خطرناک
جامی علیہ الرحمۃ

۵۔ ترجمہ :- یہ وہی جگہ ہے جو کعبہ میں دیکھی اگر تیری آنکھ کشادہ ہے تو بتکدہ کی طرف دیکھ
باز بہ بیز لئے بمعنی کشادہ تکرار بمعاونت کا رسی تشبیب۔ تمیز و تفرقہ۔ جانب۔ گذرگاہ
نام طائر ہے شکاری۔ شراب احدا مباح و فراخ و بمعنی برگشتن۔ وصیغۂ امر از باختن و باز بدن شعر زیر
تشریح میں کشادہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے
یعنی عاشقِ حق کے لئے کعبہ و بتخانہ میں ایک ہی مطلوب کا جلوہ ہے اور جن کو نورِ بصیرت
عطا کیا گیا ہے وہ دونوں جگہ اسی کا نور مشاہدہ کرتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ نورِ مطلق کا ظہور ہر جگہ
اور ہر چیز میں عیاں ہے کوئی تفاوت نہیں کعبہ بھی اسی کے نور سے معمور ہے اور بتخانہ بھی اسی نورِ مطلق کی
آماجگاہ ہے۔

اسی کا نور ہر شے میں جلوہ گر دیکھا　　　اسی کی شان نظر آگئی جدھر دیکھا

آیت اللہ نور السموٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح ط المصباح فی الزجاجۃ
الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد۔ اس کی شاہد ہے۔

۶۔ ترجمہ :- اس کے دل میں گناہ خیز ہے اور خدا کا ذکر لب پر فاضی التصویر میں ہے کہ

نماز کا حق یہی ہے

گاہ گاہ خبر مرا از تعلقات دہر

مطلب یہ ہے کہ دل تو علائق دنیوی میں گرفتار ہے اور ذکر خدا در لب ہے۔ تعجب ہے زاہد صاحب اس کو زہد و عبادت سمجھ بیٹھے ہیں

	بر زباں تسبیح و در دل گاو خر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر	

فی الحقیقت نماز سے عاشقوں کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ دل کو زمانے کے تعلقات سے خارج کر کے خیالات میں یکسوئی پیدا کی جائے اور بارگاہ رب العزت میں بحضور قلب کھڑے ہو کر اس کی تسبیح و تمجید کی جائے جس عبادت میں یکسوئی نہیں توجہ الی اللہ نہیں اس کو عبادت نہیں کہنا چاہیے بلکہ وہ سراسر مکر اور فریب ہے قلندر صاحب نے کسی ظاہر پرست کو طنزاً کہہ ہی دیا کہ یہ تیری نماز نہیں دام فریب ہے شرم کر۔

	تو درون نماز و دل بیروں گشت است کہ کند پنہانی	
	ایں چنیں حالت پریشاں را شرم باید نماز سجدانی	

ترجمہ :- اے قلندر اگر دوست کے دروازے پر جانا چاہتا ہے تو وہاں ہدیہ عجز و نیاز ہی قبول ہوگا۔

مطلب صاف ہے کہ بارگاہ محبوب میں باریاب ہونے کے لیے عجز و انکسار کی ضرورت ہے اس لیے تو بھی عاجزی اختیار کر کیونکہ یہی ایک وسیع اور گراں سنگ تحفہ ہے اسی مضمون کے لیے دیکھیے شعر ۲ نمبر ۱

غزل ۲۲

	مرا اندر گرہ گر نقد دیں است ۱ چرا چشم تو آں را در کمین است	
	زہے آں عقبۂ عالی کہ آنجا ۲ جبین آسماں ہم بر جبین است	

ستمگارے کہ مارا جان و دل برد ۳ ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

بگرد ول انجمن تاباں کہ بینی ۴ فروغ جلوۂ آں ماہ جبیں است

بپیش عارض پر نورِ جاناں ۵ چہ مہر روشن و ماہ مبیں است

ہر آں کو دیدہ اش دیدست اورا ۶ نمی گوید چناں است و چنیں است

۷ قلندر بو علی را با نور مرتبت
گر ز اں غافل کرا آگاہ نہیں است ۷

۱ ترجمہ۔ اگر میری گرہ میں نقدِ دیں ہے تو تیری آنکھ اس کی گھات میں کیوں ہے
قاعدہ ہے کہ صیاد کمین میں چھپ کر پرندوں کا شکار کرتا ہے۔

یعنی جب تجھے معلوم ہے کہ میری گرہ میں نقدِ دین و ایمان ہے یعنی میرا دل نور ایمان اور
شمعِ عرفان سے روشن ہے تو تیری دلربا آنکھ اس کی گھات میں کیوں ہے ممکن ہے کہ شاعر کا مطلوب
بھی دین و ایمان کی تاک میں ہو۔ دل کو بوجہ مجبوری ہو نے کے گرہ کہا اور چونکہ نقدی کی حفاظت گرہ
کے سپرد ہوتی ہے اس لئے گرہ اور نقدِ دین کا استعمال ایک خاص لطف دیتا ہے لہذا دین و ایمان
اور دل کی نسبت ظاہر ہے۔

۲ ترجمہ۔ واہ وہ عالی آستان کہ اس جگہ آسمان کی جبین زمین پر ہے۔
زہے کلمۂ تحسین و تعجب تحقیق۔ لغات۔ آستاں۔ دہلیز چوکھٹ۔ نام
لنکل اور علم رمل۔ اشارہ ہے حضور رسول مقبول کے آستان مقدس کی طرف۔
یعنی اس آستان پاک کے آگے آسمان بھی سرنگوں ہے یعنی اس کی آستان پاک
کی قدر و منزلت اور ادب اس قدر ملحوظ ہے کہ ہمیشہ آسمان سر بسجود رہتا ہے ظاہر ہے کہ آسمان ہمیشہ
سرنگوں رہتا ہے اس لئے شاعر کی یہ وجہ عین حقیقت ہے۔

۳ ترجمہ وہ ستمگار کہ دل اور جان لے گیا یہی ہے یہی ہے یہی ہے۔
ستمگار۔ جفا کار ظلم کرنے والا مراد معشوق کیونکہ جور و ستم معشوق کا شیوہ

ہوتا ہے۔

غارت گرِ دل کی غارت گری پر شکوہ ہے کہ میرے دل و جان کا غاصب یہی ستم گر ہے شاعر نے خوب سمجھا لیکن حضرت ناسخؔ کو ابھی تک اپنے غاصب دل کی خبر نہیں

کیا بتائیں دل کو ناسخؔ کون غاصب لے گیا	بیٹھے ہیں رو رو کر اب بیٹھو کو ہم کوئی ہوئے

۴ ترجمہ۔ آسمان پر روشن ستارے کو دیکھتا ہے اس ماہ جبین کے جلوہ کا فروغ ہے

گردوں آسمان یا ارابہ جس کو ہندی میں گاڑی کہتے ہیں لیکن اس جگہ فلک کے معنی دیتا ہے انجمن وہ جگہ جہاں بہت سے آدمی بیٹھے ہوں انجمن کا نون نسبتی ہے انجم کی طرف یعنی مناسبت بہ ستارگاں کیونکہ ستارے بھی ایک دوسرے کے متصل ہوتے ہیں اور ان کے نام بھی جدا جدا ہیں اس لئے انجمن کے معنے ستاروں کی مجلس یعنی ستارے ہوئے فروغ روشنی۔ تجلی مراد یہ کہ اجرام فلکی میں محبوب مطلق کے نور کا پرتو ہے۔

ہر نقش کہ بر تختۂ ہستی پیدا ست	ایں صورت آنکس است کایں نقش بیاراست

۵ ترجمہ۔ محبوب کے پرنور چہرے کے سامنے کیا ہے آفتاب درخشاں اور کیا ہے ماہ مبین سے آنکہ را شدہ مطلب صاف ہے اصل اور نقل کی تمیز ناظرین خود کرلیں۔

زمہر روئے تو خورشید گشت غرق عرق   نزار ماندہ مہ آسماں ازاں بعارض

۶ ترجمہ۔ جس کی آنکھوں نے اسے دیکھا وہ یہ نہیں کہتا کہ محبوب ایسا ہے یا اسطرح کا ہے یعنی جس نے اپنے معشوق کو دیکھ لیا اس کی زبان بند ہوگئی اور وہ محبوب کے حسن و جمال کی توصیف بیان نہ کرسکا وجہ یہ کہ من عرف ربہ کل لسانہ

پاک واقف اسرار تو نبود کہ گوید	اہلیت راز تو فروبستہ زبانہا

۷ ترجمہ۔ اہل قلندر کو تیرے ساتھ ایک رمز ہے کہ اس سے کراماً کاتبین بھی غافل ہیں۔

رمز بالفتح لب ابرو و چشم اور ان کے متعلقہ حرکات و سکنات سے اشارہ کرنے کا نام رمز ہے الانسان سری و انا سرہ سے مطلب واضح ہوجاتا ہے اور فی الحقیقت عاشق و معشوق کے رازونیاز سے اغیار واقف نہیں ہوتے

آنکہ گفت ایزد با آدم با ملک ہرگز نگفت	گوش ناقابل نباشد محرم اسرار عشق

نیز دیکھو شعر ۵۔

غزل ۲۳۔

والضحیٰ شرحِ نورِ طلعتِ اوست	۱	لعلیٰ خلق وصفِ سیرتِ اوست
مصحفے را ورق ورق دیدم	۲	ہیچ سورت نہ مثلِ صورتِ اوست
فارغ از ایں و آں بدار آں را	۳	کہ دلِ تو مقامِ خلوتِ اوست
سوئے کثرت چشم دل نگری	۴	جلوہ پرواز نورِ وحدتِ اوست
تا ابد زندگی ہمے یابد	۵	ہر کہ او کشتۂ محبتِ اوست
نازم آں فتنۂ دو عالم را	۶	کہ قیامت غلامِ قامتِ اوست

۷	اے شرف دو جہاں اگر خواہی ہمہ در بندگی حضرتِ اوست	۷

(۱) ترجمہ۔ والضحیٰ اُس کے چہرے کے نور کی شرح اور لعلیٰ خلق اُس کی سیرت کی توصیف ہے
طلعت۔ بالفتح دیدار ہسند دیکھنا۔ رخ۔ چہرہ لعلیٰ خلق۔ قرآنی آیت کا ایک حصہ
اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْم۔ سیرت۔ خو۔ عادت۔ الضحیٰ۔ قرآن مجید کی ایک سورت کا نام ہے
جس میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ یعنی قسم ہے دن چڑھے کی اور رات کی جب
ڈھانک لیوے صاحبِ کشف الاسرار فرماتے ہیں کہ روز و شب سے مراد کشف و حجاب ہے کہ اشارہ
ہے انوارِ روئے محمدؐ سے اور کنایہ ہے ان کی زلف عنبر سے گویا کہ سورۂ والضحیٰ حضور کے رخِ پر انوار
کی تفسیر ہے اور انک لعلیٰ خلق عظیم حضور کی سیرتِ مبارک کی توصیف ہے چنانچہ اس آیت کی تفسیر
میں مفسرین لکھتے ہیں کہ حضور کو مکارمِ اخلاق بنا کر دنیا میں بھیجا گیا خود جناب باری کا ارشاد ہے کہ

تمہاری پیدائش باعث بہت بڑے خلق پر ہوئی اصطلاح تصوف میں رخ سے نور ایمان بھی مراد ہوتی ہے
ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس کا چہرہ نور ایمان کی تفسیر ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضور کے
روئے پرانوار کو دیکھنے سے نور ایمان حاصل ہوتا ہے اور خدائے قدوس کے الطاف واکرام کا پتہ چلتا ہے
اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا چہرہ آیت لطف وکرم کی تفسیر ہے گویا اس شعر
میں حضور کے حسن صورت اور حسن سیرت کی توصیف باحسن الوجوہ کی گئی ہے

وصف خلق کسے کہ قرآن است	خلق را نعت او چہ امکان است

۲ ترجمہ قرآن شریف کا ورق ورق میں نے دیکھا کوئی سورت اس کی صورت کی مثل نہیں
مصحف صحیفوں کی کتاب مجازاً قرآن مجید کیونکہ یہ بھی خدائی صحیفوں کی کتاب ہے قرآن
مجید حضور کی تعریف سے لبریز اور حسن سیرت وحسن صورت کا مجموعہ ہے چونکہ حضور کی صورت اقدس خدائے
واحد کا نور ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کی کوئی سورت اس کی صورت کی مثل
ومثال نہیں گویا اس کی صورت اور سیرت کی توصیف بیان سے بالاتر ہے !
۳ ترجمہ۔ اس کو اس سے اور اس سے فارغ رکھ کیونکہ تیرا دل اس کی خلوت کا مقام ہے
یہاں شاعر کا روئے سخن اپنے دل کی طرف ہے کہ اس کو دنیا کے تعلقات سے فارغ رکھ
کیونکہ یہ مطلوب کی خلوت کا مقام ہے "این وآن" کا اشارہ انہیں دنیوی تعلقات کی طرف ہے کہ تیرا دل چونکہ
انوار محبوب کی جلوہ گاہ ہے اس لئے اس کو ان تعلقات سے فارغ رکھو۔
۴ ترجمہ کثرت کی طرف دل کی آنکھ سے دیکھ کہ اس کا نور وحدت جلوہ ریز ہے
صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ ظاہری آنکھوں کی طرح دل کی بھی آنکھیں ہیں اگر وہ نور ایمان اور
دل سے دیکھے تو تجھے عالم کثرت میں اسی نور مطلق کا جلوہ نظر آئے گا
قلندر صاحب ایک دوسری جگہ بھی اسی مضمون کی تائید میں فرماتے ہیں۔

غافلے را چشم دل چوں وا شد از عشق او	جلوہ وحدت شد از جلباب کثرت آشکار

مزید تشریح کے لئے دیکھو شعر ۴۳
۵ ترجمہ۔ وہ شخص ابدی زندگی حاصل کر سکتا ہے جو اس کی محبت کا اسیر ہو۔
مطلب یہ کہ جس شخص کا دل عشق الٰہی میں زندہ ہوگیا وہ کبھی نہیں مرتا فی الحقیقت سالک کو

فناہ فی اللہ ہونے کے بعد بقار باللہ کا مرتبہ ملتا ہے جس پر کسی طرح کا تغیر نہیں ہوتا اور عاشق آغوش محبوب میں دائمی وصال کی لذت اٹھاتا ہے

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

جناب رسالت مآب کا قول ہے

اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ تَعَالٰی لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ — عاشقان الی اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک مقام سے دوسرے مقام میں نقل کرتے ہیں

امیر مینائی کا شعر ہے۔

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے کبھی اِس گھر میں آ نکلے کبھی اُس گھر میں جا ٹھہرے

نیز دیکھیو شعر ۱۲

۱۱ترجمہ۔ میں اس قلندر دو عالم پر ناز کرتا ہوں کہ جس کے قامت کی قیامت بھی غلام ہے۔

چونکہ حضور شفیع الوریٰ اور شفیع المذنبین ہیں اور بروز محشر لواء الحمد آپ ہی کے ہاتھ میں ہوگا مقام محمود میں آپ ہی گنہگاروں کی شفاعت کریں گے اور آپ کے گرد دیگر مخلوق خدا کا اژدہام اور ہجوم ہوگا تو قیامت بھی آپ کے قد بالا یعنی شفاعت کبریٰ پر ناز کرے گی اور غلامی کا دعوےٰ چونکہ حضور کی محبت والفت میں ایک عالم اسیر ہے اور بروز محشر وابستگان نبوی کا عام ہجوم اور شور ہوگا اس لئے قلندر دو عالم کہہ کر شاعر کہتا ہے کہ میں اس قلندر دو عالم پر ناز کرتا ہوں کہ جس کی شان شفاعت اور عظمت نبوت کی قیامت بھی غلام ہے قامت سے مراد یہاں شان و عظمت اور مراتب و درجات کی رفعت اور بلندی ہے

۱۲ترجمہ۔ اے شرف اگر دونوں جہان چاہتا ہے تو یہ سب اس کی اطاعت میں ہے

مراد یہ کہ حضور کا اتباع مقصود کونین اور فلاح دارین کا ضامن ہے۔

مرا بس رہنمائی محمدؐ نفس رہ رستگاری ہمیں اتباع سنت و بس

سنت نبوی کا اتباع ہر مسلمان پر فرض ہے جو شخص اس سنت پاکیزہ سے منحرف ہو یا اس کا منکر ہو وہ شرعاً کافر ہے کیونکہ راہ حق کی تقلید اور پیروی کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعت و عبادت کے ساتھ ساتھ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی تاکید کی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:-

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ — یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی

اسی طرح منازلِ سلوک میں بھی حفظِ مراتب اور اتباع کا لحاظ ضروری ہے

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد — گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

سالک جب تک ذاتِ رسول میں فنا نہ ہو جائے ۔۔۔ ذاتِ حق میں فانی نہیں ہو سکتا غرضیکہ ہر صورت اور ہر پہلو میں جس پر کہ نظر کی جائے حفظِ مراتب اور اتباعِ سنتِ نبوی کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے مولانا جامی فرماتے ہیں کہ محمد الرسول اللہ ایک جاری چشمہ ہیں جس سے بپاسِ ادب ہر تشنہ دہان سیراب ہو سکتا ہے محمد کے میم کی دونوں آنکھوں سے جو کہ دو آلٰہی چشموں کا منبع ہیں شراب و شہدِ شہادت ٹپکتے ہیں اور وہاں سے گمراہیاں کے پیاسوں کو کچھ عنایت ہوتا ہے دیکھو یائے ہویت کا چشمہ محمد علیہ السلام کے دو میم کے چشموں سے جاری ہے اور یہ بات بہت اعلیٰ پایہ کی ہے

غرضیکہ سنتِ نبوی کی تقلید اور متابعت ضروری ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر تجھے مقصودِ دین اور فلاحِ دارین حاصل کرنے کی تمنا ہے تو یہ سب کچھ اُس کی پیروی اور تقلید میں ہے شیخ سعدی طلبِ حق کے لئے طاعتِ رسول کی ضرورت پر لکھتے ہیں ۔

درین راہ بجز مرد راعی نرفت — گم آنشد کہ دنبالِ راعی نرفت

کسانیکہ زیں راہ برگشتہ اند — برفتند بسیار سرگشتہ اند

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

مپندار سعدی کہ راہِ صفا — تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

اسی مضمون پر صاحب نزہت الارواح فرماتے ہیں

ہر کہ در راہِ محمد راہ نیافت — تا ابد گردِ ی ازیں درگاہ نیافت

دولت آنجا جو و دین آنجا طلب — مرجعِ اہل الطلب آنجا طلب

غزل ۲۴

منزلِ عشق بس خطرناک است ۱ عقل اینجا نہ چست و چالاک است

عشق چوں شعلہ بلند کند ۲ ہستیِ ما برنگِ خاشاک است

در رہِ عقل گام کے بزند ۳ ہر کہ در عشق چست و چالاک است

تا جمالِ تو پرتوے افگند ۴ روحِ رقصاں بقالبِ خاک است

چوں ستارہ ز فیضِ مقدمِ تو ۵ ذرۂ ما بہ اوجِ افلاک است

زاہدا چوں شوی تو محرمِ ما ۶ سینۂ تو ز کینہ ناپاک است

پنجۂ دیوانگی چوں کرد دراز ۷ در گریبانِ ما دو صد چاک است

در نظر صد بہشت می دارد ۸ آنکہ مفتونِ دخترِ تاک است

خواہد از جہاں بلند پروازی
بوعلی از دو کون غمناک است

ترجمہ عشق کی منزل بہت خطرناک ہے عقل اس جگہ چست چالاک نہیں

مطلب صاف ہے کہ عشق ایک مشکل ترین مہم ہے عقلِ عزیزی رہنمائی جس کو اپنی حقیقت کا ادراک نہیں کہ میں کیا ہوں کون ہوں کہاں ہوں باوجود محدود اور عاجز ہونے کے عشق کی لامحدود اور مشکل راہوں میں کس طرح سالک کی راہنمائی کر سکتی ہے عرفی شیرازی لکھتا ہے۔

خوش باش کہ عشق عافیت سوز ‌‌ پیشِ کرِ عقل گشت فیروز

در معرکِ عشق بے محابا ‌‌ عاجز شدہ عقلِ حیلہ اندوز

"اے برادر مپندار کہ علم و ہندسہ و ہیئت و فیلسوفی خیال و جاسوسی طبیعت رہبری

کا عالم طاری ہو جاتا ہے اور اگر بالکل فناء ہو چکا ہے تو مشاہدہ کر سکتا ہے قلندر صاحب بھی اس مقام
کی کیفیت بیان کر رہے ہیں العاقل تکفیہ الاشارہ

یوں بھی مشاہدۂ ذات قیود بشری کے ساتھ ممکن نہیں کیونکہ انسان میں اس کے دیکھنے کی
تاب نہیں حضرت موسیٰ کا قصہ اس کی روشن دلیل ہے حدیث شریف میں آیا ہے۔

لَن تَرَوا رَبَّكُم حَتّٰى تَمُوتُوا — تحقیق تم نہ دیکھو گے اپنے رب کو جب تک کہ مر نہ جاؤ

ایک عارف کا قول ہے کہ۔

"رویت عیاں در این جہاں متعذر است چہ باقی در فانی نگنجد اما در آخرت مومنان
را موعود است و کافران را ممنوع"

حضور علیہ الصلوات والتسلیم کا ارشاد ہے

إِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِينَ أَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ لَوْ كَشَفَهَا — اللہ تعالے کے ستر ہزار پردے نور کے ہیں اگر ان پردوں
لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ كُلَّ مَنْ أَدْرَكَ بَصَرُهُ — کو کھول دے تو اس کے رخسار کی روشنی تمام
دیکھنے والوں کو جلا دے گی

لیکن کتب سلوک میں فناء کے مقام میں جو مشاہدہ ہونا لکھا ہے وہ رویت قلبی ہے نہ کہ
رویت عیانی اور مقام فناء خواب کے مشابہ ہوتا ہے اور خواب میں حق تعالے کو دیکھنا ممکن ہے جیسا کہ حکیم
محمد علی الترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہزار بار حق تعالے کو خواب میں دیکھا۔

۵ ترجمہ۔ تیرے قدم کی برکت سے ستارے کی طرح ہمارا ذرہ آسمان کی بلندی پر ہے۔

مقدم۔ سفر سے واپس آنا قدم رکھنے کی جگہ مجازاً مطلق قدم — اوج۔ بلندی رفعت

یعنی تیرے قدم میمنت لزوم کی برکت سے ہمارا ستارۂ دل بھی فلک رفعت اور عرش منزلت
ہے دل کو ذرہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ تیرے قدم کی برکت سے وہ آسمان تک بلند پروازی کرتا ہے ذرہ کا
کو آسمان کی طرف اڑنا ظاہر ہے ذرے اور ستارے میں صنعت لطیفہ ہے

جذبۂ اقبال عروج تھا سے انداخت — کہ ببال پر جبریل پریدن نرسد

ہا ترجمہ اے زاہد تو ہمارا محرم کب بن سکتا ہے کہ تیرا سینہ کینہ سے ملا ہوا ہے۔

کینہ۔ بغض عداوت۔ دشمنی۔

یعنی زاہد چونکہ ہمارا محرم راز نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کینہ توز ہے دوسرے لفظوں میں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اے زاہد چونکہ تو اہل حق سے کینہ رکھتا ہے اس لئے تو ان کے روحانی فیوض سے مستفیض نہیں ہو سکتا کیونکہ اہل حق سے برکات حاصل کرنا عقیدت اور نیازمندی پر موقوف ہے

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن (سعدی) آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

حدیث میں آیا ہے مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔ شرعاً بھی کسی سے کینہ اور بغض رکھنا جائز نہیں۔

۷ ترجمہ: جب دیوانگی نے پنجہ دراز کیا ہمارے گریبان میں دو سو چاک ہو گئے۔

گریبان: دراصل گریبان میں دو حرفی ترتیب پائی جاتی ہے گری اور بان گری بکسر تین بمعنی گردن و حلق اور بان محافظ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسے دربان۔

یعنی جب دیوانگی نے پنجہ دراز کیا تو میرا گریبان جا بجا چاک ہو گیا یعنی سمجھئے ظاہری ننگ و ناموس کی مطلق پرواہ نہ رہی۔

ظاہر ہے کہ جوش جنوں اور دیوانہ پن میں ننگ و ناموس کی پرواہ نہیں ہوتی مجنوں کا قصہ مشہور ہے عاشق کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

دامن جامی ز دست عشق صد جا چاک شد ... مے ندارد عشق دست از دامن صد چاک او

۸ ترجمہ: جو دختر تاک کا مفتوں ہے وہ اپنی نظر میں سینکڑوں بہشت رکھتا ہے

مفتوں: فتنہ میں ڈالا ہوا، شیفتہ، عاشق ... تاک: بکاف عربی۔ درخت انگور اور ایک قوم کا نام ہے جو دہلی اور گجرات کے گرد و نواح میں آباد ہے

شاعر نے دختر تاک سے اپنا معشوق مراد لیا ہے کیونکہ مصرعۂ ثانی میں لفظ مفتوں عاشق ہونے پہ دلالت کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ عاشق کو سوائے دیدار محبوب کے کسی چیز سے انس نہیں ہوتا گویا باغ و بہار اور فردوس و انہار کا لطف اسے چہرۂ معشوق سے حاصل ہو جاتا ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے محبوب کے عشق میں سرشار ہے سینکڑوں بہشت اس کی نظر میں ہیں۔

شیخ سعدی اس مضمون پر فرماتے ہیں۔

ہر آں کو روئے تو بیند بگوید از رہِ عشق	کہ من بہشت بدیدم براستی و درستی

لہٰذا یہ قلندر صاحب کا یہ کہنا خلافِ قیاس نہیں بلکہ عین حقیقت ہے۔

۹ ترجمہ: بوعلی جان سے بلند پروازی چاہتا ہے کیونکہ وہ دونوں جہاں سے غمناک ہے۔

دو کون ۔ ملک فناء و بقا۔

روح کا اصلی مسکن باغِ ملکوت ہے اس خیال کو مدِ نظر رکھ کر قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں اپنی جان سے بلند پرواز ہونا چاہتا ہوں وجہ یہ کہ مجھے دونوں جہاں کا غم ہے۔

عالمِ ناسوت کے غم و آلام کسی سے مخفی نہیں الدنیا دار البلاد

اور عقبیٰ میں پرسشِ اعمال اور ان کی سزا و جزا کا غم اس لئے میں اس دارِ فناء سے بلند پروازی چاہتا ہوں تاکہ ان تعلقات سے علیحدہ ہو کر فقط معشوق کے غمِ عشق میں بسر کروں

اگر مصرعہ ثانی کا ترجمہ اس طرح کیا جائے کہ "بوعلی دونوں جہان سے زیادہ غمناک ہے" تو بھی مطلب نہایت ہی موزوں معلوم ہوگا یعنی بوعلی غمِ عشق کا ایسا مکمل نمونہ ہے کہ اگر زمین کے غم و آلام کو باہم اکٹھا کر کے اس سے مقابلہ کیا جائے تو بھی اس کا پلہ بھاری رہے گا اس لئے وہ تنہائی غمِ عشق کی وجہ سے جہان چھوڑنے پر مجبور ہے ظاہر ہے کہ غم زدہ آدمی زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے لہٰذا قلندر صاحب کا یہ کہنا عین حقیقت ہے

غزل ۲۵

الغیاث اے مرشدِ جاں الغیاث ۱ جانِ ما بردند خوباں الغیاث

اے ز مژگانِ قدر اندازِ تو ۲ شد بغارت دین و ایماں الغیاث

اے مسلماناں بغارت بردہ اند ۳ دلبراں مارا دل و جاں الغیاث

اے مسلسل موئے از زلفت مدام ۴ حالِ ما شد پریشاں الغیاث

دردہا داریم پنہاں اے طبیب ۵ چیست درماں چیست درماں الغیاث

مرشدے کوتا براہم آورد ۱۱۱۱۱ ۶ راہ گم شد در بیابان الغیاث

بوعلی مے گفت با یک شعلہ رو

۷ سوختیم از سوزِ ہجراں الغیاث

۱ ترجمہ۔ فریاد اے مرشدِ جان فریاد! معشوق ہماری جان لے گئے فریاد!!
الغیاث بکسرِ غین دادرسی سے خواہم دراصل اطلب الغیاث تھا تخفیف کے لئے
اطلب کو جو کہ فعل ہے حذف کردیا اور الغیاث جو کہ مفعول ہے باقی رہا اور عام اصطلاح میں فریاد کے
معنوں میں استعمال ہوتا ہے
مطلب صاف ہے محتاجِ تشریح نہیں البتہ مرشدِ جاں کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔
حقیقت میں مرشدِ جاں اللہ تعالیٰ ہے ہیں کیونکہ روح آپ کی ملک ہے قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي
قلندر صاحب اپنے مالکِ حقیقی سے جان جانے کی فریاد کر رہے ہیں مگر لطف یہ کہ جان کا غاصب بھی وہی مالک
ہے لہذا نہ جائے فریاد نہ تابِ سکوت

۲ ترجمہ۔ اے کہ تیری قدر انداز پلکوں سے ہمارا دین و ایمان غارت ہوگیا۔ فریاد!
قدر بفتحین۔ قضا و حکم۔ نہایت۔ اندازہ بھی ہے اور خدا تعالیٰ نے ہر بندہ کیلئے جو اندازہ روز
ازل سے مقرر کیا ہوا ہے۔ مرادف تقدیر۔
مژگانِ محبوب کی شکایت ہے کہ تیری پلکوں نے میرا دین و ایمان غارت کردیا گویا میری تقدیر ہی
میں ایسا لکھا ہوا تھا۔ مژگان کو بوجہ ہجوم دستہ فوج کہا جاتا ہے لہذا دین و ایمان کا غارت ہونا خلافِ قیاس
نہیں قلندر صاحب کی شکایت بجا ہے۔

۳ ترجمہ مسلمانو! دلبر جان و دل غارت کرکے لے گئے۔ فریاد!
دل و جان دے کر تہیدستی کا گلہ۔

۴ ترجمہ۔ اے کہ تیری زلف کے مسلسل بالوں سے ہمیشہ ہمارا حال پریشان رہتا ہے۔
زلفِ معشوق کی پریشانی عاشق کے دل کی پریشانی کا باعث ہوتی ہے اس لئے قلندر صاحب
فرماتے ہیں کہ تیری زلف کی مسلسل پریشانی نے ہمارا دل پریشان کردیا۔

پیچ تا ہے کہ دل ہمزہ در پنہاں داشت (اثنا) شکن طرہ گیسوئے تو پیدا ہے کرد

زلف پریشاں سے عاشق کے دل کی پریشانی کے متعلق صاحب گلشن راز فرماتے ہیں۔

ازاں گردد دل از زلفش مشوش   کہ از رویش دلے دارد بر آتش

جس سے مراد یہ ہے کہ عاشق کا دل محبوب کی زلف سے اس لئے پریشان ہوتا ہے کہ عاشق چونکہ رخ یار کا دیدار کرنا چاہتا ہے اور زلف جو کثرت احکام سے مراد ہے تجلی جمال کے مشاہدہ سے روکنے والی ہوتی ہے یعنی نگاہ عاشق اور چہرہ محبوب کے درمیان حائل ہونے کی وجہ سے مشتاقان دیدار کو میسر آنے نہیں ہونے دیتی بلکہ حجاب پیش کرتی ہے جس سے عاشق کا دل زیادہ بیقرار ہو جاتا ہے قلندر صاحب بھی ایسی تمنا میں پریشان ہیں۔

نساں شانہ تری زلف ہوئی جس دن سے   کبھی جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

۵ ترجمہ۔ اے طبیب ہم پنہاں درد رکھتے ہیں اس کا علاج کیا ہے فریاد!

درماں بالفتح علاج و معالجہ اور درماندن سے فعل امر

حضرت امیر خسرو نے اچھا نسخہ تجویز کیا ہے ع۔ درد عشق را دارو بجز دیدار نیست۔

طبیب سے طبیب عشق مراد ہے۔ نیز دیکھو شعر ۲۔

۱۱ ترجمہ۔ مرشد کہاں ہے کہ مجھے راستے پر لائے فریاد کہ بیابان میں میرا رستہ گم ہو گیا۔

عالم اسباب یا منازل عشق کو بوجہ پیچ در پیچ اور دشوار گذار ہونے کے بیاباں کہا اور مرشد سے درخواست کی گئی ہے یا مرشد کی ضرورت کو واضح کر کے کہا گیا ہے کہ میں رستہ بھول گیا ہوں مرشد کہاں ہے کہ مجھے راہ راست پر لائے۔

امور باطنیہ میں کسی کو اتباع مرشد سے مفر و چارہ نہیں کیونکہ اپنی رائے پر عمل کرنا کفران نعمت میں داخل ہے اور اتباع مرشد سے انحراف کرنے میں تکبر اور غرور پیدا ہوتا ہے جو خدا کو ناپسند ہے البتہ خدا تعالیٰ جس کو تحقیق و اجتہاد کا سامان عطا فرمائے اس کو اپنی مجتہدانہ تحقیق پر عمل کرنا واجب ہے اور جو اس نعمت سے محروم ہوا سے تقلید کرنا واجب ہے۔

گو قلندر صاحب ایک لحاظ سے محقق کامل اور مجتہد اہل تھے تاہم اتباع شیخ کو طریقت کا جزو اعظم قرار دے کر طلب مدد کے لئے التجا کرتے ہیں کہ مجھے راہ راست پر لا کیونکہ میں بیابان عشق میں رستہ بھول

گیا ہوں اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر (۲۰)

۷ ترجمہ - بو علی ایک شعلہ رو سے کہتا تھا کہ ہم سوزِ ہجراں سے جل گئے فریاد
شعلہ عذاروں کے آگے اپنے سوزِ فراق کا حال اظہار کرنے میں شاید کونسی حکمت پوشیدہ ہے۔

غزل ۲۶

ما طبیبِ عشق داریم احتیاج ۱ دردِ ما جز وے نہ پسندد بر علاج

تا جلالِ تو بسا پرتو فگند ۲ در جہاں شہرہ شدیم آتش مزاج

در دیارِ خرقہ پوشانِ خدا ۳ خود فروشی را نمے باشد رواج

شاہِ ما گردی ز فیضِ اہلِ فقر ۴ خاکِ شاں بر سر نہی گر ہم چو تاج

تو بگردِ خویش وگردِ کعبہ ہیں ۵ گردِ کعبہ دیدہ گر طوفِ حاج

مے شود در روشن سراجِ ما ازد ۶ مرشدِ ما ہست روشن چوں سراج

۷ بہرِ تسکینِ مشتاق ذکرِ جہر کن
بو علی در دلِ چو داری اختلاج ۷

ترجمہ ہم طبیبِ عشق کی احتیاج رکھتے ہیں ہمارا درد اس کے سوا کسی کا علاج قبول نہیں کرتا
احتیاج - نیاز مندی بلفظ آوردن - داشتن و افتادن مستعمل مجازاً آرزو۔
یعنی ہم مریضِ عشق کا علاج طبیبِ عشق دوسرا کوئی نہیں کرسکتا اس لئے ہمیں طبیبِ عشق اور دارو دیدار کی ضرورت ہے نہ کہ طبیب کی بے شک الطبیبِ ظاہری کے علاج سے مریضِ عشق کی مرض بڑھنے کا احتمال ہوتا ہے۔

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی　　مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

لہذا قلندر صاحب کا قطعی فیصلہ ایک خاص حقیقت رکھتا ہے اس واقعہ کی تصدیق کے لئے دیکھو شعر ۱۱

۲۔ ترجمہ۔ جب تیرے جلال نے مجھ پر پرتو ڈالا ہم جہان میں آتش مزاج مشہور ہو گئے۔

جلال۔ بالفتح بزرگی

یعنی جب تیرے جلال نے مجھ پر پرتو ڈالا تو جہان میں مشہور ہو گیا کہ یہ بڑا آتش مزاج اور صاحبِ جلال ہے حالانکہ وہ آتش مزاجی تیرے ہی جلال کا پرتو تھی فلک رصاحب کی جلالتِ علمی اور عظمت کا ذکر مقدمہ میں لکھا جا چکا ہے۔ کہ بڑے بڑے عالی وقار بادشاہ بھی آپ سے نظر چرا لیتے تھے اور ہیبت کے مارے سامنے نہیں ہو سکتے تھے۔

۳۔ ترجمہ۔ درویشانِ خدا کے شہر میں خود فروشی کا رواج نہیں۔

یعنی خاصانِ حق خود نمائی اور خود فروشی کو معیوب سمجھتے ہیں اور ان کے ہاں یہ رواج نہیں بخلاف ناہدانِ ظاہر دار کہ وہ اکثر دلق و عمامہ کو بیچتے ہیں اور خود نمائی کرتے ہیں کہ منطق میں حضرت عطار فرماتے ہیں۔

خود ستائی پیشۂ شیطاں بود ہر کہ خود را کم زند مرد آں بود

۴۔ ترجمہ۔ زوالِ فقر کے فیض سے ہمارا بادشاہ بن جائے اگر تو ان کی خاکِ پا کو تاج کی طرح اپنے سر پر رکھے

ناصحانہ انداز ہے کہ فقرا کی خدمت عظمتِ دارین کا باعث ہوتی ہے حضرت شیخ سعدی شیرازی اصحابِ کہف اور ان کے کتے کی اطاعت کے متعلق فرماتے ہیں کہ کتے کو ان کی صحبت کے فیض سے انسانِ کامل کا مرتبہ مل گیا۔

سگِ اصحابِ کہف روزے چند پے نیکاں گرفت و مردم شد

اربابِ تاویل و تفسیر نے اصحابِ کہف اور ان کے کتے کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے صاحبِ عرائس التفسیر اپنی صوفیانہ اصطلاح میں فرماتے ہیں کہ اصحابِ کہف اور ان کے کلب کا قصہ حقیقت میں بدلائے سبعہ (سات اولیاء اللہ) سے متعلق ہے جہاں کی ساتوں ولایتیں ان کے وجود کے فیض سے قائم ہیں چنانچہ کلب سے نفسِ حیوانیہ اور بدلائے سبعہ سے روح۔ عقلِ کل۔ قلب۔ نظرین۔ عشقی۔ قوتِ قدسیہ۔ (؟) مراد ہیں کہف بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور دقیانوس نفسِ امّارہ ہے۔

مشہور ہے کہ دقیانوس کے مظالم سے تنگ آ کر اصحابِ کہف اپنی جان کی حفاظت کے لئے غار میں پناہ گزیں ہو گئے اسی طرح نفسِ امّارہ بدلائے سبعہ کو اقلیمِ وجود سے خارج کرنا چاہتا ہے اگر تجویز کارگر ہو گئی تو بدلائے سبعہ کی اصلی طاقت جو موصل الی اللہ کا باعث ہوتی ہے مغلوب اور رفتہ رفتہ زائل ہو جاتی

ہے اور نفس پر کلی اثر کرکے اقلیم وجود پر مسلط ہو جاتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو وہ خود مغلوب ہو جاتا ہے۔

نفسِ امّارہ: جو حظوظِ خیالی اور لذاتِ نفسانی کی طرف سخت امر کرنے والا یعنی گناہ کی طرف رغبت دلانے والا جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ۔

نفسِ لوامہ۔ ایسا نفس اولیاء اللہ اور صلحا کا ہوتا ہے کہ نورِ دل کی ہدایت سے ذنوب و معاصی پر خود کو ملامت اور گناہوں سے باز رہنے کی کوشش کرتا ہے اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس نفس کی قسم کھائی ہے کہ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ۔

نفسِ مطمئنہ۔ یہ نفس صفاتِ ذمیمہ سے صاف ہو کر اوصافِ حمیدہ سے متصف اور قربِ الٰہی کے مرتبہ پر فائز ہو کر اطمینان کا درجہ حاصل کر کے رضائے الٰہی کا مستحق ہوتا ہے لہذا اس خطاب سے مشرف ہے یٰٓاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ط

نفسِ امّارہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ معاصی کی طرف راغب کرتا ہے پس جب بالفاسِ ربانی طالب کسی شیخِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو شیخ چونکہ بمنزلہ طبیب ہوتا ہے اس لئے وہ نفسِ امّارہ اس لئے وہ نفسِ امّارہ کی خواہشات کا انسداد بذریعہ اشغال و اذکار بتدریج کرتا ہے رفتہ رفتہ جب دل میں ہدایتِ الٰہی کا نور چمکنے لگتا ہے تو اس کو خود بخود گناہوں سے ایک قسم کی نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور معاصی کے وقوع پر وہ اپنے آپ کو ملامت گذشتہ معاصی پر توبہ اور آئندہ کے لئے مجتنب رہنے کی کوشش کرتا ہے اس مقام پر پہنچ کر اس کا نفس نفسِ لوامہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے اور جب اس مقام سے ترقی ہوتی ہے تو صفاتِ ذمیمہ کا قرار واقعی انسداد اور اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہو جاتا ہے اس مقام پر پہنچ کر سالک کا نفس نفسِ مطمئنہ کے خطاب سے مشرف ہو کر اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندوں میں داخل ہو کر نعماے جنت کا حقدار ہوتا ہے ایسے لوگوں کو اصطلاح میں اولیاء اللہ کا لقب دیا جاتا ہے اور یہی لوگ دلوں کے حکمران ہوتے ہیں کیونکہ بادشاہوں کی حکمرانی جسموں تک محدود ہوتی ہے لیکن دلوں کو مسخر کرنا مادی طاقت کا کام نہیں بلکہ یہ وہ طاقت اولیاء اللہ کو منجانب اللہ عطا ہوتی ہے پس قلندر صاحب کی مراد بھی یہ ہے کہ اے مخاطب اگر تو اہل اللہ کی خاکِ پا کو اپنے سر کا تاج بنا لے یعنی ان کی خدمت اور اطاعت کرے تو ان کے فیض سے ہمارا بادشاہ بن جائے یعنی تجھ کو تسخیر القلوب کی طاقت حاصل ہو۔

ہم نے نفس کی جو مثال دی ہے وہ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ نفسِ امّارہ اطاعت

مرشد سے بتدریج مراتب و درجات حاصل کر کے بالآخر اللہ تعالیٰ کے محبوب اور فرمان پذیر بندوں میں داخل ہو جانا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ خاصانِ حق اور مقبولانِ الٰہی درویشوں کی خدمت اور اطاعت عزتِ دارین اور مقصودِ کونین کی ضامن ہے جس عزت کے مقابلہ میں شاہانہ تاج و سریر ہیچ اور بے حقیقت ہیں۔

آنچہ زر میشود از پرتو آں قلبِ سیاہ — کیمیائیست کہ در صحبتِ درویشاں است

حافظا ایں جا با ادب باش کہ سلطانی و ملک — ہمہ در بندگیِ حضرتِ درویشاں است

مکتوبات میں قلندر صاحب نے اپنے برادر زادہ و مریدِ خاص حضرت مولانا اخلیار الدین صاحب قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو تسلیم و اطاعت اور فرمانبرداری کی تعلیم ان الفاظ میں دی ہے:-

"اے برادر پیر محرم معشوق است از مجاہدہ و ریاضت جذبہ حاصل کردہ او را ہ معشوق از عشق مے نماید و اصلاح برائے صفائی آئینۂ دل ترا حاصل آید پس از صفائی حقیقت ترا ازیں قالبِ خاکی کہ دال الانسانی شدہ راہ حقانی نماید و ترا از با دمنی بر باید حکایت آوردہ اند حضرت بایزید بسطامی سی سال در خدمت پیر بودہ بعد سی سال پیر فرمود برو از طاقِ خانہ فلاں کتاب بیار بایزید گفت نمی دانم در خانہ طاق کجا است پیر گفت ترا سی سال شد در خدمت ما ہنوز طاقِ خانہ نمیدانی بایزید گفت بعزتِ خدا و بعزتِ آں صدقی کہ برتو دارم اگر دریں سی سال نظرِ من بر طاق افتادہ باشد ندانستمے کہ طاق کجاست گر من برائے خدمتِ تو بودہ ام نہ برائے دیدنِ طاق تا آں کہ نظر بر طاق کنم آں نظر بر پیر چرا نکنم"

از خدمتت چگونہ توانیم سر کشید — ما را برائے بندگیت آفریدہ اند

اے برادر چوں پیر را شناختی خود را شناختی و چوں خود را شناختی نفس را دانستی چوں نفس را دانستی معرفتِ حق را شناختی و چوں معرفتِ حق دریافتی گم کردی خود را و حاصل کردی عشق را و چوں عشق حاصل کردی در تماشائے حسن تا ابد خواہی ماند"

قلندر صاحب میں ایسی عقیدت و ارادت اور فرمانبرداری بھری ہوئی ہے

۵۔ ترجمہ: ملا اپنے گرد پھر اور کعبہ کو دیکھ اگر تو نے کعبہ کے گرد حاجیوں کا طواف دیکھا ہے۔

طواف۔ کسی چیز کے گرد اگرد پھرنا اصطلاح میں کعبہ کے گرد پھرنے کو طواف کہتے ہیں۔

حجاج۔ بتشدید جیم صیغہ اسم فاعل بمعنے حج کرنے والا۔ حاجی کی جمع بحذف یائے نسبتی۔

کعبۂ دل کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے کہ تو اپنی ہستی کو دیکھ اور اپنے کعبۂ دل کا طواف کر جو نورِ حق سے معمور ہے بخلاف کعبۂ ظاہری کہ اس کی بنا آب و گل سے ہے

کعبہ بنگاہ خلیل آزر است دل گذرگاہ خلیل اکبر است (عارف رومی)

اسی مضمون پر ہے۔

ہمچنیں تفرج باغِ وجود کن بنگر کہ قصرِ دل بچہ صورت منقش است مرا

نیز دیکھو شعر ۴/۲

۶۔ ترجمہ۔ ہمارا چراغ اس سے روشن ہے۔ ہمارا مرشد چراغ کی طرح روشن ہے۔

یعنی ہمارا چراغِ دل مرشد کے چراغِ دل سے روشن ہوا کیونکہ ہمارا مرشد خود چراغ کی طرح روشن ہے قلندر صاحب کے پیر و مرشد قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کی ہمہ گیر عظمت اور عالی نسبت سے زمانہ واقف ہے نیز قلندریہ نعمت حضرت خواجہ نجم الدین غوث الدہر قلندر غزنوی سے عطا ہوئی نیز حضرت علی کرم وجہہ اللہ سے روحانی بیعت سے مشرف ہونا کوئی معمولی بات نہیں اس لئے قلندر صاحب کا چراغِ دل مرشد کے سراج سے روشن ہونا ایک اعلیٰ حقیقت رکھتا ہے کیونکہ مرشد کے دل کے انوار کا انعکاس مرید کے دل پر ہوتا ہے توجہ اتحادی سے اس دعوے کی تصدیق ہو سکتی ہے نیز دیکھو شعر ۲۶/۵

۷ ترجمہ تسکین کے لئے ذکرِ جہر کی مشق کر اسے بو علی دل میں کیا اختلاج رکھتا ہے۔

اختلاج۔ بالکسر پھڑکنا عضو یعنی بدن کا اچھلنا ذکرِ جہر۔ بآوازِ بلند نفی اثبات کا ذکر کرنا۔

یعنی سکونِ دل اور تسکینِ احساس کیلئے ذکرِ جہر کی مشق کرنی چاہئے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

غزل ۲۷

بچشمِ عاشقاں غیر از خدا ہیچ ۱ زمین و آتش و آب و ہوا ہیچ

بنزدِ آں کہ دل اندر خدا بست ۲ نماز و قبلہ و قبلہ نما ہیچ

گدائی کز درت خاکے بسر کرد ۳ بہ پیشِ او بود ظلِ ہما ہیچ

بچشمِ آں کہ طاعت بے ریا گرد ۴ بہشت و دوزخ و خوف و رجا ہیچ

نگیرم تا بدست آں زلفِ مشکیں ۵ کہ باشد نافۂ ملکِ خطا ہیچ

قضا گر دست مے گیرد کسے را ۶ دوا است ہیچ آں جا ہم دعا ہیچ

۷ دلِ او شد غنی از عشقِ مولےٰ
قلندر داند از شاہاں عطا ہیچ ۷

۱۔ ترجمہ۔ عاشقوں کی نظروں میں غیرِ خدا زمین و آتش آب و ہوا سب ہیچ ہیں۔

یعنی بجز مطلوب کے ہر چیز ان کی نظروں میں بے حقیقت ہے۔

۲۔ ترجمہ۔ اس کے نزدیک کہ جس نے خدا میں دل باندھا نماز و قبلہ نما ہیچ ہیں۔

یعنی جو ایمان بالعین رکھتے ہیں وہ ایمان بالغیب کے قائل نہیں۔

۳۔ ترجمہ۔ وہ گدا کہ تیرے دروازے کی مٹی پر گذر کرتا ہے اس کے لئے ہُما کا سایہ ہیچ ہے

ہُما۔ بالضم۔ اول ایک مرغ ہے کہ ہڈیاں کھاتا ہے اور جس پر اُس کا سایہ پڑے اسے دولت

اور سلطنت نصیب ہوتی ہے ظل۔ سایہ

یعنی اُس گدا کی نظروں میں ہُما کا سایہ کوئی چیز نہیں جو تیرے دروازے پر زندگی بسر کرتا ہو

ز بادشاہ و گدا فارغم بحمد اللہ (معاذ اللہ) گدائے خاکِ درِ دوست بادشاہِ منست

۴۔ ترجمہ۔ جس نے بے ریا طاعت کی اس کی نظروں میں بہشت و دوزخ خوف و رجا کوئی چیز نہیں

رجا۔ امید

مراد یہ کہ خاصانِ حق کو جن کی عبادت میں اخلاص اور بے غرضی ہوتا ہے سوا مطلوب کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی

۵۔ ترجمہ۔ عجب نہیں کہ زلفِ مشکیں کو ہاتھ میں نہ پکڑوں میرے نزدیک خطا کا نافہ ہیچ ہے۔

نافہ۔ کستوری۔ خطا۔ ایک ملک کا نام ہے جہاں کے نافے مشہور ہیں۔

زلفِ محبوب کو عنبر بار کہا جاتا ہے۔

ہر گذر گاہِ چمن عطر فروشی با سحری   بوئے زلفِ تو کف داشت دم دامے کرد

یعنی جب تک زلف یار تک مجھے دسترس نہ ہو مجھے ختا کا نافہ ہیچ معلوم ہوگا مراد یہ کہ نافہ کی قدر قیمت زلف یار کے ملاحظہ سے ہوگی۔

ہا۔ ترجمہ۔ جب قضا کسی کا ہاتھ پکڑ لے تو وہاں دعا اور دوا ہیچ ہیں۔

یعنی قضا ایک ایسی بیماری ہے جو بالکل لاعلاج ہے وہاں نہ کوئی دوا کارگر ہو سکتی ہے اور نہ کسی دعا میں اثر رہتا ہے

	کر انبیق فراق دل بفاسست	بر سینا است گر بوشش چہ پلاست
	چوں طالع زار و زبرون بود	سپر پیش تیر قضا ہیچ بود

حکایت۔ ایک دن ایک سادہ لوح آدمی چاشت کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی دارالعدالت میں دوڑتا ہوا آیا خوف کی وجہ سے اس کا چہرہ کا رنگ زرد نظر آتا تھا اور ہونٹ نیلے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ کیوں بھئی خیر تو ہے وہ شخص عرض کرنے لگا۔

گفت عزرائیل در من ایں چنیں	یک نظر انداخت پر از خشم و کیں

یعنی حضرت عزرائیل نے مجھے ایسی خشم آلود نگاہ سے دیکھا کہ مجھے خوف آگیا حضرت سلیمان نے فرمایا کہ اب تو کیا چاہتا ہے۔ اس نے عرض کی اے جائے پناہ! آپ ہوا کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے یہاں سے ہندوستان پہنچا دے شاید اس حیلہ سے میری جان بچ جائے حضرت کو اس کی بیکسی پر ترس آیا

	پس سلیماں کرد بر باد ایں برات	برد باد او را بسوئے سومنات
	باد را فرمود تا او را شتاب	برد سوئے خاک ہندوستاں بر آب

یعنی حکم دیا کہ ہوا اسے جلد از جلد ہندوستان پہنچا دے چنانچہ ہوا نے فی الفور اسے ہندوستان پہنچا دیا۔

دوسرے روز جب حضرت سلیمان علیہ السلام دارالعدالت میں آئے تو حضرت عزرائیل سے ملاقات ہوئی اور پوچھا۔

کاں مسلماں را بخشم از چہ سبب	بنگریدی باز گوای پیک رب

یعنی حضرت عزرائیل سے پوچھا کہ تم نے اس بیچارے کو خشم آلود نگاہ سے کیوں دیکھا عزرائیل نے کہا کہ اس کو غلط فہمی ہوئی اور میرے غصہ کا ظن پیدا ہو گیا ورنہ میں نے اس کو از راہ تعجب دیکھا تھا کیوں کہ مجھے حکم تھا کہ آج ہندوستان میں اس کی روح قبض کروں لیکن

دیدمش اینجا و بس حیراں شدم　　　در تفکر رفتہ و سرگرداں شدم

از عجب گفتم گرا در احمد پراست	تا بہ ہندوستاں شدن دور آمدست

یعنی میں اس کو یہاں دیکھ کر متعجب ہوتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ اگر اس کے سینکڑوں بال و پر بھی نکل آئیں تب بھی وہ ہندوستان نہیں پہنچ سکتا پھر حبیب اللہ تعالےٰ کے حکم سے وہ ہندوستان پہنچا تو میں نے وہاں جا کر اس کی جان قبض کر لی۔ اس حکایت سے یہ نتیجہ نکلا کہ اس بیچارے نے اپنی جان بچانے کے لئے گھر بار چھوڑ کر جلا وطنی اختیار کی مگر چونکہ قضا اس کے سر پر گونج رہی تھی اس لئے اس کی تدبیر اس کے حق میں نافع ثابت نہ ہوئی۔ یہی مراد قلندر صاحب کی ہے

چوں قضا آید شود دانش بخواب	ماہ سیاہ گردد بگیرد آفتاب

۲۷ ترجمہ۔ اس کا دل مولا کے عشق سے غنی ہو گیا قلندر بادشاہوں کی عطا کو ہیچ سمجھتا ہے

یعنی میں عشقِ محبوب میں اس قدر مستغنی المزاج ہوں کہ شاہانِ زماں کی عطا کو کوئی چیز نہیں سمجھتا سوانحِ عمری میں لکھا گیا ہے کہ قلندر صاحب علاؤ الدین خلجی جیسے عالی وقار بادشاہ کو بھی شحنۂ دہلی اور فوجدار کے القاب سے یاد فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ شاہِ مذکور تحائف وہدایہ کو بھی معرضِ خیال میں نہ لاتے تھے جس سے آپ کے انتہائی استغنا کا پتہ چلتا ہے۔

غزل ۲۸

چوں مؤذن زند صلائے صلاح	۱	ما صبوحی کشیم وقتِ صباح
نعرۂ عاشقانہ برداریم	۲	کہ بہ بانگِ نماز نیست فلاح
ما ز جامِ طہور مے نہ ہیم	۳	گرچہ زاہد کند ہزار الحاح
کشتیٔ ما بہ ورطۂ دریا	۴	غافل از موج خیز آں ملاح
مے کند فاش ہر کہ راز حبیب	۵	خونِ او را ہمے کند مباح
ما چہ داریم امید از دستت	۶	کہ ز دستِ تو کس نیافت نجاح
بو علی را ببیں کہ در عشقت	۷	مے کند نعرہ ہر مسا و صباح

۱۔ ترجمہ۔ صبح کے وقت جب موذن بانگ آواز دیتا ہے ہم شراب پیتے ہیں۔

مُؤَذِّن۔ آذان دینے والا۔ بانگِ نماز کہنے والا۔ صلا۔ بفتح کھانا کھانے کے لئے آواز دینا مجازاً مطلق آواز دیکسر بمعنی بربان صلاح۔ بفتح نیکی بضد فساد دیکسر اسم شنی مصالح و نام مکہ معظمہ

صبوحی۔ بفتح اول وہ شراب جو صبح کے وقت پی جاتی ہے غبوق کی ضد ہے جو شام کے وقت پیتے ہیں صباح۔ بفتح اول بامداد یعنی صبح۔

شراب کی اصطلاحی تحقیق گذشتہ غزلوں میں لکھی جا چکی ہے عموماً شراب بیخودی کے معنوں میں مستعمل ہے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ جب موذن صبح کی اذان دیتا ہے تو اس وقت ہم جلوۂ محبوب سے مست اور بیخود ہو جاتے ہیں خواجہ حافظ کے الفاظ میں صبح اور مے نوشی کا منظر ملاحظہ ہو۔

	سپیدۂ صبح گلہ بستہ سحاب	الصبوح الصبوح یا اصحاب	
	می وزد از چمن نسیم بہشت	خوش بنوشید دائما مئے ناب	

۲۔ ترجمہ۔ ہم عاشقانہ نعرے مارتے ہیں کہ بانگِ نماز میں فلاح نہیں۔

فلاح۔ بہتری۔ بھلائی۔

مطلع غزل سے مرتبط ہے کہ صرف بانگ و صلوٰۃ موجب فلاح نہیں بلکہ عشق اختیار کر کے شرابِ بیخودی سے معیت حاصل کرنی چاہیے جس کو عاشقانہ انداز میں صبوحی کہا ممکن ہے کہ حضورِ قلب کی طرف اشارہ کیا گیا ہو لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْب۔ شیخ سعدی کو اس پر یہی شک ہو گیا ہے کہ شاید محبوب کا میل زاہدوں سے ہے یا رندانِ بازاری سے چنانچہ فرماتے ہیں۔

	زاہد بہ نماز و روزہ ضبطے دارد	عاشق بہ مئی و وصال ربطے دارد	
	معلوم نشد کہ یار مشغول کسیت	ہر کس بخیال خویش خبطے دارد	

۳۔ ترجمہ۔ اگرچہ زاہد ہزار منت بھی کرے ہم جامِ طہور سے شراب کبھی نہ دیں گے۔

الحاح۔ بکسر ردکر مانگنا یعنی منت و سماجت کرنا۔

یعنی جب خشک زاہد اس شراب کا اہل نہیں تو اسے شراب دینے کی ضرورت کیا ہے۔

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں ہیں مئے ناب کے دلال و رح خوار نہیں

جامِ طہور اور مئے کی رعایت ظاہر ہے۔

۴۔ ترجمہ۔ ہماری کشتی دریا کے گرداب میں ہے اور وہ ملّاح اٹھنے والی موجوں سے غافل۔

ورطہ۔ بالفتح۔ ہلاکت کا مقام یا وہ زمین جس میں کوئی راستہ نہ ہو مجازاً گرداب بھنور کیسر کرساتھ پھنسا ہے نہایا۔

ظاہر ہے کہ اگر کشتی گرداب آپ میں چلی جائے اور ملّاح غافل سواری کرے تو اس کا ڈوبنا یقینی ہے مخاطب سے عدم التفات کی طرف اشارہ ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ جو حبیب کے راز فاش کرتا ہے اس کا خون کرنا بھی جائز ہے۔

مباح۔ جائز داشتہ شدہ۔ حلال۔

حضرت منصور اور راز حبیب کا واقعہ اس کی دلیل ہے کہ آپ نے مغلوب الحال ہونے کی وجہ سے ایک تو بالفاظ انا الحق اپنی ہستی کا اقرار کیا اور دوسرے محبوب کے سربستہ رازوں کو عوام پر منکشف کر دیا جس کی پاداش میں آپ سزائے دار کے مستوجب قرار دئے گئے چنانچہ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جس دن منصور کو سولی دی گئی میں تمام رات سولی کے نیچے بیٹھا رہا اور التجا کی کہ الٰہی حبیب منصور حق پر تھے تو ان کو یہ سزا کیوں دی گئی ہاتف غیب نے آواز دی کہ ایسے شخص کی یہی سزا ہونی چاہیئے کہ جو بادشاہوں کے راز افشا کرتا تھا قلندر صاحب نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایسا شخص واقعی قابلِ دار ہے۔ دنیز شعر ہذا سے رازداری کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ کہ سالک کو افشائے راز سے باز رہنا چاہیئے۔

۶۔ ترجمہ۔ ہم تیرے ہاتھ سے کیا امید رکھیں جبکہ تیرے ہاتھ سے کسی نے خلاصی نہیں پائی۔

نجاح۔ رستگاری۔ فیروزی۔ حاجت روائی۔

یعنی جب کسی کو تیرے دام محبت سے رستگاری کی امید نہیں تو اس خصوص میں میری التجا بھی بیکار ہے

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب	کیا کسی کا گلہ کرے کوئی

حقیقت میں عشق کا بال ہی ایسا ہے کہ جو اس کا اسیر ہوا وہ نجات کی خواہش نہیں کرتا اور اگر کرے بھی تو ملنی مشکل ہے کیونکہ دل پہلے ہی دے دیا جاتا ہے پھر از دست رفتہ چیز کا واپس آنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے

شعر۔ دل بدستِ دگرے دادن و حیراں بودن۔

۷۔ ترجمہ۔ بوعلی کو دیکھو کہ تیرے عشق میں صبح و شام نعرہ کناں ہے۔

مسا۔ وقتِ شام۔

کمالِ عشق کا ثبوت یہی عاشق کی یہی علامت ہے کہ وصل کی شوق اور قلبیت کی شدت سے روئے اور فریاد کرے۔

غزل ۲۹

گرچہ جولانگاہ در آغازِ عشق آمد فراخ ۱ لیکن آید رفتہ رفتہ راہ سخت و سنگلاخ
من بطفلی در کنارِ خوب رویاں رفتمے ۲ عہدِ من با عشق باشد مستحیل الانفساخ
سخت دشوار است راہِ من کہ بر ہر منزلے ۳ در میانِ خار و خارا ناقہ ام گیرد مناخ
جملہ دنیا بے ثبات و زندگی ہم بے ثبات ۴ در رہِ سیلاب می ریزند مردم طرح کاخ
آہِ من آتش زند در خرمنِ شمس و قمر ۵ نعرہ من می شگافد گوش گردوں را صماخ
از لطافتہائے زلفِ پر ز نالش آہ آہ !! ۶ در لطافتہائے چشم نیم خوابش آخ آخ

۷	بوعلی چوں تازہ رو بنماید اندر عشق نو ر ر زود می پژمردہ گردد چوں جدا شد گل ز شاخ	۷

از ترجمہ عشق کے آغاز میں جولانگاہ فراخ نظر آئی لیکن رفتہ رفتہ یہ رستہ سخت اور سنگلاخ معلوم ہوا
جولانگاہ۔ گھوڑے دوڑنے کی جگہ فراخ۔ کھلا۔ کشادہ۔ مراد از وادیِ عشق سنگلاخ
سخت زمین یا پتھریلی زمین۔

شاعر نے وادیِ عشق اور راہِ محبت کی دشواریاں بیان کی ہیں کہ اس کی ابتدائی منزلیں ایسی روح افزا اور کشادہ معلوم ہوتی ہیں کہ چاروں طرف گلزار اور چمنستان ہی نظر آتے ہیں نگاہ کو سوں تک پہنچتی ہے منزلِ مقصود نزدیک معلوم ہوتی ہے اور وصالِ محبوب قریب مگر چند سے مسافت کے بعد باغ و بہار میں تغیر تبدل ہونے لگتا ہے نہ وہ پر فضا باغ ہیں اور نہ بہار کا نشان! دور درازی مسافتیں اور طول طویل منزلیں کھائی دیتی ہیں جہاں چشمِ بصیرت کو اکثر دھوکا ہوتا ہے راستے ایسے پیچدار کہ الامان! جن کو خواجہ حافظ نے کبھی "رہ بچ در پیچ زلفت" کہا ہے ناچار گھبرا کر یہی کہنا پڑتا ہے۔

عشق است و صد آفات و محن لازم و ملزوم	ایں منزلِ دشوار و رہِ سخت دراز است	

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ۱۲/۴

۲۔ ترجمہ۔ میں بچپن میں حسینوں کے کنار میں گیا اس لئے عشق کے ساتھ میرا عہد توڑنا محال ہے۔
مستحیل۔ بالضم۔ محال، ناممکن۔ اور ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنا۔ انفساخ فسخ
کرنا۔ توڑنا۔ زائل کرنا۔

یعنی میرا عشق اور عہد قدیمی ہے اور میں پرانا اسیر ہوں اس لئے میں انفساخِ عہد نہیں کر سکتا
اور بدستور اسیری کا خواہشمند ہوں مندرجہ ذیل رباعی بھی اسی مضمون کو واضح کرتی ہے۔

آں دم کہ ز ہر دو کون آثار نبود
بر لوح وجود نقشِ اغیار نبود
معشوقہ و عشق و ما بہم بودیم ثرا
در گوشۂ خلوت کہ دیار نبود

مولانا جامی عدم ترک فقر کی نسبت فرماتے ہیں۔

نیست ممکن ترکِ فقر از من کہ در عہدِ قدیم
بستہ ام با فقر عہدے مستحیل الانفساخ

مولانا جامی نے قلندر صاحب کی طرز میں پوری غزل لکھی ہے غالباً اس میں قلندر صاحب
کی زیرِ تشریح غزل کا ہی تتبع کیا گیا ہو۔

۳۔ ترجمہ۔ رستہ مشکل ہے جس کی ہر منزل پر خار و خارا کے درمیان میرا ناقہ رک جاتا ہے
خار۔ کانٹا۔ خارا۔ سخت پتھر۔ مناخ یفتح محلِ خواب جائے آسودگی۔
منازلِ عشق کی دشوار گذار راہوں کی طرف اشارہ ہے مسلیم لکھتا ہے۔

در رہِ عشق اے دل از خطر افسوں غافل مباش
خارِ ہر سرایں صحرا سے چاہِ بابل است

مزید تشریح کے لئے دیکھو شعر (۷ / ۴۹)

۴۔ ترجمہ۔ تمام دنیا بے ثبات ہے اور زندگی بھی لوگ راہِ سیلاب میں محل کی بنیاد رکھتے ہیں
کاخ محل۔ دنیا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ مولانا جامی یوسف زلیخا کے
دیباچے میں فرماتے ہیں۔

دلا تا کے دریں کاخِ مجازی
کنی مانندِ طفلاں خاکبازی
تو ئی آں دستپرور مرغِ گستاخ
کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ

مراد یہ کہ دنیا ناپائیدار ہے زندگی کو بقا نہیں اور جو لوگ اس میں دل لگاتے ہیں ان کی مثال
ایسی ہے جیسے سیلاب پر محل کی بنیاد رکھنا جو یقیناً ناپائیدار ہے حضرت خواجہ محمد اسحاق ابراہیم گازرونی

فرماتے ہیں کہ مسافر کی صحبت مسافر کے ساتھ اس طرح ہے جیسا کسی نے برف پر مکان بنایا جب برف پگھل گئی تو مسافر ضرور کوچ کا ارادہ کرے گا یہی مثل دنیا اور اہل دنیا کی ہے

جہاں بر آب نہادہ است عاقلاں برنہند	کہ رو کے آب نہ جائے قرار بنیاد است

نیز دیکھو شعر (۱۳۴)

۵ ترجمہ ۔ میری آہ شمس و قمر کے خرمن میں آگ لگاتی ہے اور میرا نعرہ آسمان کے کان کاٹتا ہے

صماخ بکسر سوراخ گوش بحر الجواہر میں آنکھوں کے سوراخ لکھا ہے ۔

یعنی اگر میری آہ جہاں سوز آسمان کی طرف جائے تو شمس و قمر کے خرمن میں آگ لگ جائے اور آسمان کے کان بہرے ہو جائیں ۔

الٰہی خیر ہو میرے رخ کہن کی	لگے نالے ہمارے سر اٹھانے

دیکھو شعر (۱۳۴)

۶ ترجمہ ۔ اس کی پُرتاب زلف کی دست درازی سے آہ آہ اور اس کی نیم خواب آنکھ کی غفلت سے آخ آخ

تطاول بضم واو بمعنی گردن کشی و تکبر دست درازی کنایہ از ظلم و تعدی آخ آخ کلمۂ تحسین و آفرین اور بہار عجم میں شور و فغاں لکھا ہے ۔

یعنی زلف معشوق کی دست درازی اور اس کی نیم باز آنکھ پر جو ظہور و خفا کے ساتھ دلوں کو لے جاتی ہے افسوس ہے کہ ایک جہاں اس کی دست درازی اور بیداد گری سے شور و فغاں کر رہا ہے مگر جور و جفا کا سلسلہ بدستور جاری ہے ۔

۷ ترجمہ ۔ تیرے عشق میں بو علی کیسے تازہ چہرہ دکھائے کہ جب پھول شاخ سے جدا ہو فوراً پژمردہ ہو جاتا ہے ۔

یعنی جس طرح پھول شاخ سے جدا ہو کر فوراً پژمردہ ہو جاتا ہے اسی طرح بو علی کا حال ہے کہ ہر وقت جدائی کا کھٹکا دامنگیر ہونے کی وجہ سے وہ بھی گل پژمردہ کی طرح ہے جو اپنی شاخ سے جدا کر لیا گیا ہو جس طرح پھول کی اصل شاخ ہے اور پھول شاخ سے جدا ہو کر مرجھا جاتا ہے اسی طرح انسان کی اصل [illegible] ہے اور وہ وہاں سے جدا ہو کر پھر اپنے اصل سے واصل ہونے کی فکر میں

ہر وقت پریشان رہتا ہے عاشق کی نشانی ہے کہ وہ قطعیت کے خوف اور وصل کے شوق میں روئے
پھر وہ تازہ رو کیوں کر ہو۔

غزل ۲

ز عشق روے تو نا یم اگر سرم برود ۱ نہ گمان ہے از دل کُن یاد دلبرم برود
کجا ز بادیہ عشق پاے باز کشم ۲ اگرچہ بار من افزایم استخوانم برود
ہزار بار بسر آید چو شمع نو بر تو نور ۳ ز دست تیغ جفاے تو ار سرم برود
نصیب روئے رقیبان من شود یارب ۴ سیاہ ہے اگر از روے اختر م برود
فدائے زیور گوشش کہ گوشوارہ شود ۵ چوں از چشم زر رواز دیدہ گوہرم برود
دراز باد شب وصل تا ابد یارب ۶ کہ دلبرم بہ بہانہ نہ از برم برود

۷	شرف چو شربت دیدار تو چشید بگفت مبادا ایں کہ بلب نام کوثرم برود	۷

از ترجمہ۔ اگر میرا سر چلا جائے عشق سے منہ نہ پھیروں گا اور نہ میری دلبر کی یاد میرے دل سے جائیگی
انتہائی محبت اور ایفائے عہد و پیمان کا ثبوت دے کر فرماتے ہیں کہ اگر میرا سر کٹ جائے
تو بھی اپنے محبوب کی یاد میرے دل سے نہیں جا سکتی اور نہ میں عشق سے منہ موڑ سکتا ہوں۔
سر کٹ جانے کے بعد دل میں یاد محبوب کا بدستور رہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت منصور
کے ہر قطرۂ خون سے انا الحق کا نقش بنتا تھا اور ہر عضو سے انا الحق کی آواز آتی تھی یہ محبت کی انتہا ہے
اور اس مقام کا ذکر ہے جس کو اصطلاح میں لاہوت کہتے ہیں جہاں نہ عاشق نہ عشق اور وہاں کی کیفیت بیان
کرنے سے الفاظ قاصر ہیں مولانا جامی کی جسارت بھی قابل دید ہے

	بکف تیغ جفا ہر سو رقیبے	ز کوئت رخ نتابم گرچہ بینم	

۲۔ ترجمہ۔ میں بادیۂ عشق سے کب پاؤں کھینچ سکتا ہوں گو میرا بوجھ گر جائے اور اونٹ کہیں چلا جائے

بادیہ۔ صحرا و بیابان ترکی زبان میں بڑے پیالہ کو کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اگر اونٹ پر سے بوجھ گر جائے تو مسافر کو تکلیف ہوتی ہے کیونکہ اس کو دوبارہ بوجھ لادنا پڑتا ہے اشتر سے عقل مراد ہو سکتی ہے جس کا شتربان خود انسان ہے اور بار سے مراد بار امانت جس کا حامل انسان بروز میثاق بنا عقل عزیزی و عزیزی عاشق کے رستے میں دلائل کے روڑے اٹکاتی ہے جس سے دل ہمت عاشقوں کے عزم و استقلال میں فرق آ جاتا ہے اور وہ بار امانت کی حفاظت کی بجائے اس سے سبکدوش ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں جس سے مراد یہ کہ وہ ایفائے عہد میثاق پر قائم نہیں رہتے لیکن زہے ہمت زہے استقلال کہ شاعر کہتا ہے کہ بوجھ کا گرنا تو امر دیگر ہے اگر اشتر بھی کہیں چلا جائے یعنی عقل اس منزل میں میری موافقت نہ بھی کرے تو بھی میرا قدم ہمت پیچھے نہ ہٹے گا۔

۳۔ ترجمہ۔ اگر تیری تیغ جفا سے میرا سر چلا جائے تو شمع کی طرح تجھ پر ہزار سر ختم کروں

بسر آمدن یا بر سر آمدن۔ غالب ہونا، ختم ہونا، تمام ہونا۔

مراد یہ کہ اگر معشوق کی تیغ جفا سے میرا سر قلم بھی ہو جائے لیکن مجھے اس لذت سے جو سر کٹنے میں حاصل ہوتی ہے ہزار دفعہ قتل ہونے کی خواہش ہو گی یعنی فتیلۂ چراغ کی طرح مجھے بھی بار بار شہید ہونے کی ہوس ہو گی۔ "از حسین بن منصور، اقدس اللہ روحہٗ پرسیدند کہ لذتِ عاشق در کدام وقت کمال گیرد فرمود در آں ساعت کہ معشوق بسا سیاست کشندہ باشد و عاشق را برائے قتل حاضر آوردہ را در آں وقت در جمال معشوق حیران گردد" (اسرار العشق)

اوبر سرِ قتل و من در حیرانم	کز آں رانداز خنجرش چہ نکو می آید

ظاہر ہے کہ اگر فتیلۂ چراغ کا سر گرا دیا جائے تو وہ پہلے کی نسبت زیادہ روشن ہو جاتا ہے اور فتیلۂ چراغ کا بار بار گرانا بھی خلاف قیاس نہیں مرزا غالب ایسی تیغ آزمائی کی لذت میں معشوق کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

اسد کشتہ ہے کس کے ناز کا قاتل سے کہتا ہے	تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

شاعر نے فتیلۂ چراغ کی طرح بار بار شہید ہونے کا ڈھب تو خوب سیکھا اگرچہ ستم یہ کہ ہزار بار یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر میرا سر قلم ہو جائے تو بھی عشاق کا لاانتہا ہی سلسلہ تجھ پر نثار

ہونے کے لیئے بدستور جاری رہے گا جیسا کہ فتیلہ چراغ کا ایک سرا کاٹ دیا جاتا ہے تو دوسرا فوراً آموجود ہوتا ہے۔ "عشق مہندسے است کہ رقابِ عاشقاں را اقتراب خود خواہد کرد ہر کہ را بواسطۂ او سر از تن جدا شود معشوق جام ولا بر کفِ او نہادہ او را در عالم خود بار دہد (سر العشق)

۴ ترجمہ۔ یارب میرے ستارے کی سیاہی میرے رقیبوں کے نصیب ہوں

رقیباں۔ رقیب کی جمع بمعنی محافظ کیونکہ ہر ایک دوسرے سے اپنے معشوق کی حفاظت چاہتا ہے اور ایک معشوق کے دو عاشق آپس میں رقیب کہلاتے ہیں۔ اختر ستارہ نصیب کے ساتھ لفظِ اختر کا استعمال نہایت موزوں ہے۔

یعنی اگر میرے اخترِ نصیب سے ہجر و فراق کی سیاہی معشوق کے قرب و وصال سے دور ہو جائے تو وہ سیاہی میرے رقیبوں کے نصیب میں ہو مراد یہ کہ میں وصال کی لذت اٹھاؤں اور وہ ہجران نصیب ہوں عاشق کی یہ دلی تمنا ہوتی ہے کہ رقیب ہر وقت محبوب سے دور ہی رہے۔

۵ ترجمہ۔ اس کے کانوں کے زیور یعنی گوشوارہ پر میرے چہرے سے سونا اور آنکھوں سے موتی نثار ہوتے ہیں۔

گوشوارہ۔ اہلِ دفتر کی اصطلاح میں کاغذ کی عرض کے وسط کا نام ہے جہاں میزان لکھتے ہیں اور ایک زیور کا نام ہے جو زیبِ گوش ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ اس کے گوشوارہ گوش پر میرے چہرے کی زردی اور آنکھوں کے آنسو نچھاور ہوتے ہیں چہرے کی زردی اور آنکھوں کی تری منجملہ علاماتِ عشق کی دو علامتیں ہیں جن کو شاعر نے مجازاً سونے اور موتیوں سے تعبیر کر کے اپنے کمالِ ایثار کا اظہار کیا ہے کیونکہ سونے کا رنگ زرد ہوتا ہے اور آنسو بھی موتیوں کے مشابہ ہوتے ہیں لہذا گوشوارۂ طلائی اور چہرۂ زرد کی لطافت ظاہر۔

۶ ترجمہ۔ یارب شبِ وصال ابد تک دراز رہے تاکہ میرا دلبر کسی بہانہ سے میری آغوش سے چلا نہ جائے۔

بر۔ بالفتح۔ ثمرہ۔ میوۂ درخت۔ سینہ۔ آغوش۔ کنار۔ بغل۔ زنِ جوان۔ پستانِ زنِ جوان۔ اور بائے مواحدہ کی طرح الصاق کے واسطے بھی آتا ہے جیسے دوش بر دوش۔ زمین بر زمین یعنی زمین بدوش تھا زمین بزمین۔ اور عربی میں فتح اور تشدید کے ساتھ نامِ حق تعالیٰ۔ زمینِ خشک۔ بیابان۔ مہربان۔ نیکو کار

کسرہ و تشدید کے ساتھ نیکی بخشش خوشنودی۔ رضامندی۔ مادہ پدر۔ زندگی دنیا ضمہ اور تشدید کے ساتھ بمعنی گندم اور زکی میں کسرہ اور سکون کے ساتھ بمعنی یک جو گنتی کا پہلا عدد ہے۔

ظاہر ہے کہ عاشق کبھی سیر نہیں ہوتا۔

التجا کی گئی ہے کہ وصل کی رات ابد تک ختم نہ ہو تا کہ میں آغوش محبوب میں وصال کی لذت اٹھاؤں کیونکہ ایسے موقعوں پر معشوق عموماً صبح کا بہانہ کرتے ہیں اس لئے شاعر نے التجا کی ہے کہ یاالٰہی شب وصال ابد تک ختم نہ ہو تاکہ میرا دلبر صبح کے بہانہ سے میری کنار سے چلا نہ جائے اور میں منہ دیکھتا رہ جاؤں شیخ سعدی کی جوانمردی بھی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

گر یک سحر شبے بدست من افتد نگار من	مشکل بود کہ دامنش از کف رہا کنم

۷۔ ترجمہ۔ جب شوق نے تیرے دیدار کا شربت چکھا تو کہا ایسا نہ ہو کہیں میرے منہ سے کوثر کا نام نکل جائے۔

مطلب واضح ہے شربت دیدار کو آبِ کوثر پر فوقیت دینا مقصود ہے چونکہ دیدارِ معشوق کا عشر آب کوثر سے زیادہ لذیذ ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہیں میرے منہ سے کوثر کا نام نکل جائے یعنی یہ کہوں کہ کوثر چشیدم ہا

پر حلاوت نا اہل جنت را بود کوثر مگر	در لذانِ عاشقان تو کجا باشد لذیذ

غزل ۱۳۱

زہے حسنے کہ روئے یار دارد	۱	کہ در آغوش صد گل زار دارد
سر زلفش کہ مست ولا ابالی ست	۲	کہیں گاہ ہر دل ہشیار دارد
بسے مرداں ز کار افتادہ بینی	۳	بداں چشمے کہ او بیمار دارد
ہزاراں حلقہ کہ در جعدش فزودند	۴	ہزاراں حلقہ ہائے مار دارد
ہزاراں سطرے کہ بر رویش نوشتند	۵	ہزاراں معنی و اسرار دارد
دلم دریا و ہر گاہ کانت چنانست	۶	کہ ہیہ خواہد سرم بردار دارد

زبوئے سوئے ادب عیسیٰ مریم ۷ نفخت وفیہ را اقرار دارد

تعالی اللہ چہ رو یست ایں کہ ہر دم ۸ ہزاراں جوشش انوار دارد

ہر آں عارف کہ بر چشمش نگاہ کرد ۹ ہوائے خانۂ خمار دارد

ہر آں زاہد کہ در زلفش درآویخت ۱۰ چو کافر بر کمر زنار دارد

۱۱ شرف در عشق او گشت آں قلندر
کہ ہفتاد و دو ملت یار دارد ۱۱

ا۔ ترجمہ۔ آفرین حسن یار پر کہ اپنی آغوش میں صدہا گلزار رکھتا ہے۔

حسن معشوق کی تعریف کی گئی ہے کہ اُس کا چہرہ رشک گلزار ہے اور واقعی گلزار کی بہار اس کے نور جمال کا عکس ہے۔

۲۔ ترجمہ۔ اُس کی مست اور بے پرواہ زلف ہر ہوشیار دل کی کمیں گاہ ہے۔

لاابالی بفتح ہمزہ صیغہ متکلم واحد از مضارع بمعنی باک ندارم اور فارسی میں بے باک اور بے پرواہ شخص۔ کمیں گاہ۔ چھپنے کی جگہ زلف کو بوجہ سیاہ ہونے کے کمینگاہ کہا گیا ہے۔

یعنی محبوب کی مست اور بے پرواہ زلف ہر ہوشیار دل عاشق کی کمینگاہ ہے۔

معلق صد ہزاراں دل ز ہر سو ۔۔۔ نہ شد یکدل بروں از حلقہ او

گویا ہزاروں عاشق اُس کی زنجیر زلف کے اسیر ہیں۔

۳۔ ترجمہ۔ بہت سے آدمی کہ تو بیمار دیکھتا ہے جان اُس کی بیمار آنکھ سے گرو رکھتا ہے۔

معشوق کی آنکھ کو مست اور بیمار بھی کہتے ہیں ع۔ زچشمش خواست بیماری و مستی۔

یعنی بہت سے آدمی کہ دنیا کے کاموں سے گوگذر سے ہوئے ہیں از جان کہ وہ محبوب کی نرگس شہلا کے بیمار ہیں بیماری سے مراد بُعد و فراق ہے گویا خاصان حق جو عالم اسباب میں کار افتادہ ہیں وہ محض محبوب حقیقی کے ہجر و فراق کی وجہ سے ہیں۔ چوں کہ بیمار البتہ کار افتادہ ہوتا ہے اس لئے وجہ مقبول ہے چشم اور بیمار کی رعایت ظاہر ہے۔

کسرہ و تشدید کے ساتھ نیکی بخشش خوشنودی ۔ رضامندی ۔ مادہ پدر ۔ زندگی دنیا بضمہ اور تشدید کے ساتھ بمعنی گندم اور ترکی میں کسرہ اور سکون کے ساتھ بمعنی یک سوگنتی کا پہلا عدد ہے ۔

ظاہر ہے کہ عاشق کبھی سیر نہیں ہوتا ۔

التجا کی گئی ہے کہ وصل کی رات ابد تک ختم نہ ہو تا کہ میں آغوشِ محبوب میں وصال کی لذت اٹھاؤں کیونکہ ایسے موقعوں پر معشوق عموماً صبح کا بہانہ کرتے ہیں اس لئے شاعر نے التجا کی ہے کہ یا الٰہی شبِ وصال ابد تک ختم نہ ہو تا کہ میرا دلبر صبح کے بہانہ سے میری کنار سے چلا نہ جائے اور میں منہ دیکھتا رہ جاؤں شیخ سعدی کی جوانمردی بھی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں ۔

گر یک سحرے بدستِ من افتد نگارِ من	مشکل بود کہ دامنش از کف رہا کنم	

۷ ۔ ترجمہ ۔ جب معشوق نے تیرے دیدار کا شربت چکھا تو کہا ایسا نہ ہو کہیں میرے منہ سے کوثر کا نام نکل جائے ۔

مطلب واضح ہے شربت دیدار کو آب کوثر پر فوقیت دینا مقصود ہے چونکہ دیدارِ معشوق کا شربت آبِ کوثر سے زیادہ لذیذ ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہیں میرے منہ سے کوثر کا نام نکل جائے یعنی یہ کہوں کہ کوثر بھی شربت ہے ۔

پر حلاوت اہلِ جنت را بود کوثر مگر	در دہانِ عاشقان تر کجا باشد لذیذ	

غزل ۱۳۱

زہے حسنے کہ روئے یار دارد	۱	کہ در آغوش صد گلزار دارد
سرِ زلفش کہ مست و لاابالیست	۲	کمیں گاہ ہر دلِ ہشیار دارد
بسے مرداں ز کار افتادہ بینی	۳	بداں چشمے کہ او بیمار دارد
ہر آں حلقہ کہ در جعدش فزودند	۴	ہزاراں حلقہ ہائے مار دارد
ہر آں سطرے کہ بر رویش نوشتند	۵	ہزاراں معنی و اسرار دارد
دلم در یادِ مژگانت چنانست	۶	کہ ہمہ خواہد سرم بر دار دارد

زلب سے سوئے لب عیسیٰ ابن مریم ۷ نفخت و فیہ را اقرار دارد

تعالی اللہ چہ روبست ایں کہ ہر دم ۸ ہزاراں جوشش انوار دارد

ہر آں عارف کہ بر چشمش نگاہ کرد ۹ ہوائے خانۂ خمار دارد

ہر آں زاہد کہ در زلفش در آویخت ۱۰ چو کافر بر کمر زنار دارد

۱۱ شرف در عشق او گشت آں قلندر
کہ ہفتاد و دو ملت یار دارد ۱۱

۱۔ ترجمہ۔ آفریں حسن یار پر کہ اپنی آغوش میں صدہا گلزار رکھتا ہے۔

حسنِ معشوق کی تعریف کی گئی ہے کہ اس کا چہرہ رشک گلزار ہے اور واقعی گلزار کی بہار اس کے نور جمال کا عکس ہے۔

۲۔ ترجمہ۔ اس کی مست اور بے پرواہ زلف ہر ہوشیار دل کی کمیں گاہ ہے۔

لاابالی۔ بفتح ہمزہ صیغہ متکلم واحد از مضارع یعنی باک ندارم اور فارسی میں بے باک اور بے پرواہ شخص۔ کمیں گاہ۔ چھپنے کی جگہ زلف کو بوجہ سیاہ ہونے کے کمینگاہ کہا گیا ہے۔

یعنی محبوب کی مست اور بے پرواہ زلف ہر ہوشیار دل عاشق کی کمینگاہ ہے۔

معلق صد ہزاراں دل ز ہر سو	نہ شد یک دل بروں از حلقۂ او

گویا ہزاروں عاشق اس کی زنجیرِ زلف کے اسیر ہیں۔

۳۔ ترجمہ۔ بہت سے آدمی کہ تو بیمار دیکھتا ہے جان اس کی بیمار آنکھ سے گروہ رکھتا ہے۔

معشوق کی آنکھ کو مست اور بیمار بھی کہتے ہیں ؎ ز چشمش خواست بیماری و مستی۔

یعنی بہت سے آدمی کہ دنیا کے کاموں سے گر گذرے ہوئے ہیں از جان کہ وہ محبوب کی نرگس شہلا کے بیمار ہیں بیماری سے مراد بُعد و فراق ہے گویا عاشقانِ حق جو عالم اسباب میں کار افتادہ ہیں وہ محض محبوبِ حقیقی کے ہجر و فراق کی وجہ سے ہیں۔ چوں کہ بیمار ہمیشہ کار افتادہ ہوتا ہے اس لئے رعایت لفظی ہے چشم اور بیمار کی رعایت ظاہر ہے۔

۴۔ ترجمہ۔ ہر وہ حلقہ جو اُس کی زلف میں پڑا ہزارہا حلقۂ مار رکھتا ہے۔

جعد۔ پیچ موسے مرغول سر یعنی سر کے بال جو خمدار ہوں موئے پیچیں زلف کو مار سیاہ بھی کہتے
ہیں مراد یہ کہ زلفِ معشوق کے ہر حلقے میں ہزارہا حلقے بنے ہوئے ہیں اور ہر حلقہ میں ہزارہا عشاق گرفتار ہیں

شد دل حلقے اسیر پیچ بنی گرد رخ	زلف شکن بر شکن جعد گرہ بر گرہ

مار اور حلقہ کی نسبت ظاہر ہے کیونکہ سانپ میں حلقوں یعنی کنڈل کا ہونا لازمی ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ ہر وہ سطر جو اُس کے چہرے پر لکھی گئی ہزارہا معانی اور بھید رکھتی ہے
یعنی اُس کے چہرے کی تو صحیفے میں ہر وہ سطر کہ لکھی گئی اسرار و معانی کا گنجینہ ہے۔

نگر رخسار او در سبع المثانی ست	کہ ہر حرفے از و بحر معانی ست	(گلشنِ راز)

۶۔ ترجمہ۔ میرا دل تیری پلکوں کی یاد میں ایسا ہے کہ میرا سر سولی پر رکھنا چاہتا ہے۔
یعنی میرا دل تیری پلکوں کی یاد میں ایسا بے قرار ہے کہ مجھے دار کے حوالے کرنا چاہتا ہے
گویا تیرے ملنے کی آرزو میں اسے میری جان کی پرواہ نہیں کہ جان جاتی ہے تو جائے لیکن کسی طرح تیرا قرب عطا ہو

۷۔ ترجمہ۔ مسیح اُس کی زلف کی خوشبو سے نفخت فیہ کا اقرار رکھتے ہیں
ظاہر ہے کہ خوشبو روح کو تازہ کرتی ہے گویا حضرت مسیح علیہ السلام کو محبوب کی عنبر بار زلف
کی نسبت اقرار ہے کہ وہ مُردوں میں جان ڈال سکتی ہے۔

گل آدم شد آں لحظہ مخمر	کہ در دش بوئے آں زلف معنبر

یعنی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام والصلوٰۃ کے تخمیر میں زلفِ معطر کی جامعیت اور کثرت کی بو ڈالی گئی۔

نسیم زلف عنبر بو از لطف	دماغ جملہ عالم را معطر

دماغِ عالم کے معطر ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کو زندگی جاوید عطا کی گئی اس لئے مسیح
کا یہ اقرار صحیح ہے کہ محبوب نے اپنی زلفِ عنبر بار سے آدم کی روح کو تازہ کیا۔ تخلیق آدم کے متعلق قرآن
مجید میں ارشاد باری ہے۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ یعنی میں پیدا کرنے والا
ہوں انسان کو پس جس وقت میں نے اسے درست کر دیا اس میں اپنی روح پھونکی۔

۸۔ ترجمہ۔ سبحان اللہ کیا چہرہ ہے کہ ہر وقت ہزار جوشش انوار رکھتا ہے۔
جوشش۔ س ل۔ جوش۔

گوناگوں تجلیات کی طرف اشارہ ہے ع۔ تجلی گہ جلال است وگہ جمال

۹۔ ترجمہ ۔ مرد وہ عارف کہ جس نے اس کی آنکھ کو دیکھا خانہ خمار کی ہوا رکھتا ہے۔

۱۰۔ ترجمہ ۔ مرد وہ زاہد کہ اس کی زلف میں گرفتار ہوا کافر کی طرح کمر پہ زنار رکھتا ہے۔

زنار جینو۔ وہ ڈورا جو اہلِ ہنود کمر پہ باندھتے ہیں، صوفیائے کرام کی اصطلاح میں عہد و پیمانِ

اطاعتِ باری کو زنار کہا جاتا ہے۔

یعنی محبوبِ مطلق کی زلفِ گرہ گیر کا ہر اسیر زاہد زنار بند ہے مراد یہ کہ اطاعت و عبادت کا معترف ہے

نظر کردم بدیدم اہلِ ہر کار (گلشنِ راز)	نشانِ خدمت آمد عقدِ زنار
میاں در بند چوں مرداں بمردی	در آ در زمرۂ اُوفُوا بِعَهْدِي

یعنی خدمتِ حق تعالیٰ کا جینو اپنی کمر پر مردوں کی طرح باندھ اور ان لوگوں میں داخل ہو جو امر

اُوْفُوا بِعَهْدِي کے ساتھ عہد و پیمان کے وفا پرستے ہوئے ہیں اور حقِ عبودیت بجا لا۔

گویا زاہد زلف کا اسیر ہو کر زنار بند ہو گیا۔ خوب!

۱۱۔ ترجمہ ۔ اس کے عشق میں شرف وہ قلندر ہے کہ بہتر فرقوں کو یار رکھتا ہے۔

ہفتاد و دو ملت یعنی بہتر فرقے جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

دراصل ۷۳ فرقے ہیں پہلا فرقہ اہلِ سنت والجماعت کا ہے یہ فرقہ کیا ہے گویا آنکھوں کا

نور دل کا سرور اور جان کا حضور ہے باقی بہ تفصیلِ ذیل چھ فرقے ہیں اور ہر ایک کی بارہ بارہ شاخیں

۱۔ رافضیہ ۲۔ خارجیہ ۳۔ جبریہ ۴۔ قدریہ ۔ ۵۔ جہمیہ ۶۔ مرجیہ۔

مراد یہ کہ شرف کا مشرب صلح کل ہے اسی واسطے ہفتاد و ملت سے اس کا ربط و ضبط ہے

کیونکہ عشق کا دستور یہی ہے اور یہ ہفتاد و ملت کے جھگڑے محض حقیقت سے ناشناسی کے باعث ہیں

" جنگِ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ | چوں حقیقت نہ شناسند رہِ افسانہ زدند

لیکن شرف حقیقت شناس ہے اس لئے سب کا دوست ہے اور سب کو دوست رکھتا ہے تمام

صوفیائے کرام کا یہی مشرب ہے اور بے قلندر صاحب نے اپنے مکتوب میں بھی اپنے اپنے

مشرب کے متعلق ظاہر فرمائی ہے "در عشقِ محبوب چنانم کہ من خود را نمیدانم واز ہفتاد و ملت درمیان کیا نم ہمہ را در خود میدانم

مگر بجز حسنِ معشوق دگیر را نخواہم۔

غزل ٣٢

گمان برم کہ ز عشقِ تو جان نیارم برد ١ کہ گونہ گونہ غمِ عشقِ تو مرا آزرد

خلافِ مصلحتش ساقیا نہ پندارم ٢ اگر بجامِ کسان صافی و بجامم درد

نہ یک پسر بدلم جا کند نہ یک دختر ٣ ہزار عشق بدلبستان بزاد و بار بمرد

تو یک نظر بسرِ کوئے خود فگن بارے ۴ کہ چند کشتۂ غمِ عشقت اندر رگ و زخورد

چہ خوفِ محتسب و واعظ آرد اندر دل ۵ طریقِ طعن و ملامت چو عاشقِ تو سپرد

زناوکے کہ بجست از کمانِ ابرویت ٦ کدام ہست کہ بر سینہ زخمِ عشق نخورد

برادرم من و ساوجی ز ما ہر یک ٧ ہمان قدر کہ بود جاگی مناسب برد

٨ قلندرانہ بسر مے برد شرف در عشق ٨
کہ مجو زلفِ تو گردید در پریشں و سر نسترد

١ ترجمہ۔ مجھے گمان ہے کہ تیرے عشق میں میری جان کو آرام نہ ہوگا کیونکہ تیرے عشق کے گوناگوں غموں نے مجھے آزردہ کر دیا۔

مراد یہ کہ مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ معشوق کے عشق میں میری جان سلامت نہ رہے گی کیونکہ غمِ عشق نے مجھے بے حد پریشان کر دیا ہے۔

٢ ترجمہ۔ اے ساقی میں اس کی مصلحت کے خلاف نہیں سمجھتا اگر وہ کسی کے جام میں صاف شراب ڈالے اور میرے جام میں درد۔

گویا قلندر صاحب راضی برضا ہیں اور ع ہر چہ از دوست می رسد نیکوست کہ عالی

من از اول نہادہ ام سر بر خطِ فرمانِ تو   رائے تو باشد رائے من نبود مرادے دگر

٣ ترجمہ۔ نہ کسی لڑکے نے میرے دل میں جگہ کی نہ کسی لڑکی نے البتہ ہزارہا عشق پیدا ہوئے اور مر گئے

پسر اور دختر سے تعلقات ماسوا اللہ مراد ہو سکتے ہیں یعنی ایسے صدہا تعلقات پیدا ہوئے اور جاتے رہے لیکن اب ماسوائے المطلوب کسی چیز کی میرے دل میں گنجائش نہیں۔

کس زباں سے کروں اے تنگدلی زاں شکوہ — غنچہ کو جانہ ملی بار ہما یا نہ سما

سوانح عمری میں لکھا گیا ہے کہ قلندر صاحب نے شادی نہیں کی یعنی آپ کو پسر و دختر پیدا کرنے کی خواہش نہ تھی بلکہ آپ سن دمعشوقۂ عشق کے مصداق تھے غالباً شعر میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۴ ترجمہ۔ تو ایک دفعہ اپنی گلی کی طرف دیکھ کہ تیرے عشق کے غم میں کتنے خورد و بزرگ گھائل ہیں۔

یعنی تیرے غم عشق میں شیخ و شاب کشتہ و گھائل ہیں کیونکہ عشق علی قدر استعداد ہر دل میں موجود ہے بلکہ کائنات کا یہ سارا کارخانہ عشق و محبت کی طفیل ہے۔

سر حسب ازلی در ہمہ اشیا و سار لیست — ور نہ بر گل نہ زدے بلبل بیدل فریاد

۵ ترجمہ۔ تیرا عاشق واعظ و محتسب کا خوف دل میں کیا لائے جب کہ اس نے طعن و ملامت کا طریق اختیار کیا۔

محتسب۔ شرعی حاکم یعنی مجھے واعظ و محتسب کی پرواہ نہیں کیونکہ میں اسی طعن و ملامت کے لئے وقف ہوں۔

الا یا لائمی نہ تشبیم زطاعنان — لو ذقت القلوب لی ان شغفت القلوب

نیز دیکھو شعر ۱۲

۶ ترجمہ۔ تیری کمان ابرو سے جو تیر نکلا وہ کون ہے جس نے سینہ پر عشق کا زخم نہ کھایا ہو۔

ناوک۔ چھوٹا تیر۔ اسم تصغیر ناوہ یعنی چوب مجوف میان خالی بعض نے لکھا ہے کہ دراصل ناوی تھا یعنی وہ آہنی چیز جس میں تیر رکھ کر ایک مخصوص وضع سے کمان کی زرہ سے بند کر کے چلاتے ہیں کثرت استعمال سے اس کے تیر کو بھی ناوک کہنے لگے۔ مجازاً بطور الحاق ظرف بر مظروف۔

مراد یہ کہ تیری کمان ابرو کے ہر تیر نے ہر سینے کو زخمی اور گھائل کر دیا۔

۷ ترجمہ۔ میں اور ساوجی دونوں بھائی ہیں اور ہم میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق شراب نوش کیا۔

ساوجی۔ اصل نام سلمان ہے۔ آپ شاعر تھے شہر سادہ آپ کا مولد و مسکن تھا جو عراق عجم

میں واقع ہے اصل لفظ ساؤگی تھا کاف فارسی کو جیم عربی سے بدل دیا اور ساؤجی بن گیا آپ بڑے فصیح و
بلیغ شاعر تھے آپ کی تصنیف سے دو مثنویاں جمشید و خورشید یادگار ہیں ایک اور تصنیف بھی ہے جس کا نام
فراق نامہ ہے غزلیات بھی بیشمار ہیں مطبوع و مصنوع لیکن عشق و محبت کی چاشنی سے جو غزل کا مقصود ہوتا
ہے تہیدست اور عاری ہیں ارباب ذوق کی نظروں میں اس قدر وقیع نہیں جیسا کہ عاشقانہ کلام ہونا چاہیئے ۔

جاگی ۔ بکاف فارسی ۔ لوزینہ ۔ ولطیفہ ۔ اور وہ میل کہ پینے کے بعد پیالے میں باقی رہ جاتی ہے
دردِ شراب تیرہ اور خالص شراب کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے

قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں اور ساؤجی بلحاظ شاعر اور اہل طریقت ہونے کے ہم مشرب
اور بھائی ہیں لیکن ہمارا ظرف اور حوصلہ جدا جدا ہے کیونکہ ہم دونوں نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق
جامِ محبت نوش کیا ۔ لفظِ جاگی چونکہ شرابِ تیرہ و شرابِ صاف دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس لئے
ممکن ہے کہ قلندر صاحب نے نکتہ یہ پیدا کیا ہو کہ مجھے شرابِ خالص عطا کی گئی اور میرے بھائی سلمان کو تلچھٹ دُرد

اب اگر شاعرانہ لحاظ سے دیکھا جائے تو قلندر صاحب کا دعوےٰ درست ہے کیونکہ آپ
کا کلام عشق و محبت کی چاشنی سے بھرا پڑا ہے اور ساؤجی کی غزلوں میں یہ رنگ مفقود ہے جس کا مولانا جامی نے
بہارستان میں اعتراف کیا ہے کہ "غزلیات و دیوان او بسیار است اما از چاشنی عشق و محبت کہ مقصود از
غزل است آں خالی است طبعِ اربابِ ذوق بر آں اقبال نمے نمائند"

اور اگر صوفیانہ نکتہ نگاہ سے دیکھا جائے تو بھی یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ قلندر صاحب
کی روحانیت اور عظمت نے ایک عالم کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اور شاہان زمان ان کی عتبہ بوسی کو اپنا فخر
تصور کرتے ہیں اور ساؤجی کا صرف نام ہی نام ہے گو وہ بھی کاملان وقت سے ہوں لیکن دونوں میں از
روئے حقیقت بعد المشرقین ہے ۔

عشق اور شرابِ محبت کی تقسیم کے متعلق صاحب گلشن راز فرماتے ہیں ۔

یکے از بوئے دردش عاقل آمد	یکے از رنگِ صافش ناقل آمد
یکے از نیم جرعہ گشتہ صادق	یکے از یک صراحی گشتہ عاشق
یکے دیگر فرو بردہ بیک بار	خم و خمخانہ و ساقی و مے خوار
کشیدہ جملہ و ماندہ دہن باز	زہے دریا دلِ رندی سرافراز

جن کا مفہوم یہ ہے کہ اس شراب محبت کی درد کی بو سے کسی کو غافل کا مرتبہ ملا یعنی اس نے حسب استعداد معقولات میں تحقیق و نقل سے کام لے کر ہر چیز کی حقیقت کی شناخت کی اور کوئی نقلی دلائل کے ساتھ راہِ حق میں گامزن ہوا۔ اہلِ ذوق جنہوں نے عقلی و نقلی دلائل سے تجاوز کیا وہ اس شراب محبت کے آدھے گھونٹ سے ثابت و صادق ہو کر حق تعالےٰ کی محبت کے مرتبے پر فائز ہو گئے ایک گروہ ایسا آیا کہ خم و خمخانہ ساقی و میخوار سب نگل گیا سالک کو انقطاب کا مرتبہ حاصل ہوا لیکن ان سب پر فوقیت ان کو ہے جو جام کیا دریا کے دریا نوش کر گئے اور پھر بھی اپنی تشنہ لبی کا یوں اعتراف کرتے رہے کہ "ہل من مزید"

یہ وہ لوگ ہیں جو ہر وقت جذباتِ حق کی لہروں میں محو در محو اور فانی اور باقی ہوتے رہتے ہیں اور ماسوا اللہ کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتے قلندر صاحب کے مرتبہ اور مشرب قلندریہ سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچی ہے کہ وہ یقیناً ان لوگوں سے تھے جو باوجود دریا نوش ہونے کی "ہل من مزید" پکارتے ہیں اس لئے قلندر صاحب کا یہ دعویٰ عین حقیقت ہے کہ ساقی اور خود کو علیحدہ علیحدہ جام دیا گیا قلندر یا استغراق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ ع۔ ایں زمیں را آسمانے دیگر است

ترجمہ: شرف عشق میں قلندرانہ بسر کرتا ہے اس لئے اس نے تیری زلف کا محرم ہو کر ریش و سر منڈایا یعنی تیرے عشق میں ایسا فارغ مست اور بے خود ہو گیا کہ اپنی زینت و زیبائش کا خیال تک نہ رہا جو دیوانگی اور مستی کا خاصہ ہے۔

نقل ہے کہ حالتِ جذب اور مستی میں قلندر صاحب کی لبیں اور ریش مبارک بہت بڑھ گئی تھیں مگر کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ مزاحم ہو اور یہ کہہ سکے کہ آپ کا یہ فعل احترامِ شریعت کے خلاف ہے آخر مولانا ضیاء الدین سنامی نے جوشِ شریعت سے مقراض ہاتھ میں لے کر ایک ہاتھ سے آپ کی ریش پکڑ کر لبیں کتر دیں مولانا کی اس دلیرانہ حرکت پر قلندر صاحب نے اپنی ریش مبارک کو بوسہ دیا اور عاشقانہ انداز میں کہا کہ کیا مبارک ریش ہے جو شریعت محمدی میں پکڑی گئی ممکن ہے کہ شعر ہذا میں اسی تاریخی واقع کی طرف اشارہ ہو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندر صاحب کی جذباتِ حق میں یہ حالت تھی کہ اپنی زیب و زینت قائم رکھنے اور ایک سنت کی ادائیگی کا بھی خیال تک نہ تھا اور پھر لبہائے مبارک کے کترنے پر داڑھی کو بوسہ دے کر احترامِ شریعت کا خیال آنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ عاشقِ سنت تھے مگر استغراق کی وجہ سے مجبور رہتے کیونکہ قلندریہ مشرب کے بزرگ اکثر محو در محو رہتے ہیں لیکن شاعرانہ لبند پروازی دیکھئے کہ مجاز کو حقیقت کے رنگ میں کس قدر رنگا ہے

کہ اے محبوب تیری زلف دراز ہے لہٰذا مجھے بھی رشک آیا اور میں نے اپنی ریش و سر کو بڑھا کر تیری زلف دراز کا نمونہ اہل نظر کے پیش نظر کر دیا۔

یہ شعر صنعت حسن تعلیل کا نمونہ ہے گو بالیں اور سر کے بال تو بڑھ گئے استغراق کی حالت میں لیکن شاعر نے وجہ یہ بتلائی کہ میں چونکہ تیری زلف کا محو ہوں اس لئے مجھے اپنی آرائش کا خیال نہ رہا جس سے مقصود یہ ہے کہ بندۂ اسیر ہر قسم کی پابندی اور قیود سے آزاد ہے۔

بند معشوق چون رهبت بپاے — از همه بند ها رها بودن

غزل

۱ جان نقشش را بر سر افسر می کند — تن غم او را فدا سر می کند

۲ دار و گیرے دیگر از سر می کند — عشق او در سینه ام هر ساعتی

۳ جمله را در خون شناور می کند — عشق او چون می زند امواج تند

۴ شعله از سینه ام سر می کند — سوختم از آتش هجر کسی

۵ غفلت اندر جور کمتر می کند — رحم و شفقت در دلش ناید مگر

۶ خلعت تجرید در بر می کند — خوش کسی کو از عطائے ایزدی

۷ در جهان هر قلندر می کند — خوش کسی کو را خدائے بے نیاز

۸ در زمان خواب بستر می کند — بر سر دریائے آتش محو تو

۹ بو علی خستہ از غمهائے تو
هر زمان شادی دیگر می کند ۹

اثر ترجمہ: جسم اس کے غم میں سر فدا کرتا ہے اور جان اس کے غم کو سر کا تاج بناتی ہے۔

افسر ۔ تاج ۔ حاکم ۔

سبحان اللہ غمِ عشق ایسا محبوب اور عزیز غم ہے کہ جسم کی خواہش ہے کہ میں غمِ عشق میں سر فدا کروں اور جان کی آرزو ہے کہ غمِ عشق کا تاج سر کو پہنایا جائے بہر حال معشوق کے عشق میں غم کرنا وصال کا اچھا ذریعہ ہے سر اور افسر کی رعایت ظاہر کیونکہ سر بکف ہو کر عروج اور مرتبہ حاصل کیا جاتا ہے۔

۲۔ ترجمہ ۔ اُس کا عشق میرے سینہ میں ہر گھڑی ایک نیا فساد برپا کرتا ہے ۔

دار وگیر ۔ مراد از حکومت و ریاست ۔ نیز جنگ و پیکار اور لڑائی کے معنوں میں بھی آتا ہے از سر از سرِ نو ۔ یعنی عشقِ محبوب ہر ساعت نئی شکل و صورت اختیار کر کے میرے سینہ میں فتنہ و فساد برپا کرتا ہے گویا میرا سینہ جوشِ عشق سے لبریز اور میں نعرہ کناں ۔

۳۔ ترجمہ ۔ جب اس کا عشق موجزن ہوتا ہے سب کچھ خون میں ڈبو دیتا ہے ۔

شناور ۔ ڈبو دینا یا تیرنا مجازاً غرق ہونا یا غرق کرنا ۔

یعنی امواجِ عشق سے میرا دل اور جگر غرقِ خون ہیں عشق میں خون کے آنسو رونا یا دل کا خون ہونا مشہور ہے لہذا قلندر صاحب کی شکایت بجا ہے مولانا مغربیؒ امواجِ عشق کے متعلق فرماتے ہیں ۔

بر انداخت موجِ قلزمِ عشق   ہر چہ در فعرِ بحر بید کمنوں

۴۔ ترجمہ ۔ میں کسی کے آتشِ ہجر سے جل گیا میرے سینہ سے شعلے باہر نکلتے ہیں

یعنی آتشِ ہجر اور سوزِ فراق میرے سینہ میں شعلہ زن ہے جس کی وجہ سے میں سراپا جل گیا ۔

۵۔ ترجمہ ۔ اُس کے دل میں رحم و شفقت بالکل نہیں مگر غفلت میں ظلم کم کرتا ہے ۔

معشوقوں کی بے وفائی اور بے مہری مشہور ہے قلندر صاحب بھی اُن کے شاکی ہیں ۔

خوبرو دہر کے با وفا ہو وے   ہم نہ مانیں اگر خدا ہو وے

۶۔ ترجمہ ۔ وہ شخص خوش ہے جو عطائے ایزدی سے خلعتِ تجرید رکھتا ہو

مراد یہ کہ وہ شخص خوش نصیب ہے جو عطا و نوازشِ یزدانی سے تجرد و اتقا کی خلعت زیب تن کرتا ہے

ہیچ سرے بر بالعل اندر است   خسروِ کسے کہ خلعتِ تجرید در بر است

۷۔ ترجمہ ۔ وہ شخص خوش ہے جس کو خدا نے بے نیازِ جہاں میں مردِ قلندر کرے

یعنی قلندری مرتبہ عطائے ایزدی ہے اور جسے عنایت ہو وہ خوش نصیب !

ایں سعادت بزور بازو نیست	تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۸۔ ترجمہ:- تیر است در پائے آتش پر حالتِ خواب میں بسر کرتا ہے

یعنی جس طرح تیر است حالتِ بیداری میں سوزِ عشق سے جلتا ہے اسی طرح حالتِ خواب میں آتش زیرِ پا اور بیقرار رہتا ہے آگ پر بستر کرنا کمالِ عشق اور عالی حوصلگی کی علامت ہے جس کی وجہ میں خود قلندر صاحب اس طرح رقمطراز ہیں کہ "عاشق داند کہ در سرا دن یا آتش نشستن چہ راحت دارد از خود در عالمِ دل خود آتش نشستہ داشت کہ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ عبارت ازاں است کہ آتش دوزخ ازاں گریزاں است و ازاں آں آتش الا آتشِ دوزخ چہ باک است"

۹۔ ترجمہ:- خستہ دلی تیرے غم از عشق میں ہر دم ایک نئی لذت اور نئی نعمت حاصل کرتا ہے جس سے وہ خوش ہے گو حالتِ غم میں خوشی کرنا بظاہر اصول سے ناممکن ہے مگر یہ صرف اہلِ حق لوگوں کا حصہ ہے کہ غم میں خوش رہتے ہیں اور خوشی ہی میں مغموم۔ اگرچہ غمِ عشق ایک جگر خراش غم ہے لیکن عشاق کو خوشی اس لئے ہوتی ہے کہ یہی غم بارگاہِ محبوب میں باریاب ہونے کا ذریعہ ہے اس لئے وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور دنیا کی خوشی گو حقیقت میں ایک دل خوش چیز ہے لیکن ناپائدار اور فانی ہے اس لئے عاشق اس کی ناپائداری کا خیال کر کے نوحہ کرتے ہیں۔

قلندر صاحب نے رسالہ "سر العشق" میں ہجر و فراق اور وصال کے متعلق ایک نکتہ پیدا کیا ہے:-

"آنچہ عاشقاں ہجر و فراق را بر وصلِ محبوب ترجیح دہند موجب ایں است کہ در ہجر
امیدِ وصل باشد کہ باعثِ راحت است و در وصال اندیشۂ ہجر ایشاں را پراگندہ دارد"

غزل ۴۳

عکسِ روئے تو جائے در آدم آوردند ۱ پیشش بسجدۂ آں خیلِ قدس را بدر آوردند
ہزار آدم و عالم نمود جلوۂ ترا ۲ اگرچہ سجدۂ ملائک بر آدم آوردند
خیالِ روئے تو در ہر کجا غوغا کرد ۳ دو عالمش چو خیالے پدید آوردند
ایں روئے آدم و ہم روئے یوسفِ مصری ۴ زکوٰۃ خوبیٔ حسنِ تو یافت و پدید آوردند

خیالِ روئے تو در دیدہ کسیکہ نشست ۵ خیالِ ہر دو جہانش ز دیدہ بستر دند

ز شمعِ روئے تو سودے بعاشقاں نرسید ۶ کہ جان خود ہمہ پروانہ وار بسپردند

نخوردہ اند مئے عشق در الست کساں ۷ کہ بر فضیحت عشاق حیف مے خوردند

مولہاں بازل عکسِ صورتت دیدند ۸ از انکہ تا بہ ابد پائے حیرت افشردند

۹	شرف ز عشقِ تو گشت آں قلندر پرست کہ جملہ عیباں از ہمہ بنقش بردند	۹

از نمہ جہد بیز ہے چہرہ کے عکس سے آدم میں جان پڑی اس کے بعد نہیں سے کہ وہ ذات سجدہ کیا۔
خیل۔ سوار اور گروہ آدمیوں کا۔ گلہ گھوڑوں کا۔

یعنی حضور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے پرنور کے عکس اور پرتو سے آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی گویا کہ حضور کے نورِ اقدس سے حضرت آدم کی مٹی کا تخمیر کیا گیا جس کے سبب سے وہ مسجودِ ملائکہ ہوئے۔ انا من نور اللہ کا مفہوم بھی یہی ہے۔

وجلی اللہ ظلّے نور پکلا و شد نورہا پیدا	زمیں از حب او ساکن فلک از عشق او شیدا
محمد احمد و محمود و مے را نا نقش بستند (جامی)	از و شد ابد و سیر موجود از و شد دیدہ ہا بینا

اسی مضمون پر مولانا جان محمد صاحب قدسی اپنے دیوان میں فرماتے ہیں۔

جسم جب حضرتِ آدم کا بنا لکتے ہیں	ان کو ملکوت نے سب سجدہ کیا کہتے ہیں
کیا سبب تھا ایسی بزرگی کا ہوا اسے قدسی	ان میں نھا نورِ نبی جلوہ نما کہتے ہیں

مراد یہ کہ آدم میں نبی کا نور تھا اس لئے وہ مسجودِ ملائکہ ہوئے گویا حقیقت میں وہ سجدہ نبی کو کیا تھا۔

نبود سجدہ آدم مگر برائے ز جست	کہ عاشقانت از ہر جانب سے نگرند

نیز دیکھو شعر (۱۲)

۱۲۔ تیرے چہرہ جہاں کی ہزارہا مخلوق نے تجھے سجدہ کیا اگرچہ ملائکوت نے آدم کو سجدہ کیا۔
یعنی آدم علیہ السلام میں چونکہ حضور کا نور تھا اور حضور کی مقدس و با برکات ذات کونین کی علت

خالی اور تخلیقِ عالم کا باعث تھی اس لیئے علم الاسماء پر حضرتِ آدم کو بحرمت نورِ رسولِ مقبول مطلع اور آگاہ کیا گیا جس سے ملائکہ معترف ہوئے پر حضرتِ آدم کی برتری ثابت ہوئی اور فرشتے اُن کے آگے سربسجود ہوئے گو وہ سجدہ تعظیمی تھا لیکن تھا ذاتِ حق کو کیونکہ وہ راز کچھ اور تھا جس کی طرف عارفِ رومی نے اشارہ کیا۔

گر نبودے ذاتِ حق اندر وجود — آب و گل را کے ملک کردے سجود

عارف نے یہ نکتہ پیدا کیا کہ وہ تعظیمی سجدہ حضور رسولِ مقبول کو تھا کیونکہ حضور ہی کے نورِ مبارک کی طفیل ملائکہ ملکوت پر حضرتِ آدم کو شرف عطا کیا گیا جیسا کہ وہ طورِ تجلّی نور کی نسبت عارف لکھتے ہیں۔

بے ہوش ہوئے جس سے مشتاق کلیم اللہ — جلوہ محمدؐ تھا وہ شعلۂ سینائی

اسی سجدۂ ملائک سے سجدۂ تعظیمی کی اباحت ثابت ہوتی ہے و نیز حضور کی مبارک زندگی میں بھی جناب کا درِ دولت سجدہ گاہِ عالم و آدم تھا اور شاہانِ زماں آپ کی نعلین برداری کو سعادتِ دارین تصور کرتے تھے اور بعد وفات بھی حضور کا روضۂ مبارک مسجودِ ملائک ہے مولانا قدسی کا شعر ہے۔

نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را — برتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

۳۔ ترجمہ۔ تیرے چہرے کے خیال نے جس سر میں شور کیا دونوں عالم نے اُس خیال کی طرح اس کو آنکھوں میں بٹھایا۔

یعنی تیرے روئے زیبا کا خیال جس شخص کے سر میں جاگزیں ہو گیا اُس خیال کی برکت سے دونوں عالم نے اس کو عزت و توقیر کی نظروں سے دیکھا یعنی مطمحِ خلائق اور مقبولِ عالم ہو گیا۔

آنکھوں میں جگہ دینا یا آنکھوں میں بٹھلانا کمالِ توقیر اور عزت کی طرف اشارہ ہے۔

۴۔ ترجمہ۔ آدم اور یوسفِ مصری کے چہروں کو تیرے حسن کی زکواۃ ملی اور مشہور ہو گئے۔

یعنی آدم اور یوسف کا حسن و جمال تیرے نورِ جمال کا پرتو ہے جس کی وجہ سے وہ آسمانِ شہرت پر آفتاب و مہتاب بن کر چمکے یعنی تیری زکواۃِ حسن سے ان کی پرورش ہوئی۔

یا فقرت کا اشارہ اگر اس طرف ہو کہ حضرتِ یوسف علیہ السلام ازل ہی سے تیرے روئے زیبا کی زکواۃ سے مستفید ہو کر ہمیشہ رخ در نقاب رہتے تھے حتیٰ کہ مصر میں جب وہ ہی دریچہ وہ جمال زنانِ مصر کے سامنے جو حسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھیں نقاب کشا ہوا تو وہ بے ساختہ پکار اٹھیں کہ ہٰذا ملک کریم اور اُس نظارۂ جمال سوز سے بیتاب ہو کر ترنج کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لیئے۔

اور پروانہ سے مراد یہ لی جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تیری زکوٰۃ حسن سے مستفیض ہو کر زنانِ مصر میں شہرت اور ناموری حاصل کی تو بھی مطلب واضح ہے حضرت منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم و مغفور فرماتے ہیں

نہیں ہے مہرِ حسنِ یوسفی کی دھوم عالم میں کہ سایہ چھپ کے اُس پردہ میں آیا تھا عصمت کا

۵ ترجمہ۔ تیرے چہرے کا خیال جس کی آنکھ میں بیٹھا اسکی آنکھ سے دونوں جہاں کا خیال جاتا رہا۔

یعنی تیرے روئے پرنور کا خیال جس آنکھ میں جم گیا وہ آنکھ دونوں جہان کے خیال سے کنارہ کش ہو گئی یعنی اس میں تیرے خیال کے سوا کسی دوسری چیز کی گنجائش نہ رہی۔

۶ا۔ تیرے چہرے کی شمع سے عاشقوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا کیوں کہ انہوں نے اپنی جان پروانہ وار دے دی ہے۔

مراد یہ کہ تیری شمعِ حسن پر پروانہ وار جل گئے مر مٹے مگر حاصل کچھ نہ ہوا یعنی سوزشِ دل میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی قلندر صاحب کا اصلی مقصود تو دیدار تھا وہ مر کر بھی حاصل نہ ہوا اور بشری وجود کے ساتھ ہونا ممکن بھی نہ تھا کیونکہ اُس کا وعدہ حشر و نشر کے بعد ہے اس لئے سوزِ دروں میں کوئی کمی نہ ہوئی۔

ظاہر ہے کہ پروانہ بے تاب ضبط ہوئے شمع پر نثار ہو جاتا ہے لیکن وصال سے دل ٹھنڈا کرنے کی بجائے اسے اَلشّا تذریا سلتش ہونا پڑتا ہے اس خصوص میں پروانہ بھی قلندر صاحب کا ہم مشرب ہے۔

۷ ترجمہ۔ جنہوں نے الست ہی سے تیرے عشق کی شراب نہیں چکھی وہ تیرے عشاق کی رسوائی چاہتے ہیں۔

فضیحت ۔ رسوائی بدنامی۔

گویا جو لوگ الست ہی سے تیری شرابِ محبت سے محروم ہیں وہ تیرے عشاق کو رسوا کرنے کی فکر میں ہیں یا ان کے درجاتِ عالیہ کا شکوہ اور گلہ کرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں

۸ ترجمہ۔ لیکن جن مولائی لوگوں نے ازل میں تیری صورت دیکھا وہ ابد تک محوِ حیرت رہیں گے

مولہاں ۔ مولائی لوگ یعنی صاحبِ کشف۔ **پائے حیرت افشردن** ۔ حیرت میں پاؤں نچوڑنا یعنی محوِ حیرت ہونا۔ یا فانی باقی ہونا۔

شعرِ بالا میں قلندر صاحب نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو ازل ہی سے شرابِ الست سے

محروم رہے اور عشاق کی قدر و منزلت سے ناواقف لیکن شعر زیرِ تشریح میں اُن صاحبِ کشف لوگوں کی نسبت فرماتے ہیں جنہوں نے ازل میں تیری صورتِ پاک کا عکس دیکھا اور بے خود ہو گئے کہ وہ ابد تک بدستور محوِ حیرت رہیں گے اور ان کو رسوائی اور بدنامی کی پرواہ نہیں۔

۹ ترجمہ: ظرف تیرے عشق میں وہ سرمست قلندر ہو گیا کہ جملہ مدعی اُس کی ہیبت سے مر گئے۔

ہیبت: خوف، ڈر، حشم

یعنی تیرے عشق میں ظرف کی سرمستی دیکھ کر تمام دعویدار کافور ہو گئے ممکن ہے مدعیوں سے ان ابنائے زمان کی طرف اشارہ ہو جو بوالہوس اور خام عاشق تھے انہی خام طبع لوگوں کی نسبت کسی بزرگ نے لکھا ہے۔

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں ۔۔۔ ہیں مئے ناب کے دلّال قدح خوار نہیں

شہر میں ان کے نہیں جنسِ وفا کی بکری ۔۔۔ کیا کہیں پوچھتے پھرتے ہیں خریدار نہیں

کون سے وہ گلِ رعنا پہ فدا ہیچ نہیں ۔۔۔ کون سی نرگسِ شہلا کے وہ بیمار نہیں

منت بتا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا ان کو ۔۔۔ در بدر جا کے لکتے پھرنے سے انہیں عار نہیں

بوالہوس کام طلب بندۂ نفس اہلِ ہوا ۔۔۔ ایک عالم ہے اسی رنگ میں دو چار نہیں

دعویٰ عشق و محبت پہ نہ جانا ان کے ۔۔۔ ان میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں

عمر کے آخری حصے میں قلندر صاحب پر رعب و جلال ہیبت و سطوت کی کیفیت بہت غالب تھی۔

غزل ۳۵

ہزار سجدہ کہ یاراں بصورتِ تو برند ۱ دلے ز باغِ وفائے تو میوہ نخورند

خبر نبود عزازیل را ز صورتِ تو ۲ وگرنہ گفتے یاراں بسجدہ مفتخر اند

کساں کہ منکرِ صورت پرستیت ہستند ۳ اگرچہ عیسیٰ وقت اند جملہ دُم خر اند

کساں کہ طاعتِ بت می کنند معذور اند ۴ اگر ز کنہِ روئے تو ہیچ با خبر اند

نبود سجدۂ آدم اگر برائے رخت ۵ کہ عاشقانت از ہر حجاب می نگرند
جمالِ روئے تو در بحر و بیت ہے نگریم ۶ دریں محلہ انا الحق زناں نہ معتبرند

۷ شرفِ قلندری از پئے تو جلالِ تو یافت
زرازِ عشقِ وے ایں کور و خام بے خبرند ۷

۱ ترجمہ ۔ عاشقوں نے تیری صورت کو ہزار ہا سجدے کئے لیکن تیری دعا کے بارے میں گھبرا گئے لکھا یعنی تیرے عشق سے کچھ حاصل نہ ہوا معشوق کو بے وفا اور نا مہربان اکثر کہا جاتا ہے مراد یہ کہ حسینوں میں وفا کی بو نہیں ہوتی ۔

ریاضِ دہر میں یوں تو ہیں رنگ رنگ کے پھول (اقبال) وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

۲ ترجمہ ۔ عزازیل کو تیری صورت کی خبر نہ تھی ورنہ یہ نہ کہتا کہ میں سجدہ کرنے سے محتاج ہوں
عزازیل ۔ شیطان علیہ اللعنۃ ۔ مستغفر ۔ محتاج ۔ فقیر ۔
یعنی اگر عزازیل کو علم ہوتا کہ حضرتِ آدم میں ذاتِ خداوندی کا ظہور ہے تو وہ کبھی بھی سجدہ سے انکار نہ کرتا یا دوسرے لفظوں میں نورِ محمدی کا ظہورِ آدم میں موجود ہونا اس کو معلوم ہوتا تو کبھی سجدہ سے گریز نہ کرتا مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر (۵/۲)

۳ ترجمہ ۔ جو تیری صورت پرستی کے منکر ہیں اگرچہ عیسیٰ وقت ہوں مگر وہ تمام گم راہ ہیں ۔
یعنی چونکہ مظاہرِ کونین کے ہر ذرے میں تیرا جمال جاری و ساری ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ تیرے نور سے معمور ہے اس پر بھی اگر کوئی تجھے لائقِ پرستش اور سزاوارِ معبودیت نہ جانے تو وہ نادان ہے اور غلطی پر ہے گو وہ نہ جم خود کیسا ہی ہو اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر (۲/۱۴)

۴ ترجمہ ۔ جو لوگ تیرے چہرہ کے راز سے کچھ بھی باخبر ہیں اگر وہ بت پرستی کریں تو وہ معذور ہیں ۔
تشریح کے لئے دیکھو شعر (۱/۲)

۵ ترجمہ ۔ آدم کو سجدہ نہ ہوا اگر تیرے چہرے کے واسطے کیونکہ تیرے عاشق ہر حجاب سے دیکھتے ہیں ۔

مراد یہ کہ تیرے عاشقوں کی نظر مقصود پر ہے اس لئے وہ سجدہ آدم کو تیرا ہی سجدہ خیال کرنے
میں مزید تشریح کے لئے دیکھو شعر (۲۴)

۱۵ ترجمہ - تیرے چہرے کا جمال بحر و بر میں دیکھتے ہیں اس مقام میں انا الحق کہنا معتبر نہیں
تحلّی - مقام - بحر و بر - تری و خشکی مراد ہر جگہ -

یعنی اس دنیا کے ہر ذرے میں تیرے روئے پرنور کا عکس ہے اس لئے اپنی ہستی کا اعتراف
کرنا غلطی ہے ربنا ما خلقت ہٰذا باطلاً جو کچھ ہے تیرے نور کا ظہور ہے بذاتہ کوئی چیز قائم نہیں ظہیر فاریابی کا شعر ہے

پرتو حسن تو در بحر و بر انداختہ اند آتش است این کہ در خشک و تر انداختہ اند

حضرت مولانا اسی ہستی مطلق کے بذاتہ موجود ہونے کی نسبت فرماتے ہیں :

نمود جنبش نوک قلم ہیں ساری تحریریں	عوالم کیا ہیں مسلم ذات کی ہیں چند تفسیریں
تماشا گاہ عالم ہے کسی استاد کامل کا	یہ ہم تم کیا ہیں گویا سینما کی چند تصویریں

۱۶ ترجمہ - شرف نے تیرے جمال کے عکس سے قلندری پائی اس کے عشق کے راز سے خام
اور کور بے خبر ہیں۔

یعنی کونین کے ہر ذرہ میں تیرے نظارہ جمال کو دیکھ کر کہ وہ مظاہر تیرے نور کا عکس ہیں مجھے مرتبہ قلندری
حاصل ہوا مراد یہ کہ میں تیرے جمال کے نظارے میں محو اور بے خود ہو گیا ہوں جو قلندر کی اعلیٰ صفت ہے لہذا میرے
اس راز سے خام طبع اور کور باطن لوگ بے خبر ہیں اور نہیں جانتے کہ شرف کی اصلی مستی کی کیا وجہ ہے۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست	نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

غزل ۳۶

جمالش را نقابے بر نتابد ۱	جلالش را حجابے بر نتابد
جہاں بازی بآں نتواں رسیدن ۲	کہ جاں از دے خطابے بر نتابد
چرا پروانہ گرد شمع گردد ۳	چو زو یکدم عتابے بر نتابد

بچشمِ روئے تو خواہش دیدن ۴ کہ خفاشِ آفتابے بر نتابد
نگر در روئے او صد آفتاب است ۵ کز آں کو بیں تابے بر نتابد
کجا مجروحِ تو آرام یابد ۶ کہ چشمِ خستہ خوابے بر نتابد

شرف صبر و تحمل عادتے کن ۷
کہ مقصود تشتابے بر نتابد ۷

۱ترجمہ۔ نقاب اُس کے جمال کی تاب نہیں رکھتا اور حجاب اُس کے جلال کی۔
یعنی نقاب و حجاب میں اُس کے جلال و جمال کو چھپانے کی تاب نہیں ردیف ب میں قلندر صاحب
اسی مضمون کی تصدیق کرتے ہیں۔

بر درزد صد پردہ را گر بر رخ او افگند — حسن بے پروائے او سر گر نماند حجاب

۲ترجمہ۔ جان پر کھیل کر بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ جان اُس کے عتاب کی طاقت نہیں رکھتی
خطاب۔ سخن کسی کے روبرو بات کرنا نام رلقب جس طرح پائی جائے ضد غیبت اور
عتاب کے معنوں میں بھی آتا ہے اس جگہ بھی آخر الذکر معنے مراد ہیں۔
یعنی مر کر بھی اس کو دیکھنا محال ہے یہ اُس کی عنایت ہے کہ کسی کو مشرف کرے ورنہ انسان مجبور ہے

بہ سعی نتواں برد پے گوہر مقصود — خیال باشد کہ ایں کار بے حوالہ برآید

اسی مشاہدہ کی نسبت قلندر صاحب کا اپنا فیصلہ یہ ہے کہ
"اگر عاشق خواہد کہ بہ قوتِ خود بہ عالمِ معشوق رسد محال بود مثالِ آں چناں بود کہ مورچہ
از سدِ نقصد مکہ کند و بپائے ضعیفِ خود راہ بریدن نیز محال بود کہ برسد اما اگر خود را بر بالِ کبوتر
تیز پر بہ بندد تا او را بیک روز بہ برکاتِ آں حضرت خطیرۂ خود بمقصود رساند وصول او بمقصد محال
نہ بود اے برادر تو آں مورِ ضعیفی کہ از مسند امکان بہ کہ مقدس جز جبت داری اگر بپائے ضعیف
بشریت سر در بیابانِ بے پایاں سپے خود می آری و خواہی کہ برسی محال است محال چہ بلکہ ضلال
است ضلال"

برا ہے کہ دوختگاں در دیرینہ نہند	آں راہ نمائے خود پریدن شتواں را

۳۔ ترجمہ۔ پروانہ شمع کے گرد کیوں پھرتا ہے جبکہ اُس میں ایک دم کے لئے عتاب کی تاب نہیں یعنی جب پروانے میں ضیائے شمع کی تاب نہیں تو شمع کا طواف کیوں کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کم ظرف اور دوں ہمت عاشق کی طرف اشارہ کیا گیا ہو کہ جب تجھے شمع جمالِ محبوب کی تاب نہیں تو طواف کرنا کیا معنی رکھتا ہے عبرت آموز شعر ہے کہ جب تجھ میں اس کی اہلیت نہیں تو خواہش وصل کو دل میں جگہ ہی نہ دیجے

نوٹ:۔ مگر ایسے آدمی سے تو پروانہ ہی بہتر ہے کہ گو عتاب کی تاب نہیں رکھتا مگر کمالِ عشق کی بدولت شمع کا طواف تو ضرور کرتا ہے اور جل مرتا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ اس میں بھی اہلیت اور شناخت کا مادہ ہے لیکن تو اس نعمت سے محروم ہے۔

۴۔ ترجمہ۔ ایسے چہرہ کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ چمگادڑ آفتاب کی تاب نہیں لا سکتی۔

خفاش ۔ ایک پرندے کا نام ہے جس کو شپر کہتے ہیں ، چمگادڑ۔

آفتاب ۔ سورج دو لفظوں سے مرکب ہے۔ آفت اور آب یعنی آفتِ آب کیونکہ سورج حقیقت میں پانی کے لئے بمنزلہ آفت ہے کہ اُس کو خشک کر دیتا ہے

ظاہر ہے کہ خفاش کی آنکھیں ضیائے آفتاب کے سامنے خیرہ ہو جاتی ہیں اسی وجہ سے کہ وہ رات ہی کو باہر نکلتی ہے اور تمام دن چھپی رہتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ جس طرح خفاش کو تابندہ آفتاب کے جمال کی تاب نہیں اسی طرح ظاہری آنکھ سے محبوبِ مطلق کو نہیں دیکھ سکتے اس نظارۂ دیدار کے لیے باطنی آنکھوں کی ضرورت ہے جسکو عارف بصیرت کہتے ہیں

جلوہ دکھلائے جو وہ اپنی خود آرائی کا (عزیز) نور جل جائے ابھی چشمِ تماشائی کا

سچ ہے لکھا گیا ہے کہ جنت میں عامۃ المسلمین کو دیدار ہو گا یعنی دیکھنے والی آنکھوں کو وہ نور عطا کیا جائے گا یا دیکھنے والوں کو خاص الخاص وہ آنکھیں مرحمت ہوں گی جو نظارۂ بے حجاب کی تاب لا سکیں کیونکہ یہ ظاہری آنکھیں اس خصوص میں یہاں اور وہاں دونوں جگہ بیکار ہیں شیخ سعدیؒ ایک منظوم حکایت میں اسی مضمون کو اس طرح واضح کرتے ہیں۔

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ	بتابد بشب کرمکے چوں چراغ
یکے گفتش اے کرمک شب فروز	چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز

بہ بیں کانشیں گرگہ خاک زاد — جواب از سر رونشانی چہ داد
کہ من روز شب جز بصحرا نیم — و لے باتش خورشید پیدا نیم

اس مضمون کی وضاحت کے لیے ہم رسالہ "سر العشق" سے ایک حکایت نقل کرتے ہیں جو قلندر صاحب نے خود رقم فرمائی ہے۔

"منصور عمارِ مغربی کہ در دفتر شناسائی دانا عالم بے نشاں نشانے داشت گفت روزے بہ قبیلہ رسیدم از قبائلِ عرب جوانے دیدم با قدِ معتبر و خطِ معنبر مرا دعوت کرد چوں مائدہ حاضر کرد آں جوان بسوئے خیمہ نگاہ کرد نعرہ بزد و بے ہوش شد و زبانش از گفتن خاموش گشت چوں بہ ہوش باز آمد در خروش آمد از حالِ او پرسیدم چرا نعرہ زدی و بے ہوش گشتی گفت ایں خیمہ معشوق من است دریں حال غبارِ دامن او کہ گریبانِ جانم گرفتہ است و بسوئے عالم بیخودی مے کشد بدیدم و بیہوش شدم چنیں خاموش گشتم من از کمال مرحمت بر در خیمہ آں دل ربائے و جاں فزائے گذر کردم و گفتم بحرمتِ آں لطف کہ شمارا در کار دردلیشاں است چرا آں تشنہ ضربت فراق را شربتِ وصال نچشانی و آں بیمارِ علت بے مرادی را بمراد نہ رسانی آں معشوقہ از حجاب آواز داد و گفت او چوں طاقتِ دیدنِ غبارِ دامنِ من نمے دارد در طاقتِ دیدنِ جمالِ من چگونہ بود"

۵ ترجمہ۔ اس کے چہرے کے گرد صدہا آفتاب ہیں کہ کوئی ان کی تاب نہیں۔
مطلب صاف ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی میں اس کے نظارہ جمال کی تاب نہیں۔

۶ ترجمہ۔ تیرا مجروح کب آرام پاتا ہے کہ خستہ آنکھ نیند کی تاب نہیں رکھتی۔
یعنی تیرے مجروح پر نیند حرام ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ مجروح کو نیند نہیں آتی کیونکہ اسے زخموں کا درد تکلیف دیتا ہے یہی حال عاشقوں کا ہوتا ہے اور من جملہ علاماتِ عشق عاشق کا کم سونا بھی ایک علامت ہے

عاشقی را شش نشاں است اے پسر — آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر
گر کسے پرسد کہ سہ دیگر کدام — کم خوردن کم گفتن خفتن حرام

خوابِ عاشق۔ کے متعلق "سر العشق" میں قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ عاشق نخسپد و خفتنِ او کسب بود۔

عجباً للمحب کیف ینام — کل نوم علی المحب حرام

"اے برادر عاشق یا در مقام فراق بود یا در عروجِ وصال، اگر در عالمِ فراق بود از الم و حزن خواب گرد او نگردد و اگر در مقام وصال بود از لذت و راحت او گرد خواب نگردد و آں چہ گفتہ اند السّکون حرام علیٰ قلوب الاولیاء بدیں معنیٰ قریب است عجب از محبّے کہ محبوبش بخسپد و او قصد خواب کند"

ترجمہ - اے شرف صبر و تحمل کی عادت ڈال کیونکہ تیرا مقصود جلدی حاصل نہ ہوگا -

یعنی اگر تجھے شاہدِ حقیقی تک دسترس حاصل کرنا ہے تو صبر کر تا نفع صبر جلدی نہ کر کیونکہ یہ نعمت جلد بازی سے حاصل نہیں ہوتی اس کے لئے ایک عرصہ درکار ہے کہ یار کنار میں آئے صبر کے متعلق حضرت مولانا روم فرماتے ہیں -

کارہا از صبر گردد دل پسند	خرم آں کز صبر باشد بہرہ مند
چوں در افتادی بگرداب حرج	صبر کن والصبر مفتاح الفرج
صد ہزاراں کیمیا حق آفرید	کیمیا ہم چوں صبر آدم ندید

عارف نے کیا اعلیٰ اصول بیان فرمایا ہے

غزل ۳۷

به شکلِ قامتت سروی به بستان جانفزا خیزد ۱ نه ماهی همچو رخسارت بگردوں پر ضیا خیزد

نه پنداری که مهرت از دلِ عاشق رود هرگز ۲ چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

چو بعد از مرگِ من بینی گیاه بر گورِ من رسته ۳ نوشته نامِ تو جاناں بهر برگِ گیا خیزد

ازیں بالائے موزونت بلاها خاسته هر سو ۴ چنیں بالا که تو داری ازیں بالا بلا خیزد

دلم از گردشِ گردوں چناں نالد که در عالم ۵ جفا بر دانهٔ مسکیں مدام از آسیا خیزد

کسے کو بر تو شد عاشق سلامت کے برد جانش ۶ ز چشمت عشوه‌ها خیزد ز قدت فتنه‌ها خیزد

شرف راگر تو خوں ریزی سر تسلیم خم سازد ✓ ہر آں قطرہ کہ از خونش چکد نقشِ وفا خیزد

۱۔ ترجمہ۔ تیرے قد کی طرح باغ میں کوئی سرو جالفزا نہیں اور نہ تیرے رخسار کی طرح آسمان پر پر ضیا ر چاند ہے۔

محبوب کے قامتِ بالا اور عارضِ پر نور کی تعریف میں قلندر صاحب رطب اللسان ہیں کہ تیرے قدِ بالا کی مانند باغ میں کوئی سرو نہیں اور نہ تیرے رخسارِ پر انوار کی طرح آسمان پر چاند کو وہ ضیا حاصل ہے گویا قد کو سرو سے اور عارض کو چاند سے تشبیہ دینا غلطی ہے۔

اصطلاحِ تصوف میں قامتِ بالا سے صفتِ معبودیت اور سزاواریِ پرستش بھی مراد لی جاتی ہے لیکن سرو میں یہ صفت سراسر مفقود ہے لہٰذا سرو کو قدِ یار سے کوئی نسبت نہیں۔

(قاسم) ہمسرِ قدِ یار سے گویند سرو چوں بیت نا تراشیدہ (دیوانہ)

نیز دیکھو شعر (۱۹)

۲۔ ترجمہ۔ تو نہیں جانتا کہ تیری محبت عاشق کے دل سے ہرگز نہ جائے گی جب مر کا مبتلا مرے گا جب اٹھے گا مبتلا اٹھے گا۔

یعنی جو محبت ازل سے میرے دل میں ہے ابد تک برقرار رہے گی مر دں گا تو تیرے خیال میں اٹھوں گا تو تیرے خیال میں مراد یہ کہ زندگی میں بھی اور بعد از مرگ بھی تیرا خیال رہے گا۔

اسرار الاولیاء سے نقل ہے کہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ قاضی حمیدالدین ناگوریؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ حکم دیگا کہ مجنوں کو حاضر کرو حسب الارشاد مجنوں کو حاضر کیا جاوے گا تو حکم ہو گا کہ جو اولیا ہماری محبت کا دم بھرتے تھے وہ بھی حاضر ہوں اور مجنوں کے پاس کھڑے ہوں جب محبانِ خدا اس کے پاس کھڑے ہوں گے تو ارشاد ہوگا کہ دیکھو محبت ایسی ہوتی ہے جیسے مجنوں کی ہے جب تک زندہ رہا لیلیٰ کی محبت میں غرق رہا جب مرا تو اسی میں غرق مرا اور اب جو اٹھا ہے تو اسی میں غرق ہے" اور یہ انتہائی محویت ہے عاشقوں کے یہی عجیب ہی خیال ہوتے ہیں۔

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

۳۔ ترجمہ۔ تیرے قدِ موزوں سے ہر طرف بلائیں اٹھتی ہیں حبیبا قد کہ تو رکھتا ہے اس سے

بلائیں اٹھتی ہیں۔ یعنی تیرا قامت بالا بلا در بلا ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ میرا دل آسمان کی گردش سے ایسا رہا جیسے دنیا میں ہمیشہ چکی کے دانہ پستا رہتا ہے

آسیا۔ چکی۔ دانہ پیسنے کی مشین

آسمان کو بوجہ گردش آسیا کہا گیا چکی میں جو دانہ پستا ہے آواز دیتا ہے جس کو شاعر نے رونے سے

تعبیر کیا مراد یہ کہ میں بھی جورِ فلک کے ہاتھوں سے نالاں ہوں

عموماً اہلِ کمال فلکِ کج رفتار کے شاکی رہے ہیں

۶۔ ترجمہ۔ جو تجھ پر عاشق ہوا اس کی جان سلامت نہ رہی کیونکہ تیری آنکھیں بلا کی غمزہ ساز اور

قد عجب فتنہ انگیز ہے۔

یعنی تیرا قامتِ بالا اور غمزہ ساز آنکھیں عشاق کی قاتل ہیں

	جس کو دیکھا اسے مارا نظر پیار سے یار	ہم نے آنکھوں میں تیری زہرِ ہلاہل دیکھا	

نیز دیکھو شعر (۱۷ء)

۷۔ ترجمہ۔ اگر تو شرف کا خون بھی گرائے اس کا سرِ تسلیم خم ہے اور اس کے ہر قطرۂ خون سے

وفا کا نقش ظاہر ہو گا۔

یعنی شرف اس قدر کشتۂ وفا ہے کہ اس کے ہر قطرۂ خون سے اگر محبوب قتل کرے نقشِ وفا پیدا

ہو حضرتِ منصور حلاج کے ہر قطرۂ خون سے انا الحق کا نقش پیدا ہوتا ہے۔ جاں بازی اور جاں نثاری اسی کا

نام ہے قلندر صاحب کا یہ شعر رضا و تسلیم کا بہترین نمونہ ہے۔

غزل ۳۸

پرتو اگر جمالِ تو بر خاک افگند ۱	ہر ذرّہ تو ہر جا عالم پراگند
با مدعی بگو کہ شماتت چہ مے کنی ۲	تیرے بکن کہ کینہ ز ہر سینہ بر کند
لبیکِ عاشقی بر خم بعد مرگ نیز ۳	خاکم ز گور باز براہت پراگند
چوں یار را بجانِ دلِ مانو جے ہست ۴	ما را دل از ملامتِ اغیار نشکند

کس یک نظر بروئے تو کردن نمی تواں ۵ انوار گرد روئے تو برقع ہمے زند

آں کس کہ چشم مست ترا یک نظر بدید ۶ چندیں ہزار نعرہ مستانہ مے زند

۷	باشد کہ یک نگاہ حبیب ترا اے شرف برے قفے بجز من دل وجان توانگر شد	۷

۱ ترجمہ۔ اگر تیرا جمال خاک پر پرتو ڈالے تو جہاں کا ذرہ ذرہ ذوقِ محبت سے پراگندہ ہو جائے۔

یعنی تیرے جمال کے پرتو سے طبقات الارض کا ذرہ ذرہ ذوقِ محبت سے پراگندہ مخمور ہو جائے۔

ذرہ ذرہ شد منور چوں کشید از رخ نقاب — آں جمالِ بے حجابش بروں چو آفتاب

۲ ترجمہ۔ مدعی سے کہہ دو کہ تو کب تک طعن کرتا ہے سینہ سے کینہ کو نکال اور محبت کر۔

کینہ۔ بغض و عناد۔ عداوت خصومت۔

یعنی مدعی یا خشک زاہد سے کہو کہ تو اہلِ بصیرت پر طعن و ملامت کب تک کرتا ہے یہ انداز اچھا نہیں بلکہ سینہ کو کینہ سے پاک کر کے اہل اللہ سے محبت کرنی چاہیئے شرعاً بھی کسی سے کینہ و بغض رکھنا جائز نہیں۔

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن (سعدی) آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

ناصحانہ انداز ہے۔

خدائے بزرگ و برتر نے بھی اس ذلیل ترین جذبے کی نہایت ہی مذمت کی ہے جیسے کہ وارد ہے۔

من عادیٰ ولیاً فقد آذنتہ للحرب — جو لوگ میرے دوستوں سے کینہ رکھتے ہیں مجھ سے جنگ کرنے پر تیار رہتے ہیں

شماتت یعنی کسی کی برائی پر خوش ہونا کسی کی خرابی پر رضامندی ظاہر کرنا۔

یعنی مدعی یا خشک زاہد سے کہو کہ تو اہلِ بصیرت پر طعن و ملامت کیوں کرتا ہے تیرا یہ لہذا اچھا نہیں بلکہ سینے کو کینے سے پاک کر کے اہلِ اللہ سے محبت کرنی چاہیئے منزہ بھی کسی سے کینہ اندلنفس رکھنا جائز نہیں

کفر است در طریقتِ ما کینہ داشتن　　　　آئینِ ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

ناصحانہ انداز ہے اور اہلِ طریقت کے لئے نہایت اعلیٰ اصول

۴۔ ترجمہ۔ میں بعد از مرگ عاشقی میں لبیک کہتا ہوں اور میری خاک قبر سے تیرے رستہ کی طرف اڑتی ہے

لبیک۔ بالفتح و تشدید کلمہ ایجاب یعنی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں بعض اوقات لبیک کے ساتھ سعدیک کا استعمال آتا ہے یعنی باری دیتا ہوں جیسی کہ دینی چاہیئے اور حاجی مقامِ عرفات میں بار بار لبیک کہتے ہیں۔

مطلب یہ کہ میں بعد از مرگ بھی تیری خدمت اور اطاعت کا دعویدار ہونگا اور بجوشِ محبت میں میری قبر کی خاک تیری راہگذار کی طرف اڑے گی تاکہ تیرے قدم میمنت لزوم کی خاک راہ ہونے کا فخر حاصل کرے

۴۔ ترجمہ۔ جب ہمارے دل کے حال کی طرف یار کی توجہ ہے تو ہمارے دل کو غیروں کی ملامت کی پرواہ نہیں۔

یعنی جب محبوب میرے دل کی طرف متوجہ ہے اور میرا دل اسکی طرف تو مجھے اغیار کی طعن و تشنیع کی مطلق پرواہ نہیں۔

بے صفائی رخشاہد در کنارم	نرگس درد رجہاں بامکے ندارم

نیز دیکھو شعر ۴ ۱۵

۵۔ ترجمہ۔ کوئی شخص تیرے چہرے کو دیکھ نہیں سکتا کیونکہ اس کے گرد بندہ انوار تنا ہوا ہے۔

معشوق کے حسن کو مافوق الحسن کہا گیا ہے کہ تیرے رخِ زیبا کے گرداگرد انوار کا برقعہ ہے اگر اسے اٹھایا جاوے تو زائرین تیرے دیدار کی تاب نہ لاسکیں اور چشم بینا خیرہ ہو جائیں ارشادِ خداوندی ہے لا تدرکہ الابصار

شیخ فخر الدین عراقی لمعہ بیست و سوم میں فرماتے ہیں۔

"محبوب حقیقی ہفتاد ہزار حجاب از نور و ظلمت بہر آں بر روئے فرو گذاشتہ تا محب خوسے

فرا گیرد واز این پرده چندانکه چون دیده آشنا شود در عشق سلسلهٔ شوق بجنباند بعد از عشق پرده بیگانگان

فرو گشاید آن نگاه به پرتو جلال غیرت همه بوم را بسوزد"

پردے سے باہر آئے تو کیا جانے کیا کرے	پردے میں ہو تو اس پہ یہ عالم ہے حسن کا

۶ ترجمہ: جس نے ایک دفعہ نرگس مست آنکھ دیکھ لی وہ کئی ہزار مستانہ نعرے مارتا ہے —

یعنی نرگس مست کی مستی سے ناظرین مستانہ وار نعرہ کناں ہیں ؛

۷ ترجمہ: اے شرف ایسا ہو کہ تیرے معشوق کی ایک نگاہ تیرے جان و دل کے خرمن پر بجلی گرا دے

آرزو ہے کہ معشوق ایک دفعہ نگاہ برق بار سے میری طرف دیکھے تا کہ دل و جان کے خرمن میں آگ لگے

سر العشق میں قلندر صاحب اس آگ کی حقیقت بیان فرماتے ہیں

"راحت عاشق در آن بود که معشوق آتش غیرت برفروزد و جان عاشق در آن بسوزد

زیرا که داند که هر آن نفسی که هست محرق است هرچه بدر دهند بسوزد مگر آتش غیرت از خس و خاشاک

مغایرت را بسوزد هر که این معنی بداند در عالم وحدت بار یابد"

غزل ۳۹

چو محرمان حریم تو راز یاد اشند	۱	چه خوش بود که یکی زان بگوش من خوانند
کسان که شرح کتاب پریشنش کردند	۲	اگر بعلم شکیبند سخت نادانند
زهر دو کون چنان برفشانده ام دامن	۳	که آستین ملامت نه بر من افشانند
بنفشه چه حوصله دارد که سنگ و برخرست	۴	که قدسیان ز جمال رخ تو حیران اند
چه مشکلی است ترا پاس را بهانه مکن	۵	که زیر چرخ معنبر هزار بر دانند
چگونه آفت چشم تو برکشم سلبین	۶	که صد هزار فدای تو از دل و جان اند
کسان که سلسله با موی تو نمی دارند	۷	هزار سلسلهٔ کفر و دین بجنبانند
چه جذب در نظر خویش اے شرف داری	۸	که از فسون تو افسانه ها همی خوانند

۱۔ ترجمہ: جب تیرے محرم تیرے راز جانتے ہیں کیا اچھا ہو کہ ان میں سے ایک مجھے بھی سنائیں۔
یعنی مجھے تیرے رازہائے سربستہ کے سننے اور سمجھنے کی کمال خواہش ہے خدا کرے کہ میری آرزو پوری ہو اور تیرے محرم راز مجھے بھی تیرے راز سنائیں۔
قاعدہ ہے کہ جو بات ایک دفعہ سن لی جائے دوسری بار سننے سے اُس میں کوئی لذت اور لطف حاصل نہیں ہوتا لیکن داستانِ عشق ایسی پرلذت اور پرلطف سٹوری ہے کہ اس کے ہر بار سننے سے ایک نئی لذت حاصل ہوتی ہے اس لئے قلندر صاحب خواہش کرتے ہیں کہ تیرے رازہائے عشق کی داستان کوئی داستان گو مجھے سنائے

صد رہ حکایتِ تو بہ پایاں اگر رسد (جامی) خواہم کہ بارِ دیگر ز آغاز بشنویم

۲۔ ترجمہ: وہ کہ تیری کتابِ محبت کی شرح کرتے ہیں اگر علم پر صبر کریں تو سخت نادان ہیں۔
یعنی جو لوگ تیری کتابِ محبت کی شرح علم کے ذریعہ کرنا چاہتے ہیں اور علم کو تیرے عرفان کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ سخت نادان ہیں اور غلطی پر ہیں کیونکہ علم بذاتِ خود تیرے ادراک سے عاری عاجز اور قاصر ہے اور تیرے دفترِ محبت کی شرح علم کے ساتھ کرنا ایسی ہے جیسے ہوا میں گرہ باندھنا۔ مراد یہ کہ تیری شناخت اور عرفان علم و عقل سے بالاتر ہے۔
علم بھی دو طرح کا ہے ایک رسمی دوسرا توحیدی پس علومِ رسمی تو واقعی کتابِ محبت کی شرح سے عاجز ہیں البتہ علمِ توحید ذاتِ حق کے عرفان کا ذریعہ ہے جس کو عارف اپنی اصطلاح میں علم الف کہتے ہیں جس کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ فِي الصِّيْنِ یعنی علمِ توحید حاصل کرو خواہ وہ چین میں ملے۔
قلندر صاحب کا اشارہ علمِ رسمی کی طرف ہے کہ وہ اُس کے ادراک سے عاجز ہے جس کی نسبت حدیث میں آیا ہے اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَكْبَر یعنی علمِ رسمی ایک بڑا حجاب ہے قلندر صاحب خود علمِ رسمی کی متعلق فرماتے ہیں
"کہ علم تا ساحلِ عشق بیش نرسد اور در لجہ ابحر کار نیست زیرا کہ وے رہبر است و رہبر اگرچہ قوت باشد اما تا ساحلِ عشق راہ بردن و پائے طلب را استوار کردن دخور را نگوں سار کردن در لجہ بحرِ خونخوار تا دریں وصال برآرد یا بار روزگار خود بسر آرد کارے دیگر است علم تا یابِ اول بیش راہ نبرد" (سر العشق)
۳۔ ترجمہ: میں نے دونوں جہان سے اپنا دامن ایسا پاک کیا ہے کہ مجھ پر ملامت کی آستین نہیں جھاڑتی
یعنی میرے دامن میں گرد و غبار کی کلفت اور تعلقاتِ کونین کی الفت کی گرہ نہیں اس لئے مجھے

طعن و ملامت سے ہراساں نہیں اور نہ ہی آستین ملامت جھاڑنے کا احساس۔

اہلِ طاعتم نہ شکیبم ز طاعتاں ۔ تو زینتِ الفِ بے اِن شئتُ القلوب

۴ ترجمہ۔ انسان کا کیا حوصلہ ہے کہ تیرا چہرہ دیکھے جبکہ فرشتے بھی تیرے جمال سے حیران ہیں۔

یعنی جب فرشتے باوجود نوری ہونے کے تیرے نورِ جمال کی تاب نہیں رکھتے تو خاکی بشر میں کیا طاقت ہے کہ تیرا جمال دیکھ سکے۔

زشانِ حسنِ تو نتواں نشاں گفتن معاذ اللہ ۔ تو در دانش نمے گنجی تو در بینش نمے آئی

۵ ترجمہ۔ تجھے کیا مشکل ہے ناامیدی کا بہانہ نہ کر کیونکہ اس چرخِ مجدر کے نیچے ہزارہا مرد ہیں۔

مجدر۔ بروزن منور آں کہ آبلہ در آبلہ داشتہ باشد۔ مجازاً منقش صیغہ اسم مفعول از تجدیر ماخوذ از جدر یعنی تو رحمتِ حق سے ناامید نہ ہو کیونکہ اس منقش آسمان کے نیچے صدہا خستہ دل سیراب ہو چکے ہیں الیأسُ مِنَ الکفر کا مفہوم سمجھ ارشادِ خداوندی لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ پر نظر رکھ الطافِ محبوب سے ناامید نہ ہو کبھی نہ کبھی گوہرِ مقصود ہاتھ آہی جائے گا سعی عمل کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

۶ ترجمہ۔ تیری آنکھ مجھ مسکین پر کیسے پڑے جبکہ ہزارہا دل و جان سے تجھ پر فدا ہیں۔

یعنی مجھ خستہ حال مسکین کو تو کیوں کر دیکھے جبکہ تجھے اپنے چاہنے والوں سے فرصت نہیں بھلا میں غریب کس شمار و قطار میں ہوں جبکہ ہزاروں تجھ پر نثار ہونے کو تیار ہیں۔

نظرت چگونہ افتد بر من کہ چوں تو شاہا (مولف) ، ہمچو غریب منتظر صدہا غلام داری

۷ ترجمہ۔ جو تیری زلف سے سلسلہ نہیں رکھتے وہ کفر و دین کے ہزارہا سلسلے ہلاتے رہتے ہیں۔

یعنی جو تیری زلفِ مسلسل کے اسیر نہیں وہ لذتِ اسیری سے مطلق بے خبر ہیں اور اس بے خبری کا باعث وہی تعلقاتِ کونین ہیں جن میں وہ سرتاپا گرفتار ہیں۔ زلف سے عالم کثرت مراد لی گئی ہے کہ وہ عالم اسباب کے تعلقات میں گرفتار ہیں کفر و ایمان کی مفصل تحقیق کے لیے دیکھو شعر (۵)

۸ ترجمہ۔ اے شرف تو اپنی نظر میں کیسا جاذب رکھتا ہے کہ لوگ تیرے فسوں کے فسانے پڑھتے ہیں

یعنی تیری نظرِ فسوں ساز میں ایسی کشش ہے کہ تیری داستان خلائق کا وردِ زبان ہے یعنی ہر محفل میں تیری ہی چشمِ فسوں ساز کا تذکرہ ہے ۔

غزل ۱۲

جمال مظهر او روح پاک آدم شد	۱	که آفرینش آن باعث دو عالم شد
تبارک الله آن صورت چنین بدیع سرشت	۲	که سجده گاه ملک از طفیلش آدم شد
در آن نفس که جمالش شعاع بر سر زد	۳	کمینه پرتو آن عیسی ابن مریم شد
کسان که بت بپرستندی شناسانستند	۴	مگر بظن خیال تو کار مبهم شد
ز شیوه‌ئی که تو داری و سلسله که تراست	۵	بهر دو کون بپا فتنه‌هائے بهم شد
بیان صورت پاکت ز حد عقل گذشت	۶	چه جائے عقل که هم روح پاک ابکم شد
ز سر قبله ابروئے تو نیافت خبر	۷	قلندرے که بسوئے کعبه رسم و صنم ملزم شد
ز یک خمے که در ابروئے تو در آورند	۸	هزار کعبه بپیش تو پشت در خم شد
کسے سپاه ز خوبان که با تو لاف زند	۹	که خوبی دو جهان بر سرت مسلم شد
هزار سحر عقل و هزار جلوه علم	۱۰	بزیر پرتو عشق تو کمتر از کم شد

۱۰	ز داغها که شرف را بدل زدی هریک برائے دست سلیمان عشق خاتم شد	۱۰

۱ ترجمہ۔ آدم کی پاک روح اس کے جمال کا مظہر ہوئی کہ جس کی پیدائش سے دونوں جہاں پیدا ہوگئے

مراد یہ کہ حضور رسول مقبول کا مظہر نور حضرت آدم صفی اللہ پر جلوہ گر ہوا جس کے سبب سے دونوں عالم پیدا ہوئے یعنی حضور کا منشا نور تخلیق عالم اور آدم کی علت غائی تھا انا من نور اللہ تعالیٰ والخلق کلهم من نوری کا مفہوم بھی یہی ہے۔

۲ ترجمہ۔ سبحان اللہ وہ صورت ایسی نادر ہے کہ آدم اس کی طفیل فرشتوں کا مسجود ہوا۔

تبارک اللہ بابرکت ہے خدا۔ تعالیٰ یہ تعجب اور مدح کے مقام پر بولا جاتا ہے سبحان اللہ بھی ایسے موقعوں پر کہتے ہیں۔ بدیع۔ نادر۔ انوکھا۔ عجیب۔ نئی بات۔

چونکہ حضور کا مقدس نور تخلیقِ عالم کا باعث تھا اس اعتبار سے شاعر کہتا ہے کہ اس شاہِ لولاک کا چہرہ ایسا خوبصورت اور نادر ہے اور فرشتوں کا اس کا اس قدر ادب اور احترام ملحوظ تھا کہ وہ اسی جمالِ جاں افزا کے عشق میں حضرت آدم کے آگے سر بسجود ہوئے یعنی آدم میں اس پاک نور کا ظہور تھا اس لئے فرشتوں نے بلحاظ تعظیم و تکریم اسے سجدہ کیا۔ اسی مضمون کیلئے دیکھو شعر (۲۲ ، ۳۴)

۱۳ ترجمہ۔ حسین رخ کہ اس کے جمال نے شعاع ڈالی اس کی گیسو پر تو سے عیسیٰ ابن مریم پیدا ہوئے۔ شاعر نے ثابت کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی اسی نورِ مقدس سے ہوئی جس کی وجہ یہ بیان کی کہ جب تیرے جمالِ روح پرور کا عام ظہور ہوا اور اس کی شعاعوں نے روئے زمین کے ذرے ذرے کو منور کر دیا تو اس کی ایک ادنیٰ شعاع سے عیسیٰ ابن مریم پیدا ہوئے یعنی حضرت عیسیٰ بھی تیرے نورِ جہاں افروز کی بدولت عالمِ وجود میں آئے۔

۱۴ ترجمہ۔ جو لوگ بت پرستی کرتے ہیں وہ تجھے پہچانتے ہیں مگر تیرے وہم و گمان میں یہ کام مبہم ہے مبہم۔ در بستہ اور کار فرو بستہ۔ مشتبہ۔ اور جو کسی طرح دریافت نہ ہو سکے کہ کیا ہے جیسے معمّا ، لاینحل۔ مراد یہ کہ جو لوگ مظاہرِ کونین میں تیرا نور مشاہدہ کرتے ہیں وہ تجھے پہچانتے ہیں لیکن جو لوگ تیری ذات میں خیال دوڑاتے ہیں یعنی تیری کنہ ذات کی حقیقت معلوم کرنے کے درپے ہیں وہ وہم میں ہیں وجہ یہ کہ کنہ ذات کی حقیقت وہم و خیال سے بھی ورا الورا ہے جہاں خیال کی رسائی بالکل محال ہے البتہ صفاتِ باری تعالیٰ اس کی شناخت اور عرفان کا ذریعہ ہیں جس کو شاعر نے بت پرستی سے تعبیر کیا۔

جہاں متفق بر الٰہیتش	فرو ماندہ در کنہ ماہیتش
نہ بر اوج ذاتش پرد مرغ وہم	نہ در ذیل وصفش رسد دست فہم

۱۵ ترجمہ۔ یہ شوخی کہ تو رکھتا ہے اور مستی کہ مجھ میں ہے ان دونوں سے جہان میں مسلسل فتنے برپا ہیں۔ مراد یہ کہ تیری شوخی اور میری مستی نے نظامِ عالم کو زیروزبر کر دیا اور کونین میں جو فتنہ برپا ہوتا ہے وہ تیری شوخی اور میری مستی کا نتیجہ ہے

۱۶ ترجمہ۔ تیری پاک صورت کا بیان عقل کی حد سے گزر گیا عقل کیا بلکہ روح پاک بھی گنگ ہو گئی۔

اُلجھ کر رہ گئے ہو ہوں نہیں سکتے بکم جمع ہے

یہاں بھی صورت سے مراد ذات ہے یعنی تیری ذات کا بیان عقل کی حد سے خارج ہے بلکہ روح الامین جیسا مقرب فرشتہ بھی تیری کُنہ ذات کی حقیقت سے عاجز ساکت اور صامت ہے مراد یہ کہ تیری حریم حرم میں فرشتوں کو بار یابی نصیب نہیں پھر عقل کی کیا مجال ہے کہ تیری ذات کا بیان کرے جس کو اپنی اصلیت کا ادراک نہیں کہ میں کون ہوں، کیا ہوں، کہاں ہوں۔

گر صد ہزار سال ہمہ عقل کائنات	فکرت کنند در صفت عزت خدا
آخر بہ عجز معترف آیند کا ے الہ	دانستہ شد کہ ہیچ نہ دانستہ ایم ما

فارابی کی ایک رباعی بھی اسی مضمون پر ہے

اسرار وجود جملہ نہ نہفتہ بماند	آں گوہر بس شریف ناسفتہ بماند
ہر کس بدلیل عقل چیزے گفتند	آں نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کُنہ ذات کا عرفان انسان کی عقل اور قیاس سے بعید ہے

اسرار ازل را نہ تو دانی نہ من	ایں حرف معمّا نہ تو خوانی نہ من

۷ ترجمہ: اس قلندر نے تیرے قبلۂ ابرو کے بھید سے خبر نہ پائی جو کعبہ معظم کی طرف گیا۔

یعنی وہ قلندر کہ عازم کعبہ ہوا تیرے قبلۂ ابرو کے بھید سے ناواقف رہا مراد یہ کہ اس نے ایمان بالعین کلمۂ توحید حاصل کیا اور ایمان بالغیب کا قائل رہا گویا وہ صحیح معنوں میں قلندر ہی نہیں کیونکہ قلندر کی علامت ہے کہ اس کا ایمان عینی ہو نہ کہ رسمی و علمی ع:- قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

۸ ترجمہ: تیرے ابرو کے ایک خم کے سامنے ہزار ہا کعبوں نے اپنی پشت خم کر دی۔

ابروئے محبوب کو بوجہ خمیدہ ہونے کے محراب کہا جاتا ہے۔ مراد یہ کہ تیرے محراب ابرو کے سامنے کعبہ بھی سر بسجود ہے اگر کعبوں سے مختلف مذاہب مراد لی جائے کیونکہ ہر مذہب اور ہر فرقہ کا نذاقیہ قبلہ جدا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہر ایک مذہب یا فرقہ تیری حقیقت کو سمجھنے میں کوشاں ہے۔

۹ ترجمہ: خوبصورتوں میں ایسا کوئی نہیں کہ تیرے ساتھ برابری کی لاف مارے کیونکہ دونوں جہان میں تیری خوبی مسلّم ہے۔

یعنی دونوں جہان کے حسینوں میں سے کوئی بھی تیرے حسن و جمال کی برابری نہیں کر سکتا کیونکہ تیرا

حسن دونوں جہاں میں برزد مسلّم ہے۔

	بحسن صورت او در زمیں نہ خواہد بود	بصورت او بت کمتر آفرید خدا

مراد یہ کہ حسینوں میں حسین اور دلبروں کا دلبر یہی ایک محبوب حقیقی ہے جس کا حسن حسینانِ جہاں کا منبع اور مخزن ہے اور کسی کو اس کے جمال کی برابری کا دعوےٰ نہیں

۰ از ترجمہ عقل کی ہزار روشنی اور علم کے ہزار جلوے تیرے عشق کے پرتو کے نیچے کم سے کمتر ہو گئے

اس شعر میں عشق کی رفعت اور عظمت کا بیان ہے یعنی عشق کا پرتو ہزارہا انوارِ عقل اور ہزارہا جلوۂ علم پر غالب ہے مراد یہ کہ علم اور عقل عشق کا مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ یہاں علم اور عقل سے مراد علم رسمی و عقلِ جزوی ہے جو ابتدائے عشق میں ہونے ضروری ہیں لیکن جوں جوں عشق کا غلبہ ہوتا جاتا ہے یہ یہی کم سے کمتر اور انتہائے عشق میں کمتر سے کمتر ہیں گویا بالکل نہیں رہتے۔ سرّ العشق میں عقل و عشق کی نسبت قلندر صاحب فرماتے ہیں

"عشق آفتاب است و عقل ذرہ ہا اگرچہ ذرہ بتاب آفتاب در ظہور مے آید اما اورا از کجا یارائے آں بود کہ بخود در پرتو آں لرز آید ذرّہ در سایہ مغفور است بلکہ نابود است بتاب آفتاب محسوس گردد پس ذرّہ اگرچہ ہست نماید اما اضافتِ ہستی او از آفتاب است و علم و عقل ہمراہِ عشق است تا ساحل دریائے عظمت اگر قدم پیش نہد غرق شود چوں عشق غواصی کند تا بہ دُرِّ یتیم وصال در صدف مکنوں شود علم و عقل منتظر بماند و تماشائی آں بود کہ عشق از قعرِ بحرِ عظمت گوہرِ شب افروز مراد برآرد تا او در پرتو یافتہ آں راہ بخود باز یابد گر آں گماں غلط است و ایں از نوادراتِ عشق است فرق است میانِ آں غواص کہ در بحر فرو رود تا دُرّ برآرد و میان آں کہ در قعر بحر از برائے آں رود تا بہ در زبا فی در صدف شود"

از ترجمہ۔ ان داغوں سے کہ تو نے مشرق کے دل پر لگائے سلیمانِ عشق کے ہاتھ کو اسی نعمتِ خاتم ہو گئی

خاتم۔ انگوٹھی۔ انگشتری۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ان کے لیے نعمت اور سلطنت کا راز تھی جس کی وجہ سے وہ جنوں اور انسانوں پر حکومت کرتے تھے چنانچہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ وہ انگوٹھی آپ سے جاتی رہی جس کو صخر جن نے حاصل کر کے تختِ سلطنت پر قبضہ کر لیا لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ انگوٹھی آپ کو مل گئی اور آپ بدستور سریرِ سلطنت پر متمکن ہو گئے +

قلندر صاحب نے اپنے داغہائے دل کو خاتمِ نقشِ سلیمان اور عشق کو سلیمان کہہ کر کہا کہ میرے ......

داغہائے فراق جو تیری فرقت میں میرے سینے پر لگے خاتمِ سلیمانی کا کام کر گئے اور مجھے وہ ابدی نعمت اور لازوال دولت حاصل ہوئی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو خاتم عطا ہونے پر ہوئی مراد یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خاتم عطیۂ ایزدی کی وجہ سے تخت و سلطنت کے دعویدار تھے اور قلندر صاحب اپنے داغہائے دل پر نازاں ہیں۔

داغ و سینہ اور دست و خاتم کی معنوی رعایت اور لطافت ظاہر کیونکہ انگوٹھی ہاتھ میں پہنی جاتی ہے اور داغ ہمیشہ سینہ پر ہوا کرتا ہے۔

غزل ۱۴۱

اے آنکہ جلوہ گاہت جوشِ بہار دارد ۱ ہر سو زمیں ز خونِ ما لالہ زار دارد

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکیست اینجا ۲ چوں وصل در نگنجد ہجراں چہ کار دارد

اے آنکہ اشتیاقت گل جام کف در آید ۳ نرگس کشادہ چشمے در انتظار دارد

بنگر کہ عاشقِ تو از اشک و پارۂ دل ۴ لعل و گہر بدامن بہرِ نثار دارد

نخ نخ کہ خاکِ ما را بر آسماں رساند ۵ رخ سوئے مرقدِ ما آں شہسوار دارد

آسودہ کس نگردد زیں پیچ و تابِ غمہا ۶ زاں گردشے در خود لیل و نہار دارد

۷ بنگر یکے شرف را کز مے کشند فغانہا

وز آتشِ فراقت دل شعلہ زار دارد ۷

ا ترجمہ۔ اے کہ تیری جلوہ گاہ بہار کا جوش (موسم) رکھتی ہے اور زمین ہر سو میرے خون سے لالہ زار ہے اس شعر میں موسم بہار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے قلندر صاحب نے پوری غزل ہی موسم بہار کی آمد پر لکھی ہے فرماتے ہیں کہ صانعِ قدرت کی جلوہ گاہ میں بہار کا عالم ہے اور ہر سو چمنستان اور لالہ زار ہی نظر آنے میں گراں کی سرخی اور تازگی میرے دل کے خون سے ہے۔ ظاہر ہے کہ گل لالہ سرخ رنگ ہوتا ہے اس لئے قلندر صاحب کا کہنا بجا ہے

۲ ترجمہ۔ اس جگہ معشوق عشق اور عاشق تینوں ایک ہی ہیں جب وصل کی گنجائش نہیں تو ہجر کیا کام رکھتا ہے شاعر نے شعر بالا میں اس انتہائی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے جسے اصطلاح صوفیہ میں وصال کہتے

ہیں یہ وہ آخری مقام ہے جہاں سالک خدا جانے کیا ہو جاتا ہے وہاں نہ عاشق ہے نہ عشق نہ ہیں نہ تو فقط ایک باری تعالیٰ کی مقدس اور واحد ذات باقی ہوتی ہے۔ سالک کی وہمی ہستی نور وحدت میں مل کر نور ہو جاتی ہے تمام اوہامی پردے علیحدہ ہو جاتے ہیں

فرماتے ہیں کہ جس جگہ وصل کی گنجائش نہیں وہاں ہجر کا کیا کام جس سے مراد یہ ہے کہ وصل و ہجر کی ضرورت وہاں محسوس ہوتی ہے جہاں عاشق و معشوق علیحدہ علیحدہ ہوں لیکن جب انجو لیے ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد سالک کی وہمی ہستی نور وحدت میں مل جائے اور کامل اتصال ہو جائے تو پھر وصل کیسا اور ہجر کیا جب دوئی نہیں یکوائی ہے اور وصل و ہجر کا احساس ہی نہیں تو ہجر کا گلہ اور شکوہ کون کرے اور وصل سے خوش کون ہو۔ یہاں تو معاملہ ہی دوسرا ہوتا ہے نہ عاشق نہ عشق نہ معشوق نہ خودی نہ خود پرستی غرضیکہ بجز ذات سالک کی وہمی ہستی بھی ناپید ہو کر اصل سے واصل ہو جاتی ہے سر العشق میں خود قلندر صاحب فرماتے ہیں۔

"کارِ عاشق آنگہ تمام شود کہ عاشق معشوق شود زانکہ از عشق عاشق چیزے بیفزاید در حسنِ معشوق چیزے بکاہد زیرا کہ حسن معشوق را لازم وجود است زوالِ آں تا بقاے ذات وے ممتنع بود و عشق در عاشق اگرچہ زائد است بر وجود از خارج در وجود آمدہ است اما بقوتِ حسنِ معشوق کہ ذریعۂ او ست اوصاف او را در و مضمحل گردانیدہ است و چوں عاشق معشوق شود ہر آئینہ معشوق عاشق گردد سبب آنکہ وصف او از و نقل کند و بدیں پیوندند۔

اے درویش اگر دیدۂ نہاں بکشائی ببینی کہ عشق و عاشق و معشوق ہر سہ یکیست واین اصل بے شبہ و شکے الیست"

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ عشق و عاشق و معشوق عالم توحید میں ایک ہیں۔

۳؎ ترجمہ۔ اے کہ تیرے اشتیاق میں پھول جام ہاتھ میں لے کر اور نرگس آنکھیں کھول کر تیرے انتظار میں ہے محبوب کے استقبال کا منظر ملاحظہ ہو کہ پھول جام ہاتھ میں لے کر اور نرگس شہلا دیدہ مشتاق سے آمد محبوب کا انتظار کر رہی ہے پھول جب کھلتا ہے تو جام نما ہوتا ہے اس لیے پھول کو جام سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ نرگس ایک گھاس ہوتا ہے جو اکثر باغوں میں ہوتا ہے اس کے پھول آنکھ کے مشابہ ہوتے ہیں۔

۴؎ ترجمہ۔ دیکھ کہ تیرا عاشق تجھ پر نثار کرنے کے لئے آنسوؤں کے موتی و مروارید اور پارۂ دل کے

گوہر دامن میں رکھتا ہے

عشق میں خون کے آنسو رونا اور دل کا پارہ پارہ ہونا لازمی ہے۔ شاعر معترف ہے کہ میں نے اشکہائے خونیں کے لعل اور پارہ ہائے دل کے گوہر محبوب پر نثار کرنے کے لئے دامن میں رکھے ہوئے ہیں

طرفہ سا نچا ہے غم درد محبت جس میں (امیر) ڈھلتے ہیں آٹھ پہر موتی سے آنسو دل میں

۵ ترجمہ۔ واہ واہ!! اگر وہ شہسوار ہماری مرقد کا رخ کرے تو میری خاک کنج لحد سے آسمان کی طرف اڑی

بخ بخ کلمہ تحسین۔

یعنی اگر محبوب میرے مرقد کی طرف رخ کرے تو میری خاک کنج لحد سے بیدار ہو کر آسمان کی طرف اڑے عام محاورہ میں آسمان کی طرف اڑنا کمال خوشی اور اشتیاق کی علامت ہے۔

تپاں تپاں ز لحد خاک ما کند پرواز (عرفی) بسوئے تربت ما گر کنی گذار کنی

اسی مضمون پر مختلف شعرا کی خیال آفرینی ملاحظہ ہو۔

بوئے محبوب کہ بر خاک احبا گذرد (سعدی) نہ عجب باشد اگر زندہ کند عظم رمیم
چوں شنوم خاک ہجا کم گذرے کن چوں صبا (سلمان) تا ہوئت ز لحد رقص کناں برخیزم
از پس مرگ اگر بر سر خاکم گذری (خسرو) بانگ پائیت شنوم نعرہ زناں برخیزم
بر سر تربت من شور قیامت انگن (آزاد) کہ من بسبب رقص تو جواں برخیزم

یاد رہے کہ جس جگہ سے کوئی شہسوار گذرتا ہے وہاں گرد و غبار ضرور اڑتا ہے لہذا شہسوار اور خاک کی رعائت ظاہر ہے!

۶ ترجمہ۔ غم کے پیچ و تاب سے کوئی شخص آرام نہیں پاتا اس گردش سے جو لیل و نہار میں ہے دن اور رات کی تبدیلی کو گردش کہا گیا ہے۔

مراد یہ کہ عالم اسباب میں کوئی شخص بھی غم و آلام کے پیچ و تاب سے آزاد نہیں گویا اس چرخ چنبری اور آسمان مدور کے نیچے کوئی بھی آسودہ حال نظر نہیں آتا بلکہ ہر شخص بجائے خود گردش روزگار کا شاکی ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دنیا مصیبتوں کا گھر ہے اس میں بلاؤں سے خالی رہنا محال ہے۔

۷ ترجمہ۔ ایک شرف کو دیکھ کہ شور و فغاں کرتا ہے اور تیری فرقت کی آگ سے اس کا دل شعلہ زار ہے

یعنی شرف چونکہ مبتلائے ہجر و فراق ہے ایسا لئے ہر وقت شور و فغاں کرتا ہے اور اس کا دل تیری

فرقت کی آگ سے جل رہا ہے۔

غزل ۲۰۴

بوسۂ لعلِ لبت اے دلربا باشد لذیذ ۱ شربتِ وصلت مگر بے انتہا باشد لذیذ

پر حلاوت اہلِ جنت را بود کوثر مگر ۲ در مذاقِ عاشقاں تو کجا باشد لذیذ

چوں نہ بخشی شربتِ دیدار را آں گہے ۳ شربتِ مرگ اے پریرو زندہ باشد لذیذ

تلخ جانم از فراقِ آں وجودم وصلِ او ۴ کے بجامم جرعۂ آبِ بقا باشد لذیذ

۵ ہمنشیں شعرِ شرف بشنو کہ از مستیٔ عشق ۵
شعرِ او چوں شرابِ عمر با باشد لذیذ

ترجمہ: اے دلربا تیرے لبِ لعلین کا بوسہ گو لذیذ ہے مگر تیرا شربتِ وصل نہایت ہی لذید ہے
لبِ معشوق کو بوجہ سرخی لعل سے تشبیہ دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اے معشوق تیرے لبِ لعلین کا بوسہ
لذیذ اور پر حلاوت ہے مگر تیرا شربتِ وصال اس سے بھی بڑھ کر لذیذ اور لطف آفریں ہوتا ہے یعنی بوسہ میں وہ لذت
و حلاوت نہیں جو تیرے وصل میں ہے۔ بوسہ کے متعلق صاحبِ گلشنِ راز فرماتے ہیں۔

ز غمزہ مید ہد ہستی بغارت ۔ بہ بوسہ میکند بازش عمارت
ز چشمش خونِ ما در جوش دائم ۔ ز لعلش جانِ ما مدہوش دائم
بغمزۂ چشم او دل مے رباید ۔ بعشوۂ لعلِ او جاں مے فزاید
ز غمزہ عالمے را کار سازد ۔ ببوسہ ہر زماں جاں می نوازد
از و یک غمزہ و جاں دادنِ ما ۔ از و یک بوسہ و استادنِ ما

جس کا مفہوم یہ ہے کہ غمزہ یعنی عدم التفاتِ محبوب عالم کو فنا کی لوٹ میں عدم کر دیتی ہے لیکن سرخ
لب کے بوسۂ محبوب سے جس سے روح پھونکنا اور زندہ کرنا مراد ہے نیست شدہ عالم کو پھر از سرِ نو آباد کیا صاحبِ
جواہرِ غیبی وصل کے متعلق یہ وجد انگیز رائے رکھتے ہیں "وصل عبارت است از نسیانِ خود و شہودِ نورِ وجودِ حق تعالٰی"

معشوق کے روح پرور اور دلنواز بوسہ کی لذت تو میت کو بہشت کرنے پر قدرت رکھتی ہے لیکن اس کے وصال میں جو لذت اور حلاوت حاصل ہوتی ہے وہ اس سے بھی ارفع واعلیٰ ہے۔ بوسہ کا تعلق دہن سے ہوتا ہے اور معشوق کے لبِ لعل کو شعرا آبِ حیات بھی کہتے ہیں چنانچہ حضرت امیر مینائی نے اسی لذت و حلاوت میں اپنی جان دے دی۔ فرماتے ہیں۔

بوسہ ملا جو اس لبِ شیریں کا مر گئے　　　دی جان ہم نے چشمۂ آبِ حیات پر

عارف نے کیا نکتہ پیدا کیا کہ میں نے آبِ حیات پر جان دی

۲۔ ترجمہ۔ گر اہل جنت کے لئے کوثر پر حلاوت ہو گر تیرے عاشقوں کے مذاق میں کہاں لذیذ ہے

حلاوت۔ شیرینی۔ مزہ۔ ذائقہ۔ مٹھائی۔ مذاق۔ چکھنا۔ چکھنے کی جگہ۔ محل ذائقہ۔

یعنی اہل جنت کے لئے آبِ کوثر گو لذیذ ہے لیکن تیرے عاشقوں کے نزدیک وہ لذیذ نہیں شاعر کا مقصود اس سے آبِ کوثر اور شربتِ دیدار کا مقابلہ ہے کہ آبِ کوثر میں وہ لذت اور حلاوت کہاں جو شربتِ دیدار میں ہے ظاہر ہے کہ شربت پانی کی نسبت زیادہ مرغوب الطبع ہوتا ہے صاحبِ گلشن راز اسی شربتِ دیدار کی حلاوت کے متعلق فرماتے ہیں۔

زہے شربت زہے لذت زہے ذوق　　　زہے دولت زہے حیرت زہے شوق

کسے کہ تشنۂ وصل است با کوثر نہ سازد (نظیری) بآبِ خضر اگر عاشق رود لب تر نہ سازد

۳۔ ترجمہ۔ جب تم کو شربتِ دیدار عطا نہ کرے اس وقت ہمارے نزدیک اسے پر پرد شربت مرگ ہی بہتر ہوگا۔

فی الحقیقت عشاق کی اصلی غرض و غائت دیدارِ محبوب ہوا کرتی ہے اگر حاصل ہو تا رہے تو زندگی ورنہ موت کو زیست پر ترجیح دیتے ہیں۔

۴۔ ترجمہ۔ میں اس کے فراق سے تلخ جان ہوں اور اس کا وصل چاہتا ہوں میرے جام میں آبِ بقا کا جرعہ کب لذیذ ہے۔

ہجرانِ محبوب میں شاعر اپنی زندگی سے بھی تنگ آیا ہوا ہے اور وصال کا طلبگار ہے شربتِ وصال کو آبِ بقا پر فضیلت دے کر کہتا ہے کہ میرے نزدیک آبِ بقا کا جرعہ لذیذ نہیں میں تو آبِ وصال اور شربتِ دیدار کا تشنہ ہوں جس سے زندگی جاوید حاصل ہوتی ہے۔

وہ ایک دم کہ جس میں میسر ہو وصلِ یار (داغ) بہتر سمجھتے ہیں اسے عمرِ ابد سے ہیں

اسی مضمون پر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ یوں فرماتے ہیں۔

اگر بدیں چاہِ زنخدانِ تو رہ بردی خضر	بے نیاز آمدے از چشمۂ حیواں دیدن

شربتِ وصل اور آبِ خضر کا مقابلہ نہایت لطیف ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ اے ہمنشیں شرف کہ اشعارِ من گردہ مستی عشق کی وجہ سے گویا شراب کی طرح لذیذ ہیں ظاہر ہے کہ شراب نشہ آور ہوتی ہے کیونکہ اس کی ترکیب تاثیر سے ظاہری ہوش و حواس میں تعطل اور فقدان پیدا ہو جاتا ہے اور فہم اور مدرکہ کا تعلق چونکہ حواسِ ظاہری سے ہوا کرتا ہے اس لئے جب ان میں تعطل اور فقدان پیدا ہو جائے تو فہم و ادراک بھی کافور ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرے اشعار میں بھی عشق کی مستی اور کیف موجود ہے اس لئے اے ہمنشیں انہیں سن تاکہ تجھے راحت حاصل ہو۔ شاعرانہ نظریہ منطقی ہے اور حقیقت کا اعتراف بھی! بے شک عاشق کی رفتار، گفتار اور کردار میں عشق کی مستی موجود ہوتی ہے اس لئے ان کے اشعار میں بھی مستی عشق کا ہونا تعجب خیز نہیں۔

غزل ۴۴

خویشتن گم کردم فراموش تا بدیدم روئے یار ۱ مست می گردم بہر سو از جمالِ آں نگار

من چو ہر سو بنگرم جز روئے او نہ بینم ذرہ ۲ نزدِ من یکساں بود ہر مومن و زنار دار

نیست ہیچم از عذاب و نے امید از ثواب ۳ خواہ در جنت بیارد خواہ در دوزخ سپار

جنتِ من روئے یار و دوزخی از دورئ خویش ۴ وصلِ او باشد چو نور و ہجرِ او باشد چو نار

کے بود در دل لشکری ما را بہ چیزے غیر ازو ۵ در نگاہِ ما دو عالم ہست مستثنیٰ ز اغیار

تو عطاہا میکنی و من خطاہا میکنم ۶ چوں گناہانِ من آمد رحمتِ تو بے شمار

غافلے را چشمِ دل چوں واشد اندر چشمِ او ۷ جلوۂ وحدت شد از جلبابِ کثرت آشکار

عشق را آساں شمردی غافلی از دستانش ۸ گر بہ امعاں بنگری بحریست ناپیدا کنار

نعرہ گر بر زنم ور عشقِ او مستانہ وار	۹	برقعی در دم شود نظمِ جہاں زیر و زبر

ا۔ ترجمہ: میں نے اپنے آپ کو فراموش کیا اور یار کا چہرہ دیکھا اب اس کے جمال کی طرح ہر سو مستانہ پھر رہا ہوں
فرامش: اصل میں فراموش ہے وزنِ شعری کے لئے واؤ کو حذف کیا گیا یعنی بھول جانا نگار: نقش، بت
یعنی میں نے اپنی خودی اور ہستی کا حجاب دور کر کے محبوب کا چہرہ دیکھا اور اب اُس کے جمالِ جانفزا
کے عشق میں مستانہ وار پھر رہا ہوں فی الحقیقت عاشق اور معشوق کے درمیان من و تو کا پردہ حائل ہوتا ہے اگر اسے
دور کیا جائے تو وصالِ محبوب حاصل ہوتا ہے اور مشاہدۂ جمال بھی۔ سلطان ابوسعید ابوالخیر کا قول ہے کہ حجاب
اللہ تعالےٰ از زمین و آسمان نیست بلکہ پندار منی و توئی است چوں از خود بگذشتی بخدا پیوستی"

شہودِ من طلبی از وجودِ خود بگذر	کہ جز وجودِ تو او را حجابِ دیگر نیست	(معین الدین اجمیری)

اسی مضمون پر مولانا مغربی فرماتے ہیں۔

اے کہ ہستی تو آمد روے دلبر را نقاب	دور کن از رخ نقابے چوں نقابے بیش نیست
مغربی آمد حجابِ راہِ جاناں مغربی	در گذر از وے چہ شد آخر حجابے بیش نیست

شہزادہ دارا شکوہ قادری کا شعر ہے

با دوست رسیدیم چو از خویش بریدیم	از خویش بریدن چہ مبارک سفرے بود

ترا با حق آں آشنائی دہد	(سعدی)	کہ از دستِ خویشت رہائی دہد
کہ تا با خودی با خدا راہ نیست	(ایضاً)	وزیں کلمہ جز بیخود آگاہ نیست

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ۱/۲، ۲/۵، ۵/۱۰۔

۲۔ ترجمہ: میں ہر طرف اس کے سوا ایک ذرہ بھی نہیں دیکھتا میرے نزدیک ہر مومن اور زنار دار یکساں ہے
چونکہ مظاہرِ کونین کے ذرّہ ذرّہ میں نورِ مطلق کا ظہور ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ بلحاظ ظہور
میرے نزدیک مومن اور کافر (زنار بند) میں کوئی فرق نہیں کیونکہ مجھے ہر ایک میں اسی نورِ مطلق کا جلوہ نظر آتا ہے
حضراتِ صوفیائے کرام کائنات کی کسی چیز کو جمالِ الٰہی سے الگ تصور نہیں کرتے ہمہ اوست اور ہمہ از اوست
کا مفہوم بھی یہی ہے اس لئے قلندر صاحب کا یہ خیال عین حقیقت ہے کیونکہ مومن اور کافر ہر دو اسی
نورِ مطلق کے مظاہر ہیں گو اعتقادات میں بعد المشرقین رکھتے ہیں مگر بلحاظ ظہور ان میں کوئی فرق نہیں۔

گر کم سہ مستِ شراب دو گرد لبِ تبیر (جامی) گر صاحبِ خانقاہ گر راہبِ دیر	

از رُوئے تعیّن ہمہ غیر اند ز عین (جامی) وز روئے حقیقت ہمہ عین اند ز غیر۔

اسی ظہورِ مطلق کی نسبت لمعات میں قلندر صاحب کے والدِ ماجد شیخ فخر الدین عراقی فرماتے ہیں

حقیقت ہمہ چیز آمد یکے — تو اندر مراتب بکن فرقہا
نظر بر حقیقت ہمہ عین ہست — نظر بر تعیّن ہمہ غیرہا

مراد یہ کہ عالمِ اسباب میں یہ سب فرقِ مراتب تعینات کی رو سے ہیں اگر بنظرِ امعان و تحقیق غور کیا جائے تو سب ایک ہی ہیں مومن بھی اسی کے جمال کا مظہر ہے اور زنار بند بھی کافر بھی کیونکہ بانیِ شریف میں قلندر صاحب نے شعرِ ہذا کی تشریح خود فرمائی ہے لکھتے ہیں:۔

"ہر طرف کہ عاشق نظر میکند در آئینۂ دلِ خود حسنِ خود معائنہ میکند و از حسن ہیچ ذرّہ خالی نمے یابد پس بچہ طریق فرقِ مومن و زنّار دار کردہ شود چونکہ در نظرِ عاشق ہمہ حسنِ دوست شود و عاشق صورتِ معشوق است و معشوق آئینۂ حسنِ عاشق۔ عاشق چوں خود را در حسنِ معشوق یافت معشوق گشت و معشوق عاشق پس دراں وقت در نظرِ عاشق یکساں نماید مومن و زنار دار"

۳؎ ترجمہ مجھے نہ عذاب کا ڈر ہے نہ ثواب کی امید خواہ مجھے جنت میں رکھ خواہ دوزخ کے حوالے کر۔ سپار دنیل امر از سپردن بمعنی سونپنا حوالے کرنا۔

رضا و تسلیم کا ذریں نمونہ ہے کہ میں راضی برضا ہوں خواہ جنت دیدے خواہ دوزخ میں ڈال دے۔

نکتہ:۔ سر العشق میں قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ "عاشق را از دوزخ ترسانیدن ہمچناں است چوں پروانۂ دیوانہ را بہ شمع تخویف کردن پروانہ در عشقِ آں سے میر د یکبار آتش را در بر گیر د و ارمان بس بود کہ یکزمانِ آتش شود اگر در زمانِ دیگر ش از راہِ خاکستری بدر اندازی و نام و نشانش بر اندازی باکے ندارد"

اور ایک دوسری جگہ اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فردا عاشقانِ جمال در بہشت انگشت گزاں روند و در دوزخ انگشت زناں روند در بہشت ذکرِ شان الفہار والجبار باشند و در دوزخ ذکرِ شان الحنان والمنان بود زیرا کہ دانند کہ قہاری او از نعمت حجاب سازد و رحمت او از آتش بوستاں کند" عارف نے کیا اعلیٰ نکتہ پیدا کیا ہے نیز دیکھو شعر ۹۲

۴؎ ترجمہ محبوب کا چہرہ میری جنت ہے اور اس سے دوری دوزخ اس کا ذکر نور کی طرح ہے اور

اور ہجرِ یار کی طرح

شعرِ بالا سے مرتبط ہے کہ میری جنت رخِ یار کا دیدار ہے اور اس سے دوری دوزخ واقعی محبوب کا وصل اور دیدار لذّتِ عالی تر ہے اور اس کے ہجر و فراق میں عاشق کو جن جن مصائب و نوائب کا شکار ہونا پڑتا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔

۵۔ ترجمہ۔ ہمارا دل اس کے بغیر کسی اور چیز سے کب بندھا ہوا ہے جبکہ ہماری نگاہ میں دونوں عالم مشتِ غبار کے برابر ہیں۔

ظاہر ہے کہ دنیا ناپائیدار اور فانی ہے قلندر صاحب نے اسے مشتِ خاک کہہ کر اپنی جوانمردی اور حقیقت شناسی کا ثبوت دیا ہے کہ مجھے اس سے اصلاً محبت نہیں عارف لوگ ہمیشہ اس کی محبت سے اجتناب اور اس کے تعلقات سے انقطاع کرتے رہے ہیں۔

جہاں بر آب نہادہ است عاقلاں دانند	کہ روئے آب نہ جائے قرار و بنیاد است

اسی مضمون پر ہے۔

جہاں از رنگ و بو ساز د اسیرت	ولے نزدیک ارباب بصیرت
نہ رنگِ دل کششش را اعتبار ست	نہ بوئے دلفریبش را مدار ست

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا

۶۔ ترجمہ۔ تو بخشش کرتا ہے اور میں گناہ کرتا ہوں میرے گناہوں کی طرح تیری رحمت بھی بے شمار ہے درحقیقت انسان سہو و خطا کا پتلا ہے کیونکہ نفسِ امّارہ اس کے ساتھ لگا ہوا ہے جو نیکی کی طرف مائل نہیں ہونے دیتا قلندر صاحب اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں کہ گو میرے گناہ بعید از قیاس ہیں لیکن تیری رحمت اور بندہ نوازی بھی بے پایاں ہے۔

مری بندگی سے مرے جرم افزوں	ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ

انسان کو اس واہب العطیات کی رحمت و شفقت سے ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔

۷۔ ترجمہ۔ جب تمائل سے دل کی آنکھیں کھلیں اُسے کثرت کے پردہ میں وحدت کا جلوہ نظر آیا۔

جلباب۔ بالکسر چادر اوڑھنی

اس شعر میں وحدت اور کثرت کا بیان ہے قلندر صاحب عالمِ کثرت کو جلباب کہہ کر حقیقت کو

واضح کرنے میں ظاہر ہے کہ اگر چادر کو آنکھوں کے آگے رکھ کر اس میں دیکھا جائے تو سب کچھ نظر آتا ہے مگر آنکھوں کا کھلا رکھنا اور بینائی کا بہتر ہونا شرط ہے اس لئے قلندر صاحب نے واشد کی قید لگا دی کہ اگر دل کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ محبوب حقیقی کا جلوہ پردۂ کثرت کے اندر ہے یعنی وحدت پردہ کثرت میں ہے اور کائنات کے تمام مظاہر اسی محبوب حقیقی کے نور سے معمور ہیں جو پردۂ کثرت میں ظاہر و آشکار ہیں رشحات میں خواجہ علیہ الرحمۃ احرار نقشبندی فرماتے ہیں۔

لمعۂ اوست در مکین و مکاں — جلوہ اوست در یمین و یسار
جملہ ذرات کون آئینہ ہاست — کہ دراں جلوہ میکند رخ یار
در ہر آئینہ بہ آں بگینے — سے نمایدبہ عاشقان دیدار
گاہ مستور در پس پردہ — گاہ مشہور بر سر بازار
گاہ در پردہ می نوازد ساز — گاہ بے پردہ سے دراند تار
پردگی اوست ما ہمہ پردہ — پردہ ساز اوست ما ہمہ تار

گویا عالم کثرت میں جو چیز ہے یا جس چیز میں ہے اسی کے نور کا جلوہ ہے۔

دائرے سے منتزع ہیں مرکز و نقطہ و محیط
ہے عیاں شان وحدت کی ہوئی ہے شان کثرت کا

۸۔ ترجمہ۔ تو نے عشق کو آسان خیال کیا تو اس کی وسعت سے غافل ہے اگر تحقیق سے دیکھے تو یہ ناپیدا کنار سمندر ہے۔

وسعت۔ فراخی۔ کشادگی۔ چوڑائی۔ امعان۔ باکسر گہری نظر۔ خوب سوچنا کسی کام میں خوب غور و خوض کرنا۔

کسی خام اور در ماندہ کو طنز اً کہتے ہیں کہ تو نے عشق کو سہل اور آسان خیال کر کے اس کی وسعت اور فراخی کو نظر انداز کر دیا لیکن اگر تو بنظر امعان و تحقیق دیکھے تو یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا ساحل اور کنارہ معلوم ہی نہیں ہوتا مراد یہ کہ اس کی وسعت اور فراخی وہم و خیال سے بھی وراء الورا ہے۔

یہ وہ دریا ہے کہ جس کے نہیں ساحل کا پتہ — یہ وہ ساحل ہے کہ لب تشنہ ہیں جس پر صدہا
یہ وہ طوفان ہے کہ ڈالے تو گرداب بلا — یہ وہ قطرہ ہے کہ اک پل میں بنے سیل فنا
یہ وہ ہے موج کہ خنجر کی روانی دکھلائے — یہ وہ ہے گھاٹ کہ تلوار کا پانی دکھلائے

مولانا عظیمت رازی عشق کی وسعت کے متعلق فرماتے ہیں

نہ گردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدن ہا	کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدن ہا

مولانا حالی کو شک ہو گیا کہ شاید اس سمندر کا کوئی کنارہ ہے بھی یا نہیں

دریائے محبت سے جو پار اتریں وہ جانیں	ہوتا ہے خدا جانے کہ ساحل نہیں ہوتا

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ۲۱/۴

ترجمہ۔ اے برقِ تجلی ایک لمحہ میں جہاں کا نظم و نسق منتشر ہو جائے اگر میں اس کے عشق میں نعرہ ماروں
عاشق کے نعرۂ پرسوز کا منظر دیکھیے شاعر خود بیدار ہے کہ اگر میں ایک نعرہ ماروں تو عالم کون و فساد کا شیرازہ منتشر ہو جائے

شرر پنہاں است اندر زیر و بم (رومی) فاش گر گویم جہاں برہم زنم

نیز دیکھو اشعار ۔ ۱/۴ ، ۵/۵ ، ۵/۹ ، ۸/۴

غزل ۴۴

ہم از جمالِ تو برخاست شعلۂ طور	۱	ہم از نقابِ تو جوشید چشمۂ نور
چو ذوقِ وصلِ تو یابم برقص می آیم	۲	کہ نیست لذتِ انگور در شرابِ طہور
در انتظارِ تجلی وجود نیم از دید	۳	نقابِ کثرت از رخ کش و نمائے ظہور
ز پردۂ رخِ شاں من خدا ہمی نگرم	۴	دلم ز جلوۂ روئے بتاں ہست صبور
مزن بسنگ مزن زاہدا کہ سینۂ من	۵	برنگِ سینۂ سنگ است از شرر معمور
تو جلوہ کردی و از دستِ خویشتن رفتم	۶	کجاست صبر و شکیب و کجاست عقل و شعور
بترس از نگہِ قہرِ او و دم درکش	۷	بزہد و طاعتِ خود زاہدا مشو مغرور
۸	شرف تو چشم ببند و بہر طرف بنگر کہ روئے او نتواں شد بہ پردہ مستور	۸

ترجمہ۔ اے شعلہ رو تیرے ہی جمال سے شعلۂ طور اٹھا اور اے چشمۂ نور تیرے ہی نقاب سے چشمہ جوش میں آیا

یعنی کوہ طور پر تیرا ہی جمال متجلی ہوا حضرت کلیم الرحمان جس کی تاب نہ لا سکے اور بیہوش ہو کر گر پڑے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا یعنی تجلی ڈالی اللہ تعالےٰ نے طور پہاڑ پر جس سے وہ رقص میں آگیا اور موسیٰ بیہوش ہو گئے مصرعۂ ثانی میں فرماتے ہیں کہ جب تیرا جمال نقاب کشا ہوا تو چشمۂ رواں جوش و خروش میں آگیا۔

ظاہر ہے کہ بعض چشموں کا پانی نہایت زور و شور سے باہر نکلتا ہے عموماً گرم پانی کے چشموں میں ایسا ہوتا ہے محبوب کے نقاب اٹھانے اور چشمۂ آب کے جوشیدہ ہونے کی نسبت اور وجہ قابل تعریف ہے۔

اگر چشمۂ رواں سے عالم کثرت مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ کائنات تمام مظاہر اسی چشمۂ نور کی شعاعیں ہیں جو پردہ کثرت سے نکل نکل کر ظاہر ہو رہی ہیں عالم کثرت کو چشمۂ رواں کہنا نہایت موزوں ہے کیونکہ اس کی اصلیت بھی چشمۂ آب کی طرح ہے۔

۲۱ ترجمہ: جب تیرے وصل کا شوق پاتا ہوں تو رقص میں آکر کہتا ہوں کہ شراب طہور میں بھی ایسی لذت نہیں

رقص - ناچنا خوشی کی علامت ہے شراب طہور - پاک شراب جو جنت میں اہل جنت کو ملے گی وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا

" وصل عبارت است از نہان خود شہود نور وجود حق تعالےٰ " یعنی بیخود ہو کر نظارۂ محبوب میں محو ہو جانا شراب طہور سے افضل ہے و نیز شراب بیخودی اور مے طہور کا مقابلہ پایا جاتا ہے کیونکہ اصطلاح صوفیہ میں وصل سے مراد مشاہدۂ نور ذات میں محو ہو کر اپنی ہستی کا امتیاز اٹھا دینا ہے اور شراب سے بھی بیخودی مراد لی جاتی ہے اس لئے مقابلہ نہایت لطیف ہے شراب وصل کی لذت کے متعلق دیکھو شعر ۱۷

۲۲ ترجمہ: ہم مدت سے جلائے وحدت کے انتظار میں ہیں چہرہ سے کثرت کا نقاب اٹھا اور ظہور کر

یعنی میں مدت سے جلائے وحدت کا منتظر ہوں اس لئے پردہ سے باہر آکر بیحجابانہ جلوہ نمائی کر

بے حجابانہ درآ از در کاشانۂ ما ۔۔۔ کہ کسے نیست بجز درد تو در خانۂ ما

اسی مضمون پر ہے

پردہ بردار کہ صاحب نظراں منتظر اند ۔۔۔ حیف باشد کہ ترا خواہند و نا دیدہ روند

عاشقوں کی یہ خواہش محض سادگی ہے ورنہ بے حجابی کا نتیجہ لو اظہر من الشمس ہے۔

جانتا ہوں جلوہ بے پردہ ہے کاشانہ سوز اقبال، سادگی دیکھو تو پھر دیدار کا سائل ہوں میں

۴۔ ترجمہ۔ میں اس کے چہرہ کے پردہ سے غدا کو دیکھتا ہوں میرے دل کو یتوں کے جلوۂ رخسار سے صبر نہ ہو۔

اس شعر میں بھی کثرت اور وحدت کا نظارہ دکھایا گیا ہے رخ سے انوار الٰہی کے مظاہر مراد ہیں قلندر صاحب انہی مظاہر اور تجلیاتِ بالمرآت کے ذریعہ خدا تعالےٰ کا عرفان حاصل کرتے ہیں لیکن اس دیکھنے سے دیدار بالمرآت مراد ہے نہ کہ دیدار بے حجاب کیونکہ دیدار بے نقاب کی نفی قرآن مجید میں وارد ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ بھی اسی قسم کا تھا مولانا مغربی وحدت اور کثرت کے متعلق فرماتے ہیں

اگرچہ ما و منیّ نیز جز توئی تو نیست	زما و من بیک زباں من و ما را

نقوشِ کثرتِ امواج ظاہر و دریا   حجاب وحدتِ باطن شدست دریا را

۵۔ ترجمہ۔ اے زاہد مجھے پتھر نہ مار کیونکہ میرا سینہ پتھر کی طرح شراروں سے معمور ہے

پتھر کی ایک قسم کا نام چقماق ہے جس سے زمانہ سلف میں بالخصوص دیا سلائی کا کام لیا جاتا تھا یوں بھی دو پتھروں کی باہمی رگڑ سے شرار نکلتے ہیں قلندر صاحب زاہد کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ میرے سینہ پر پتھر نہ مار کیونکہ یہ چقماق کی طرح بذاتِ خود شراروں سے معمور ہے ایسا نہ ہو کہ تیرا پتھر ہی جل جائے مراد یہ کہ ہمارے مراتب و درجات کا گلہ و شکوہ نہ کر ایسا نہ ہو کہ تجھے کہیں ندامت ہونا پڑے عبرت آموز شعر ہے ظاہر ہے کہ زاہد خشک عموماً سنگ دل اور بے رحم ہوتے ہیں اس لئے قلندر صاحب کی یہ وجہ قابلِ تعریف ہے۔

۶۔ ترجمہ۔ تو نے جلوہ کیا اور میں اپنے ہاتھ سے چلا گیا اب صبر و شکیب کہاں اور عقل و شعور کجا!

شکیب۔ صبر آرام۔ شعور۔ جاننا دریافت کرنا۔ از دست رفتن۔ بے خود ہونا مشاہدہ میں ایسا محو ہونا کہ اپنے وجود کی خبر تک نہ رہے

یعنی تو نے جلوہ نمائی کی اور میرا دل ہاتھ سے چلا گیا ساتھ ہی صبر و شکیب اور عقل و شعور بھی کافور ہو گئے دل از دست رفتن ایک ایسا حادثہ ہے جس کا علاج ممکن نہیں مولانا شہیدی لکھتے ہیں ۔

دل کے جانے کا شہیدی کی چارہ نہیں	حشر تک اس غم میں سب جن و بشر رو یا کئے

مراد یہ کہ میں جلوۂ محبوب کے وقت صبر و شکیب اور عقل و شعور کھو بیٹھا

چھوڑا نہ دل میں صبر نہ آرام نے شکیب	تیری نگاہ نے صاف کیا گھر کے گھر یہ ہاتھ

۷۔ ترجمہ۔ اس کی نگاہ قہر سے ڈر اور خاموش ہو جا اے زاہد اپنی زہد و طاعت پر مغرور نہ ہو۔

دم در کشیدن ۔ سانس کھینچ لینا ۔ خاموش ہو جانا ۔

محبوب کی شانِ جلال اور ہیبت و سطوت کی طرف اشارہ کر کے تنبیہ کی گئی ہے کہ اپنی زہد و اطاعت پر غرور نہ کر اور قہرِ خدا سے ڈر کیونکہ راہِ عشق میں ذرا سی تعلّی عمر بھر کی عبادتوں کو ملیا میٹ کر دیتی ہے جب اُس کی نگاہِ قہر کے آگے ارض و سما بے حقیقت ہیں تو تیرا زہد کیا چیز ہے

خواجہ پندارد کہ طاعت میکند	بے خبر کز معصیت جاں میکند
ایں خیالِ خویش را رو ترک کن	از خیالِ خود تو شو ز پشت کمن

قرآنِ مجید میں سورۂ نور میں ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا " یعنی جو لوگ کافر ہوئے ان کے اعمال سراب کی مانند ہیں جو ہموار میدان میں ہو پیاسا اس کو پانی سمجھتا ہے لیکن جب اُس کے پاس جاتا ہے تو کوئی چیز نہیں دیکھتا "

فی الحقیقت زاہدانِ پُر غرور اپنے زہد و عبادت پر نازاں ہو کر اپنے اعمال کو ضائع کرتے ہیں کیونکہ غرور و تکبر بجز ذاتِ کبریا بشر کی شایانِ شان نہیں لیکن یہ لوگ بآنگِ دہل اپنے زہد و ورع کا اظہار کر کے اُس کو معصیت کا آلۂ کار بناتے ہیں ۔ اس لئے قلندر صاحب نے تنبیہ کہا کہ اے زاہد غضبِ خدا سے ڈر ۔

۸ ۔ ترجمہ ۔ ای شرف تو آنکھ بند نہ کر اور ہر طرف دیکھ کہ اُس کا چہرہ پردے میں مستور نہیں ۔
یعنی دل کی آنکھوں سے دیکھ کہ اُس کا نور کائنات کے ذرہ ذرہ میں جاری و ساری ہے ۔

کہاں ہے پردہ کدھر ہے تجلی کب اُس کا مکھڑا نقاب میں ہے	قصور اپنی نگاہ کا ہے دگرنہ وہ کب حجاب میں ہے

غزل ۴۵

اندر جہاں ہر کس بود محوِ تماشائے دگر	۱	مارا بجز دیدارِ تو نبود تمنائے دگر
جز کوئے یارِ مہرباں ہرگز نمی گیرم جا	۲	ہرگز نباشد دل کشا در پیش با جائے دگر
جولانگہِ دیوانہ است باشد ورائے دو جہاں	۳	مجنوں ندارد در نظر جز نجد صحرائے دگر
زاہد از راہِ ریا جو رہزناں را دل دہد	۴	باشند سر اقسام و سحر جبلِ دل آرائے دگر
زاہد لبست از بادۂ فردوس خواہی تر شود	۵	من مست باشم روز و شب از ذوقِ صہبائے دگر

من از ازل بنهاده ام سر بر خطِ فرمانِ تو ۶ رائے تو باشد رائے من نبود مرا رائے دگر

۶	برقع ز رویت بر فگن یک جلوه کن بر بوعلی تا در جهاں باز افگند از عشق غوغائے دگر	

۱۔ ترجمہ۔ جہاں میں ہر شخص کسی دوسرے تماشا میں محو ہے مگر ہمیں تیرے دیدار کے سوا کوئی تمنا نہیں یعنی بقولِ شیخ سعدی رح۔ ہر کس بخیالِ خویش خبطے دارد۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی مخصوص مشغلہ ہے لیکن ہمیں تیرے دیدار کے سوا کوئی خواہش نہیں گویا ہمارا شغل تیرے دیدار کی تمنا ہے اور بس مولانا جامی قلندر صاحب کے اس خیال کو لے کر اپنے مخصوص انداز میں فرماتے ہیں۔

	حیداست در دار دہر کسے عزمِ تماشائے دگر ما را نباشد غیرِ تو در دلِ تمنائے دگر	

مولانا نے یہ غزل بھی قلندر صاحب کے تتبع میں لکھی ہے۔ دیکھو کلیاتِ جامی صفحہ ۲۸۴ مطبوعہ نولکشور پریس

۲۔ ترجمہ۔ مہربان دوست کی گلی کے سوا ہم کوئی جگہ نہیں پکڑتے کیونکہ ہمارے نزدیک کوئی دوسری جگہ دل کش نہیں۔

یعنی ہمارا قیام کوئے محبوب میں ہے کیونکہ ہماری نظروں میں اس سے بہتر اور دلکشا جگہ اور کوئی نہیں مراد یہ کہ ہمارا غنچۂ دل ریاضِ محبوب کے جانفزا کوچہ کے سوا کہیں نہیں کھلتا

	بہارِ روضۂ جنت بکوچہ کارِ من است مرا کہ فضائے خلد بکوچہ ہست بہارِ من است	
	نقش بیٹھا ہے مرا کوچۂ جاناں میں امیر (امیر) کیا نگہبانوں کی طاقت کہ اٹھائیں مجھ کو	

۳۔ ترجمہ۔ تیرے دیوانہ کا قیام دونوں جہانوں سے ورا الورا ہے مجنوں کی نظر میں سوائے نجد کے دوسرا کوئی صحرا نہیں۔

ورا۔ پس و عقب و جانبِ پس۔ فرزند سوا بالفتح و بکسر یعنی بدون مدمعنی مخلوقات از جن و انس اور فارسی میں ورا کا مخفف ہے مجنوں۔ اصل میں قیس عامری تھا جس کا تعلق عرب کے قبیلۂ عامر سے تھا لیلیٰ پری پر نجد پر عاشق ہو کر حرکاتِ دیوانگی کی وجہ سے مجنوں نام ہو گیا تھا۔ نجد۔ بالفتح بلند زمین اور ممالک عرب میں ایک ملک کا نام ہے جو حجاز اور عراق کے درمیان واقع ہے و بمعنی آرائش خانہ اور دلیری سے غلبہ کرنا رنج دیکھنا۔ پناہ۔ خوشی و خرمی۔ (از قاموس و صراح)

اس شعر میں محبوب سے مطلب ہے کہ تیرے دیوانے کی منزل دونوں جہان سے بالاتر ہے بخلاف قیس کہ اس کی نظر صرف دشتِ نجد تک ہی محدود تھی لیکن میں تیرے عشق میں دونوں جہان سے بلند جگہ پر متمکن ہوں۔

معنوی معنوں میں کسی مقام پر رہ کے رہنے سالک کو مجنوں سے تشبیہ دے کر تاکید کی گئی ہے کہ مجھے مجنوں کی طرح ایک ہی مقام پر رک نہیں جانا چاہیے۔ کہ اس کی نظروں میں صحرائے نجد کے سوا اور کوئی دوسری جگہ نہ تھی بلکہ اپنے موجودہ مرتبہ سے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے لئے کوشش کرنی چاہیے خواجہ حافظ طالب کو سعی عمل کی تعلیم اور درجاتِ عالیہ پر فائز ہونے کی تعلیم و ترغیب ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

چہ گویمت کہ بمے خانہ دوش مست و خراب — سروشِ عالمِ غیبم چہ مژدہ ہا داد است
کہ اے بلند نظر شاہبازِ سدرہ نشین — نشیمنِ تو نہ این کنجِ محنت آباد است
ترا ز کنگرۂ عرش مے زنند صفیر — ندانمت کہ درین دامگہ چہ افتاد است

۴ ترجمہ۔ زاہد ریا کے طریقے سے حور و غلماں کو دل دیتا ہے مگر مجھے ہر شام و سحر کسی دوسری دلآرا کی ضرورت ہے
زاہدوں کی نسبت مشہور ہے کہ ان کی زہد و عبادت مکر و فریب کی ہوتی ہے قلندر صاحب نے قطعی فیصلہ کر دیا کہ زاہد کی عبادت اور زہد صرف اس لئے ہے کہ مجھے حور و قصور اور جنت ملے مگر مجھے نہ حورِ عین کی خواہش ہے اور نہ جنت کی پرواہ بلکہ شام و سحر کسی دوسرے ہی دلربا کی آرزو رکھتا ہوں۔

زاہد کو مت کہو کہ یہ وحدت پرست ہے — حور دل پہ مر رہا ہے یہ شہوت پرست ہے

شیخ آذری نے قریب قریب اسی مضمون پر ایک قصیدہ لکھا ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں

گر بقدرِ ہمتِ عشاق خود سازی مقام — برتر از جنت بباید ساختن ماوائے دگر
ما بہ سیلِ جنت الفردوس در ناریم سر — ہست ازین حضرت گدایان را تمنائے دگر
ہر کسے را از تو در جنت تماشائے برد — ما سے خواہیم جز رویت تماشائے دگر
با خریداران بہا کن باغِ جنت را کہ ہست — مفلسانت را درین بازار سودائے دگر

۵ ترجمہ۔ اے زاہد تو چاہتا ہے کہ بادۂ فردوس سے سیراب ہوں لیکن میں شب و روز کسی دوسری شراب سے مست رہتا ہوں
یعنی تو شرابِ طہور سے سیراب ہونے کا خواہشمند ہے لیکن میں کسی اور شراب سے مست ہوں۔ ناظرین جان سکتے ہیں کہ قلندر صاحب کی شراب کونسی ہے قلندر صاحب کی مراد شرابِ محبت ہے جس کی مستی ہے

خور ہست و ملک ہست و جاں ہست ہوا ہست و زمیں ہست و آسماں ہست

لیکن زاہد تنگ خیال اور کم ظرف مراز شراب طہور ہو مگر شراب محبت کی چاشنی سے محروم رہا اسی مضمون کی شعر ۱۲

۱۲ ترجمہ ۔ میں نے ازل سے تیرے فرمان کو خط پر سر رکھا میری رائے وہی ہے جو تیری ہے میری کوئی دوسری

رائے نہیں

رضا و تسلیم کا زریں نمونہ ہے اور آب زر سے لکھنے کے قابل ہے عبد کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

ازمن چہ پرسی ایں و آں خواہی بخواں خواہی براں (جامی) محکم فرمانم بجاں نبود مرا رائے دگر

مولانا کے شعر کا ماخذ حضرت قلندر صاحب کا زیر تشریح شعر ہے

۲۶ ترجمہ ۔ چہرے سے برقعہ اٹھا اور گلی پر جلوہ کرنا کہ عشق سے جہاں میں پھر ایک دوسرا شور پیدا ہو۔

برقعہ ۔ عورتوں کے پہننے کا پردہ جو منہ پر ڈال کر باہر نکلتی ہیں ۔ غوغا ۔ شور و غل ۔

قلندر صاحب کو قیامت قبل از قیامت دیکھنے کا شوق دامنگیر ہے جو برقعہ اٹھنے کا لازمی نتیجہ ہے۔

بسیار حسنیم عاشق کن تجلی روئے زیبا را	کہ جز وامق نہ داند کس کمال حسن عذرا را
بصحرائے دل عاشق بیا جلوہ کناں بگذر	بروئے عالم آرائت بہار روئے صحرا را
دمے از خلوت وحدت نہاں را بصحرا شو (مغربی)	ز خطر بر ناظراں افگن بہ بیں اہل تماشا را
دماغ جان اہل دل معطر ساز گن	ز روئے نور بخش نور بخش ہر دم چشم زیبا را

نیز دیکھو شعر ۴۲ ۴۳

غزل ۴۶

یکے تو پردہ برافگن ز روئے پر تنویر ۱ کہ تا جواں شود و تازہ باز عالم پیر

نگاہ قہر تو ارض و فلک دہد برباد ۲ نگاہ مہر تو کونین را کند تسخیر

بذرہ چو سینے جلوہ اگر کنی چہ عجب ۳ کہ نور روئے تو باشد چو مہر عالمگیر

قلندریم و بہر جائے مے کنیم گذر ۴ چو موج بحر بنا شیم پائے در زنجیر

بہ سنگ پارہ چہ بینند لعل پارہ کنید ۵ مسلم اہل نظر راست در نظر تاثیر

بحیرتم کہ چرا ذکر حور و غلمان ست	۶	جہاں ز حسنِ تو گردید عالمِ تصویر
مرا نظیر بیابی تو ہم بعالمِ عشق	۷	نیافتم چو تو را در جہانِ حسن نظیر
ظہور می کند از زلفِ تو شبِ یلدا	۸	طلوع می کند از رویت آفتابِ منیر
اگر تو زلفِ معنبر کشادہ بنشینی	۹	معطر است مشامِ جہاں بوئے عبیر
بجیز و تیغ بیا و بریز خونِ بندہ بریز	۱۰	کہ خونِ من نہ شود روزِ حشر دامنگیر
اگر نماز نیارم ہمیں گناہِ من است	۱۱	گو محو می نتواں شد نوشتۂ تقدیر

۱۲	شرف چرا نگرد بری ز عالمِ ناسوت کہ طینتِ تو بلاہوت کردہ اند خمیر	۱۲

اُز ترجمہ۔ ایک دفعہ اپنے پرنور چہرے سے پردہ اٹھا تاکہ یہ عالم پیر از سرِ نو جوان ہو

پرتنویر یعنی پرنور۔ روشن۔ عالمِ پیر۔ دارِ کہن مراد از عالمِ اسباب یعنی دنیا۔

التجا کی گئی ہے کہ اے محبوب روئے زیبا سے نقاب الٹ تاکہ یہ عالمِ پیر دوبارہ زندگی اور جوانی حاصل کرے۔ اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ ایک دفعہ مر کر پھر زندہ ہونا ہے اور اس کے بعد موت کا کھٹکا دامنگیر نہ ہوگا اور وہ زندگی ابدی اور غیر فانی ہوگی۔ وہ زندگی مشروط ہے یعنی قیامت کے بعد لیکن قلندر صاحب جسدِ عنصری کے ساتھ محبوب سے نقاب کشائی کی التجا کرتے ہیں جس سے مراد شاید یہ ہوگی کہ اس نظارۂ جانسوز کی تاب کسی کو نہ ہوگی اور قیامت قبل از قیامت برپا ہو جائے گی جس سے یہ پیرِ زال (دنیا) از سرِ نو جوانی کی بہار حاصل کرلے گی۔ عمرِ رفتہ اور شبابِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے کی تمنا میں مختلف حضرات کی خیال آفرینی ملاحظہ ہو۔

گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر (حافظ) تا سحرگاہ ز کنارِ تو جوان برخیزم
بر سرِ تربتِ من چتر قیامت افگن (آزاد) کہ من پیر ز فیضِ تو جوان برخیزم
چوں شوم خاک بجا کم گذرے کن چو صبا (سلمان) تا بہ گشت ز لحد رقص کناں برخیزم
از پسِ مرگ اگر بر سرِ خاکم گذری (خسرو) بانگِ پائے تو شنوم نعرہ زناں برخیزم

۱۳ ترجمہ۔ تیرے قہر کی نگاہ ارض و فلک کو برباد کر دیتی ہے اور تیری محبت کی نگاہ کونین کو تسخیر کرتی ہے

کونین ۔ دو جہان یعنی دنیا و آخرت ۔ تسخیر ۔ تابع کرنا فرمانبردار کرنا ۔

قہر و غضب معشوق کا شیوہ ہے جس کو اصطلاحِ صوفیا میں تجلی جلالی کہتے ہیں بخلاف اس کے دوسری تجلی کا نام جمالی ہے جس کا اثر تجلی جلالی کے برعکس ہوتا ہے اگر سالک کے دل پر صفاتِ جلالی تجلی کریں تو اس پر خضوع و خشوع کا غلبہ ہوتا ہے ظاہری ہستی نیست اور بیہوشی کا عالم طاری ہو جاتا ہے اور اگر صفاتِ جمالی تجلی کریں تو سالک کے دل میں انس و سرور پیدا ہوتا ہے ۔

قلندر صاحب نے انہیں دو تجلیات کا کنایۃً ذکر کیا ہے کہ اگر محبوبِ مطلق قہر و غضب کی نگاہ سے تجلی کرے تو زمین و فلک برباد ہو جائیں اور اگر انس و محبت کی نظر سے دیکھے تو کونین اُس کے تابع ہو جائیں ظاہر ہے کہ نگاہِ مہر سے دونوں عالم کو تسخیر کرنا کوئی مشکل بات نہیں ۔

۳ ترجمہ ۔ اگر تو مجھ ناچیز پر جلوہ کرے تو کیا عجب کیونکہ تیرے چہرے کا نور مہرِ عالمگیر کی طرح ہے

مہرِ عالمگیر ۔ مراد از آفتاب کیونکہ اُس کی شعاعیں ہر جگہ یکساں جلوہ ریز ہیں

محبوب کے چہرۂ پرنور کے نور کو آفتابِ درخشاں کی طرح محیط الکل بیان کر کے درخواست کی گئی ہے کہ سورج کا نور ہر کہ و مہ کے لئے یکساں ۔ ۔ فیض رساں ہے اور چونکہ تیرا نور بھی عالمگیر ہے اس لئے اگر مجھ ناچیز کو پرتوِ حسن سے نوازے تو کچھ عجب نہیں ۔ الطاف و اکرام کی درخواست ہے ۔

۴ ۔ ترجمہ ۔ ہم قلندر ہیں اور ہر جگہ گذر رکھتے ہیں سمندر کی موج کی طرح پا در زنجیر نہیں ۔

سمندر کی لہروں کو بوجہ خمدار ہونے کے زنجیر کہا گیا گویا وہ پا در زنجیر ہیں ۔

فرماتے ہیں کہ ہم امواجِ سمندر کی طرح پا در زنجیر اور یک جائی اسیر نہیں بلکہ ہر مقام میں ہمارا گذر ہے شعر ہذا میں گذر سے اشارہ تفکر اور سیر کی طرف ہے جس سے عارفوں کی اصطلاح میں سیرِ کشفی و عیانی مراد ہوتی ہے ۔ صوفیائے کرام نے اس سیر کے تین درجے قرار دیے ہیں (۱) سیر الی اللہ (۲) سیر فی اللہ (۳) سیر باللہ جس کو تفکر بھی کہتے ہیں اور جن کا انحصار موانع غیر حق سے تجرید ظاہر اور تفرید باطن پر ہے تفکر کے معنوں میں صاحبِ گلشنِ راز فرماتے ہیں ۔

تفکر رفتن از باطل سوئے حق	بجز و اندر بدیدن کل مطلق
درا سما تفکر کردن شرط راہ است	ولے در ذاتِ حق محض گناہ است

یعنی صوفیوں کی اصطلاح میں سالک کا سیرِ کشفی کے ساتھ کثرت سے وحدت کی طرف لوٹ جانا

تفکر ہے۔ قلندر صاحب کی تجرید و تفرید اور موانع غیر حق اطہر من الشمس ہے زیر تشریح شعر میں بھر جائی سے کہ ہم گذرتے ہیں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہم قلندر ہیں اس لئے ایک سے دوسرے مرتبہ میں سیر کرتے رہتے ہیں اور باطل سے حق اور کثرت سے وحدت کی طرف ہمارا میلان ہے یعنی جس حکم کا جو مرتبہ ہے اسی کے مطابق ہماری سیر یا در زنجیر سے اسیری مراد ہے اور اسیر آدمی نقل و حرکت سے عاری ہوتا ہے جس کی تفصیل اصطلاح عرفا و میں یوں سمجھو کہ جس حکم کا جو مرتبہ ہے اس کو اس کے مطابق نہ سمجھنا اور جہل و نادانی سے کسی ادنیٰ مرتبہ پر قناعت کرنا اور سیر باللہ سے باز رہنا اسیری ہے کیونکہ اسی سیر میں بقا باللہ کا آب حیات پوشیدہ ہے

	ہر کوبہ بدیں مقام جا کرد	ہوائے قلندری خطا کرد

کیونکہ سوادِ مطلق اسی جگہ حاصل ہوتا ہے الفقر سواد الوجہ فی الدارین۔ فقر سے مراد فنا فی اللہ ہوتی ہے اور سواد الوجہ یہ کہ سالک اس طرح فانی فی اللہ ہو جائے کہ ظاہر و باطن دنیا و آخرت میں اس کے لئے وجود نہ رہے

	سواد الوجہ فی الدارین درد لیل	سوادِ اعظم آمد بے کم و بیش

پس قلندر صاحب کا یہ ارشاد کہ ہم ہر جگہ گذر رکھتے ہیں اور امواج بحر کی طرح پا در زنجیر نہیں انہی مقامات کی حقیقت کو واضح کرتا ہے ظاہر ہے کہ سمندر کی لہروں کی روانی سطح آب ہی تک محدود ہوتی ہے گویا وہ اسیر زنجیر ہیں ظاہری معنوں میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم آزاد قلندر ہیں جہاں بھی جا چاہیں چلے جائیں کیونکہ ہم تعلقات کے اسیر نہیں۔

۵ ترجمہ۔ اہل نظر کی نگاہ میں تاثیر مسلّم ہے جس پتھر کے ٹکڑے میں لعل چھپا ہوا دیکھتے ہیں اسے پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔

پارہ۔ ٹکڑا۔ سینہ۔ رخوت۔ اور ایک دھات کا نام۔

یعنی اہل بصیرت کی نظروں میں ایک خاص تاثیر تسلیم کی گئی ہے کہ جس پتھر میں لعل چھپا ہوا دیکھتے ہیں اپنی باطنی اور روحانی قوت سے اسے پاش پاش کر دیتے ہیں۔

سالک کو ہر مقام پر حضرت باری سے ایک نئی قوت عطا ہوتی ہے تاثیر نظری بھی منجملہ ان کے ایک ہے اگر شعر کو معنوی اور حقیقی معنوں میں لیا جائے اور سنگ سے ایسا دل مراد ہو جو کثرت معاصی سے سخت ہو گیا ہو۔ تو مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر اس دل میں کچھ نور باقی ہو اور اس شخص پر کسی اہل حق کی نظر کیمیا اثر پڑ جائے تو اس نور کا لعل بن کر چمکنا چنداں حیرت انگیز نہیں کیونکہ اہل نظر کی تاثیر انتحادی سے اکثر ایسے واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں اہل حق لوگوں کی روحانی تاثیر جو دوسرے آدمی کے اندر اثر کرتی ہے اور جسے اصطلاح

تصوف میں توجہ کرنے میں کئی قسمیں ہیں منجملہ ان کے تاثیر انعکاسی، القائی، اصلاحی اور اتحادی ہیں۔

"تاثیر انعکاسی" جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی اہلِ حق کی صحبت میں بیٹھے اور اتنا توجہ اس کا دل متوجہ الی اللہ رہے اور خیالات کا ایک سلسلہ اُس کے دل میں قائم ہو جائے خواہ سے چلے جانے کے بعد وہ سلسلہ قائم نہ رہے چنانچہ شیخ کامل کی شناخت بھی منجملہ دوسری شناختوں کے ایک یہ ہے کہ جس کی صحبت میں خدا یاد آئے اور دل معاصی سے نفرت کرے وہ پیر کامل ہے۔

"تاثیر القائی" کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ کسی شخص کے پاس شمع ہو جس میں بتی اور تیل دونوں موجود ہوں لیکن دیا سلائی نہ ہونے کی وجہ سے وہ شمع کو روشن نہ کر سکے اب کوئی ایسا شخص آجائے کہ جس کے پاس دیا سلائی موجود ہو۔ اور وہ شمع کو روشن کر دے یہی تاثیر القائی کا حال ہے کسی شخص کا دل فیضِ ازلی کے قابل ہو اور کوئی کامل اُس پر توجہ ڈال کر اُس کے قلب کو جاری کر دے مگر یہ تاثیر دائمی نہیں ہوتی اور اس پر حوادثات ضرور غالب آجاتے ہیں جس طرح چراغ ہوا سے مغلوب ہو جاتا ہے

"تاثیر اصلاحی" کی مثال اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک دریا سے پانی کھینچ کر کسی حوض میں جمع کیا جائے اور حوض سے پانی خارج کرنے کے لئے ایک فوارہ لگایا جائے اور حوض سے فوارہ تک پانی جانے کا رستہ بالکل صاف کر کے پانی چھوڑ دیا جائے تو پانی خوب زور سے فوارہ سے نکلنا شروع ہو گا ظاہر ہے کہ فوارہ کا زور اور پانی کی روانی دریا پر منحصر نہیں بلکہ حوض اور فوارہ کی درمیانی مسافت پر ہے البتہ اگر پانی کی گذرگاہ میں کوئی رکاوٹ آجاوے تو فوارہ کے زور اور پانی کی تیزی رفتار میں فرق آسکتا ہے۔ اسی طرح تاثیر اصلاحی بھی ان دونوں تاثیروں سے طاقتور ہے مگر نقصان کا خطرہ کسی حد تک اس میں بھی ہے گو تاثیر اصلاحی میں تزکیۂ نفس حاصل ہو سکتا ہے مگر فوارہ کی طرح اُس کی مثال بھی حوض اور درمیانی مسافت جیسی ہے کہ حوض میں پانی کی جتنی اکثریت ہو گی اور رستہ جتنا صاف ہو گا پانی اتنا ہی زور سے چلے گا گویا تزکیۂ نفس حاصل ہو گا۔

اس مثال سے مراد یہ ہے کہ تزکیۂ نفس حاصل کرنے کے لئے حوض کی طرح سالک کا ظرف بھی عالی ہونا چاہیئے

"تاثیر اتحادی" سب تاثیروں سے زیادہ قوی ہے مگر اس کی مثالیں شاذ و نادر ہیں طریقہ یہ ہے کہ پیر کامل مرید کی روح پر اپنی روحانی توجہ اس طرح کرے یا اپنی روح کو مرید کی روح کے ساتھ اس

زور سے ملائے کہ پیر کی روح کے کمالات مرید کی روح میں سرایت کر جائیں یہاں تک کہ قریب قریب دونوں کی روحیں ایک مرتبہ کی ہو جائیں۔

ناظرین! اب قلندر صاحب کے شعر کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے کہ اہل حق کی نظروں میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہوئی ہے کہ وہ پتھر کو پارس اور لوہے کو کندن کر سکتی ہے

بگذار یک نظارہ وراں رو کہ اہل دل (جامی) گسپرند کیمیا نظر پاک باز را

اسی مضمون پر آتش لکھنوی فرماتے ہیں

غبارِ جہل اڑا دیتا ہے فیضِ صحبتِ کامل   شعاعِ مہرِ تاباں کم نہیں سایہ پہ شہپر سے

۶ ترجمہ۔ میں حیرت میں ہوں کہ حور و غلمان کا ذکر کیوں ہے جبکہ جہاں تیرے حسن کی تصویر ہے قلندر صاحب کو استعجاب ہے کہ جب کائنات محبوب مطلق کے حسن و جمال کا عکس اور بہشتِ بریں اور اس کے لوازمات بھی اسی نورِ مطلق کا پرتو ہیں تو پھر حور و غلمان کا تذکرہ چہ معنی دارد قلندر صاحب کا تحیّر اور استعجاب بجا ہے۔

۷ ترجمہ۔ تو عالم عشق میں میرا نظیر نہیں پائے گا اور میں نے جہان میں تیرے جیسا کوئی حسین نہیں دیکھا یعنی تجھے دنیا میں میرے جیسا کوئی عاشق نہ ملے گا اور مجھے تجھ سا کوئی حسین نظر نہیں آتا مراد یہ کہ میں عشق میں اور تو حسن میں شہرۂ آفاق ہے یہ نسبت بہت اچھی ہے

بہ بیں کہ نسبت بعالم نظیرِ عشق مرا   و تو بہ حسن و ادا بے مثال پیدا شدی

اسی مضمون پر ہے

جنونی فوق غایت الجنون   حبونی من حبیب ذو فنونی
لعشقت من زہیر جنون فردم (مغربی)   لو در خوبی ز ہیر لیلیٰ فزونی

۸ ترجمہ۔ تیری زلف سے اندھیری رات کا ظہور ہوتا ہے اور تیرے چہرہ کا آفتاب منبر طرح ہوتا ہے۔ یلدا بالفتح سیاہ لمبی رات جو آخریں درجہ قوس میں واقع ہوتی ہے تمام سال میں سب سے بڑی رات یہی ہے اور اس کے ساتھ کا دن سب سے چھوٹا ہوتا ہے اس رات کو عکس کہتے ہیں یا ۲۲ دسمبر کی رات

زلف ۔ دراصل بالضم اول و بفتح لام ۔ عربی لفظ زلفہ بالضم کی جمع ہے بمعنی پارۂ شب مجازاً بوجہ سیاہی کانوں کے قریب کے سیاہ بالوں کو زلف کہتے ہیں صاحب کشف کی یہی رائے ہے سراج الدین علی خاں آرزو

نے سراج میں لکھا ہے کہ زلف زلفین کا مخفف ہے بضم اول وکسر فا بمعنی زنجیر اور زلف بھی قریب قریب زنجیر کے مشکل ہوتی ہے۔

زلف کو بوجہ سیاہ ہونے کے شب یلدا کہا اور رخ روشن کو آفتاب منیر مطلب یہ کہ تیری زلف سیاہ سے شب یلدا کا ظہور ہوتا ہے اور روئے پرنور سے آفتاب منیر گویا لیل ونہار کی سیاہی اور سفیدی کا راز تیری زلف و رخ میں مستور ہے۔

اگر زلف سے عالم کثرت مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ عالم اسباب میں تیرے نور کا ظہور ہے یعنی نور وحدت پردہ کثرت میں ہے زلف سے ہجر و فراق بھی مراد ہوتی ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تیری زلف سیاہ سے ہجر و فراق کی جانگداز رات یاد آتی ہے لیکن جب پردۂ زلف کے نیچے رخ روشن کا خیال آتا ہے تو امید ہو جاتی ہے کہ صبح وصال بھی قریب ہے زلف و رخ سے کفر و ایمان بھی مراد ہو سکتی ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا۔

ایمان و کفر من رخسار و زلف تو است (خسرو)	در بند کفر ماندہ ایم ایساتم آرزو است
سوئے زلفش نگہ کردن و روئش دیدن (")	گاہ کافر شدن و گاہ مسلمان بودن

ترجمہ۔ شاید تو نے صبح کے وقت عنبریں زلف کے بند کھولے جس سے جہان کا دماغ بوئے عبیر سے معطر ہو گیا۔

معنبر عنبر کیا گیا جس میں عنبر ملایا گیا ہو۔ عنبر ایک قسم کی خوشبو کا نام ہے خوشبو دار عبیر ایک خوشبو کا نام ہے صندل مشک اور گلاب کو ملا کر بناتے ہیں مشام محل قوت شامہ دماغ کا وہ حصہ جو خوشبو کو محسوس کرتا ہے۔

سحر کا وقت قدرتاً عطر بیز اور راحت پاش ہوتا ہے خصوصاً موسم بہار کی صبح قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ شاید محبوب نے صبح کے وقت زلف عنبریں کو کھولا ہے جس کی وجہ سے مشام عالم خوشبو سے معطر ہو گیا

نسیم زلف عنبر بوسے او ساختست	دماغ جملہ عالم را معطر

خواجہ حافظ رحمہ بھی دماغ عالم کے معطر ہونے کا ذریعہ زلف محبوب کو قرار دیتے ہیں لکھتے ہیں

اگر نو شانہ زدی زلف عنبر افشاں را	کہ باد غالیہ سا گشت و خاک عنبر بوست

ترجمہ۔ اللہ تو اپکڑ اور غلام کا خون بہا کیونکہ میرا خون حشر کے روز تیرا دامن نہ پکڑیگا۔

ظاہر ہے کہ خون کا قصاص یا تو خون ہوا کرتا ہے یا اُس کا بدل اور اگر معاف کر دیا جائے تو یہ نہایت ہی احسن ہے کیونکہ یہ اپنے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ قبلہ صاحب میں شوقِ شہادت اس قدر ترقی پذیر ہے کہ قاتل کو خون معاف کر کے کہتے ہیں کہ میرا خون حشر کے دن بغیر دامنگیر نہ ہوگا ذرا انوار تو اٹھا۔

اگر ہمیں غزا داری بیا و قتل تحقی کن	ہکار این چنین نیکو قاتل ببیتی ازین تا کے

الترجمہ۔ اگر میں نماز نہیں پڑھتا تو یہ میرا گناہ ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا مٹ نہیں سکتا۔

کیا اعلیٰ اصول بیان فرمایا ہے اور حقیقتاً موتی پروئے ہیں کہ مصرعِ اولیٰ میں قدری خیالات اور مصرعۂ ثانی میں جبری خیالات کا اظہار کر کے اپنے مذہب کو بین الامرین ثابت کر گئے ہیں اور اہلِ سنت الجماعت کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی .... ارادے میں تو مجبور ہے لیکن فعل میں مختار۔ فرماتے ہیں کہ اگر میں تارکِ صلوٰۃ ہوں تو یہ میرا ذاتی گناہ ہے کیونکہ انسان پر فرض ہے کہ سعی اور کوشش کرے اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى یعنی انسان کے لئے اور کچھ نہیں مگر کوشش۔ مصرعۂ ثانی میں جبریہ خیالات کی تائید کر کے پھر بھی سعی عمل کی ترغیب دلاتے ہیں کہ یہ تو مسلم ہے کہ نوشتۂ تقدیر کسی صورت مٹ نہیں سکتا مگر کوشش کرنا تو انسان پر فرض ہے خواجہ حافظ بھی سعی عمل اور کوشش کے معترف ہیں لکھتے ہیں۔

آنچہ سعی است من اندر طلبت بنمودم	این قدر ہست کہ تغییر قضا نتوان کرد

چونکہ شعر زیرِ تشریح میں قبلہ صاحب نے مسئلہ جبر و قدر کی بحث چھیڑی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان ہر دو فریقین کے عقائد اختصار کے ساتھ لکھ دئے جائیں تاکہ ناظرین کما حقہٗ آگاہ ہو جائیں۔

جبریہ کہتے ہیں کہ عالمِ اسباب میں انسان سے جو کام سرزد ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کو ان پر پورا پورا اختیار اور قدرت ہے اور ..... انسان بالکل مجبور ہے اور اُس کی تمام حرکات و سکنات، اعمال و افعال اور جبر و قہرِ خدا کی تابع ہیں انسان بوجہ ضعیف الخلقت ہونے کے اپنے افعال اور کردار پر اختیار و قدرت نہیں رکھتا بلکہ جو کام یا جو حرکت اُس سے ظہور میں آتی ہے بہ سبب ارادتِ الٰہیہ اور قدرتِ جباریہ کا خاصہ ہے جبر کی نسبت فرمانِ قدسی لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ و دیگر ویسی کئی آیات جبری اپنی دلائل میں پیش کرتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کتنا ہی محتاج ہو یہاں تک کہ اُس کے پاس کوئی چیز کھانے تک کو میسر نہ ہو اس کو کوئی چیز دینے

کی ضرورت نہیں کیونکہ جو کچھ اس کی تقدیر میں لکھا ہے وہ بغیر کسی توسط کے اسے ملیگا بلکہ یہاں تک فیصلہ کر دیا ہے کہ جب ہر فعل اور عمل خدا کی قدرت اور ارادت سے سرزد ہوتا ہے تو انسان سعی خود اس میں کر نہیں ہو سکتا کیونکہ فعل کی قدرت اور ارادت اس کی دسترس سے باہر ہے۔

قدریہ۔ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال اور اعمال میں مختار ہے اور کسی کام میں وہ حق تعالیٰ کی مدد کا محتاج نہیں کیونکہ تمام افعال اس کے اپنے پیدا کردہ ہیں جن پر اس کو پورا پورا اختیار اور قدرت ہے اور کوئی چیز اس کے فعل اور ارادے میں مخل نہیں جس سے اس کی مجبوری کا ثبوت ملے

کشف المحجوب میں خواجہ علی ہجویریؒ لکھتے ہیں کہ جس زمانے میں قدریوں نے غلبہ پکڑا تو حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اے پیغمبر کے بیٹے اس معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے جبکہ ہم کو قدر میں حیرت ہو۔ اور استطاعت میں اختلاف کریں آپ ہم کو اپنا طریقہ تعلیم فرمایئے کہ آپ کا اس میں کیا مسلک ہے کیونکہ آپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت ہیں اور آپ کا علم ہرگز منقطع نہیں ہو سکتا اس خط کے جواب میں حضرت امام حسن علیہ السلام نے لکھا کہ تم نے جو اپنی حیرت اور امت مسلمہ کی حیرت قدر کی نسبت لکھی ہے اس میں میری مستقیم رائے یہ ہے کہ جو شخص خدا کے ہر خیر و شر پر قادر ہونے کا ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے اور جو شخص ان امور میں گناہ کرتا ہے یعنی مذہب تقدیر کا انکار کرتا ہے وہ فاجر ہے اور جو اپنے گناہوں کو خدا تعالیٰ کے حوالے کرتا ہے وہ مذہب جبریہ کا ہے لیکن بندہ اپنی طاقت کے موافق جس قدر خدائے عزوجل نے اس کو دی ہے اپنے اعمال اور افعال میں مختار ہے اور ہمارا مذہب جبر و قدر کے درمیان ہے

نتیجہ یہ نکلا کہ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی۔ ارادے میں تو مجبور ہے لیکن فعل میں مختار۔ اَلْاِنْسَانُ مُخْتَارٌ فِیْ فِعْلِہٖ وَمَجْبُوْرٌ فِیْ اِخْتِیَارِہٖ کیونکہ اِرَادَۃُ اللّٰہِ غَالِبًا عَلٰی اِرَادَۃِ النَّاسِ۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ نہ جبر ہے نہ قدر بلکہ بین بین ہے خواجہ حافظ بھی دیگر شعرا کی طرح جبری خیالات کو گنگنانا ضرور لکھتے ہیں۔

گناہ اگرچہ نہ بود اختیار ما حافظ	تو در طریق ادب کوش و گو گناہ من است

قلندر صاحب کی قطعی رائے بھی بین الامرین ہے کہ گو نوشتۂ تقدیر بدل نہیں سکتا لیکن کوشش کرنا تو فرض ہے قلندر صاحب کے اس شعر میں بھی سعی عمل اور کوشش کی تعلیم پائی جاتی ہے فرماتے ہیں۔

چہ مشکلے است ترا پاس راہ ہشا مکن	کہ زیر چرخ گجدر ہزار سر دانند

ڈپٹی نذیر احمد اس مسئلہ کی باہمی کشمکش سے تنگ آ کر یوں لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

یہ بھی تھی اک طرح کی بے صبری — ورنہ میں ہوں حقیقتاً جبری
دے کے بے اختیار تھوڑا سا — کیا ہی اُلٹا دیا ہے روڑا سا
جبکہ دل ہی نہیں ہے قابو کا — لگے اس اختیار کو لوکا۔۔

۱۲ ترجمہ۔ اے شرف تو عالمِ ناسوت سے کیوں گریز نہیں کرتا عجب کہ تیری طینت کو لاہوت سے خمیر کیا گیا ہے۔

عالم ناسوت ۔ عالمِ اجسام دنیا۔ کبھی مجازاً بمعنی شریعت و عبادتِ ظاہری استعمال ہوتا ہے **طینت** ۔ بالکسر گل و سرشت ۔ **لاہوت** ۔ عالمِ ذاتِ الٰہی جس مقام میں سالک کو فنا فی اللہ کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے مرتبہ صفات کو جبروت اور مرتبہ اسما کو ملکوت کہتے ہیں ۔ بعض لاہوت کو لاہُو یعنی اِلّا ہُو کہتے ہیں پس لاہُو نفی ہے غیر اللہ کی۔

ناصحانہ انداز ہے کہ عجب تیری مٹی کا خمیر نور وحدت سے کیا گیا ہے اور عالمِ ناسوت تیری اصلی نہیں تو پھر تو دنیا میں کیوں مبتلا ہے اور اس سے بھاگتا نہیں واقعی انسان کی اصل عالمِ قدس ہے اور دنیا اُس کا دائمی مقام نہیں پھر اگر وہ اس میں مبتلا ہے تو نہایت افسوس ہے ۔ ناسوت ، ملکوت ، جبروت ، لاہوت اور ہاہوت کی تھوڑی سی حقیقت اختصار کے ساتھ مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ دہلوی سلمہ کے رسالہ تسکینِ احساس سے نقل کی جاتی ہے کیونکہ یہ الفاظ صوفیوں کی اصطلاح اور کتابوں میں اکثر استعمال ہوتے ہیں۔

ناسوت ۔ ہمارے اس موجودہ محسوس نظر آنے والے عالم کا نام ہے اور اس عالمِ ظاہر کی زبان اور اصطلاح میں جو کچھ کہا جائے اُس کو ناسوت کی زبان کہنا چاہیئے۔

ملکوت ۔ ناسوت کا باطن ہے یعنی عالمِ ظاہر کے بطون کو ملکوت کہتے ہیں جو عالمِ ناسوت کے قریب اور متصل ہے ناسوت کے عالم سے جب عروج ہوتا ہے تو پہلے ملکوت کا منظر سامنے آتا ہے ذکر و فکر کے ذرائع جو ناسوت میں استعمال کئے جائیں پہلے ملکوت میں پہنچاتے ہیں اور انسان اپنی حمد و ذکر کا بطون مشاہدہ کرتا ہے۔

جبروت ۔ یہ ملکوت کا باطن ہے گویا یہ ناسوت کا تیسرا درجہ ہے یہاں اپنے وجود کی پوری پوری شناسائی ہو جاتی ہے اور ناسوت و ملکوت کے درمیانی عرفان کی باتیں دکھائی دینے لگتے ہیں۔

لاہوت ۔ پھر جبروت کا باطن نمودار ہوتا ہے اس کا نام لاہوت ہوتا ہے یہاں الوہیت

اور تعین کا صرف حسن باقی رہتا ہے ورنہ ذاتِ الوہیت کے سوا کچھ نہیں باقی رہتا۔

ہاہوت۔ لاہوت کا بطون ہاہوت ہے یہ وہ درجہ ہے جہاں نہ اپنی خبر رہتی ہے نہ خبر کا حس نہ ہمہ کا نشان نظر آتا ہے اور نہ اوست کی ضرورت رہتی ہے اس کی حقیقت جاننے کے لیے نہ کوئی لفظ کام آتا ہے نہ فہم کام دیتا ہے گویا یہ مقام علم و عقل سے وراء الورا ہے یعنی ہو کا مقام ہے

غزل ۷۴

گر جدا زی کردے از شفقت ای سلطان سپہر ۱ بودمے رندی و قلاشی ز وصلت دور تر

حجتِ شفقت قیاسِ عقل را بےہودہ خواند ۲ چوں بدر بیضا نماید مے نہ بر تابد شرر

چوں جمالِ تو صدائے لن ترانی مے زند ۳ نیست اندر وادیٔ ارنی مرا راہ گذر

تو ہمی گوئی الست و من ہمی گویم بلیٰ ۴ بر خطِ فرمانِ تو بنہادہ ام زیں گونہ سر

عشقِ تو آوازۂ انیّ انا اللہ مے زند ۵ جانِ من انیّ انا المعبود مے گوید مگر

گر زیم از وصلِ تو پس فارغم از ہر غمے ۶ ور بمیرم در غمت پس ایمنم از ہر خطر

جاں بروید دل ببارد دل بہ بوئے جاں دہد ۷ رو و موے تو بود از جان و دل محبوب تر

تا کنم حسنِ ترا محفوظ از چشمِ بداں ۸ عقلِ من آمد سپند و عشقِ تو آمد شرر

عشق چوں شمعِ فروزاں عقل چوں پروانہ ۹ چوں رود پروانہ نزدِ شمع مے یابد ضرر

ہستئ ما مے شود چوں ذرہ رقصاں از طرب ۱۰ آفتابِ حسنِ تو چوں مے نماید جلوہ گر

از جمالِ مہرِ تو گردد عزازیل آدمے ۱۱ وز جلالِ قہرِ تو آدم عزازیلے دگر

ہستیم موہوم باشد چوں نیائی در ظہور ۱۲ ذرہ بر خورشیدِ تاباں شد گواہے معتبر

بر زبانِ تیغِ آں دلدار مے نازیم کاں ۱۳ قصۂ عمرِ درازِ ما نماید مختصر

موسیٰ از یک تجلیِ طور از خویشتن رفت و من ۱۴ روز و شب بینم ہماں آتش میانِ ہر شجر

در خرافاتِ قلندر ہم بود اسرارِ حق ۱۵ موجِ عمّاں با خس و خاشاک می آرد گہر

اندر آں ہا ماندہ پیرانِ زماں وا ماندہ تر ۱۶ آں مقاماتے کہ در طفلی نمودم پے بپے

خرمنِ جان و دلِ تا زود خاکستر شود ۱۷ مے تپد برقِ تجلی اے جواناں الحذر

تاج بر سر مے نہد از خاکِ پایت ہر گدا ۱۸ تاج از سر مے نہد در کوئے تو ہر تاجور

کے روم بر رہگذارت گر شناسم کو بکو ۱۹ کے شوم بر آستانت گر بگردم در بدر

صد خیالِ خامِ دنیا وارے بندد بدل ۲۰ چوں بفانوسِ خیالی مے کند گردش صور

آں کہ ماند در خودی ہرگز نباشد با خدا ۲۱ آں کہ دریابد خدا را از خودی شد بیخبر

نے خوشی او را بجنباند نہ رنجاند غمے ۲۲ ہر کہ بشناسد کہ آید از قضا ایں خیر و شر

صلحِ کل مے باش و فارغ از غمِ دنیا نشیں ۲۳ بے خطر گردد بعالم گر شود بے شر بشر

از تمنا دست شو تا کامِ دل حاصل کنی ۲۴ چیست جز حرمان و غم نخلِ تمنا را ثمر

ہیچ مے دانی کہ باشد حرصِ دنیا را چہ رنگ ۲۵ آں کہ مے باشد بعینہٖ ورا نماید بے بصر

چوں جنونِ عشق قسمت آمد عقلِ ما را در ربود ۲۶ گرچہ مے بودیم مایاں مردِ میدانِ ہنر

آفتابِ وحدتش در جلوہ باز آید مگر ۲۷ منتشر شد ظلمتِ کثرت بعالم سر بسر

جلوۂ خونریزِ تو خواہد کہ بار دابرِ تیغ ۲۸ غرق در دریاے خوں ما را نماید تا کمر

قہرِ تو مے جویم و از قہرِ تو در لرزہ ام ۲۹ نے مرا پرواے جنت نے مرا خوفِ دگر

۳۰	بو علی از عشقِ تو ہر دم بحالِ نو بود گاہ بستہ گاہ کشتہ گاہ زیر و گاہ زبر	۳۰

۱۔ترجمہ۔ اے معشوق اگر میں تیرے عشق سے خوف کرتا ڈر پرہیز کرتا تو زندا و قلاش ہوتا اور تیرے

وصل سے دور رہتا۔

حذر بفتحتین۔ پرہیز کرنا بفتح اوّل و کسرِ ثانی خائف و ترساں۔ رند بکسر لیکن امور شرعیہ سے

اس کا انکار دانائی کی وجہ سے ہو نہ کہ جہل سے۔ قلاش۔ بالفتح و تشدید بمعنی بے ننگ و نام مفلس۔ تنری کی لفظاً ہی

مطلب یہ کہ اگر میں تیرا عشق اختیار کرنے سے ڈرتا یا پرہیز کرتا تو ان لغمات سے جو عشق و محبت میں

حاصل ہوتی ہیں تہیدست اور مفلس ہو کر نا کارہ خلائق رہتا اور تیرے وصل و وصال کی لذت حاصل نہ ہوتی جو بد نصیبی

اور بد قسمتی کا بیّن ثبوت ہے

وصالِ محبوب کی لذت سے وہی لوگ بہرہ ور ہوتے ہیں جو آلامِ عشق سے حذر نہیں کرتے اور

مردانہ وار دریائے محبت میں کود پڑتے ہیں چونکہ قلندر صاحب کے شعر سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ عشق سے ڈرے

نہیں اس لئے وہ نعمائے عشق اور لذتِ وصال سے بہرہ ور بھی ہوئے

۲۔ترجمہ۔ تیرے عشق کی دلیل کے سامنے قیاسِ عقل بیہودہ ہے کیونکہ جب روشن ہاتھ دکھائی

دیتا ہے تو شرارہ تاب نہیں رکھتا۔

ید بیضا کی لغوی تحقیق کے لئے دیکھو شعر (۹) یہاں اعجازِ عشق کی طرف اشارہ ہے شرر بفتحتین

پلیارہ آتش آگ کا ٹکڑا یعنی عشق کے مقابلہ میں قیاسِ عقلی ایک بیہودہ اور لایعنی بات ہے کیونکہ جب ید بیضا

یعنی عشق ظاہر ہو تو شرارہ یعنی عقل کی کوئی وقعت نہیں ہوتی عشق کو بوجہ غالب ہونے کے ید بیضا اور عقل کو بوجہ

مغلوب ہونے کے شرر کہا گیا۔

عشق آں شعلہ است کہ چوں برفروخت	ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

سر العشق میں لکھا ہے "عشق آفتاب است و عقل ذرہ اگرچہ ذرہ بتابِ آفتاب در ظہور مے آید

اما او را از کجا یارائے آں بود کہ بخود در پرتو آں نور آید" ید بیضا اور شرر کی معنوی لطافت اور نسبت قابلِ دید ہے

۳۔ترجمہ۔ جب تیرا جمال لن ترانی کی صدا کرتا ہے تو وادیٔ ارنی میں ہر گز نہیں ہو سکتا۔

لَنْ تَرَانِیْ۔ تو مجھے ہر گز نہ دیکھ سکے گا مجازاً بمعنی خود نمائی سا رَنِیْ۔ بفتح اوّل قرآنی آیت کا

حصہ ہے قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ یعنی اے پروردگار تو مجھے اپنا دیدار دکھا تاکہ میں تجھے دیکھوں۔

مطلب یہ کہ جب بارگاہِ محبوب سے پہلے ہی لن ترانی کی صدا آ رہی ہے تو میں وادیٔ ارنی میں کیوں

قدم رکھوں۔ کمالِ اخلاق اور دور اندیشی کا ثبوت ہے قلندر صاحب اپنے دیوان میں ایک دوسری جگہ بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں

ہر کہ ارانی بگوید بشنود   لن ترانی چہرۂ زیبائے ما

صاحبِ گلشنِ راز فرماتے ہیں۔

ترا تا کوہِ ہستی پیش باقی است   جوابِ لفظِ ارنی لن ترانی است

۴۔ ترجمہ۔ تو نے الست کہا اور میں نے بلیٰ۔ دیکھ میں نے تیرے فرمان کے خط پر اسی طرح سر رکھا ہوا ہے۔

مطلب صاف ہے کہ میں روزِ ازل سے تیری طاعت و عبادت پر کمربستہ ہوں اور ابد تک ایسا ہی رہوں گا

گفتی تو الست و زدم آوازِ بلیٰ من   بنگر کہ مرا با تو ز میثاق نیاز است

گویا میں ازل سے تیرا خواستمند ہوں اور ابد تک ایسا ہی رہوں گا

الست از ازل ہمچنانش بگوش (سعدی)   بفریاد قالوا بلیٰ در خروش

کسی شاعر نے اسی عہدِ میثاق کا الفاظِ بلیٰ میں مشکل خیال کر کے ایک نکتہ پیدا کیا ہے کہتا ہے۔

میں کہہ کے ہائے بلیٰ پھنس گیا بلا میں مدام   بلا وہ میرے لئے تھی میں اُس بلا کے لئے

نیز دیکھو شعر ۱/۲، ۵/۴۔

۵۔ ترجمہ۔ تیرا عشق شور کرتا ہے کہ تحقیق میں اللہ ہوں قسم ہے مجھے جان کی کہ کہتا ہی تحقیق میں معبود ہوں

انی۔ تحقیق۔ جانِ من۔ سوگندِ جانِ من۔ یعنی مجھے اپنی جان کی قسم۔

یعنی تیرا عشق کہتا ہے اور بصد شور کہتا ہے کہ میں حق ہوں اور لائقِ پرستش۔ مصرعِ ثانی جملۂ قسمیہ ہے جس میں قلندر صاحب حلفاً اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ تیرا عشق جو کچھ کہتا ہے وہ صحیح ہے مراد یہ کہ عشق حق ہے اگر نہ ہوتا تو عاشق کو دارِ حق تک لاتا۔ کس طرح سے پہنچتا رندانہ خیالات میں عشق کی بااحسن الوجوہ توصیف کی گئی ہے مزید وضاحت کے لئے دیکھو شعر ۱/۵۶، ۸۶/۲

۶۔ ترجمہ۔ اگر میں تیرے وصل سے زندہ ہو جاؤں تو ہر غم سے فارغ ہو جاؤں اور اگر تیرے غم میں مر جاؤں تو ہر خطرہ سے بے خوف ہو جاؤں۔

زیم۔ مضارع از زیستن بمعنی جینا۔ ایمن۔ بے خوف۔ نڈر۔ بے باک۔

یعنی اگر مجھے تیرے وصل سے زندگی جاوید حاصل ہو جائے تو میں ہر قسم کے غم و آلام اور مصائب

ذوائب سے فارغ ہو جاؤں وصالِ محبوب سے حیاتِ ابدی کا حاصل ہونا ضروری اور لابدی ہے۔

مردہ ہرگز نبود آں بمیرد در عشق ‌ ‌ ‌ ‌ کشتۂ نازِ ترا زندۂ دائم شمریم

"وصل عبارتست از نسیانِ خود بشہود وجودِ حق تعالیٰ" پس ایسے شخص کو جو ہر وقت محوِ نظارۂ جمال اور فانی و باقی ہوتا رہے دنیا کے غم و آلام اور اس کے روح فرسا تعلقات سے اصلاً سروکار نہیں ہوتا اور اگر غمِ عشق میں مر جائے تو زہے نصیب ؎ چوں دلِ نگین عشق آمد ز غمہا جملہ بے غم شد

۷۔ ترجمہ۔ جان تیرے چہرے پر دل دیتی ہے اور دل تیری زلف پر جان دیتا ہے تیرا چہرہ اور زلف مجھے جان اور دل سے زیادہ عزیز ہے۔

یعنی میری جان تیرے رخسارِ پر انوار پر دل نثار کرتی ہے اور دل تیری زلفِ گرہ گیر پر جان قربان کرتا ہے کیوں کہ تیرا چہرہ اور زلف یعنی جان اور دل سے زیادہ محبوب ہیں مراد یہ کہ میں بذاتِ خود کچھ نہیں جو کچھ مجھ میں ہے وہ تیرے چہرے اور زلف کی بدولت ہے۔

ایں من نہ منم اگر منی ہست توئی ‌ ‌ ‌ ‌ ور در بر من پیراہنے ہست توئی
در راہِ غمت نہ تن بجاں ماند نہ جاں ‌ ‌ ‌ ‌ از آں کہ مرا جان و تنے ہست توئی

۸۔ ترجمہ۔ تاکہ تیرے حسن کو غیروں کی نظروں سے محفوظ رکھوں میری عقل سپندی اور تیرا عشق شرر۔ سپند۔ ایک بیج کا نام ہے جس کو دفعِ نظرِ بد کے لئے آگ پر جلانے میں حرمل مشہور ہے۔

قاعدہ ہے کہ عاشق اپنے معشوق کو اغیار کے ملاحظہ سے ہمیشہ محفوظ رکھنا چاہتا ہے تاکہ کسی حاسد کی نظرِ بد اثر نہ کرے قلندر صاحب نے دفعِ نظرِ بد کے لئے یہی نسخہ تجویز کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے تیرے حسن و جمال کو اغیار کی نظروں سے محفوظ رکھنے کے لئے عقل کو سپند بنا کر آتشِ عشق میں جلایا تاکہ کسی کی نظرِ بد کا اثر محسوس نہ ہو مراد یہ کہ میں نے فرزانگی کے مقابلہ میں دیوانگی اختیار کی تاکہ کسی کی نگاہ میرے حال کے جمال پر نہ پڑے۔

ظاہر ہے کہ جب عقل جواب دے چکی ہو تو ایسی رسومات بد کا احساس نہیں رہتا دیوانہ آدمی فطرتاً مجبور ہوتا ہے قلندر صاحب کی یہ تجویز نہایت ہی احسن ہے اس شعر میں عشق و عقل کا مقابلہ بھی پایا جاتا ہے چونکہ عقل منزلِ عشق میں سالک کی راہنمائی نہیں کر سکتی اس لئے قلندر صاحب نے اسے یکسر جلا دیا۔

عشق آمد و عقل ہمچو باد سے ‌ ‌ ‌ ‌ رفت از من ہزار فرسنگ

عشق و عقل کے لئے دیکھو شعر ۱۳/۲۴، ۲/۱۰، ۴/۲۴، ۵/۴، ۶/۴، ۱/۱۰، ۳/۱۲، ۶/۱۲، ۲/۲

۹ ترجمہ عشق روشن شمع کی طرح ہے اور عقل پروانہ کی طرح جب پروانہ شمع کے نزدیک جاتا ہے تو ضرور نقصان اٹھاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر پروانہ شمع کے نزدیک جائے تو جوش محبت میں ضرور جلے گا یہی حال عقل کا ہے جس مقام پر عشق کا تسلط ہو جائے وہاں عقل کو پروانہ کی مثال سمجھنا چاہیئے شیخ سعدی یوں فرماتے ہیں۔

کہ یک پنجہ آہنی راست کرد	کہ با شیر زور آوری خواست کرد
چو شیرش بسر پنجہ در خود کشید	دگر زور در پنجہ خود ندید
یکے گفتش آخر چہ خسپی چو زن	بسر پنجہ آہنینش بزن
شنیدم کہ مسکین در آں زیر گفت	نشاید بدیں پنجہ با شیر گفت
چوں بر عقل دانا شود عشق چیر	ہماں پنجہ آہنی است و شیر
تو در پنجہ شیر مرد اوز نے	چہ سود ست کند پنجہ آہنے
چوں عشق آمد از عقل دیگر مگوے	کہ در دست چوگاں اسیر است گوے

۱۰ ترجمہ۔ میری ہستی خوشی میں ذرہ کی طرح رقص کرتی ہے جب تیرے حسن کا آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے۔

ذرہ چونکہ لطیف الجسم ہوتا ہے اس لئے ہوا کی ذرا سی جنبش سے اڑنے لگتا ہے فرماتے ہیں کہ جب تیرا آفتاب حسن جلوہ نما ہوتا ہے تو میری ہستی ناچیز ذرہ کی طرح طرب و سرور میں رقص کرتی ہے حالت بسط میں سالک کے دل پر تجلیات کا نزول اکثر ہوتا رہتا ہے اور تجلیات کے نزول کے موقع پر سالک کا از خود رفتہ ہونا بھی خلاف قیاس نہیں طلوع آفتاب کے وقت ناچیز ذرہ پر بھی یہی کیفیت طاری ہوتی ہے اور وہ لرزہ براندام نظر آتا ہے کیونکہ آفتاب کی شعاعیں اس میں جھلکتی ہیں۔

۱۱ ترجمہ۔ تیرے لطف سے عزازیل آدمی ہو جائے اور تیرے قہر سے آدمی عزازیل ہو جائے۔

یعنی اگر تیرا لطف چارہ ساز ہو تو گنہگار سے گنہگار اور خاطی انسان مورد الطاف ہو جائے اور اگر تیرا قہر نازل ہو تو صد سالہ عابد قعر ذلت میں گر جائے۔

۱۲ ترجمہ جب تک تو ظاہر نہیں ہوتا میری ہستی موہوم ہوتی ہے جیسے خورشید تاباں پر ذرہ عنبر گواہ ہے ذرہ کی چمک خورشید کی درخشندگی کی شاہد ہے فرماتے ہیں کہ یہی حال میری ہستی موہوم کا ہے یعنی جز

تیرے کوئی چیز قائم بالذات نہیں اور ایک وہم ہے ظاہر ہے کہ جب آفتاب غروب ہو جائے تو ذرہ بھی ناپید ہو جاتا ہے سر العشق میں قلندر صاحب فرماتے ہیں۔

"ذرہ در سایہ مفقود است بلکہ نابود است بتابِ آفتاب محسوس گردد پس ذرہ اگرچہ ہست نماید اما اضافتِ ہستی او بہ آفتاب است اے برادر از اشتعالِ آں ذرات مشتعل شدہ و آں نور عین نورِ آفتاب است و ایں سرِ در غروبِ آفتاب بتواں دانست و سرِ ہستی و نیستی عاشق در عشق بدیں معنی بتواں دید"

از جامِ شرابِ عشق سستیم ہنوز	چو ذرہ ز آفتاب سستیم ہنوز	
چوں ذرہ نابود مفقود شدہ	در عشق تو خورشید پرستیم ہنوز	

۱۳ ترجمہ۔ ہم اس دلدار کی تیغ زباں پر ناز کرتے ہیں کہ اس سے ہماری عمرِ دراز کا قصہ مختصر معلوم ہوتا ہے زباں کو بوجہ بے پناہ ہونے کے تیغ کہا اور زبان سے امرِ الٰہی بھی مراد ہو سکتی ہے۔
ایسی صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ ہمیں محبوب کی تیغ زبان (امرِ الٰہی) پر ناز ہے کیونکہ ہمیں اپنی عمرِ دراز کا قصہ مختصر نظر آتا ہے یعنی ہماری زندگی اور موت کا انحصار امرِ الٰہی پر موقوف ہے تلوار کے روبرو زندگی کا ختم ہونا ظاہر ہے

۱۴ ترجمہ۔ موسیٰ طور کے ایک ہی تجلی کو دیکھ کر بیخود ہو گئے لیکن میں روز و شب ہر شجر میں وہی آگ دیکھتا ہوں
نخلِ طور۔ سے وہ درخت مراد ہے جس پر وادیٔ ایمن پر موسیٰ علیہ السلام نے تجلائے ربانی کا مشاہدہ کیا اور اس سے اِنّی اَنا اللہ کی آواز سنی جیسا کہ قرآن مجید سورہ قصص میں وارد ہے فَلَمَّا اَتٰهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ یہیں آپ کو منصبِ رسالت عطا ہوا قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں اسی آتش کو شب و روز ہر شجر میں افروختہ دیکھتا ہوں اس کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے صاحب گلشن راز فرماتے ہیں :-

درآ در کہ وادیٔ ایمن کہ ناگہ	درختے گویدت اِنّی انا اللہ	

وادیٔ ایمن سے تصفیۂ دل اور درخت سے انسانی حقیقت جو تجلائے ذات و صفاتِ ربانی کا آئینہ ہے مراد ہے یعنی روح کی روشنی اور دل کی صفائی سے انسانِ کامل کے وجود کی مبارک زمین میں جمعیت کے درخت سے جو اس کی حقیقت ہے ندا آتی ہے کہ اِنّی انا اللہ ! چونکہ عارفِ منتہی بلا مزاحمتِ وہم سب چیزوں میں واحدِ مطلق کی وحدت کو مشاہدہ کرتا ہے اس لئے ہر شجر میں آتشِ عشق کو افروختہ دیکھنا عجب نہیں

سِرِّ العشق میں قلندر صاحب نخل طور سے روح مراد لے کر فرماتے ہیں کہ :-

"اگر آں شجرۂ روح او نبودے و ثمرۂ آں شجرہ عشق نبودے خطاب انی اللہ کے

درست آمدے زیرا کہ در عشق روا بود کہ در غلبۂ حال از عشق جاناں مر عاشق را بجز او خواند و ایں نداہم

از و بدو رساند کہ انی انا اللہ"

اس لئے فرمایا کہ میں روز و شب مظاہر کائنات میں اسی نورِ مطلق کا جلوہ دیکھتا ہوں مولانا شہیدی اسی مضمون کو بیانی کرتے ہیں

دیکھ کر ایک جبل پر جیسے حیراں تھا کلیم	شام کے وقت وہی نور ہے سر کو ٹھے پر

۱۵ :- ترجمہ قلندر کے بیہودہ کلام میں بھی اسرارِ حق پوشیدہ ہیں جس طرح موجِ عماں خس و خاشاک کے ساتھ

موتی بہا کے لاتی ہے ۔

خُرافات بضمِ اول سخنانِ بیہودہ و پریشان ۔ خرافہ کی جمع ہے دراصل خرافہ ایک عربی آدمی کا نام

ہے جس پر پریاں عاشق تھیں اور وہ اس عالم کے حکایات بیان کرتا تھا جس کو لوگ متعجب ہو کر باور نہ کرتے تھے

لہٰذہ ہر اس بات کو جو قابلِ اعتماد نہ ہو خرافہ یا خرافات کہتے ہیں ۔ (سروری)

عُمّان بضمِ عین بحرِ اعظم کے کنارے پر ایک شہر کا نام ہے اسی نسبت سے دریائے اعظم کو بھی عمّان کہتے ہیں

مطلب یہ کہ ہماری ان معمولی باتوں میں جن کو لوگ خرافات کہتے ہیں موجِ عُمّان کی طرح اسرار و معارف

کے گنجینے مخفی ہوتے ہیں ۔

سحنِ سر دیم و لیکن حقیقت داردا(قلندری) در عبارت بہ اشارات نہاں می آید	

سمندر میں ہر چوبیس گھنٹے کے بعد پانی کے صعود و ہبوط کا نام جوار بھاٹا ہے جب سمندر کا پانی اوپر

چڑھتا ہے تو اپنے ساتھ کئی قسم کے معدنیات بہا کر لے آتا ہے اور انہیں سمندر کے کنارے پر چھوڑ دیتا

ہے یہی مراد قلندر صاحب کی ہے کہ میری معمولی باتوں میں بھی گنجینہ راز ہے ۔

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر (قلندر) تو چہ دانی کہ دریں خاک سوارے باشد	

۱۶ :- ترجمہ :- وہ مقامات کہ میں نے طفلی میں طے کئے پیران زمان ابھی تک ان میں رکے ہوئے ہیں ۔

مراد یہ کہ مشائخین زمانہ ہنوز انہیں مقامات میں الجھے ہوئے ہیں جو میں نے مدت ہوئی کہ طے کر لئے

مراتبِ قلندری کی جاہ و منزلت ثابت کرنا مقصود ہے کہ جن مقامات کو میں ایک زمانہ گذرا کہ طے کر گیا ہوں اب تک

زمانہ ابھی تک ان میں درماندہ اور حیران ہیں ۔

۷ ترجمہ۔ اے نوجوانو! حذر کرو۔ ورنہ جان و دل کے خرمن بہت جلدی خاکستر ہو جائیں گے کیونکہ برقِ تجلّی تپ رہی ہے۔

ناصحانہ انداز ہے لیکن خوف و تحذیر کا پہلو لئے ہوئے کہ حذر کرو ورنہ تجلّائے وحدت سے تمہارے دل و جان خاکستر ہو جائیں گے مراد یہ کہ دیدارِ بے حجاب کی خواہش نہ کرو وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَ اللّٰہُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ

کلیم شکر کرو حشر تک نہ ہوش آتا	ہوئی ہے خیر کہ وہ شوخ بے حجاب نہ تھا

۸ ترجمہ۔ تیری خاک راہ سے ہر گدا سر پر تاج رکھتا ہے اور تیری گلی میں ہر تاجور سر سے تاج اتارتا ہے

یعنی ادھر تو تیری خاک راہ کا تاج ہر گدا کے زیب سر ہے اور ادھر تاجوران زماں تیری گلی میں تاج سر سے اتارتے نظر آتے ہیں مراد یہ کہ تیرے چاہنے والے خلعت تجرید و انقا سے آراستہ و پیراستہ ہو کر سرِ رہگذار بیٹھے ہیں مراد یہ کہ خاکِ راہ ان کے لئے شاہانہ مسند ہے اور تجرد و انقا ان کا تاج ہے مگر تیرے کوچہ میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے تاجوران زمانے تاج و تخت کو چھوڑ کر تیری محبت اختیار کی اور اپنی بے سر و سامانی اور تہیدستی کو شفقت کی ملک تصور کرتے رہے سر العشق میں لکھا ہے۔

"عشق در عرف بلاے است کہ عاشق و معشوق ہر دو از و پرحذر اند با ہر کہ پیوند د

ادراز مقام تاجداری بر خاکِ خواری انداز د"

حضرت ابراہیم بن ادہم بلخی کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ نے تاج و تخت کو چھوڑ کر عشق الٰہی اختیار کیا حتّٰی کہ بادشاہ وقت ہو کر اپنی دارالسلطنت میں کوچہ بکوچہ خانہ بخانہ دریوزہ گری کی اور اسی باعثِ عار خیال نہ کیا

۹ ترجمہ۔ اگر میں کوچہ بکوچہ اور در بدر پھرتا تو تیرے رہگذار اور آستان تک کب پہنچتا

مراد یہ کہ اگر میں ہرجائی ہوتا تو تیری رہگذار تک میری رسائی نہ ہوتی اور اگر میں کاسۂ گدایان زماں کی طرح دربدر مارا مارا پھرتا تو تیرے دروازے پر جبہ سائی کا موقعہ نہ ملتا یعنی جب میں تعلقاتِ کونین سے دست کش اور ابنائے زمانہ سے بے پرواہ ہو گیا تو انھی کے صلہ میں تیری رہگذار کی خاک بن کر تیرے آستان تک میری رسائی ہو گئی یعنی مقصود حاصل ہو گیا۔ استقلال اور عزم و ثبات کا ثبوت ہے

۱۰ ترجمہ۔ دنیا دار صد ہا خام خیال دل میں باندھتا ہے جس طرح خیال کی فانوس میں تصویریں گردش کرتی ہیں

فانوس۔ اصل میں اس کے معنی سخن چین کے ہیں اور شمع کو فانوس اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے روشنی باہر نکلتی ہے صُوَر۔ بالضم صُور تصویریں۔ صورت کی جمع ہے۔

طائرِ خیال کو فانوس کہا گیا ہے جس طرح مصوّر کے دماغ میں خیالات کا لامتناہی سلسلہ قائم ہو جاتا ہے یہی مثال اہلِ دنیا کی سمجھ لو کہ صدہا خیالاتِ خام دل میں آتے اور جاتے ہیں لیکن ان کا حاصل کچھ نہیں ہوتا محض خیالی نقش کی حیثیت ہوتی ہے شیخ چلّی کا خیالی پلاؤ مشہور ہے۔

۲۱ ترجمہ۔ جو خودی میں رہتا ہے خدا کو نہیں پاتا جس نے خدا کو پہچان لیا وہ خودی سے بیخبر ہے۔
یعنی بندۂ خودی اور قیدِ ہستی میں خدا نہیں ملتا۔ اس لئے اسے چھوڑ کر محبوب کا عرفان حاصل کرنا چاہیئے

اگر یاری از خویشتن دم مزن (سعدی) کہ شرک است با یار و با خویشتن

امیر مینائی خودی اور بیخودی کے معاملہ میں فرماتے ہیں۔

ہے بے خودی ایسی جس سے ہوتا ہے قرب حاصل غائب جو آپ سے ہو پائے حضور تیرا

اسی مضمون پر ہے۔

خودی میں آیا تو اس کو کھویا خودی کو کھویا تو اس کو پایا (محبوب) انہیں نگاہوں سے عمر بھر تک خدا کو نزدیک دور دیکھا

نیز دیکھو اشعار ۳/۵ ، ۷/۵ ، ۱۸/۱۰ ، ۴۲/۱ ، ۵۴/۷

۲۲ ترجمہ۔ وہ شخص نہ خوشی سے جھومتا ہے نہ غم سے رنجیدہ ہوتا ہو جانتا ہو کہ خیر و شر قضا سے آتی ہے
یہاں بھی جبر و قدر کا مغالطہ ہے کہ جو شخص خیر و شر کو تقدیرِ الٰہی اور اقتضائے ربانی سے وابستہ جانتا ہو اس پر خوشی اور غم کا کوئی اثر نہیں ہوتا یعنی نہ آئے کی خوشی نہ گئے کا غم بلکہ وہ دونوں کو اقتضائے الٰہی کے ماتحت تصور کرتا ہے اس لئے دونوں سے فارغ ہوتا ہے۔

گر گزندت زخلق مرنج کہ نہ راحت رسد زخلق نہ رنج
از خدا دان خلافِ دشمن و دوست کہ دلِ ہر دو در تصرفِ اوست
گرچہ تیر از کمان ہمی گذرد از کماں دار بیند اہلِ خرد

اسی مسئلہ جبر و قدر کے متعلق دیکھو شعر ۲۶/۱۔

۲۳ ترجمہ۔ صلح کل ہو اور دنیا کے غم سے فارغ کیونکہ اے اہلِ دل بے شر آدمی بے خطر ہوتا ہے۔
یعنی دنیا کے غم و آلام سے فارغ ہو کر صلح کل مسلک اختیار کر کیونکہ آزاد آدمی کو دنیا میں کوئی خطرہ نہیں ہوتا شیخ سعدی شیرازی بھی یہی تعلیم دیتے ہیں۔

سعدیا گر نیک نامی صلح کن با خاص و عام با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

اسی مضمون پر ہے۔

اگر دشمن نسازد باتو اے دوست	ترا باید کہ با دشمن بسازی

۲۴ ترجمہ۔ تمنا سے ہاتھ دھو تاکہ تو دل کی مراد حاصل کرے کیونکہ نخلِ تمنا کا ثمر بجز غم اور نا امیدی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

حرمان۔ محرومی۔ ناامیدی۔ بدنصیبی۔ افلاس۔ تنگی

ہر کام کی تہ میں ایک غرض پوشیدہ ہوتی ہے جس کے ماتحت وہ کام کیا جاتا ہے عبادت کی تہ میں جزا مستور ہے جس میں نجات کا راز مضمر ہے لیکن صوفیائے کرام کا اصول اور مسلک یہ ہے کہ عبادت بے غرض و بے لوث ہونی چاہیے جس عبادت میں جزا کی تمنا ہو وہ عبادت نہیں بلکہ مزدوری ہے جس سے کم از کم ہر پھر کر جنت نزیل جائیگی لیکن عشاق کا مقصود داس جنت اور حور و قصور سے وراء الوراء رہتا ہے یعنی مشاہدۂ ذات حق۔ پس جس عبادت میں غرض کا شائبہ ہو وہ شاہد مقصود سے ہمکنار نہیں کر سکتی اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ تو تمنا سے ہاتھ اٹھالے تاکہ تجھے اپنے دل کی مراد حاصل ہو دوسرے مصرع میں ایک عام فہم مثال سے طالب کو سمجھاتے ہیں کہ نخل تمنا کا پھل اکثر حرمان اور نا امیدی ہوتا ہے۔

بابدت دست ز اسباب جہاں بر داری	شجرۂ حرص و املِ ثمرۂ حرماں گرد

ظاہر ہے کہ تمنائیں اکثر ناکام رہتی ہیں جن کا حاصل سوائے یاس اور کچھ نہیں علامہ اقبال کہتے ہیں۔

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے	او بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

اسی مضمون پر ہے۔

اے طالب دنیا تو بسے مزدوری	وے مائل عقبیٰ تو بکے مزدوری
وے آں کہ ز میل ہر دو عالم دوری	تو طالب نور بلکہ عین نوری ۴۲

خواجہ عماد الدین کاشانیؒ اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں "ہر کہ مطمع شود او را چیزے بدست نیاید زیرا کہ لفظ طمع ہمہ خالی افتادہ است عزت از قناعت است و خواری از طمع لفظ مراد ہم خالی است، اما نا مرادی نقطہ دارد اگر با نامرادی بسازند بمراد برسند" قلندر صاحب اپنی عارفانہ اصطلاح میں اس حقیقت کی وضاحت خود شرح العشق میں کرتے ہیں۔

"کہ تا عاشق را از معشوق طمع وصال بود ہر چند زیر تر و سے ذلیل تر بود ذل من

الطمع سرّ این سخن است چنانکہ زلیخا با طمعِ وصالِ حضرت یوسف علیہ السلام سے داشت بسر روز از وصال دور تر بود و از فراق رنجور تر چوں طمع از خود بینداخت و با محبت بساخت جمالِ جوانی باز یافت و با کمالِ کامرانی بسوئے محبوب شتافت"

۲۵۔ ترجمہ۔ کچھ جانتا ہے کہ دنیا کی حرص کا کیا رنگ ہوتا ہے جو بینا ہوتا ہے اسے بے بصر کر دیتی ہے

یعنی دنیائے دوں کی حرص اور محبت دانا کو نادان اور بینا کو بے بصر کر دیتی ہے مراد کہ اس کے دلکش رنگ اور آرائش و زیبائش کو دیکھ کر انسان دل دے بیٹھتا ہے اور متاعِ ایمان کھو دیتا ہے دنیا کی زیب و زینت اور آرائش کے متعلق سورۂ کہف میں خود اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

ہم نے جو کچھ زمین پر پیدا کیا اس کی آرائش کے لئے کیا تاکہ انسان کی آزمائش کریں کہ کون اعمال میں نیک ہے

چنانچہ جو اہلِ بصیرت ہیں وہ اس کے دلکش اور دلفریب رنگ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ سراسر دھوکہ کی ٹٹی ہے

جہاں از رنگ و بو ساز د اسیرت – ولے نزدیک اربابِ بصیرت
نہ رنگِ دلکشش را اعتبار نیست – نہ بوئے دلفریبش را مدار نیست

سلطان ابو سعید دنیا کو کہنہ سرائے تصور کر کے اس کی ناپائداری پر لکھتے ہیں

سرائیست جہاں کہ بر دلش با خلق است – برا دیمی او زلفش کم سا خلق است
دنیا بمثالِ کہنہ سرائیست – بر داشتنش برائے اندا خلق است

۲۶۔ ترجمہ۔ ترا عشق آیا اور ہماری عقل کو لے گیا اگرچہ ہم میدانِ ہنر کے مرد تھے۔

یہاں بھی عشق و عقل کا مقابلہ ہے کہ اگرچہ ہم علم و عقل اور میدانِ ہنر میں شہرۂ آفاق اور لاثانی تھے لیکن جب تیرے عشق کا ظہور ہوا تو ہمارے علم و عقل کو پانی کی طرح بہا لے گیا اور میدانِ ہنر کی مردانگی مفقود ہو گئی مراد یہ کہ عشق سب پر غالب آ گیا۔

عشق چوں آمد ہنر پوشیدہ شد – صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

اسی مضمون پر ہے۔

عشق آمد و عقل ہمچو باد ے – رفت از من ہزار فرسنگ

عشق و عقل کے لئے دیکھو شعر ۱۶/۱۲ ، ۶۶/۹۶ ، ۱/۱۰ ، ۶۲/۱۲

۲۷۔ ترجمہ۔ شاید اس کی وحدت کا آفتاب پھر جلوہ نما ہو کیونکہ جہاں میں کثرت کی ظلمت سر بسر منتشر ہو رہی ہے

منتشر۔ پراگندہ۔ پریشان بکھرنے والا۔ پھیلنے والا۔

جہاں کو فتنہ و فساد اور آشوب و پراگندگی سے لبریز دیکھ کر آفتابِ ہدایت کی طلب میں فرماتے ہیں کہ شاید پھر دریائے رحمت جوش میں آئے کیونکہ اس دورِ پرآشوب میں فسق و فجور اور معاصی کی ظلمت پھیل رہی ہے توقع ہے کہ آفتابِ ہدایت جلوہ ریز ہو تاکہ موجودہ آشوب نورِ ہدایت سے مبدل ہو جائے قلندر صاحب اپنی مثنوی میں اس دورِ پرآشوب کے متعلق لکھتے ہیں۔

قحط افتاد است در ملکِ سخار   خشک گشتہ مزرعۂ مہر و وفا

ہیچ کس برخاست از صاحبدلاں   دارم از دستِ زمانہ صد فغاں

ایں نشانہائے قیامت شد پدید   تاقیامت در جہاں گردد پدید

برکت از کشت و زراعت گشت کم   قامتِ جود و سخاوت گشت خم

رحم از دلہائے مردم شد نہاں   سختی پیدا شدہ در مردماں

مہر کم شد از دلِ فرزند و زن   فتنہ برپا گشت از وہر کہن

چوں چناں برخاست عالم گشت تنگ   دختراں با مادراں دارند جنگ

قلندر صاحب کے یہ اشعار زمانۂ حال کے عین مطابق ہیں۔

۲۸۔ ترجمہ۔ تیرا خون ریز جلوہ چاہتا ہے کہ تیغ سے مینہ برسائے اور مجھے خون میں کمر تک غرق کر دے

کمر۔ بالفتح بزرگی سے کسی پر غلبہ پانا میان اور میان بند جس کو ہندی میں پٹکا کہتے ہیں صاحب سراج اور خیابان کی رائے ہے کہ کمر کو پٹکہ کہنا غلطی ہے دراصل اس کے معنی کمر بند کے ہیں۔

مراد یہ کہ تیرا خونریز جلوہ مجھ ناتواں پر غلبہ حاصل کر کے مجھ کو مٹانا چاہتا ہے اور اصولاً بھی جب پانی کمر سے اوپر آنے لگے تو پاؤں زمین سے اکھڑنے لگتے ہیں اور پانی کا بہاؤ بہا کر لے جاتا ہے۔

۲۹۔ ترجمہ۔ میں تیری محبت ڈھونڈتا ہوں اور تیرے قہر سے ڈرتا ہوں باقی نہ مجھے جنت کی پرواہ ہے اور نہ عذاب کا ڈر ہے۔

شعر آسان ہے کہ مجھے جنت کی خواہش اور دوزخ کا خوف نہیں اگر خواہش ہے تو تیری محبت

کی اور طور سے تو نیز سے فیض و غضب کا عاشق کی علامت ہے کہ ماسوا المطلوب کسی چیز کی گنجائش اس کے دل میں نہ ہو حکیم سنائی ایک رباعی میں فرماتے ہیں۔

مردے کہ براہِ عشق جاں فرساید باید کہ بروں یار خود نگشاید
عاشق براہِ عشق چناں مے باید کز دوزخ و از بہشت یادش ناید

ترجمہ۔ یہ تجلی کہ نیز عشق ہر دم ایک نئے حال میں لاتا ہے کبھی بناتا ہے کبھی مارتا ہے اور کبھی زیر و زبر کرتا ہے

مراد یہ کہ نیز عشق ہر بار نئے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔

عشق ہر دم ظہور دیگر داشت زاں کند نقش مختلف پیدا
ہر دم از کوئے سر بر دل آرد روئے دیگر نماید او ہر جا

حکیم سنائی کی ایک رباعی بھی سننے کے قابل ہے لکھتے ہیں۔

بر سینہ سر بر سپاہ آمد عشق بر ہیئتِ ملوک ملک ماہ آمد عشق
بر کاف کمال کل کلاہ آمد عشق با ایں ہمہ یک قدم ز راہ آمد عشق

عشق کا حال تو سمجھ لیا اب عاشق کی کیفیت دیکھیے

کبھی اٹھے کبھی بیٹھے کبھی لیٹے کبھی تڑپے تماشہ دید کے قابل ہے تیرے بیقراروں کا

غزل ۴۸

چوں پائے شوق نداری براہِ دوست متاز ۱ کہ ہست در رہِ الفت بسے نشیب و فراز
سرود و شاہد و ساقی نہاں نمے ماند ۲ چوں شمع پردہ در صبح مے شود غماز
مراکہ شاہد سرمست و ساقی رعناست ۳ حقیقت است ہمہ واردات راہِ مجاز
چو حسنِ شاہدِ مارا نہایتے نبود ۴ بعشقِ ما ہمہ انجام مے شود آغاز
زجام چوں کفِ ساقی تہی نمے گردد ۵ کجا دماغِ لطیفم ز مستی آید باز

زعکسِ روئے تو ترسم کہ روز گردد باز ۶	شب است و شمع و شراب است لیکن اے ساقی
چہ حاصل است ز روزہ چہ منفعت بہ نماز ۷	تو گر براہِ حقیقت نمی نمائی رو
بمسجدے نتوانم نہ رو کنم بہ حجاز ۸	مرا کہ قبلہ ابروئے تست پیشِ نظر
چو زاہدانِ ریائی بزہدِ خویش مناز ۹	اے بو علی دم تو عصبیت چہ زنی ہشدار

۱۰	قبائے عشق کہ بر قامتِ شرف دوزند بدامنش ز سبابِ ملامت است طراز	۱۰

ا۔ ترجمہ۔ اگر تو پائے شوق نہیں رکھتا تو دوست کے راستہ میں مت دوڑ کیونکہ راہِ الفت میں بہت نشیب و فراز آتے ہیں۔

نشیب۔ زمینِ پست۔ نیچان یعنی نشیب۔ **فراز**۔ بفتح اول۔ کشادہ شدہ پھیلا ہوا۔ نزدیک آگے عقب۔ بلند۔ سرکش لیکن شعر زیرِ تشریح میں نشیب و فراز بمعنی بلندی و پستی مجازاً مشکل استعمال ہوا ہے۔

راہِ محبت کی دشواریوں کا بیان کئی اشعار میں گزر چکا ہے طالب کو تنبیہ کی گئی ہے کہ چونکہ منزلِ عشق اور راہِ محبت ایک پرخطر مقام ہے جہاں جابجا نشیب و فراز ہیں اس لئے ایسے پرخطر مقام سے صحیح و سالم گذرنے کے لئے سرمایۂ شوق درکار ہے ہاں اگر تیرے پاس شوق و الفت اور طلبِ صادق کا سرمایہ ہے تو اس منزل میں قدم رکھ ورنہ اپنے ارادہ سے باز آجا یعنی نصیحت ہے منزلِ عشق کی دشواریوں کی نسبت حضرتِ تسلیم فرماتے ہیں۔

	خانۂ ہر مو ایں صحرا چاہِ بابل است	در رہِ عشق اے دل از سحر فسوں ایمن مباش

جن سے صحیح و سالم گذرنے کے لئے سرمایۂ شوق اور طلبِ صادق درکار ہے مُلا نظیری نیشاپوری بھی سرمایۂ شوق کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

	نورِ عشق است ایں چراغ وادیٔ ایمن شود	وصل اگر خواہی نظیری شوق را سرمایہ ساز

۲۔ ترجمہ۔ نغمۂ شاہد و ساقی چھپا نہیں رہتا جب شمع پردہ پھاڑتی ہے اور صبح غماز ہوتی ہے۔

سرود۔ نغمہ۔ راگ۔ گیت۔ سخن۔ **غمّاز**۔ بالفتح و تشدید میم۔ سخن چین۔ اشارہ کنندہ بچشم طعن کرنے والا۔ ممکن ہے کہ نغمۂ شاہد و ساقی سے تمہیدِ ربانی یا ظہورِ نورِ حق مراد ہو کیونکہ صبح کے وقت کائنات کی تمام

مخلوق اپنی اپنی اصطلاح میں حمدِ ربّانی میں رطب اللّسان ہوتی ہے اور اُس وقت نورِ الٰہی کا عجیب ظہور ہوتا ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ ظہورِ حق پوشیدہ اور مخفی نہیں رہ سکتا کیونکہ جب صبح آتی ہے تو ظلمت کافور ہو جاتی ہے صبح کی غمّازی شمع کی پردہ دری کرتی ہے جس سے شمع خجل ہو کر آخر بجھ جاتی ہے اسی طرح نور و ظلمت اور حق و باطل کا مقابلہ کر لو۔

۳ ترجمہ۔ چونکہ میرا معشوق سرمست اور ساقی رعنا ہے اسلئے میرے نزدیک مجاز کی تمام واردات حقیقت ہے

رعنا۔ زیبا۔ خود آرا۔ خوشنما۔ متکبر۔ چالاک معشوق۔

مطلب یہ کہ میرا معشوق سرمست اور رعنا ہے اس لئے مجھے بھی وارداتِ مجاز میں حقیقت نظر آتی ہے یعنی میں بھی مست اور مجاز میں حقیقت کا رنگ دیکھتا ہوں

دراصل مجاز حقیقت کا زینہ ہے المجاز قنطرۃ الحقیقت۔ سالک جب تک مجازی واردات سے صحیح و سالم گذر نہ لے حقیقت کے بام پر پہنچ نہیں سکتا جب سالک کو اس منزل کی پوری پوری حقیقت معلوم ہو جاتی ہے تو آگے طریقت کا زینہ شروع ہو جاتا ہے پھر وہاں سے درجہ بدرجہ ترقی کر لینے اور اعلےٰ مراتب پر فائز المرام ہو لینے کے بعد وصالِ محبوب اور مشاہدہ مطلوب حاصل ہوتا ہے لہذہ وارداتِ مجاز میں حقیقت کا رنگ دیکھنا عجب نہیں علامہ اقبال بھی مجاز میں حقیقت کو دیکھنا چاہتے ہیں

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں — کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

عارف جامی مجاز سے جلدی گذر لینے کی تاکید کرتے ہیں۔

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست — کہ آں بہر حقیقت کارسازیست

بلوحِ اوّل الف با تا نخوانی — ز قرآں درس کردن کے توانی

ولے باید کہ در صورت نمانی — وزیں پل زود خود را بگذرانی

چو راہ خواہی رخت در منزل نہادن — نباید بر سرِ پل ایستادن

مجاز و حقیقت کے لئے دیکھو نمبر ۲۱، ۲۳ و ۴۹

۴ ترجمہ۔ چونکہ ہمارے معشوق کے حسن کی کوئی انتہا نہیں اسلئے ہمارے عشق کا انجام بھی آغاز ہے محبوبِ حقیقی کے حسنِ روز افزوں اور جمالِ لامتناہی کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ چونکہ ہمارے معشوق کے حسن و جمال کی کوئی انتہا اور حد مقرر نہیں یعنی اُس کا حسن حدِ قیاس سے بعید ہے اس لئے ہمارا عشق

بھی بے پایاں ہے گویا انتہا پر پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ اب آغاز ہوا ہے

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا	کہ سے بالد بخود این راہ چون تاک از بریدنہا

وصال شیرازی بھی عشق کو بے پایاں لکھتے ہیں۔

یکے بر فرق فرقد پو ہماسئے وہم تا لبپی	انان جا فرقد دیگر بچشم آسمان پیدا
چنیں با صد ہزاران فرقدار پوئی چنداں پائی	کہ ہر یک نشاں بود نسبت ہم پست وہم بالا

نیز دیکھو شعر [۲۱/۴۷]

۵ ترجمہ جب ساقی کا ہاتھ جام سے خالی نہیں ہوتا تو میرے لطیف دماغ میں مستی کا فخر کیسے آئے

مراد یہ کہ جب ساقی ہر وقت جام بدست رہتا ہے اور میں غٹاغٹ پیتا رہتا ہوں تو مجھے اپنی

مستی اور بیخودی پر فخر کیسے آسکتا ہے حضرت آتیر مینائی بھی یہی وجہ بتلاتے ہیں۔

بار ادھر بدست ہیں بیخود تکلف برطرف	ایسی حالت میں جو آتا ہوش کیا دیوانہ تھا

۶ ترجمہ۔ رات ہے شمع ہے۔ شراب ہے لیکن اے ساقی میں تیرے چہرہ کے عکس

سے ڈرتا ہوں کہ کہیں صبح نہ ہو جائے

عشاق کی آرزو ہوتی ہے کہ شب وصال ابد تک دراز رہے قلندر صاحب اپنے عشرت کدہ

کا نقشہ کھینچ کر محبوب سے کہتے ہیں کہ سامان عیش تو موجود ہیں لیکن خوف ہے تو اس کا کہ کہیں صبح نہ ہو جائے

اور آپ رخصت ہونے پر آمادہ ہوں۔ قلندر صاحب اپنے دیوان میں ایک اور جگہ یہی خیال ظاہر کرتے ہیں۔

دراز باد شب وصل تا ابد یا رب	کہ دلبرم زبہانہ نہ از برم برود

اس شعر میں بھی یہی غرض پوشیدہ ہے۔

۷ ترجمہ۔ اگر تو راہ حقیقت کی طرف متوجہ نہیں تو روزہ سے کیا حاصل اور نماز سے کیا فائدہ۔

منفعت۔ نفع تمتع سودمندی۔

یعنی احکام شرعیہ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان پر کاربند ہو کر حقیقت کی طرف رجوع کیا جائے

کیونکہ طریقت، حقیقت اور معرفت حاصل کرنے کے لئے پہلے شریعت پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے۔

اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ جب حقیقت کی طرف تیرا میلان ہی نہیں تو نماز اور

روزہ سے کیا حاصل یعنی کہ تیری نماز بھی بیکار اور بے سود ہے۔

۸۔ ترجمہ ۔ میں کہ تیرا قبلۂ ابرو میرے پیشِ نظر ہے نہ مسجد کی طرف دوڑتا ہوں ورنہ حجاز کی طرف منہ کرتا ہوں
حجاز ۔ بکسرِ اول عرب کے ایک شہر کا نام ہے اور حجاز حجز سے ماخوذ ہے جس کے معنی دو چیزوں
کے درمیان حائل ہونا ہے چونکہ حجاز نجد اور تہامہ کے درمیان حائل واقع ہے لہذا اسی نام سے مشہور ہے
پچھلے شعر سے مربوط ہے کہ چونکہ ابروئے محبوب میرا قبلہ ہے اور میں اسی کو سزاوارِ پرستش اور لائقِ
عبدیت جانتا ہوں اس لئے مجھے مسجد سے سروکار نہیں ۔

عاشقِ حق کے لئے مسجد اور مندر کی کوئی قید نہیں عبادت اگر خلوص سے ہو تو ہر جگہ مقبول ہو سکتی ہے

۹۔ ترجمہ ۔ اے بو علی تو توحید کا کیا دم مارتا ہے ہوش رکھ اور ریاکار زاہدوں کی طرح اپنی پرہیزگاری
پر ناز نہ کر ۔ ہشدار ۔ اصل میں ہوشدار ہے وزنِ شعری کے لئے واؤ کو محذوف کیا گیا ہے

یعنی زاہدانِ ریاکار کی طرح اپنی زہد و عبادت پر نازاں و مغرور نہ ہو بلکہ عجز اختیار کر پند آموز شعر ہے ۔

۱۰۔ ترجمہ ۔ قبائے عشق جو شرف کے قد پر سیا گیا اس کے دامن پر اسبابِ ملامت کے نقش ہیں ۔
قبا ۔ جامۂ دوتہی ۔ جامۂ تنگ ۔ طراز ۔ نقش و نگار ۔ علم ۔ جامہ سنجاف ۔
مراد یہ کہ شرف طعن و ملامت کے لئے وقف ہے کیونکہ ازل سے جو قبائے عشق اسے پہنائی گئی
ہے وہ سراسر طعن و ملامت سے منقش ہے ۔ عاشق ہونا ہدفِ ملامت کی علامت ہے نیز دیکھو شعر ۱۲ ، ۲۲

غزل ۴۹

در لابہ ام گذشت بہ پیشت شبِ دراز ۱ لیکن سرا بوصل نہ کردی تو سرفراز

عجز و نیاز شیوہ کن و بے نیاز باش ۲ شاید درِ حقیقت برتو کشند باز

بے نردبان چو سے نہ رسی بر فرازِ بام ۳ پس طالبِ حقیقت شو از رہِ مجاز

پروانہ وار در دلِ تو نیست خوب تر ۴ باید چو شمع شغلِ تو ہم سوز و ہم گداز

پروائے طعنِ زاہد و واعظ نمے کنم ۵ کردم بسوئے قبلۂ ابروئے تو نماز

شغلِ تو ہست گر ستم و جور و سرکشی ۶ کارِ من است در پئے تو ہم عجز و ہم نیاز

کے بود قلبی بکون و مکاں ملتفت شد سے
جز روئے دوست از ہمہ سے کرد احتراز

۱۔ ترجمہ۔ منت و سماجت میں شب دراز تیرے سامنے گذر گئی لیکن تو نے مجھے وصل سے سرفراز نہ کیا
لابہ۔ بفتح بائے موحدہ بمعنی تملّق چاپلوسی۔ خوشامد۔ فریب عجز و اخلاص۔
معشوق کی بیوفائی کا گلہ کرتے ہیں کہ ہجر و فراق کی لمبی رات منت اور سماجت میں گذر گئی لیکن تو نے اپنے وصل سے مجھے سرافراز نہ کیا مولانا شہیدی کی التماس بھی سنئیے۔

کٹ چکی ساری شبِ عشرت نہیں میں ہیلہ جو — اب تو ہاں فرما کہ باقی صرف ہاں کا وقت ہے

۲۔ ترجمہ عجز و نیاز اختیار کر اور استنباز ہو شاید تجھ پر حقیقت کا دروازہ کھول دیں۔
باز کردن۔ کھولنا۔ باز کے مختلف معنوں کے لئے دیکھو شعر ۱۵۵۔
ناصحانہ شعر ہے اور کوشش و طلبِ صادق کا پہلو نمایاں ہے کہ عجز و انکسار اور راست گوئی اختیار کر تاکہ تجھ پر حقیقت کا دروازہ کھلے یعنی تو اسرار و رموزِ الٰہیہ اور حقائق و معارفِ لامتناہیہ سے واقف ہو تو اضع کی نسبت شیخ سعدی لکھتے ہیں۔

تواضع سرِ رفعت افرازدت — تکبر بخاک اندر اندازدت
بگردن فتد سرکش و تند خو۔ — بلندیت باید بلندی مجو
تواضع کند ہوشمند گزیں — نہد شاخِ پر میوہ سر بر زمیں

مثنوی معنوی میں مولانا روم لکھتے ہیں کہ تواضع اور عاجزی کے بڑے ثمرات مترتب ہوتے ہیں

تا نگرید ابر کے خندد چمن — تا نگرید طفل کے جوشد لبن
یا تضرع باش تا شاداں شوی • — گریہ کن تا بے دہاں خندہ شوی
کے برابر مے نہد شاہِ مجید — اشک را در وزنِ با خونِ شہید
تا بر گریاں باغ سبز و تر شود — تا نکہ شمع از گریہ روشن تر شود

۳۔ ترجمہ۔ تو زینہ کے بغیر بام بلند پر نہیں چڑھ سکے گا اس لئے راہِ مجاز سے حقیقت کا طالب ہو۔
نردبان۔ زینہ۔ سیڑھی۔ بام۔ گھر کی چھت۔ اٹاری۔

یعنی بامِ مراد پر پہنچنے کے لئے معراج کی ضرورت ہے جس کے بغیر بامِ وصال تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے تو بھی مجازی زینے سے حقیقت کے بام تک رسائی حاصل کر۔

تو مے پرست و نظرباز شو کہ طبع ترا	مجاز مے برد آخر بجانبِ تحقیق ۱۰۰

اَلْمَجَازُ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَتْ۔ انسانی ہستی کے لوازم اس کے متقضی ہیں کہ اس کا مجاز کی طرف میلان ہو کیونکہ وہ فرشتہ نہیں انسان ہے اور انسان بوجہ اپنی ناقص العقلی اور ضعیف الخلقتی کے حقیقتِ منتظر کو لباسِ مجاز میں دیکھنے کے لئے مجبور ہے قلندر صاحب مکتوباتِ شریف میں مجاز و حقیقت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"اگر عشقِ مجاز را بدانی بر عشقِ حقیقی دائم بمانی چوں حسنِ مجاز را از معنی بینی بر عشقِ حقیقت

ازاں دل نشینی مجاز را چوں تراز دانی بر حسنِ حقیقت از عشق مانی چوں حقیقتِ حق نماید از حسنِ

خود عشقت رباید" نیز دیکھو شعر ۳۵

۱۰۱ ترجمہ۔ پروانہ کی طرح بیزار ہو کر مرنا اچھا نہیں بلکہ شمع کی طرح بیزار شغل سوز و گداز ہونا چاہیئے۔

ظاہر ہے کہ پروانہ شمع کو دیکھ کر بحوا آتشِ وصل فوراً اس کا شکار ہو جاتا ہے اور شمع دیر تک جلتی رہتی ہے گویا یہ اس کا دائمی شغل ہے قلندر صاحب اس لطیف تشبیہ سے عاشق کو ترغیب دلاتے ہیں کہ پروانہ کی طرح شمعِ رخِ محبوب کا شکار ہو کر جان دے دینا قابلِ قدر نہیں بلکہ اگر تجھ کو عشق کا دعویٰ ہے تو شمع کی طرح ہمیشہ سوزاں و گریاں رہنے کا شغل اختیار کر اور یہی مرتبہ قابلِ ستائش ہے شیخ سعدی نے شمع اور پروانہ کا مکالمہ لکھا ہے

شبے یاد دارم کہ چشمم نخفت	شنیدم کہ پروانہ با شمع گفت
کہ من عاشقم گر بسوزم رواست	ترا گریہ و سوز بارے چراست
بگفت اے ہوادارِ مسکینِ من	برفت انگبیں یارِ شیرینِ من
کہ اے مدعی عشق کارِ تو نیست	کہ نہ صبر داری نہ یارائے ایست
تو بگریزی از پیش یک شعلہ خام	من استادہ ام تا بسوزم تمام
ترا آتشِ عشق اگر پر بسوخت	مرا بیں کہ از پائے تا سر بسوخت
ہمی گفت و میرفت دودش بسر	ہمیں بود پایانِ عشق اے پسر

قاعدہ ہے کہ اگر کسی کو یک لخت جان سے مار دیا جائے تو اسے صرف تھوڑی دیر کے لئے تکلیف ہوتی ہے جو کسی نہ کسی طرح گذر ہی جاتی ہے لیکن اگر کسی کو تکلیف دے دے کر مارنے کا قصد کیا جائے مثلاً

پہلے اس کے پاؤں کاٹے جائیں پھر ہاتھ۔ پھر زبان قلم کر دی جائے حتیٰ کہ تمام اعضا یکے بعد دیگرے قطع کر کر پھر سر اتارا جائے تو ایسی موت قبل الذکر موت سے زیادہ تکلیف دہ ہوگی لیکن جو شخص اس جان دوز امتحان میں پورا اترے اور تکلیف برداشت کر کے راضی برضا رہے اس کا مرتبہ اور اجر کسی سے مخفی نہیں اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر تجھے حقیقی عشق ہے تو شمع کی طرح دائمی سوز و گداز اختیار کر۔ شہید عشق حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا جانگداز واقعہ اسی قبیل سے ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ مجھے زاہد اور واعظ کی طعن و ملامت کی پرواہ نہیں کیونکہ میں تیرے قبلۂ ابرو کی طرف نماز پڑھتا ہوں۔

یعنی مجھے زاہدانِ خشک اور اعظانِ ریاکار کی طعن و ملامت سے ہراس نہیں کیونکہ میرا دل تیرے قبلۂ ابرو کی طرف مائل ہے۔

زاہدِ ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست	در حقِ ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

۶۔ ترجمہ۔ تیرا شغل ستم و جور اور سرکشی ہے اور میرا کام تیرے سامنے عجز و نیاز ہے۔

مجھ کو میری بندگی مبارک رہے تجھ کو تیری شانِ کبریائی

عبد کے خیالات ایسے ہی ہونے چاہئیں کیونکہ وہ محبوب کبریائی کے لائق ہے اور بندہ عجز و نیاز کے!

"عاشق ہمیشہ در افتقار باشد و معشوق ہمیشہ در افتخار بود زیرا کہ افتقار صفت عاشق است صفتِ لازمہ وجود و افتخار صفتِ معشوق است صفت جوہرے و ذاتے (سر العشق)

از ما ہمہ عجز و نیستی مطلوب است	ہستی تو العشق زما مسلوب است
ایں اوست پدید آمدہ در صورتِ ما	ایں قدرت و فعل ازاں بما منسوب است (جامی)

۷۔ ترجمہ۔ بوعلی کون مکاں کی طرف کب ملتفت ہو سکتا ہے جب کہ وہ بجز روئے دوست سب سے پرہیز کرتا ہے۔

ملتفت ۔ التفات کرنے والا۔ توجہ کرنے والا۔ احتراز ۔ پرہیز۔ کنارہ کشی۔

یعنی روئے دوست کے مقابلہ میں بوعلی دونوں جہاں کو ہیچ سمجھتا ہے اور ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ اس کا متوجہ الیہ رخِ دوست ہے۔

غزل

مستم از بادۂ الست ہنوز	١	ساغرِمن پر از مے است ہنوز
رفتہ از جائے پائے بلہوساں	٢	من بعشقِ تو پائے بست ہنوز
زانکہ در دیر ہم تو جلوہ گری	٣	مرد مانند بت پرست ہنوز
غافل از خود شدی مگر زاہد	٤	منکری زاں نگاہ مست ہنوز
رفت بر عرش و تا باو نہ رسید	٥	کہ فغانِ من است پست ہنوز
خاکِ راہ گشتم و بباد شدم	٦	دامنش نامدم بدست ہنوز

٧ بوعلی گرچہ شد دلم غربال ٧
ہست انگشت یاد شست ہنوز

١ ترجمہ - میں بادۂ الست سے ہنوز مست ہوں اور میرا ساغر شراب سے پر ہے -

یعنی میں شرابِ الست سے ہنوز مست اور بے خود ہوں اور میرا جام اسی شراب سے لبریز ہے اسی لئے ابد تک میری مستی بحال رہے گی

کن ازاں جام کہ در روزِ ازل نوشیدہ ام (مبین)) ہمچناں سرمست خواہم بود تا یوم النشور

٢ ترجمہ - ہوس پرستوں کے پاؤں جگہ سے ہل گئے لیکن میں ابھی تک تیرے عشق میں پابستہ ہوں

بوالہوس - جس کو ہوس زیادہ ہو - حریص - طامع -

یعنی تمام طمع لوگ اپنے دعویٰ عشق سے ہٹ گئے لیکن میں ابھی تک اپنے عہد پر قائم ہوں -

بروزِ میثاق جب خداوندِ کریم نے ارواح سے بالفاظ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اپنی ربوبیت کا اقرار لیا

تو اس کے جواب میں حضرت انسان نے بلیٰ کہا جس کے بعد عشق کی امانت اٹھا [illegible] کی اسی واقعہ

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں آگرچہ ابد ہو گیا عہدِ میثاق پر قائم نہ رہے

اور عشق سے دست بردار ہو کر ہوس پرستی میں پھنس گئے لیکن میں اب تک اپنے وعدہ پر قائم ہوں قلندر صاحب ردیف ح میں بھی ایفائے عہد کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

من بطفلی در کتاب خوب رویاں رفتہ ام	عہد من با عشق باشد مستقیم الانفساخ

۳۔ ترجمہ۔ کیونکہ تو دیر میں جلوہ گر ہے اس لئے لوگ بت پرست ہیں۔

دیر۔ عبادت خانۂ ترسایان۔ بت خانہ گنبد۔

مطلب صاف ہے کہ چونکہ دیر و حرم میں تیرا ہی جلوہ ہے اس لئے ناظر ہر جگہ تجھے ہی دیکھتے ہیں۔

ندارم ننگ و عار از بت پرستی	کہ یارم بت بود من بت پرستم

اسی مضمون پر ہے۔

چہ سہی علی کنی مارا کہ ما بت مے پرستیم	آں بت را بگو سا کن بتخانہ نباشد

بت پرستی کی تحقیق کے لئے دیکھو شعر ۱/۴ ، ۱۵/۴ ، ۲۵/۴ ، ۴۲/۴۔

۴۔ ترجمہ۔ تو خود سے غافل ہو گیا مگر زاہد اب تک اس نگاہ کا منکر ہے۔

یعنی جس نظارہ جمال اور نگاہ دل ربا سے میں غیر حق سے غافل اور خودی سے بیگانہ ہو گیا زاہد اب تک اس چشم مست کا منکر ہے مراد یہ کہ اس کے ایمان کو قیام نہیں۔

۵۔ ترجمہ۔ عرش تک پہنچ گئی مگر اس تک نہ پہنچی کیونکہ میری آواز ابھی پست ہے۔

یعنی میری آواز عرش تک تو پہنچ گئی لیکن افسوس کہ گوش محبوب تک رسا نہ ہوئی اس لئے کہ میری آواز ابھی پست ہے یعنی عرش سے آگے جانے کے قابل نہیں عاشقوں کا یہ شیوہ ہے کہ وصل کی تمنا میں روتے اور فریاد کرتے ہیں قلندر صاحب کا اشارہ بھی اسی آہ و زاری کی طرف ہے

۶۔ ترجمہ۔ میں اس کی خاک راہ ہو کر برباد ہو گیا لیکن اس کا دامن اب تک میرے ہاتھ نہ آیا۔

یعنی میں محبوب کی راہ میں خاک ہو کر خاک میں مل گیا اور میرے ذرات جسم کو ہوا اڑا کر لے گئی مگر دامن محبوب اب تک ہاتھ نہ آیا یعنی وصل حاصل نہ ہوا خواجہ حافظ عشق محبوب کی دولت سے سلیمانی کے مرتبہ پر پہنچ کر اپنی حرماں نصیبی کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں۔

حافظ از دولت عشق تو سلیمانی یافت	یعنی از وصل تواش نیست بجز باد بدست

۷۔ ترجمہ۔ دل اگرچہ میرا دل جلی ہو گیا لیکن اس کی آگ ابھی سنسنات پر ہے

غربال چھلنی۔ شست۔ بالفتح، نام عدد، جسکو صاد مہملہ کے ساتھ بھی لکھتے ہیں
بمعنی جام۔ تارِ ساز۔ حلقۂ زلف و زنار۔ تیر۔ کانٹا جس سے مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں۔ مضراب۔ نر انگشت
یہاں بمعنی تیر اور نشانہ استعمال ہوا ہے۔

یعنی میرے دل میں غربال کی طرح سوراخ ہو گئے اور تاب و توان۔ صبر و تحمل جاتا رہا لیکن محبوب
ابھی تک کمان بدست ہے یعنی جور و جفا اور خونریزی پر آمادہ ہے قلندر صاحب سر العشق میں معشوق کے اسی جنگ
و جدل کی حقیقت بیان فرماتے ہیں۔

"کہ جنگِ معشوق صلح آمیز بود و صلح او جنگ آمیز تا طلب متزاید شود و عشق سوکند
گردد عاشقان کار افتادہ دل بباد دادہ دانند کہ در ابتدائے تعلق جنگِ معشوق از عتاب و کرشمہ
و ناز بود تا محکم گردد...... در میانہ از شکایت خود ظاہر و ناز صید دل از پلاک زلف ہر چہ در ابتدا ار
باد روئے نماید در آخر سکونِ سبب حرکت و سکوت بے گفت و انتظار بے حسرت حاصل آید"

غزل ۱۵

شیخ در عشقِ الٰہی وجد مے کن یک نفس	۱	اشتر بے عقل ہم می رقصد از بانگِ جرس
چوں بیاید عشق عقل از سر ہمی تازد بروں	۲	کے نتابد در رہِ عشقِ تو عقلم را فرس
ہم صفیرانِ مرا کس در چمن گوید زمن	۳	ہمچو مرغِ تو گرفتارم نہاں اندر قفس
علم و عقلم را فروغِ جلوۂ روئے تو سوخت	۴	ہمچناں کز شعلۂ آتش بسوزد خار و خس
گر تو شوقِ نغمہ داری بشنو ایں فریادِ من	۵	ایں چنیں دلکش نئے باشد نوائے ہیچکس
گر نبودے صد ہزاراں ہمچو من شیدائے تو	۶	وعدۂ وصلِ تو ہرگز نبودے پیش و پس

تا شود غافل ز دنیا تا شود فارغ ز دیں
بو علی را یک نظر از چشمِ شہلائے تو بس

۱ ترجمہ — اے شیخ عشقِ الٰہی میں ایک دم وجد حاصل کر دیکھ بے عقل اونٹ بھی جرس کی آواز پر

قاعدہ ہے کہ اونٹ گھنٹی کی آواز پر مست ہو کر رقص کرتا ہے اور اسی دھن میں مست ہو کر طے مسافت کرتا ہے قلندر صاحب شیخ کو دعوت دیتے ہیں کہ
حدی راگ جیسا اونٹ جیسی بے عقل چیز آواز جرس پر رقص کرتی ہے لیکن تو اشرف المخلوقات ہے کہ عشق میں جذب محویت حاصل نہ کرے تو حیف ہے

نبینی شتر بر حدائے عرب — کہ چونش برقص اندر آرد طرب
شتر را چو شور طرب در سر است — اگر آدمی را نہ باشد خر است.

۲۔ ترجمہ۔ جب عشق آیا عقل جاتی رہی بھلا تیرے عشق کے راستہ میں عقل کا گھوڑا کیسے دوڑ سکتا ہے

فرس۔ اسپ گھوڑا افراس اس کی جمع ہے۔

یہاں بھی عشق و عقل کا مقابلہ ہے کہ عشق کی دشوار گذار اور پیچ دار منزلوں میں مرکب عقل دوڑنے سے عاری عاجز و قاصر ہے بلکہ عاشق کے جنون کا گھوڑا اور شوق محبت کی مہمیز زیادہ مفید ہو تاکہ منزل مقصود تک رسائی حاصل کرے

ہر نتابد عشق علم و عقل را	این چنین توسن درین راہ است لنگ

ظاہر ہے کہ تنگ اور پیچیدار رستوں پر گھوڑا چل نہیں سکتا اور پھر مرکب عقل کا عشق کی وادی میں چلنا کچھ معنی رکھتا ہے

قدح پر شراب افیون کرد	عقل را داد با شراب افیون
بند بکشاد و پردہ ہا بدرید	شد سراسیمہ الجنون فنون

۳۔ ترجمہ۔ میری مصیبت و بے بسی بابت یہ نہیں کہتا کہ میں مرغ گرفتار کی طرح قفس میں تڑپ رہا ہوں۔

باغ سے عالم ملکوت اور ریاض قدس جو انسان کی اصل ہے مراد لیکر قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں باغ ملکوت کا پرندہ عالم ناسوت کی پنجرہ میں مرغ گرفتار کی طرح تڑپ رہا ہوں اسلئے اے مصیبت زدہ ہم جہاں میں ہم گرفتاری کا تذکرہ بھی کرنا۔ واقعی انسان کی اصل عالم ملکوت سے ہے ع مرغ باغ ملکوتم درین دیر خراب۔ لیکن وہ عارضی طور پر عالم ناسوت کی قفس میں گرفتار کیا گیا ہے جہاں سے وہ اپنی اصل سے دوری اور ہجر کی تنہائی میں نالہ و فریاد کرتا ہے۔

۴۔ ترجمہ۔ تیرے چہرہ کی روشنی نے ہمارے علم و عقل کو ایسا جلایا جیسے آگ کا شعلہ سے خار و خس جل جاتی ہے

یعنی میری عقل خس و خاشاک کی طرح شعلہ رخ محبوب کی شکار ہو گئی اور علم بھی اس علم کے متعلق قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ علم از برائے آبادانی عالم است پس عالم صاحب خشیت باید انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء تا آبادی عالم راست شود و عشق برائے خرابی عالم است المحبۃ نار والشوق لہب پس عاشق صاحب خراب سر باید تا آتش عشق ہر دو کون سوزد

آگ اور خس و خاشاک میں معاملہ نہایت نازک اور روز افزوں ہے۔

۵۔ ترجمہ ۔ اگر تو نغمہ کا شوق رکھتا ہے تو میرے پاس آ واز کو سن کیونکہ ایسی دلکش آواز کسی شخص کی نہیں
مراد یہ کہ اگر تجھے نغمہ و سرود سننے سے دلچسپی ہے تو مجھ سے سن کیونکہ میرے جیسا خوش الحان
گویا تجھے کہیں نہیں ملے گا۔

اف رے عشق تیری طمّاعی! اشرف اپنی خوش الحان آواز سے محبوب کو مست کرنا چاہتے
ہیں تاکہ کسی طرح مجھ پر بھی الطاف و اکرام کی نظر ہو۔

۶۔ ترجمہ ۔ اگر میری طرح تیرے ہزار عاشق ہوتے تو تیرے وصل کا وعدہ ہرگز کبھی پورا نہ ہوتا
مراد یہ کہ عاشق صادق کمیاب ہیں اور طلب صحیح نہیں ورنہ تیرا ایفائے عہد آسان ہوتا غرض یہ کہ
بہت سے عاشق مل کر تجھے راضی کر لیتے

اس کے جلوے کا اگر دیکھنے والا ہوتا	حشر پہ دید کے وعدے کو نہ ٹالا ہوتا
ہم سا ایک اور اگر چاہنے والا ہوتا	دونوں عالم سے تجھے ڈھونڈ نکالا ہوتا

۷۔ ترجمہ ۔ تاکہ بالکل دنیا اور دین سے فارغ ہو جاسکتا تیری چشم شہلا کی ایک نظر کافی ہے
شہلا ۔ وہ عورت جس کی آنکھیں بھیڑ کی مانند ہوں۔ یلیش چشم عورت اور نرگس کے پھول کی ایک
قسم کا نام ہے جو بجائے زرد ہونے کے سیاہ ہوتا ہے انسان کی آنکھ کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں اور شہلا
سیاہ چشم جو مائل بہ سرخی ہو۔

خواہش کہ مجھے اپنی نرگس شہلا سے ایک نظر دیکھ تاکہ میں عوائق دین اور علائق دنیا سے فارغ ہو جاؤں
حقیقت یہ ہے کہ محبوب کی نرگس شہلا اور چشم مست کے متوالے دنیا و مافیہا سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں
چنانچہ ایک نظر باز کہتا ہے

چشم محبوب کے بس ایک ہی نظارہ میں	دونوں عالم سے کیا قطع تعلق ہم نے

غزل ۵۲

آمد اندر گوشم آواز سروش	۱	کاے قلندر ساغرے از بادہ نوش
بادہ کز لمعاتش سوزد جہاں	۲	چون بنجم بادہ سے آبے بجوش

بادہ کز جرعۂ آں بے گماں ۳ قدسیاں را مے بدماند عقل و ہوش

بادہ کز مستی آں بیگری ۴ ہم زمین و ہم زماں را در خروش

بادہ کز جلوۂ آں مے شود ۵ روضۂ رضواں دکانِ مے فروش

بادہ کز وے بدوشش مے کنند ۶ ہر کہ را سجادہ مے باشد بدوش

بادہ کز قلقلِ مینائے آں ۷ آیۂ لاتقنطوا آید بگوش

بادہ کز تندی و تلخی خویش ۸ ہست رندانِ ازل را عیب پوش

۹ بادہ کاندر ثنائے آں شرف
می نہ باید شد ز اہر گز خموش ۹

اس پوری غزل میں قلندر صاحب نے شرابِ محبت کی خصوصیات اور اس کی تاثیرات بیان فرمائی ہیں۔ یہ غزل قلندر صاحب کے شاعرانہ کمال اور ید طولیٰ کا بہترین نمونہ ہے۔

۱ ترجمہ۔ میرے کان میں جبرائیل کی آواز آئی کہ اے قلندر ساغرِ شراب نوش کر۔

سُروش۔ بضمتین۔ مراد از جبرائیل علیہ السلام اور ہر ایک فرشتہ کا نام جو خوشخبری لاوے۔

۲ ترجمہ۔ وہ شراب کہ جب خم میں جوش مارے تو اس کی روشنی سے جہان جل جائے۔

لمعہ جلوہ۔ روشنی۔ چمکانا اس کا جمع لموع ہے خُم یعنی شراب کا برتن۔ صراحی۔

یعنی ایسی شراب پی جس کی حدت سے جہان جل کر خاک ہو جائے یا جس سے تیری وہمی ہستی اور تعین کا حجاب دور ہو جائے اور تجھ پر عین مستی اور بیخودی کی کیفیت طاری ہو جس کا اثر ساکنانِ جہاں پر بھی پڑے

۳ ترجمہ۔ وہ شراب جس کے ایک جرعہ نے قدسیوں کو ہوش نہ رہا۔

یعنی جس سے قدسی بھی بیخود اور مدہوش ہیں۔

۴ ترجمہ۔ وہ شراب جس کی مستی سے زمین و آسماں کو شور میں دیکھتا ہے۔

خروش۔ شور و غوغا۔ از خروشیدن

یعنی جس شراب سے ارض و سما میں ایک عجیب شور برپا ہے ظاہر ہے کہ آسمان غور کرتا ہے اور

اور دنیا آگے ہی خود نشینوں کا مقام ہے مگر قلندر صاحب نے وجہ خوب بیان کی۔

خرد مست و ملائک مست و جاں مست　　　ہوا مست و زمیں مست آسماں مست

۵ ترجمہ۔ وہ شراب جس کے جلوہ سے روضۂ رضواں بھی مے فروشی کی دکان ہے۔

رِضوان۔ بالکسر خوشنودی اور ایک فرشتہ کا نام ہے جو بہشت کا دربان اور نگراں ہے

یعنی ایسی شراب پی جس کی بابت رضواں میں بھی گرم بازاری ہے۔

۶ ترجمہ۔ وہ شراب جس سے کل پی تھی پیر مغاں نے جس کے دوش پر سجادہ ہے۔

دوش۔ کل یعنی بروزِ میثاق۔ کندھا۔

یعنی وہ شراب پی جو بروزِ میثاق پی تھی جس کی وجہ سے آج تک سجادہ نشینانِ جہاں سجادہ بدوش ہیں

مراد یہ کہ اُن کی مستی اور بیخودی سے زہد خشک اور سجادہ ریا کو انہوں نے ترک کر دیا ہے سجادہ بدوش ہونے

سے دست بردار ہونا مراد ہے

ہر جا کہ رسد بوئے تو صفا کہ نہ ماند　　　یک گوشہ نشیں بر سر سجادہ تقویٰ

مصرعِ اولیٰ میں دوش بمعنی کل اور مصرعہ ثانی میں بمعنی کندھا استعمال ہوا ہے لہٰذا دونوں میں صنعت تجنیس ہے

۷ ترجمہ۔ وہ شراب جس کی قلقل سے آیت لاتقنطو کی آواز کان میں آتی ہے۔

قُلقُل۔ بضم ہر دو قاف چونکہ صراحی کا منہ تنگ ہوتا ہے اس لئے شراب یا پانی نکلتے وقت

ایک آواز آتی ہے جسے قلقل کہتے ہیں۔

یعنی ایسی شراب پی جس کے پینے سے خداوند قدوس کی شانِ جمالی کا ظہور ہو اور تجھے آیت کریمہ

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ کا

مژدہ سنائے۔ کہتے ہیں کہ تمام آیاتِ قرآنی سے یہ آیت بہترین اور امید افزا ترین ہے پس جس شراب کے پینے سے بقول

مرشدی رب العالمین کی شانِ جمالی کا ظہور ہو اور لاتقنطو من رحمۃ اللہ کا جاں نواز مژدہ سنایا جائے اس کا پینا بے

شک افضل ترین عبادت ہے۔

۸ ترجمہ۔ وہ شراب جو اپنی تنک اور تلخی سے رندانِ ازل کی عیب پوش ہے۔

یعنی شراب محبت گو تیز اور تند ہوتی ہے لیکن رندانِ ازل کی عیب پوش ہے اگر اسے نوش کر

۹ ترجمہ۔ اے شرف ایسی شراب کی تعریف میں تجھے ہرگز خموش نہ رہنا چاہیئے۔

یعنی ایسی شراب نوش کرکے خاموش رہنے کی بجائے مجھے اس کے فوائد کی تبلیغ کرنی چاہیئے مراد یہ کہ خود پی اور دوسروں کو پینے کی ترغیب دے۔

غزل ۵۳

ہر کہ بروے باشدت الطافِ خاص ۱ کے نیابد از کمندِ تو خلاص

دست از جانش بشوید بایدش ۲ مے زند ہر کس کہ لافِ اختصاص

گر مرا کشتن ہمے خواہی بکش ۳ مے نیارم بر زباں حرفِ مناص

دوش می پرسید یک زاہد ز من ۴ چیست اندر بادۂ گلگوں خواص

اے شرف ناشنوم ہذیانِ خلق ۵
باید اندر گوشم افگندن رصاص ۵

۱ ترجمہ۔ ہر وہ کہ جس پر تیرا خاص لطف ہو زنجیرِ کمند سے رہائی نہیں پاتا۔

یعنی جس شخص پر تیری نظرِ عنایت و لطف ہو وہ تیرے دامِ محبت سے رہائی نہیں پا سکتا مراد یہ کہ وہ ہر وقت رحمت و شفقت کا امیدوار رہتا ہے۔

زچنگِ زلفِ کمندت کسے نیافت خلاص — حافظا — نہ از کمانچۂ ابرو و تیرِ غمزہ نجات ح۔

ظاہر ہے کہ جب دام میں شکار پھنس جائے تو نکل نہیں سکتا مگر یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جانوروں کی اسیری رہائی سے انہیں مجبور کر دیتی ہے مگر عاشق کو جذبۂ شوق کمندِ الفت سے نکلنے نہیں دیتا۔

۲ ترجمہ۔ جو شخص لافِ اختصاص مارتا ہے اُسے اپنی جان سے ہاتھ دھو لینا چاہیئے

اختصاص۔ خصوصیت ظاہر کرنا۔ بڑائی ظاہر کرنا۔

یعنی جو شخص زمرۂ خاصان میں سے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کو ہمیشہ سر بکف رہنا چاہیئے۔

۳ ترجمہ۔ اگر تو مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو کر میں اپنی زبان پر حرفِ مناص نہ لاؤں گا۔

مناص۔ عذر انکار۔ رضا و تسلیم کا بہترین نمونہ ہے۔

بیاد شیخ بیاد بیند وخون سبز شده ۵ ببرید ۲۲۲ — که خون من نشود روز حشر دامن گیر

۴ ترجمہ۔ کل ایک زاہد مجھ سے پوچھتا تھا کہ شراب گلگوں کی خاصیت کیا ہے۔

گلگوں۔ سرخ رنگ۔ شراب بھی سرخ ہوتی ہے اور شیریں کے گھوڑے کا نام جو خسرو پرویز کی ملکہ اور فرہاد کی معشوقہ تھی مجازاً ہر اچھے گھوڑے کو گلگوں کہتے ہیں۔

یعنی کل ایک زاہد مجھے پوچھتا تھا کہ شراب محبت میں کیا کیا خواص ہیں مراد یہ کہ زاہد شراب محبت کی لذت سے ناآشنا تھا اس لئے پوچھتا تھا کہ بادۂ الفت کی خاصیت کیا ہے ممکن ہو کہ قلندر رحمۃ اللہ خواص بتائی ہوں۔

۵ ترجمہ۔ اے شرف مجھے چاہیے کہ اپنے کانوں میں قلعی ڈال لوں تاکہ مخلوق کی بیہودہ باتیں نہ سنوں۔

رصاص۔ بفتح اول۔ ارزیز قلعی جس کو ہندی میں رانگ کہتے ہیں۔ ہذیان۔ بیہوشی میں بیہودہ باتیں کرنا۔

یعنی مخلوق کی بدکلامی سے اپنے کانوں کو بچانے کے لئے لازم ہے کہ ان میں قلعی ڈال لی جائے یعنی مطلق بہرہ ہو جانا چاہیے تاکہ اس عذاب سے جو ایسے لوگوں کے حق میں مقرر ہے پناہ ملے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے روز چغلخوروں کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اس عذاب بھگتنے سے بہتر یہ ہے کہ ایسی بیہودہ باتیں سنی ہی نہ جائیں۔

غزل ۵۴

ز کوئے تو نتوانم که من کنم اعراض ۱ که بلبلم ز کوئے تو روضهٔ ریاض

جمالِ تو چو بذراتِ دو جهان ساریست ۲ بخلوتے نه نشینیم چوں زاهد مرتاض

تو جان و دل ندهی او ز جام باده دهد ۳ تو چوں بخیل شوی ساقی است چوں فیاض

ز دهر قطعِ تعلق بباید کردن ۴ چنان که قطع شود جامه را ز مقراض

جمالِ ذات همه جا نقش جلوه آمده است ۵ ببین بچشم بصیرت جواهر و اعراض

همیشه هجوم کند بر روان و دل وسواس ۶ چنان که حمله کند بر توان و تن امراض

شرف خدا و خودی جمع کے شود ز بیان ۷ چنان که هست بچشم جهان سواد و بیاض

۱۔ ترجمہ۔ میں تیرے کوچہ سے اعراض نہیں کر سکتا کیونکہ میں تیرے روضۂ ریاض کی گل کا بلبل ہوں

اعراض۔ بالکسر۔ روگردانی کرنا۔ منہ پھیرنا و بالفتح متاعہا۔ بیماریاں۔ اور اصطلاحِ اطباء میں ان عرض کو کہتے ہیں جو کسی خاص مرض سے پیدا ہو جیسے صداع تپ سے پیدا ہوتا ہے و جمع عرض جو جوہر کے مقابلہ میں ہوتا ہے مثلاً اگر کپڑے پر رنگ ہو اور کاغذ پر حروف تو کاغذ اور کپڑے کو جواہر کہیں گے کیونکہ یہ بذاتِ خود قائم ہیں اور رنگ و حروف کو جن کا وجود کاغذ اور کپڑے کے توسط سے قائم ہو اعراض کہیں گے کیونکہ یہ بذاتہٖ قائم نہیں بلکہ توسل کے محتاج ہیں اور اعراضِ نفسانی سے غم و ہم فزع و فرح و خجلت مراد ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ کوئے محبوب سے میرا مسکن تبدیل نہیں ہو سکتا کیونکہ میں اس کی گل کا بلبل ہوں اور بلبل کا قیام ہمیشہ باغ و بہار میں ہوتا ہے یا عشقِ محبوب سے میں دست بردار نہیں ہو سکتا کیونکہ میرا شیوہ یہی ہے۔

نقش بیٹھا ہے مرا کوچۂ جاناں میں امیر	کیا نگہبانوں کی طاقت کہ اٹھائیں مجھ کو

۲۔ ترجمہ۔ جب تیرا جمال دونوں جہاں کے ذرہ ذرہ میں جاری و ساری ہے تو میں زاہدِ مرتاض کی طرح گوشے میں نہیں بیٹھتا۔

زاہد۔ وہ شخص جو دنیا کی رغبت اور خواہش نہیں رکھتا اور دنیا کے مال و جاہ ہنگامہ و ناموس سے بے تعلق ہوتا ہو

مرتاض۔ بضم میم۔ ریاضت کرنے والا صاحبِ ریاضت اور اہلِ تصوف کی اصطلاح میں نفسِ سرکش کا رام کرنا ریاضت کہلاتا ہے۔ عبادت میں رنج کھینچنا۔ علم و ہنر۔

کثرت میں وحدت کے ظہور کا بیان ہے کہ جب ہماری ہستی جلوۂ محبوب سے وابستہ ہے اور ارض و سما میں وہی نورِ مطلق جاری و ساری ہے تو میں مرتاض زاہد کی طرح گوشہ نشین کیوں ہوں اور مظاہرِ کائنات میں دفترِ معرفت کا مطالعہ کیوں نہ کروں جبکہ جلوۂ محبوب کسی خاص جگہ کے لئے مخصوص نہیں شیخ سعدی شیرازی مرحوم بہار میں سیرِ گلزار کو گوشہ نشینی پر ترجیح دے کر فرماتے ہیں۔

بامدادان که تفاوت نکند لیل و نهار	خوش بود دامن صحرا و تماشای بهار
صوفی از صومعه گو خیمه بزن در گلزار	وقت آن نیست که در خانه نشینی بیکار
کوه و دریا و درختان همه در تسبیح اند	نه همه مستمعان فهم کنند این اسرار
بلبلان وقت گل آمد که بنالد از شوق	نه کم از بلبل مستی تو بنال ای هشیار

۳۔ ترجمہ۔ تو جان و دل نہیں دیتا وہ جام سے شراب دیتا ہے تو بخیل اور ساقی فیاض ہے۔

مراد یہ کہ تو عشق میں جان و دل دینے سے بخل کرتا ہے حالانکہ ساقی ازل تجھے شراب دیتا ہے یعنی تو واہب العطیات کے انعامات اور نعمات کا شکریہ ادا نہیں کرتا اس لئے تو بخیل ہے اور ساقی فیاض۔

ہرگز عطائے ساقئ ما را کرانہ نیست	لاغری از تنگ ظرفی است کہ پیمانہ پر نشد است

۴ ترجمہ۔ تجھے جہاں سے قطع تعلق کرنا چاہئے جیسا کہ نزا جامہ مقراض سے قطع ہوتا ہے
مقراض۔ قینچی۔

یعنی تجھے جہان اور اہلِ جہان سے اس طرح تعلق قطع کرنا چاہئے جیسے قینچی جامہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے مراد یہ کہ تیرا کسی قسم کا تعلق جہان سے وابستہ نہیں رہنا چاہئے۔

دنیا را ہے بہشت منزل گاہے	ایں ہر دو بہ نزدِ اہلِ معنی کاہے
گر عاشقِ صادقی زہر دو بگذر	(اے صوفیہ) تا دست تراکجز نماید راہے

۵ ترجمہ۔ اس کی ذات و صفات کا جمال جلوے میں آیا ہے تو چشمِ بصیرت سے قدیم حدث کو دیکھ
جواہر و اعراض کی معنوی و لغوی تحقیق کے لئے دیکھو مطلعِ غزل ہذا یہاں مراد قدیم حدث ہے

یعنی ذات و صفاتِ باری تعالے کا جمال کائنات کے ہر ذرّہ میں جلوہ نما ہے اگر تو چشمِ بصیرت رکھتا ہے تو اس سے تجلیاتِ ذات و صفات کو دیکھ اور ساتھ ہی اعراض یعنی کائنات اور اپنی ہستی کا مشاہدہ بھی کر جو جواہر کے عرفان اور شناخت کا ذریعہ ہے اس شعر میں جواہر سے مراد ذاتِ احدیت مآب ہے جو بغیر وسیلہ کے بذاتہٖ قائم قدیم اور زندہ ہے اور اعراض سے کائنات مراد ہے جو وسیلہ کی محتاج اور حادث ہے

۶ ترجمہ۔ روح اور دل پر وساوس اس طرح ہجوم کرتے ہیں جیسے جسمانی طاقت پر امراض حملہ کرتے ہیں۔
گروال۔ بضم اول روح و جان۔ تُواں بضم۔ زور قوت و طاقت و بالفتح اول بمعنی خطا۔

مراد یہ کہ روح اور دل پر وساوسِ شیطانی اس طرح یورش کرتے ہیں جس طرح امراض جسمِ انسانی کو بے تاب و زبوں کر دیتے ہیں امراض سے جسمانی طاقت کم ہو جاتی ہے اسی طرح وساوس الخناس روح اور دل کی استعداد کے لئے نقصان رساں ہیں اعوذ باللہ من شر الوسواس الخناس۔

۷ ترجمہ۔ اے قلندر خدا اور خودی اس طرح کب جمع ہو سکتے ہیں جیسے جہاں کی آنکھ میں سفیدی اور سیاہی ہے
سواد۔ سیاہی۔ تاریکی بیاض۔ سفیدی۔ روشنی۔

چشمِ انسان اور جہان میں سفیدی اور سیاہی دونوں موجود ہیں لیکن قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ ان

میں سفیدی و سیاہی کا یک جا ہونا تو لازمی ہے مگر ایک وجود میں خدا اور خودی کا جمع ہونا ممکن نہیں یعنی خودی میں خدا سما نہیں سکتا۔

نالزی کے یار گردد یارِ تو ۔۔۔ چوں نباشی یار باشد یارِ تو

سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ خودی سے بچنے کی ترغیب میں فرماتے ہیں

گر صیدِ عدم شوی ز خود رستہ شوی ۔۔۔ در در صفتِ عزیزش اوی لبستہ شوی

میداں کہ وجودِ تو حجابِ رہ تست ۔۔۔ با خود منشیں کہ ہر زماں خستہ شوی

اسی مضمون کی وضاحت کے لئے دیکھو شعر ۳/۵، ۷/۵، ۱۸/۱۰، ۲۴/۱، ۱۷/۳۱، ۵/۶۔

غزل ۵۵

۱ عشقِ ما ہرگز نباشد زیں نمط ۔۔۔ بوالہوس باشد اسیرِ خال و خط

۲ چوں نقطہ پیوستہ و پنہاں بخط ۔۔۔ در نگاہِ ما ہمہ عالم یکیست

۳ خط شود پنہان وہم پیدا نقط ۔۔۔ چوں نگاہ گردد بکثرت آشنا

۴ گر شوی غواص و نشینی بشط ۔۔۔ آگہ از رازِ تہِ دریا شوی

۵ تو شناکردن ہمی خواہی چو بط ۔۔۔ ہست گوہر در تہِ دریا نہاں

۶ محو کن خود را تو چوں حرفِ غلط ۔۔۔ لوحِ ہستی را صفا خواہی اگر

۷ زاہدا خیر است خیر اندر وسط ۔۔۔ گاہ می سے نوش و گاہے کن نماز

آں کہ از دنیا بفرقت گیرد کنار
می نہ خواہد کہ در بر دنیا شطط

ترجمہ ۔ بوالہوس خط و خال کا اسیر ہوتا ہے لیکن ہمارے عشق میں یہ دستور نہیں۔
نمط بچھونا ۔ فرش رنگیں ۔ روش ۔ دستور ۔

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا ۔۔۔ سرخ و سفید مٹی کی صورت ہوئی تو کیا

یعنی خام اور بوالہوس لوگ ظاہری صورت اور ٹیپ ٹاپ کے دلدادہ ہوتے ہیں لیکن ہمارا عشق اس دستور سے مستثنیٰ ہے کیونکہ عشق حسن صورت سے نہیں بلکہ حسن سیرت سے مختص ہے عاشق کے دل میں جو چیز محبت پیدا کرتی ہے وہ ایک ناقابل بیان نکتہ ہے

لطیفہ ایست نہانی کہ عشق ازو خیزد	کہ نام آں نہ لب لعل و خط زنگاریست
جمال شخص نہ چشم است و زلف و عارض و خال (حافظ)	ہزار نکتہ دریں کار و بار دلداریست

گویا چشم مست اور شمع عارض یا خال سیاہ اور زلف مشکبو عاشق کو فریفتہ کرنے کے اسباب نہیں بلکہ سر عشق ایک نکتہ ہے جو ناقابل بیان ہے جس پر عاشق اپنی جان نثار کرتا ہے ۔

حسن میمندی سے لوگوں نے دریافت کیا کہ سلطان محمود کے اتنے جمیل غلام تھے کہ ہر ایک بجائے خود حسن کا دعویدار تھا مگر کسی سے سلطان کو اتنی الفت نہ تھی جتنی ایاز سے تھی جو زیادہ جمیل بھی نہ تھا حسن نے جواب دیا "ہرچہ در دل فرود آید در دیدہ نکو نماید"

(فغانی) خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست	بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست	(شیرازی)

۲۔ ترجمہ ۔ ہماری نظر میں تمام جہان ایک سا ہے جیسا کہ خط میں نقطہ پنہاں ہوتا ہے ۔

۳۔ ترجمہ ۔ جب نگاہ کثرت سے آشنا ہو جاتی تو خط بھی بن جاتا ہے اور الفاظ پیدا ہو جاتے ہیں ۔

یہ دونوں اشعار قطعہ بند ہیں جن میں قلندر صاحب نے وحدت اور کثرت کے متعلق ایک مثال لکھی ہے کہ جیسے ایک خط مستقیم میں کئی نقطے پنہاں ہوتے ہیں یہی معاملہ وحدت اور کثرت میں ہے دراصل عالم کثرت کا ظہور اسی چشمۂ نور کے جمال جانفزا سے ہے اور کائنات کے مظاہر کو اگر بنظر تعمیق دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز میں نور مطلق جلوہ ریز ہے جو پردۂ کثرت سے باہر نکل کر منصۂ شہود پہ جلوہ گر ہو رہا ہے سر العشق میں قلندر صاحب وحدت اور کثرت پر ایک اور مثال لکھتے ہیں ۔

"کہ در جیم و حی و خی بصلابت نقطہ است سہ در جیم و چہار در شین این سہ را بلا
سہ وہ بدیں بصیرت دریں نقطہ کہ بر نون جمع است نظر کن وصفت رجوع او بوحدت خبر کن"

در نقطہ اگر سر سخن می بینی	از حرف بمقدس آنچہ خواہی بینم

"نہند تساں اسرار این سخن در فہم وصفر باز یابند مثلاً یکے بود بہ صفر دہ بود و ربود صفر

نیست گردد چوں رقم محو کنند صفر ہیچ بود و چوں صفر از یکے محو کنند از کثرت بوحدت باز آید و یکے شود چنانکہ در ہر رقمے بواسطہ صفرے معنے پدید مے آید کہ پیش ازاں نبودہ است اگرچہ بے ازاں نبودہ است در ہر حرفیکہ مستّقل است ارباب بصیرت را از نقطہ معنی ظاہر مے شود کہ بواسطہ آں از حرف استغنا پدید مے آید"

ز ہر یک نقطہ زیں دور مسلسل — ہزاراں شکل مے گردد مشکل
ز ہر یک نقطہ در دگشت دائر — ہموں مرکز ہموں دور دوں سائر
یکے خط است ز اوّل تا با آخر — بر او خلق جہاں گشتہ مسافر

مراد یہ کہ جسطرح خط میں نقطے پنہاں ہیں اور نقطوں میں خط ہی راز وحدت اور کثرت میں ہے۔

۴۔ ترجمہ۔ تو دریا کی تہ کے راز سے آگاہ ہو اگر غوّاص بنے اور کنارے پر نہ بیٹھے۔

۵۔ ترجمہ۔ کیونکہ موتی دریا کی تہ میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور تو بطخ کی طرح شنا وری کرنا چاہتا ہے

شط۔ کنارۂ دریا۔ دریا۔ جو۔ غوّاص۔ غوطہ خور۔ بط۔ شراب کی صراحی ہوا۔ گرد۔ آب دانش اور بطخ مشہور آبی جانور ہے۔ شنا کردن۔ شناوری کرنا۔ تیرنا۔

یہ دونوں اشعار بھی قطعہ بند ہیں کہ گوہر ہائے آبدار دریا کی تہ میں پوشیدہ ہوتے ہیں اس لیے غوّاص بن کر دریا کی تہ تک پہنچنا چاہیئے کنارے پر بیٹھ رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا شعر ثانی کا دوسرا مصرعہ مثالیہ ہو کہ بطخ پانی کے اوپر تیرتی ہے لیکن پانی کی تہ تک پہنچ نہیں سکتی اس لئے کیڑے وغیرہ گندی چیزیں حاصل کرتی ہو لیکن اصلی چیز کی لذت سے محروم رہتی ہے۔

اصطلاحی مطلب یہ ہے کہ بحرِ وحدت ایک ناپیدا کنار سمندر ہے اور گوہر آبدار یعنی محبوبِ مطلق کی ذات کا عرفان اس کی تہ میں پوشیدہ ہے اس لئے طالب کو چاہیئے کہ کنارے پر نہ بیٹھے بلکہ آنکھیں بند کر کے دریا میں کود کر تہ نشین ہو جائے تاکہ گوہرِ مقصود ہاتھ آئے کیونکہ بطخ کی طرح پانی کے اوپر تیرنے سے وہ موتی ہاتھ نہیں آتا بلکہ بجائے اس کے تن آلودگی ہو جاتی ہے۔

دریں دریا فگن خود را کہ تا زرے بدست آری — کزیں دریائے بے پایاں گہر بسیار مے خیزد

۱۔ ترجمہ۔ اگر تو لوحِ ہستی کو صاف کرنا چاہتا ہے تو خود کو غلط حرف کی طرح مٹا دے

محو۔ زائل ہونا۔ گم ہونا۔ اور اصطلاحِ صوفیائے کرام میں وجودِ سالک کا زائل ہونا اور اثباتِ نماز

سے محو ہونے کے بعد اس کی حقیقت کا یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَ یُثْبِتُ ۔ محو کے تین مراتب ہیں

۱۔ درجۂ اولیٰ یعنی صفاتِ ذمیمہ اور اعمالِ بد کو زائل کرنا ۔

۲۔ درجۂ وسطیٰ یعنی مطلق صفاتِ حمیدہ اور ذمیمہ کو مٹا دینا ۔

۳۔ درجۂ اعلیٰ یعنی محوِ ذات ۔ جاننا چاہیئے کہ سالک کو ہر محو کے مقابلہ میں ایک اثبات حاصل ہوتا ہے اس مقام پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ "محوِ نظری است نہ محوِ علمی یعنی تحقیق سالک از نظرِ او تعلیع می گردد نہ آں کہ در نفس الامر محو شود کہ آں الحاد و زندقہ است"

"قاعدہ ہے کہ غلط اور ناپسندیدہ حرف کو عموماً مٹا دیا جاتا ہے تاکہ کاغذ پر اس کا نشان نہ رہے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر تو اپنی لوحِ ہستی کو پاک اور صاف کرنا چاہتا ہے تو اپنی خودی اور آثار و صفات کو حرفِ غلط کی طرح محو اور زائل کر دے اور بے خودی اختیار کر تاکہ تیری ہستی آئینۂ روشن کی طرح مجلّا ہو جائے اسی مضمون پر سلطان ابوسعیدؒ نے خوب نکتہ پیدا کیا ہے فرماتے ہیں

دلِ خستہ و سینۂ چاک مے باید شد	وز ہستیِ خویش پاک مے باید شد
آں بہ کہ بخود پاک شویم اوّل کار	چوں آخرِ کار خاک مے باید شد

۷۔ ترجمہ ۔ کبھی شراب پی اور کبھی نماز گزار اے زاہد بہتر وسط میں ہے ۔

حدیث میں آیا ہے خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا کام وہی اچھا ہے جو اوسط درجہ پر کیا جائے یہی مضمون شعر زیرِ تفسیر میں ہے کہ اے زاہد نماز بھی پڑھ لیکن کبھی کبھی شرابِ عشق کا ایک جرعہ بھی نوش کر لیا کر کیونکہ نماز معراج المومنین ہے اور شرابِ بیخودی وصالِ محبوب کا اچھا ذریعہ ہے اس لئے اس پر عمل بھی کر ۔

۸۔ ترجمہ ۔ اے شرف جو دنیا سے کنارہ کرتا ہے وہ دنیا پر ظلم کرنا نہیں چاہتا

شَطَطًا ۔ یقیناً ۔ اندازہ یا حد سے گزرنا ظلم کرنا

یعنی جو مردِ حق دنیا اور اہلِ دنیا سے کنارہ کش ہے وہ کسی کے در پئے آزار نہیں ہوتا مومن کی علامت یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو آزار نہ پہنچے ۔

غزل ۵۶

زاہدا از جامِ مے پرہیزگاران راچہ حظ ۱ واز نماز و روزہ و حج میگساران راچہ حظ

ماکہ از مے بیخودیم و گہ ز دیدارِ نگار ۲ واعظا زیں بیخودی ہا ہوشیاران راچہ حظ

دیدہ باشند از رخِ آں دوست اندک جلوہ ۳ ورنہ از احیائے شب زندہ داران راچہ حظ

چوں ندارد جلوہ حسن و جمالِ شاں ثبات ۴ از تغافلہائے خود ایں گلعذاران راچہ حظ

چوں نباشد جز وصالِ یار درماں نے مرا ۵ بس ز شغلِ چارہ سازی غمگساران راچہ حظ

گر نہ برداری نقاب از عارضِ خود گاہ گاہ ۶ از امیدِ وصلِ تو امیدواران راچہ حظ

چوں شرقی دل راببرد در کمندِ نازِ تو ،،
ورنہ اندر رستگاری رستگاران راچہ حظ

ا ترجمہ۔ اے زاہد جامِ شراب سے پرہیزگاروں کو کیا لطف ہے اور رندوں کو نماز روزہ اور حج سے حظ۔ بالفتح التشدید بہرہ و نصیب۔ بہارِ عجم میں لکھا ہے کہ اہلِ فارس خوشی اور خرمی کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔

زاہدانِ ظاہر پرست اور صوفیانِ صفا باطن کا مقابلہ ہے کہ زاہد لوگ جامِ شراب کے ذائقہ اور لطف سے ناآشنا ہیں۔ اور بادہ نوشانِ وحدت کو نماز روزہ اور حج میں جن کی بنا ریا و نمائش پر ہو لطف نہیں آتا۔

۲ ترجمہ۔ ہم کہ شراب اور دیدارِ محبوب سے بے خود ہیں اے واعظ ایسی بیخودی سے ہوشیاروں کو کیا حظ۔ یعنی میخواروں اور شاہد بازوں کو بیخودی میں جو لطف و سرور حاصل ہوتا ہے وہ انہیں معلوم ہے کیونکہ ہم نے مستوری کے عوض مستی خرید کی ہے جس کو ہوشیار نہیں جانتے۔

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد　　ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

اسی مضمون پر ہے۔

بردا ے لطفِ نادان زبزم مے خراماں   درلطفِ وصال مستاں چہ کار است ہوشیاراں را

۳ ترجمہ۔ اگر دوست کے رخسار سے نظارہ کا سامان دیکھا ہوگا ورنہ رات کی زندگی سے شب بیداروں کو کیا لطف ہے

عارفان شب زندہ دار ہوتے ہیں جن سے مراد تجلیاتِ محبوب کا ورود ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ شاید عاشقانِ شب بیدار مشاہدۂ انوار تجلیات سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں اگر ایسا نہیں تو شب بیداری سے انہیں لطف کیا ہے مراد یہ کہ عاشقوں کا مقصود اس شب خیزی کا مشاہدۂ انوار و تجلیات ہوتا ہے مولانا جامی قلندر صاحب کے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں

دیدہ بیخواب جامی گشت زاں رخ بہرہ مند	از فروغ ماہ جز شب زندہ داراں را چہ حظ

مولانا نے یہ غزل قلندر صاحب کے تتبع میں لکھی ہے اور یہ خیال بھی قلندر صاحب کا لیا ہے قلندر صاحب کے اس شعر میں غالباً کمی تھی مولانا نے یہ بھی اڑا دی۔

۴ ترجمہ۔ حسینان کے حسن و جمال کو قیام نہیں تو گلعذاروں کو اپنی اس تغافل شعاری سے کیا لطف ہے۔

گلعذار۔ گل رو یعنی پھول جیسے چہرے والے۔ مجازاً حسینانِ زماں۔

دنیا کی ناپائیداری اور حسینانِ مجازی کی بے ثباتی کو پھول سے تشبیہ دی گئی ہے ظاہر ہے کہ پھول کی بہار کو ثبات نہیں فرماتے ہیں کہ جب معشوقانِ مجازی کا حسن و جمال ناپائدار اور فانی ہے تو پھر انکی غفلت چہ معنی دارد۔ مراد یہ کہ غفلت چھوڑ کر حسنِ حقیقی پر کیوں جان فدا نہیں کرتے۔

بر حسنِ حقیقی جان فدا کن	کہ حسنِ دلبراں موجِ سراب است

نیز دیکھو شعر ۲۹/۴ ، ۳۴/۵

۵ ترجمہ۔ حبیب وصالِ محبوب کے سوا میرا کوئی علاج نہیں تو میرے غمخوار کو چارہ سازی کے متعلق سے کیا لطف حاصل ہے۔

درمان۔ بالفتح۔ علاج بیمار۔ اور درماندن سے فعل امر۔

یعنی حبیب میرا واحد علاج ہی وصالِ محبوب ہے تو پھر سے چارہ سازوں کی غم خواری بے سود از لطف ہے حضرت امیر خسرو چارہ گر طبیب سے فرماتے ہیں۔

از سرِ بالینِ من برخیز اے نادان طبیب	دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

مراد یہ کہ وہ جو میری غمخواری نہ کریں یہی ان کا احسان ہے۔

۶ ترجمہ۔ اگر چہرے سے نگاہ نقاب اٹھائے تو تیرے وصل کے امیدواروں کو امید

سے کیا لطف ہے۔

یعنی جب تو نے رخ زیبا سے نقاب اٹھائی ہی نہیں تو ہمیں محض امید وصل سے کیا لطف

حاصل ہو سکتا ہے اسی مضمون پر مولانا جامی فرماتے ہیں۔

اے امید ما ہمہ را از تو مسیدی بدل	غیر تو مبیدی ز تو امیدواراں را چہ حظ

مولانا نے یہ خیال بھی قند رضا صاحب سے لیا لیکن کمال مایوسی کا اظہار کیا ہے

۷ ترجمہ۔ چونکہ شرف اپنے دل کو تیری کمند ناز میں رکھتا ہے اس لئے آزادوں کی طرح اسے رنگکاری

میں کیا لطف ہے۔

رستگاری بمعنی رہائی۔ آزادی کمند۔ اصل میں خمند تھا جس کے معنی پیچ و تاب کے

ہیں یہاں کمند سے مراد زلف ہے۔

یعنی شرف تیری کمند زلف کا اسیر ہے اس لئے آزادوں کی طرح مطلق رستگاری میں اسے لطف نہیں آتا۔

دل میرا تیری زلف گرہ گیر میں الجھا	اچھا ہوا دیوانہ تھا زنجیر میں الجھا

غزل ۵۷

چوں فتد بر جانِ ما از جلوهٔ حسنت شعاع ۱ جاں کند ما را وداع و ما کنیم آں را وداع

گوشِ گرمی دارد و سر خالی از سودائے یار ۲ ننگ گر حظّے نگیرد ز آہنگِ سماع

گر نہ بیند سلیم ما عیبے نباشد اے ندیم ۳ غمزۂ یار سے بغارت می برد مارا متاع

گر نباشد از تو اندر زندگی لطفے مرا ۴ من ز لطف زندگی ہرگز نہ گیرم انتفاع

کاش بردارد نقاب از روئے خود آں ماہوش ۵ در میانِ عارف و واعظ ہمی بینم نزاع

گر ہمے خواہید پیوستن باو اے واعظاں ۶ بایہ از دنیا و دیں کردن شمارا انقطاع

۷	اے شرف ما را ز دوران حریم قدسیم نیست بر اسرار ما ہرگز کسے را اطلاع	۷

۱ ترجمہ۔ جب ہماری جان پر تیرے حسن کی شعاع پڑتی ہے جان ہم کو الوداع کہتی ہے اور ہم جان کو خیرباد کہتے ہیں۔

یعنی جب تیرا انور جلوہ نما ہوتا ہے تو میری جان شوق لذت میں جسم کو چھوڑنا چاہتی ہے اور الوداع کہتی ہے اور چونکہ ہم بھی سراپا شوق ہوتے ہیں اس لئے کہتے ہیں فی امان اللہ

۲ ترجمہ۔ اگر شیخ سماع کی آواز سے لذت حاصل نہیں کرتا تو اس کے کان بہرے ہیں اور سر سودائے یار سے خالی ہے!

آہنگ۔ آواز۔ سماع۔ سننا۔ راگ سننا۔ رقص و سرود۔

فرماتے ہیں کہ اگر شیخ کو سماع میں لطف حاصل نہیں ہوتا تو اس کے کان بہرے ہیں اور سر طبل کی طرح سودائے عشق سے خالی۔

چونکہ قلندر صاحب نے سماع کی نسبت کمال خصوصیت سے ذکر کیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق حضرات صوفیائے کرام کے خیالات کے مطابق کچھ بیان کیا جائے۔ سماع کے متعلق کشف المحجوب میں سید علی ہجویری فرماتے ہیں "کہ اس کے مدارج مختلف ہیں جیسے کسی تائب کو توبہ کرتے وقت کمال ندامت ہوتی ہے اسی طرح مشتاق کو باعث شوق رویت اور موقن کو تاکید یقین اور مرید کو تحقیق بیان اور اہل محبت کو باعث انقطاع تعلقات اور فقیر کو اساس ناامیدی غرضیکہ ہر چیز کو اس کی طرف کے مطابق ذوق و شوق حاصل ہوتا ہے۔ اور سماع کی مثال آفتاب کی طرح ہے کہ سب چیزوں پر بقدر مراتب اپنی طرف چمکتا ہے چنانچہ کسی سامع کو روشن کرتا ہے کسی کو تباہ کرتا ہے اور کسی کو نوازتا ہے"۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"بدانکہ ایزد تعالیٰ را سریست در دل آدمی کہ آں در وی چناں پوشیدہ است کہ آتش در آہن و سنگ و چنانکہ بزخم آہن بر سنگ آں سر آتش آشکارا گردد و بصحرا افتد ہمچنیں سماع آواز خوش موزوں گوہر دل را بجنباند و در وی چیزے پیدا آرد بے آں کہ آدمی را داں اختیار

بانشد آواز خوش موزوں مناسب است ہم مناسبتے دارد از عجائب آں عالم بآں سبب آگاہی در دل پیدا آید و حرقتے و شوقے پدید آورد و ہر کرا در دل آتش شوق حق تعالیٰ باشد سماع او را مہم بود کہ آں آتش تیز تر گردد۔

سید محمد بندہ نواز گیسو دراز گلبرگوی کا قول ہے:۔

"اول انوار از عالم علوی نازل مے شود بر ارواح بعدہ اثر آں ظاہر مے شود بر قلب بعدہ بر جوارح و جوارح مطابع قلب است چوں قلب متحرک شود جوارح نیز در حرکت مے آید"۔

مراد یہ کہ شیخ کو سماع میں لطف نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ عشق و محبت میں پسماندہ ہے اور یقین و ارادت میں درماندہ گویا کہ ان کے کان اس قابل نہیں کہ سماع سنیں اور سر اس لائق نہیں کہ سماع کی آواز پہ وجد کر سکے۔ شیخ سعدی سماع کی نسبت فرماتے ہیں۔

نہ مطرب کہ آواز پائے ستور — سماع است اگر عشق داری و شور
مگس پیش شوریدہ دل پر نہ زد — کہ او چوں مگس دست بر سر نہ زد
نہ بم داند آشفتہ ساماں نہ زیر — بہ آواز مرغے بنالد فقیر
چو شوریدگاں مے پرستی کنند — بر آواز دولاب مستی کنند
نہ بینی شتر بر حدائے عرب — کہ چونش برقص اندر آرد طرب
شتر را چو شور و طرب در سر است — اگر آدمی را نباشد خر است

۳ ترجمہ:۔ اے دوست اگر ہم تہیدست ہیں تو کوئی عیب نہیں کیونکہ غمزۂ یار نے ہمارا متاع غارت کر دیا

حل لغات:۔ مصاحب۔ دوست۔ متاع۔ رخت۔ پونجی۔ اسباب۔

یعنی اگر میں تہیدست ہوں تو میرا کوئی قصور نہیں کیونکہ غمزۂ محبوب نے میرے متاع کو غارت کر دیا

چشم اگر این ست و ابرو این و ناز و عشوہ این — الوداع اے زہد و تقویٰ الفراق اے عقل و دیں

۴ ترجمہ:۔ اگر مجھے زندگی میں تجھ سے کوئی لطف حاصل نہ ہو تو میں زندگی کے لطف سے ہرگز نفع حاصل نہیں کر سکتا۔

انتفاع ۔ نفع اٹھانا۔ فائدہ حاصل کرنا۔

مطلب یہ کہ اگر تیرا لطف شامل حال نہ ہو تو میری زندگی بیہودہ ہو گی۔ نظیری نے کیا خوب فرمایا ہے۔

عمرِ من بے رخصت اے زہرہ جبیں می گذرد — حیف اوقات نشد تیغ کہ بیں ہمہ گذرد

۵ ترجمہ۔ کاش وہ ماہرو اپنے چہرے سے نقاب اٹھائے کیونکہ میں عارف اور واعظ کے درمیان جھگڑا دیکھتا ہوں۔

کاش۔ کلمۂ آرزو و افسوس۔ نام شہر۔ شیشہ و آبگینہ۔ کاچ کا معرّب ہے جو ہندی لفظ ہے

نزاع۔ جھگڑا۔ دشمنی کی وجہ سے باہم کشاکش کرنا

یعنی عارف اور واعظ کے درمیان جھگڑے کا باعث محبوب کا نقاب ہے کیونکہ ہر شخص بخیال خود اس کو اپنے مذاق کے مطابق سمجھتا ہے لیکن اگر محبوب نقاب اٹھا دے تو اصلیت سمجھ میں آجائے اور جھگڑا وغیرہ مٹ جائے۔

فقیہاں دفترے رامی پرستند — حرم جویاں درے را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد — کہ یاراں دیگرے را می پرستند (عرفی)

اسی مضمون پر ہے:-

حرم و دیر کے جھگڑے نے تیری چھیڑی ہیں سر بڑے — تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے

۶ ترجمہ۔ اے واعظو اگر تم اس کو ملنا چاہتے ہو تو تمہیں دنیا اور دین سے قطع تعلق کرنا چاہیے۔

انقطاع۔ قطع کرنا۔ کاٹنا۔ دست بردار ہونا۔

یعنی اگر تم محبوب حقیقی کا وصل حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کا واحد ذریعہ تعلقات کونین سے انقطاع ہے

۷ ترجمہ۔ اے شرف ہم حریم قدس کے رازدار ہیں ہمارے اسرار کی کسی کو خبر نہیں۔

مراد یہ کہ ہم حریم حرم محبوب کے رازدار ہیں اغیار ہمارے راز و اسرار کو سمجھ نہیں سکتے

غزل ۵۸

می فروزم ہر شب از یاد رخ جاناں چراغ ۱ نیست چوں پروانہ ام از سوز عشق ہرگز فراغ

کاش بارد بر سر او سنگ و خاک از آسماں ۲ ہر کسے کو خالی از سودائے تو دارد دماغ

داغ ما در سینهٔ ما هست از عکس رخش ۳ ما نمی گیریم حظّی زینهار از سیر باغ

از خیال روی چون سیم آن نگار شوخ و شنگ ۴ دیدهٔ من پر ز اشک و سینهٔ من پر ز داغ

در گل و عطر و عبیر و عنبر و مشک و ختن ۵ از شمیم زلف تو هرگز نمی یابم سراغ

واعظا سوئے دماغی در میان عاشقان ۶ در میان بلبلان هرگز نه زیبد شور زاغ

۷ اے شرف فارغ نگشتی گر ز دنیا و ز دین
روز و شب مستانه می گردی چرا در باغ و راغ ۷

۱۔ ترجمہ۔ میں رخسارِ محبوب کی یاد میں ہر روز چراغ جلاتا ہوں مجھے پروانہ کی طرح جلنے سے ایک لحظہ فراغت نہیں۔

فراغ۔ فرصت۔ فراغت

ظاہر ہے کہ رات کے وقت عموماً چراغ جلایا جاتا ہے اور اس کے گرد پروانوں کا ہجوم بھی ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ قلندر صاحب نے محبوب کی آمد آمد کے لئے چراغ افروختہ کیا ہو کیونکہ مہمان کی تشریف آوری کے لئے چراغ افروختہ کرنا بھی خاطر و مدارات میں داخل ہے۔

۲۔ ترجمہ۔ کاش اس کے سر پر آسمان سے خاک اور پتھر برسیں جو شخص کہ تیرے سودا سے دماغ خالی رکھتا ہے یعنی جس شخص کا دماغ تیرے سودائے عشق سے خالی ہے اس پر آسمان سے خاک اور پتھروں کا مینہ برسے یعنی وہ غارت اور برباد ہو۔

۳۔ ترجمہ۔ ہمارا باغ اس کے چہرہ کے عکس سے ہمارے سینہ میں ہے ہم سیرِ باغ کی ہرگز لذت حاصل نہیں کرتے۔ رخسارِ محبوب کو گلزار سے تشبیہ دے کر سینہ کو باغ کہا گیا ہے کہ میرے سینہ میں رخِ محبوب کا عکس بمنزلہ باغ ہے اور میں اس کی سیر میں شب و روز مصروف ہوں۔ اس لئے مجھے سیرِ باغ کی حاجت نہیں۔

سینہ و دل ہیں پر از داغ برنگِ لالہ (خفقان) سیر کرنے کو یہ کافی ہے گلستاں اپنا

حضرت آصف خلد مکانی نے اوصافِ محبوب میں جو باغ لگایا تھا اس کا منظر بھی ملاحظہ ہو۔

انگلیاں لب دہن سیب ہے رخسار انار ہم ترے وصف میں اک باغ لگا دیتے ہیں

۴۔ ترجمہ۔ بائس شوخ معشوق کے چہرہ اور آنکھ کے خیال سے میری آنکھیں آنسوؤں سے پر ہیں۔ رسیدہ داغ رسیدہ

شنگ۔ اصل میں یہ بائیں کے معنی دزد اور رہزن کے ہیں لیکن معشوق پر اطلاق کرتے ہیں شوخ و ظریف

رو رہے محبوب کی یاد میں حسرت کے داغ جلتے ہیں اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ عشق محبوب میں قلندر

صاحب کی حالت بھی یہی ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ میں پھول، عطر، عنبر اور مشکِ ختن میں تیری زلف کا سراغ ہرگز نہیں پایا۔

عطر۔ بالکسر خوشبو۔ و بالفتح خوشبو دار ہونا یا خوشبو دار کرنا۔ عطر خوشبو دار پھولوں سے بنائی جاتی ہے

عنبر۔ ایک خوشبو کا نام ہے۔ مشکِ ختن۔ ختن کا نافہ مشہور ہے کستوری۔ سراغ۔ کھوج، نشان پانا۔ پیچھے

تلاش کسی چیز کی۔ شمیم۔ خوشبو، شمائم جمع ہے۔

یعنی پھول اور عطر و عنبر و مشکِ ختن کی خوشبو تیری گیسوئے زلف کی رہینِ منت ہیں یعنی ان کی خوشبو

تیری شمیم زلف سے عاریتاً لی گئی ہے اور تیری زلف کی خوشبو کو ان پر فوقیت حاصل ہے۔

۶۔ ترجمہ۔ اے واعظ تو عاشقوں کے درمیان مخل عیش ہے جیسے بلبلوں کے درمیان کوے کا شور

ہوتا ہے۔ دماغ۔ وہ شخص جو کسی کی عیش میں خلل انداز ہو۔ زاغ۔ کوا مشہور پرندہ ہے۔

یعنی واعظ کی بے ہنگام آواز عاشقوں کے درمیان اس طرح ناخوشگوار ہے جیسے بلبلوں کی خوش الحانی

میں شورِ زاغ۔ مراد یہ کہ واعظوں کی قیل و قال صوفیائے صفا کیش کے وجد و حال اور اشتغال و صدقِ مقال میں شورِ زاغ کی

طرح خلل انداز ہے۔

۷۔ ترجمہ۔ اے عزیز اگر تو دنیا و دیں سے فارغ نہیں تو باغ و راغ میں شب و روز کیوں مستانہ وار پھرتا ہے

راغ۔ صحرا، دامنِ کوہ، مرغزار

یعنی عجب تو دین و دنیا سے فارغ نہیں تو باغ و راغ یعنی عالم اسباب میں مستانہ وار کیوں پھرتا ہے

بلکہ ایسی اسیری سے نادم ہو۔ ناصحانہ انداز ہے کہ تعلقاتِ دنیا میں گرفتار ہو کر اس چند روزہ زندگی پر مست

اور غفلت شعار نہیں ہونا چاہیے۔

غزل ۵۹

ساقی گرفت جامِ مئے لالہ گوں بکف ۔۔۔ ۔ مطرب ترانہ کرد برآہنگِ چنگ و دف

گر نشنویم نغمہ و ساغر نہ برکشیم ۲ بارے کنیم عمرِ گرانمایہ را تلف

دوش از شکستِ توبہ پشیماں ہمے شدم ۳ آمد ندائے ہاتفِ غیبی کہ لاتخف

رازے نہاں ز پیرِ مغاں است در دلم ۴ چوں گوہرے کہ سر نہ بروں آرد از صدف

جان و دل از برائے ہدف پیش آورم ۵ تیرے اگر بغمزہ نشانی تو بر ہدف

باید ترا کہ تیغ بروں آری از نیام ۶ ما عاشقاں ستادہ چو باشیم صف بصف

ایں لعبتانِ شوخ کہ باشند سنگ دل
رحمے نمے کنند بجان و دلِ شرف

۱؎ ترجمہ۔ ساقی نے شراب سرخ کا جام ہاتھ میں پکڑا ہے اور مطرب نے چنگ و دف کی آواز میں ترانہ گایا۔

۲؎ ترجمہ۔ اگر ہم نغمہ نہ سنیں اور ساغر نوش نہ کریں تو ہم اپنی گرانمایہ عمر کو تلف کرتے ہیں۔

مطرب بکسر گانے والا گویا۔ ڈوم۔ ترانہ۔ سرود نغمہ۔ راگ کی ایک قسم کا نام ہے اور رباعی کو بھی ترانہ کہتے ہیں۔ چنگ۔ بالفتح باجہ مشہور ہے انگلش ہارپ۔ نام کتاب مانی۔ پنجہ چنگل آدمیوں اور جانوروں کا دف۔ بالفتح۔ ایک مشہور ساز کا نام ہے۔ یہ دونوں اشعار قطعہ بند ہیں جس میں قلندر صاحب نے بزمِ طرب کا ایسا موثر سین کھینچا ہے جو مے خواروں کی عین حسبِ منشا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب معشوق کے ہاتھ میں مئے گلگوں کا جام ہو اور مطرب چنگ و رباب سے نغمات گا رہا ہو تو عاشقوں کو بزمِ طرب میں شریک نہ ہونا اپنی گراں مایہ عمر کو تلف کرنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے اس لئے وہ توبہ توڑ دینے پہ مجبور ہوتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ اگر میں مطرب کے نغمات نہ سنوں اور شراب نوش نہ کروں تو میرا یہ فعل عمر گرانمایہ کو تلف کر دینے کے مترادف ہوگا چنانچہ غزل کے تیسرے شعر میں آپ قلندر صاحب نے ذکر کر ہی دیا کہ اس بزم طرب اور مجلسِ نشاط سے متاثر ہو کر میں نے توبہ توڑ دی اور ہاتفِ غیب کی آواز آئی لاتخف یعنی شکستِ توبہ کا خوف نہ کر

۳؎ ترجمہ۔ میں کل توبہ توڑنے سے پشیمان ہوا لیکن ہاتفِ غیب کی آواز آئی کہ خوف نہ کر

ہاتف ۔ آواز دینے والا فرشتہ جو غیب سے آواز دے اسم فاعل از ہتف بمعنی آواز دینا ۔

یعنی کل میں نے شراب پی کر توبہ توڑ دی لیکن بعد میں اپنی حرکت پر بہت پشیمان ہوا مگر میری دلجوئی اور ہمت افزائی کے لئے ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اے قلندر ساغر سے زیادہ نوش کر توبہ ٹوٹنے کا خیال نہ کر اور اپنے فعل پر پشیمان نہ ہو مولانا جامی قلندر صاحب کا خیال لے کر شکستِ توبہ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں ۔

گفتم بعزم توبہ نہم جام مے زکف　　　مطرب زد این ترانہ کہ مے نوش لاتخف

میر مہدی حسن مجروح کی سنئے کیا لکھتے ہیں ۔

مری ٹوٹی ہوئی توبہ کے ٹکڑے　　　اٹھا لانا درِ پیرِ مغاں سے
کہنا میں جوڑ کر پھر اس کو توڑوں　　　بس اک جام شرابِ ارغواں سے

حافظ جلیل حسن جلیل بنائی بھی جب توبہ توڑنے پر آئے تو کہہ ہی دیا ۔

میں توبہ کر چکا تھا پر کیا کروں جلیل　　　کالی گھٹا کو دیکھ طبیعت مچل گئی

٤ ترجمہ ۔ پیرِ مغاں سے ایک خفیہ راز میرے دل میں ہے اس موتی کی طرح جو صدف سے سر باہر نہیں لاتا ۔

صدف ۔ سیپ از قطب کی طرف مثلث کی شکل کے بیچ تھا جس کو صدفِ قطب کہتے ہیں ۔

یعنی پیرِ مغاں نے مجھے ایک خفیہ راز بتایا جو میرے دل میں گوہرِ صدف کی طرح پوشیدہ ہے جس کا افشا کرنا خلافِ مصلحت ہے ممکن ہو کہ شکستِ توبہ کی اہمیت بتائی گئی ہو ۔

٥ ترجمہ ۔ میں نشانے کے لئے تیرے سامنے جان و دل لایا ہوں اگر تو غمزے سے تیر نشانے پر چلائے ۔

مراد یہ کہ اپنی جان اور دل اس لئے تیرے سامنے لایا ہوں کہ تو تیرِ غمزہ سے انہیں مجروح کرے

ادھر بھی ایک نظر ادھر سے نگاہ ناز　　　یہی جگہ ہے ترے تیر کے نشانے کی

٦ ترجمہ ۔ تجھے نیام سے تلوار نکالنی چاہئے کیونکہ ہم عاشق صف بصف ایستادہ ہیں

نیام ۔ بالکسر تلوار کا خول جس میں تلوار رکھی جاتی ہے اور نائم کی جمع ہے بمعنی خوابہا عیدیں اور نائم کی بھی جمع ہے یعنی مردمانِ خوابیدہ ۔

یعنی تیرے عشاق گھائل ہونے کی تمنا میں قطار در قطار ایستادہ ہیں ۔ اس لئے تجھے جلدی تلوار کو نیام سے نکالنا چاہئے ۔

٧ ترجمہ ۔ یہ شوخ معشوق ایسے سنگدل ہیں کہ شرف کی جان اور دل پر رحم نہیں کرتے ۔

گر نشنویم نغمہ و ساغر نہ برکشیم ۲ ما بے کنیم عمر گرانمایہ را تلف

دوش از شکستِ توبہ پشیماں ہمے شدم ۳ آمد ندائے ہاتفِ غیبی کہ لاتخف

رازے نہاں ز پیر مغاں است در دلم ۴ چوں گوہرے کہ سر نہ برون آرد از صدف

جان و دل از برائے ہدف پیش آورم ۵ تیرے اگر بغمزہ نشانی تو بر ہدف

باید ترا کہ تیغ برون آری از نیام ۶ ما عاشقاں ستادہ چو باشیم صف بصف

ایں لعبتانِ شوخ کہ باشند سنگ دل
رحمے نمے کنند بجان و دلِ شرف

۱ترجمہ۔ ساقی نے شرابِ سرخ کا جام ہاتھ میں پکڑا ہے اور مطرب نے چنگ و دف کی آواز میں ترانہ گایا۔

۲ترجمہ۔ اگر ہم نغمہ نہ سنیں اور ساغر نوش نہ کریں تو ہم اپنی گرانمایہ عمر کو تلف کرتے ہیں۔

مطرب۔ بفتح گانے والا۔ گویا۔ ڈوم۔ ترانہ۔ سرود و نغمہ۔ راگ کی ایک قسم کا نام ہے اور رباعی کو بھی ترانہ کہتے ہیں۔ چنگ۔ بفتح باجہ مشہور ہے انگلش میں نام ہارپ ثانی پنجہ چنگل آدمیوں اور جانوروں کا دف۔ بالفتح۔ ایک مشہور ساز کا نام ہے۔ یہ دونوں اشعار قطعہ بند ہیں جس میں قلندر صاحب نے بزمِ طرب کا ایسا نقشہ کھینچا ہے جو مے خواروں کی عین حسبِ منشا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب عاشق کے ہاتھ میں مئے گلگوں کا جام ہو اور مطرب چنگ و رباب سے نغمات گا رہا ہو تو عاشقوں کو بزمِ طرب میں شریک نہ ہونا اپنی گراں مایہ عمر کو تلف کر دینے کے مترادف معلوم ہوتا ہے اس لئے وہ توبہ توڑ دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ اگر میں مطرب کے نغمات نہ سنوں اور شراب نوش نہ کروں تو میرا یہ فعل عمر گرانمایہ کو تلف کر دینے کے مترادف ہوگا چنانچہ غزل کے تیسرے شعر میں آخر قلندر صاحب نے ذکر کر ہی دیا کہ اس بزمِ طرب اور مجلسِ نشاط سے متاثر ہو کر میں نے توبہ توڑ دی اور ہاتفِ غیب کی آواز آئی لاتخف یعنی شکستِ توبہ کا خوف نہ کر

۳ترجمہ۔ میں کل توبہ توڑنے سے پشیمان ہوا لیکن ہاتفِ غیب کی آواز آئی کہ خوف نہ کر

ہاتف ۔ آواز دینے والا فرشتہ جو غیب سے آواز دے اسم فاعل از ہتف بمعنی آواز دینا ۔

یعنی کل میں نے شراب پی کر توبہ توڑ دی لیکن بعد میں اپنی حرکت پر بہت پشیمان ہوا مگر میری دلجوئی اور ہمت افزائی کے لئے ہاتفِ غیب نے آواز دی ؎ اے قلندر ساغر سے زیادہ لوٹ توبہ ٹوٹنے کا خیال نہ کر اور اپنے فعل پر پشیمان نہ ہو مولانا جامی قلندر صاحب کا خیال لے کر شکستِ توبہ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں ۔

گفتم بعزم توبہ ہم جام سے بکف　　　مطرب زد این ترانہ کہ سے لاتخف

میر مہدی حسن مجروح کی سنئے لکھتے ہیں ۔

مری ٹوٹی ہوئی توبہ کے ٹکڑے　　　اٹھا لانا در پیرِ مغاں سے
کہنا میں جوڑ کر پھر اس کو توڑ دوں　　　بس ایک جام شراب ارغواں سے

حافظ جلیل حسن جلیل بیناؔئی بھی جب توبہ توڑنے پر آئے تو کہہ ہی دیا ۔

میں توبہ کر چکا تھا پر کیا کروں جلیل　　　کالی گھٹا کو دیکھ طبیعت مچل گئی

۴ ترجمہ ۔ پیرِ مغاں سے ایک خفیہ راز میرے دل میں ہے اس موتی کی طرح جو صدف سے سر باہر نہیں لاتا ۔

صدف ۔ سیپ از نطب کی طرف مثنوی کی شکل کے تین تمارس کو صدفِ نطب کہتے ہیں ۔

یعنی پیرِ مغاں نے مجھے ایک خفیہ راز بتایا جو میرے دل میں گوہرِ صدف کی طرح پوشیدہ ہے جس کا افشا کرنا خلافِ مصلحت ہے ممکن ہو کہ شکستِ توبہ کی اہمیت بتائی گئی ہو ۔

۵ ترجمہ ۔ میں نشانے کے لئے تیرے سامنے جان و دل لایا ہوں اگر تو غمزہ کے تیر نشانے پر چلائے ۔

مراد یہ کہ اپنی جان اور دل اس لئے تیرے سامنے لایا ہوں کہ تو تیرِ غمزہ سے انہیں مجروح کرے

ادھر بھی ایک نظر اومرے شکار افگن　　　یہی جگہ ہے ترے تیر کے نشانے کی

۶ ترجمہ ۔ تجھے نیام سے تلوار نکالنی چاہئے کیونکہ ہم عاشق صف بصف ایستادہ ہیں

نیام ۔ بالکسر تلوار کا خول جس میں تلوار رکھی جاتی ہے اور نوم کی جمع ہے بمعنی خوابہا نیندیں اور نائم کی بھی جمع ہے بمعنی مردمانِ خوابیدہ ۔

یعنی تیرے عشاق گھائل ہونے کی تمنا میں قطار در قطار ایستادہ ہیں ۔ اس لئے تجھے جلدی تلوار کو نیام سے نکالنا چاہئے ۔

۷ ترجمہ ۔ یہ شوخ معشوق ایسے سنگدل ہیں کہ شرف کی جان اور دل پر رحم نہیں کرتے ۔

لگتیاں رسیت باطنم کی جیسے ہے گپڑے کی بنائی ہوئی وہ چیزیں جن سے لڑکیاں کھیلتی ہیں۔ گڑیاں
معشوق عمر نا ہیوفا اور بیرنگ ایسے تھے۔ قلندر صاحب بھی محبوب کی شفقت و محبت کے شائی ہیں۔

خوب رہو کے باوفا ہوئے (داغ) ہم شائیں اگر خدا ہو رہے

غزل ۶۰

رویئے تو سوزد مرا از آتشِ پنہانِ عشق ۱ موئے تو باشد مرا سلسلہ جنبانِ عشق

سر نہ فرو آورم پیش کسے در جہاں ۲ سر چو من بنہادہ ام بر خطِ فرمانِ عشق

دست بدامانِ خضر کے زند از احتیاج ۳ آں کہ در دستش بود گوشۂ دامانِ عشق

منزلِ مقصود اگر ہست ترا در نظر ۴ یک قدم شوق زن سوئے بیابانِ عشق

لقمۂ دنیا منہ در دہن و کامِ خویش ۵ خواہی اگر واعظا لقمۂ از خوانِ عشق

زود بگریزد ز سر چوں بشود ناگہاں ۶ بر صفِ عقل و خرد حملۂ سلطانِ عشق

۷	ہوش بگریزد ز سر واعظِ مغرور را گر تو زنی اے شرف نعرہ چوں مستانِ عشق	۷

۱ ترجمہ۔ تیرا چہرہ مجھے عشق کی پنہاں آگ سے جلاتا ہے اور تیری زلف میرے عشق کی لڑی کا سلسلہ ہے
فرماتے ہیں کہ تیرا چہرہ مجھے آتشِ عشق سے جلاتا ہے اور تیری زلف میرے عشق کی سلسلہ جنباں ہے
یعنی آتشِ عشق کی حدت کو تیز کرتی ہے شعراء محبوب کو شعلہ سے بھی تشبیہ دیتے ہیں اور شعلہ سے جل جانا ظاہر
ہے ہی۔ اور زلف چونکہ چہرے کیلئے نقاب کا کام دیتی ہے اس لئے عاشقانِ جمال کی بیقراری حدِ اعتدال سے تجاوز
ہو جاتی ہے۔

۲ ترجمہ میں دنیا میں کسی کے آگے سر فرو نہیں کرتا کیونکہ میں نے عشق کے فرمان پر سر رکھا ہوا ہے۔

سر بافسر و نبایدید بکسان ابروئے کس (حافظ) کہ درونِ گوشہ گیراں زجہاں فراغ دارد	

۳ ترجمہ۔ وہ شخص خضر کا دامن کب احتیاج پکڑتا ہے جس کے ہاتھ میں دامانِ عشق ہو۔

مطلب یہ کہ جس نے عشق اختیار کیا اُسے خضر کا دامن پکڑنے کی کوئی احتیاج نہیں مراد یہ کہ وہ مقامِ طلب میں کسی سہارے کی تلاش نہیں کرتا کیونکہ عشق اس کا خضرِ راہ ہے اور سرمایۂ شوق راہنما

نہ پکڑیں دامنِ الیاس گرداب بلا میں ہم — کہ بدتر ڈوب کر مرنے سے ہے جینا سہارے کا

۱۴ ترجمہ۔ اگر منزلِ مقصود تیری نظروں میں ہے تو بیابانِ عشق کی طرف ایک قدم شوق اٹھا۔

یعنی اگر تجھے منزلِ مقصود پر پہنچنے کی تمنا ہے تو سرمایۂ شوق ساتھ لے اور قدم اٹھائے چلا جا

سعیٔ عمل کی بہترین تعلیم ہے۔

مل ہی جائے گی کبھی منزل لیلیٰ اقبال — کچھ دنوں اور ابھی بادیہ پیمائی کر

۱۵ ترجمہ اے حافظ اگر تو خوانِ عشق سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو دنیا کا اندیشہ ہیں نہ رکھ۔

یعنی اگر تو سفرۂ عشق سے شکم سیر ہونا چاہتا ہے تو اکلِ حلال پیدا کر حدیث میں آیا ہے۔

اَلدُّنْيَا جِيْفَةٌ وَطَالِبُهَا كِلَابٌ ط — یعنی دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے

ایں جہاں بر مثال مردار یست — کرگساں اندر او ہزار ہزار

ایں مرآں را ہمے زند مخلب — وآں مرایں را ہمے زند منقار

آخر الامر بگذرند ہمہ — وز ہمہ باز ماند ایں مردار

۱۶ ترجمہ جب سلطانِ عشق عقل وخرد کی صفوں پر حملہ کرتا ہے تو وہ بہت جلدی بھاگ نکلتی ہیں۔

یعنی جب سلطانِ عشق لشکر آرائی کرتا ہے تو حریفِ عقل مقابلہ سے عاجز ہو کر بھاگ نکلتا ہے عشق وعقل کی نسبت مختلف شعرا کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

عشق مستغنی است از تدبیرِ عقلِ حیلہ گر (صائب) شیر سے کی سازد عصائے خود دمِ روباہ را

اے عشق ترا درج مقدس منزل — سودائے ترا عقل مجرد محمل

سیاحِ جہانِ معرفت یعنی دل (سنائی) از دست غمت دست بسر پا بگل

اے عقل اگر پسند نشد یعنی دوں شو — دے دل ز دست بگرد داہو خوں شو

در پردہ آں نگار دیگر گوں شو (سنائی) بے چشم درآ و بے زباں بیروں شو

عقل بر کارِ عشق سوخت سپند (نظیری) مشکلِ ایں گنبدے کبود آمد

مدتے بود عقل در آہست (عنصری) ماندہ در رخت بہمت دل

حسنِ دلدار چوں ستیزے کند دفترہا حرفِ او گم شدہ عقل افزوں

عشق بے جلوۂ معشوق میسر نہ شود (جامی) عقل و دیں کو سبد آں دم کہ دلالہ کند

سنگِ جفائے عشق تو دریک دگر شکست (//) ہر چند عقل شیشۂ ناموس ز نیرنگ ساخت

ز طوۂ عشق ہمہ کار عقل دگر شد (نظیری) چو آصفے کہ سلیمانش اہرمن باشد

ترجمہ ۵۱ و شرف اگر زمستانِ عشق کی طرح ایک نعرہ مارے تو واعظِ مغرور کے ہوش اڑ جائیں۔

مطلب صاف ہے کہ اگر زمستانِ عشق کی طرح ایک نعرہ مارے تو واعظ کے ہوش و حواس باختہ ہو جائیں

گریزاں کیوں نہ ہوں اغیار میری آہ کو سنکر — شیاطیں بھاگتے ہیں نعرۂ اللہ اکبر سے

غزل ۶۱

فدائے روئے تو از ضمنِ افلاک ۱ بفرقِ تو ہنوز تاجِ لولاک

بکش از رخ نقاب اے ماہِ یثرب ۲ بزن در جیب و داماں و دلم چاک

بیفگن آتشے در سینۂ من ۳ کہ سوزد خرمنِ صبرم سراپاک

سپے نالم کہ بر روئے بنالم ۴ ز راہِ تو اگر یابم کفِ خاک

بیا برقِ جمالِ خویش افگن ۵ وجودِ من بود چوں خار و خاشاک

بزن تیغے سراسر ز غمزہ ۶ بکن رحمے سرا بر جانِ غمناک

چو سوزم ز آتشِ ہجرِ تو ہر دم ۷ نباشد ز آتشِ دوزخ مرا باک

حدی خواں خوش انداز گفتِ تو یکدم ۸ شود جنازۂ من چست و چالاک

بجیب و دامنش صد چاک دارد
قلندر بو علی بیباک بیباک

ترجمہ ۱ ارض و سما تیرے چہرے پر فدا ہیں اور تیرے سر پر لولاک کا ہنوز تاج ہے

ارضین و افلاک ۔ جمع ہے ارض و سما کی ۔ زمین اور آسمان ۔ **فرق** ۔ بالفتح سر جس کو عربی میں راس کہتے ہیں ۔ سر کے بالوں کا میانہ جس کو ہندی میں مانگ کہا جاتا ہے ۔ **کشادگی** ۔ **لولاک** ۔ اشارہ ہے لولاک لما خلقت الافلاک کی طرف کہ اگر تو نہ ہوتا تو خداوند عالم افلاک کو پیدا نہ کرتا ۔

گو نعتیہ غزل ہے لیکن صوفی شعرا کی طرح قلندر صاحب کی شاعری بھی عاشقانہ ہے حمد ہو یا نعت عاشقانہ رنگ غالب ہوتا ہے ۔

فرماتے ہیں کہ تیرے روئے پر نور پر ارض و سما والہ و فدا ہیں اور تیرے سر پر لولاک لما خلقت الافلاک کا منوّر تاج ہے ۔

یوں بھی تخلیقِ عالم کی علت غائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ جامع الصفات ہے قلندر صاحب ضمناً اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے دوسرے شعر میں اپنی فدائیت کا اظہار کرتے ہیں ۔

۲ ۔ ترجمہ ۔ اے یثرب کے چاند چہرے سے نقاب اٹھا اور میرے دل کی جیب داماں کو چاک کر

یثرب ۔ بالفتح اوّل نام مدینہ منورہ **جیب** ۔ عرب میں پہلے سینہ و دل کو کہتے تھے پھر گریبان کو کہنے لگے کہ سینہ پر ہوتا ہے ۔

حسرت ہے کہ جس چہرے پر ارض و سما فدا ہیں اے ماہرو اس رخسارِ پر انوار سے نقاب اٹھا اور مجھے دیدار سے مشرف کر تاکہ میرا دل پاش پاش ہو ۔

برکش نقاب از رخِ آتش جمالِ خویش	اے از رخِ تو اوفتدت النار فی القلوب

۳ ۔ ترجمہ ۔ میرے سینہ میں آگ لگا تاکہ جلے اور میرے صبر کا خرمن چاک ہو ۔

۴ ۔ ترجمہ ۔ میں روتا ہوں کہ تیرے رستہ کی خاک پا اپنے چہرہ پر کب ملوں گا کاش وہ مجھے حاصل ہو ۔

یعنی میں مدتوں سے بایں خواہش روتا ہوں کہ مجھے تیرے راستہ کی خاک ملے تاکہ اس کو میں اپنے چہرہ پر ملوں

آرزو دارم کہ خاکِ آں قدم	توتیائے چشم سازم دم بدم

۵ ۔ ترجمہ ۔ آ اور اپنے جمال کی تجلی گرا جب کہ میرا وجود خس و خاشاک کی طرح ہے ۔

آرزو ہے کہ محبوب آئے تاکہ میرا وجود اس کی شمعِ جمال پر پروانہ وار جل کر نثار ہو ۔

۶ ۔ ترجمہ ۔ غمزہ سے تیرے سر پر تلوار مار اور میری غمناک جان پر رحم کر ۔

شوقِ شہادت اور اشتیاقِ فدائیت میں محبوب سے التجا کرتے ہیں کہ مجھے تیغِ غمزہ سے شہید

کہ کے تشنہ لبی سے نجات دیدے۔

۷۔ ترجمہ۔ جب میں ہر وقت ہجر کی آگ میں جلتا ہوں تو مجھے آتشِ دوزخ کا خوف نہیں۔

مطلب صاف ہے "عاشق را از دوزخ نترسانیدن آنچنان بود چوں پروانہ دیرا لہذا از شمع تخویف کردن"

۸۔ ترجمہ۔ اگر حدی خواں ایک ساعت تیری نعت پڑھے تو میرا جمازہ چست و چالاک ہو جائے۔

حُدی بضم اول فتح دال ایک راگ کا نام ہے جو عرب میں شتربان گاتے ہیں اور اونٹ اُن کی آواز پر مست ہو کر تیز چلنے لگتا ہے جمّازہ۔ بفتح اول و تشدید میم۔ اشترِ تیز رفتار صیغہ مبالغہ ہے۔

یعنی اگر کوئی حدی خواں کی طرح تیری نعت پڑھے تو میرا اشتر بھی مست ہو کر تیز ہو جائے۔

۹۔ ترجمہ۔ رگل تیری محبت میں اپنے جیب و دامان میں صد چاک رکھتا ہے۔

بیباک۔ صیغہ واحد حاضر۔ ماخوذ از ہوا یعنی محبت۔

مراد یہ کہ محبت سے قرار ہے۔

غزل ۶۲

آمدیم از صحبتِ ابنای ننگ	۱	مانمی خواہیم ہرگز نام و ننگ
باکس و ناکس نشوی در آشتی	۲	تو اگر با نفسِ خود آئی بجنگ
راہِ عابد نیست جز راہِ صفا	۳	راہ عاشق نیست جز کامِ نہنگ
سر زجیبِ تو لنگ آمد صرا	۴	دستم از عشقِ تو آمد زیرِ سنگ
عمرِ رفتہ باز پس ناید ترا	۵	از کماں برجستہ می ناید خدنگ
پس غنیمت ہر نفس را بے شمار	۶	دامنِ عشرت ہمہ بیروں زچنگ
نغمہ بر زن بر نوائے مطرباں	۷	جام بر کش از شرابِ لعل رنگ
دل بود آئینہ و آئینہ را	۸	پاک باید کرد از ہر داغ و زنگ
تا جمالِ سرمدی بینی عیاں	۹	اندر آں آئینہ بے ریب و درنگ

برنتابد عشق عسلم و عقل را ۱۰ ایں چنیں توسن دریں وادی بت لنگ
زاہداں را مے رود ایماں بباد ۱۱ درمیانِ شاہدانِ شوخ و شنگ

۱۲ عشق غالب اے شرف آید بہ عقل
چوں بر آہو حملہ مے آرد پلنگ ۱۲

ترجمہ۔ ہم ننگ و ناموس کو نہیں چاہتے کیونکہ ہم ان کی صحبت سے تنگ آ گئے

ایماں کا اشارہ ننگ و ناموس کی طرف ہے چونکہ مخالفِ مذاقِ صحبت ہمیشہ تکلیف دہ ہوتی ہے اس لئے انسان فطرتاً اس سے گریز کرتا ہے۔

گرچہ بدنامیست نزدِ عاقلاں ما نمے خواہیم ننگ و نام را

ترجمہ۔ تیری ہر کس و ناکس کے ساتھ صلح ہو اگر تو اپنے نفس کے ساتھ جنگ کرے۔

نفس کے جنگ کو حدیث میں جہادِ اکبر کہا گیا ہے رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر کہتے ہیں کہ اگر تو اپنے نفس سے جنگ کر کے اس کو مغلوب کر لے تو ہر شخص سے تیری صلح اور دوستی ہو جائے نفس امارہ کے متعلق مثنوی شریف میں مولانا روم فرماتے ہیں

مادرِ بتہا بتِ نفسِ شماست زانکہ آں بت مار وایں بت اژدہاست
آہن و سنگ است بت شرار آں شرار از آب مے گردد فرار
بت سیاہ آبیست در کوزہ نہاں نفس مر آبِ سیاہ را چشمہ داں
بت دروں سینہ چوں آب سیاہ نفس شوریست چشمہ آں آب را۔

پس نفس امارہ جس کو مولانا نے بتِ سنگ سے بھی بدتر خیال کیا ہے ایک ایسا بت ہے جس کے ساتھ جنگ کرنے کو حدیث شریف میں جہادِ اکبر کہا گیا ہے کیونکہ جہادِ ظاہری میں مخالف نظر آتا ہے لیکن حریفِ نفس نظر نہیں آتا اور چھپ کر حملہ کر کے متاعِ ایمان کو غارت کر دیتا ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ اگر تو اپنے نفس پر غالب آ جائے گا تو ہر کس و ناکس سے تیری صلح ہو گی کیونکہ نفس کو مغلوب کرنے کے بعد تمام روحانی طاقتیں اور دلی فیوض انوار کے اہل بن جاتے ہیں جس کے بعد دونوں عالم کو تسخیر کر لینا کوئی مشکل بات نہیں اور اسی تسخیر کو شاعر نے صلح و آشتی سے تعبیر کیا ہے۔

"۳۔ ترجمہ۔ عابد کو راہِ صفا کے سوا کوئی رستہ نہیں اور عاشق کو کام نہنگ کے سوا۔

صفا۔ بالفتح۔ پاک۔ بے غش۔ بے کدورت۔ مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے اور اس کے پاس ایک دوسرا پہاڑ ہے جس کو مروہ کہتے ہیں حاجی لوگ ان کے درمیان تخمیناً دو سو قدم سات بار دوڑتے ہیں اصطلاح میں اس کا نام سعی ہے جو ارکانِ حج میں داخل ہے قرآنِ مجید میں آیا ہے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا "تحقیق صفا اور مروہ نشانیوں اللہ کی سے ہے پس جو کوئی حج کرے گھر کا یا عمرہ کرے پس نہیں گناہ اوپر اس کے یہ کہ طواف کرے بیچ ان دونوں کے"

تفسیرِ حسینی میں لکھا ہے "کہ چوں کفار روزِ جاہلیت طوافِ ایں دو کوہ مے کردند اہلِ اسلام را ازاں شعار عار مے آمد حق تعالیٰ فرمود کہ طوافِ ایں دو کوہ در حج و عمرہ بجائے باید آورد و بے دغدغہ کہ از شعائر است" کام مقصود۔ مراد۔ حلق کا نالائی حصہ جس کو ہندی میں تالو کہتے ہیں۔ یہاں مطلق منہ مراد ہے نہنگ۔ بالفتح مشہور آبی جانور کا نام ہے گرمچھ۔ سنسار۔

مشکلاتِ حج اور عشق کا مقابلہ ہے قلندر صاحب کے زمانے میں بہ نسبت آج کل کے فریضہ حج ادا کرنے میں حاجیوں کو بہت سی مشکلات اور مصائبِ راہ کا سامنا کرنا پڑتا تھا دورِ حاضرہ کی طرح آمد و رفت کے لئے ریلیں اور دخانی جہاز نہ تھے اکثر پا پیادہ سفر کرنا پڑتا تھا اور راستے میں قطاع الطریق اکثر تکلیف دیتے تھے لیکن آج کل ہر طرح کی آسانی ہو گئی ہے قرآنِ مجید میں آیا ہے وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ یعنی لوگوں میں حج کا اعلان کر دو وہ تمہارے پاس آئیں گے پیادہ اور ہر دبلے اونٹ پر سوار ہو کر ہر دور افتادہ مقام سے" اس ارشاد کے مخاطب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضور رسول اللہ صلعم تھے فرماتے ہیں کہ ان مصائب کے ہوتے ہوئے گو فریضہ حج ادا کرنا کتنا ہی مشکل ہو لیکن نہنگِ عشق کا شکار ہونا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

عشق یار ست و صد آفات و محن لازم و ملزوم	ایں منزلِ دشوار رہِ سخت بلا است

۴۔ ترجمہ۔ تیرے ہجر کی بھیڑ کا سر پر پتھر آیا اور تیرے عشق سے میرا ہاتھ پتھر کے نیچے آیا

قاعدہ ہے کہ اگر کسی کے سر پر بھاری پتھر رکھ کر اس کا ہاتھ پتھر کے نیچے دبا دیا جائے تو اس کے لئے یہ مصیبت ناقابلِ برداشت ہو گی کیونکہ نہ تو وہ پتھر کو سر سے اتار سکتا ہے اور نہ پتھر کے نیچے سے ہاتھ نکال سکتا ہے مراد یہ کہ تیرے عشق میں بعینہ یہ حالت میری ہے کہ سر بر زیرِ سنگِ فراق ہے اور ہاتھ زیرِ سنگ نہ پائے

رونق نہ جائے ماندن

۵ ترجمہ۔ تیری گذری ہوئی عمر واپس نہ آئے گی جیسے کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آتا

۶ ترجمہ۔ اس لئے ہر سانس کو غنیمت شمار کر اور چنگ سے دامنِ عشرت باہر نہ لے جا۔

خدنگ لغت میں ایک درخت کا نام ہے جس کی لکڑی نہایت مضبوط صاف اور سیدھی ہوتی ہے چونکہ زیادہ تر اسی لکڑی کے تیر بنائے جاتے ہیں لہذا اس کے تیر کو بھی خدنگ کہنے لگے اور چھوٹے تیروں کی ایک قسم کو بھی خدنگ کہتے ہیں۔

یعنی جیسے کمان کی گود سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آسکتا یہی حال انسانی زندگی کا ہے دوسرے شعر میں اس عمر تیز رفتار کے بیجا اسراف سے پرہیز کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ کیونکہ زندگی کو بقا نہیں اس لئے ایک ایک سانس کو غنیمت شمار کرنا چاہیے ظاہر ہے کہ جب کمان سے تیر چھوٹ جائے تو واپس نہیں آسکتا وقت از دست رفتہ و تیر از کمان جستہ باز نمے آید اس لئے۔

نیکی کن اے فلان و غنیمت شمار عمر (سعدی) زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

عمرے کہ گنج دہر نفس از وے یکے گہر (جامی) گنج چنیں نفیس مکن رائیگاں تلف

۷ ترجمہ۔ مطرب کی آواز پر نغمہ گا اور سرخ شراب سے ایک جام نوش کر۔

مراد یہ کہ عیش لذت کی کوشش کر مطرب کے ساتھ گا اور رعنائی سے شراب سرخ کا پیالہ پی۔

پر کن قدح بادہ و بر کفم نہ نقدے ز ہزار نسیہ خوشتر باشد

۸ ترجمہ۔ دل آئینہ ہے اور آئینہ کو داغ اور زنگ سے پاک کرنا چاہیے۔

۹ ترجمہ۔ تاکہ تو بے شک و شبہ اس آئینہ میں جمالِ سرمدی کو عیاں دیکھے

جب تک آئینہ کو زنگ و آلائش سے صاف نہ کیا جائے اس میں کچھ نظر نہیں آتا انسان کا دل بھی مثل آئینہ کے ہے اگر یہ صاف ہو تو جمالِ محبوب اس میں دیکھا جا سکتا ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ اگر تجھے مشاہدۂ جمال کی آرزو ہے تو اپنے دل کو خودی کے زنگ سے پاک کر حدیث شریف میں ہے ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وہی القلب ثابت ہوا کہ مشاہدۂ جمال دل کی صفائی اور پاکیزگی پر منحصر ہے۔

قلندر صاحب اپنے ایک مکتوب میں آئینۂ دل کی صفائی کے متعلق لکھتے ہیں۔

"اے برادر چناں بکوش کہ آئینۂ دل از زنگِ معصیت پاک گنی و در صفائی آئینۂ خود خود را معائنہ کنی۔ و بدانی کہ ترا از برائے معرفت پیدا کردہ اند۔ دل شناخت محبت و عشق در تو نہادہ اند۔ تا جلوہ حسن در صفائی آئینۂ دل ببینی بدانکہ کہ تنگ وجود تو بمثالِ قصر است کہ او را اشتیاق از عشق بنیاد کردہ و دراں قصر قندیل آبگینہ و نامِ آں قندیل دل نہادہ و در صفا دل را مثلِ آئینہ مصفا داشتہ نظرگاہ خود ساختہ بداں کہ خواجہ سعدی برائے محققاں و عاشقاں و محبّاں و بیخوداں و دیوانگاں چہ بیت فرمودہ است"

سعدی حجاب نیست تو آئینہ صاف دار — زنگار خوردہ کے نماید جمال دوست (مکتوبات شریف)

از رفی سروی آئینۂ دل کی صفائی پر لکھتے ہیں۔

خانہ را نقش بے کرو ند نقاشان چین — بشنو ایں معنی کہ ایں ہنر صد بیتے نہ مثنوی

او ستادے نیمہ را کرد ند ہم چوں آئینہ — او ستادے نیمہ را کرد ند نقشِ مانوی

تا ہر آں نقشے کہ حاصل باشد اندر نیمہ — بینی اندر نیمہ دیگر در و نقش چوں روی

اے برادر خوش نقش را خانہ ہست ایں چنیں — ہم بسقفِ نیک عالی ہم بہ بنیادِ قوی

گر تو بارے نیمہ بر نقش غرائی مشدن — جہد مے کن تا مگر آں نیمہ دیگر شوی

خواجہ حافظ بھی معشوق کے رخسارہ حکمت کو دیدار کیلئے دل کو صاف کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔

ہر کہ آئینہ صافی نہ شد از زنگ ہوا — دیدہ اش قابلِ رخسارہ حکمت نبود

۱۰ ترجمہ عشق علم و عمل کو شمار نہیں کرتا۔ اس وادی میں ایسا گھوڑا لنگ ہے

توسن گھوڑا۔ اسپ۔ لنگ۔ بالفتح جو پاؤں سے چل نہ سکے۔

یعنی وادی عشق میں توسنِ علم و عقل چلنے سے مجبور ہے۔ درحقیقت عقل اس منزل میں کنارہ پا شکستہ ہے

۱۱ ترجمہ۔ شوخ معشوقوں کے درمیان زاہدوں کا ایمان ہوا کی طرح اڑ جاتا ہے۔

مراد یہ کہ ریاکار زاہدوں کے ایمان کو قرار و ثبات نہیں معشوقانِ مجازی کے شوخ جلوے اُن کو ہوا کی طرح اڑا کر لے جاتے ہیں یہ ان کا ایمان عشق کی گرمی بازار کی تاب نہیں لا سکتے اور وہ شوخ و شنگ معشوقوں پر مرتے ہیں اور ایمان بھی ان کی معصیت پر چڑھ جاتا ہے۔

۱۲ ترجمہ۔ اے شرف عقل پر عشق اس طرح غالب آتا ہے جیسے ہرن پر پلنگ

"پلنگ" یعنیتیندوا- ایک درندہ کا نام ہے جس کو عربی میں نمر کہتے ہیں۔
اس شعر میں ایک مشہور و عوذ پذیر مثال سے عشق و عقل کا مقابلہ کیا گیا ہے کہ جس طرح پلنگ ہرن کو
پکڑ لیتا ہے اسی طرح عشق بھی پہلے ہی حملہ میں عقل پر غالب آجاتا ہے۔

عاشقی جز رنہ کار فرزانہ است	عقل در راہ عشق دیوانہ است
عقل مردیست خواجگی آموز	عشق دردیست بادشاہی سوز

"دیدہ عقل از ادراک حقیقت محجوب است عقل را فوت دید راز عشق نہ باشد زیرا
کہ عشق در مرتبہ ماورائے عقل است از خود در طور دیگر است عقل را فوت ادراک او نخواہد بود کہ
عشق دُرّے است در صدف جاں نہاں و جاں در دریائے فضا غوص کردہ و عقل بر ساحل
دریائے فضا متوقف سے شود و از خوف نہنگاں پا قدم پیش نخواہد نہاد" (سر العاشقین)

غزل ۶۳

نہاں بوئے تو شد در غنچہ و گل	۱	کہ از مستی بفریاد است بلبل
بقیمت وادمے ملک سلیماں	۲	اگر دادے کسے یک ساغر مُل
چو دیدم جلوۂ آں شاہد مست	۳	زدستم رفت دامان تحمّل
نمے دانم کہ ایں باد سحر چوں	۴	بہ پیچ و تاب آرد زلف سنبل
نمے دانم کہ قمری بر سر سرو	۵	چرا افگندہ در گلزار غلغل
نمیدانم کہ اندر بزم رنداں	۶	چرا آید بگوش ایں بانگ قلقل
نمیدانم کہ چوں در جیب و داماں	۷	زند صد چاک اندر گلستاں گل
نمیدانم کہ بر بالائے گلہا	۸	چرا مے آید اندر نغمہ بلبل
شرف ایں راز را گر فہم خواہی	۹	بہ دل ناور سر از جیب تأمل

۱۔ ترجمہ۔ تیری خوشبو غنچہ و گل میں پوشیدہ ہے اس لئے بلبل مستانہ وار فریاد کر رہی ہے۔
حسنِ مطلق کی طرف اشارہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ مہرِ حبیب ازلی سے معمور ہے غنچہ و گل بلکہ اسی
شمیم جانفزا سے مست ہو کر عندلیب مشغول بہ فغان و فریاد ہے۔

سِرِّ محبتِ ازلی در ہمہ اشیا سارلیست	ورنہ بر گل نہ زدے بلبلِ سے دل فریاد

۲۔ ترجمہ۔ اگر کوئی مجھے شراب کا ایک پیالہ دے تو میں اُس کو قیمت میں سلیمان کا ملک دے دوں
قلندر صاحب شراب کے ایک جام کے عوض مملکتِ سلیمانی دے دینا چاہتے ہیں جس سے مراد
دنیا ہے ساقی سے التجا ہے کہ مجھے شراب کا ایک جام عطا فرما تا کہ میں دنیا سے فارغ ہو جاؤں خواجہ حافظ
معشوق کے خالِ سیاہ کے عوض سمرقند و بخارا دینے کی تجاویز پیش کر رہے ہیں۔

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را	بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

۳۔ ترجمہ۔ جب میں نے اُس مستِ معشوق کا جلوہ دیکھا تو میرے ہاتھ سے دامنِ تحمل جاتا رہا
جلوہ سے مراد تجلیاتِ بالمرات ہیں جلوے بے نقاب نہیں مطلب یہ ہے کہ میں اُس تماشا پرست
کو دیکھ کر بے قرار ہو گیا۔

۴۔ ترجمہ۔ میں نہیں جانتا کہ صبح کی ہوا زلفِ سنبل کو کیوں پیچ و تاب میں لا رہی ہے۔
زلفِ محبوب کو سنبل پیچاں بھی کہتے ہیں اور سنبل ایک خوشبو دار گھاس کا نام ہے جو زلف کی طرح پیچدار
ہوتا ہے یوں بھی صبح کے وقت نسیم سحر ہر برگ و گل کو جنبش میں لاتی ہے متردد ہو کر فرماتے ہیں کہ شاید باد صبا زلفِ محبوب
کو کیوں ہلا دیتی ہے مراد یہ کہ صبح کے وقت اُس کی جنبش خالی از علت نہیں شاید کسی نو اسیر کی گرفتاری مقصود ہے۔

ہوا ہے ناز پر ظالم تجھے بال بکھرانے میں	سمجھ کر یہ صید دل کو اٹھنے جال بکھرانے میں

۵۔ ترجمہ۔ میں نہیں جانتا کہ باغ میں قمری سرو کے سر پر کیوں شور مچا رہی ہے
یعنی معلوم نہیں کہ گلزار میں سرو کی شاخ پر قمری کے شور و غل کی کیا وجہ ہے
سرو کو قامتِ محبوب سے تشبیہ دیتے ہیں ممکن ہے کہ قمری مصروفِ نوحہ خوانی ہو کہ مجھے میرے محبوب
کے قد بالا سے کیا نسبت ہے اور تجھ میں ع شوخیِ رفتارِ حسیناں کجا است۔

۶۔ ترجمہ۔ میں نہیں جانتا کہ رندوں کی مجلس میں قلقل کی آواز میرے کان میں کیوں آ رہی ہے
قلندر صاحب بانگِ قلقل کا سبب پوچھتے ہیں کہ رندوں کی محفل میں یہ شور کیسا ہے

۷۔ ترجمہ۔ میں نہیں جانتا کہ باغ میں پھول اپنا جیب و داماں میں کیوں صد چاک کرتا ہے
یعنی باغ میں پھول کے دامن میں صد چاک ہونے کی وجہ معلوم نہیں کہ کیا ہے۔ پھول کے کھلنے کو صد
چاک کہا گیا ہے جب کھلتا ہے تو گویا ہر ایک میں زبان کھولتا ہے یعنی گویا زبان سے اس کی حمد کرتا ہے۔

۸۔ ترجمہ۔ میں نہیں جانتا کہ درخت گلسرخ کے اوپر بلبل نغمہ کیوں گا رہی ہے۔
گلبن۔ درخت گلسرخ۔ مطلب صاف ہے۔

۹۔ ترجمہ۔ اے شرف اگر اس راز کو سمجھنا چاہتا ہے تو جیب تامل سے سر باہر مت لا
مراد یہ کہ اگر تو ان رموز و اسرار کو سمجھنا چاہتا ہے تو ہر وقت کائنات کی ہستی پر غور و خوض کر صوفیائے
کرام کی اصطلاح میں تفکر کی طرف اشارہ ہے۔

غزل ۶۴

اے آں کہ بہ رفعت ز فلک بود اکلیل	۱	وے بر در تو ناصیہ سا آمدہ جبریل
ایوان تو عرش است کہ در جلوہ داری	۲	انوار تو اش بر در و دیوار چو قندیل
تو از نظرے آدم و عالم دگر آری	۳	عیسیٰ کند از زندہ دو صد مردہ بہ تبدیل
یک نعرۂ مستانۂ عشق تو زنم گر	۴	خلقے بہ تصور رود از صور سرافیل
ایں یک خط سبز ہے کہ بروئے تو نشستند	۵	مجموع دراں چار کتاب است بہ تفصیل
در فہم کسے کایں خط سبز تو بخواند	۶	توریت و زبور آمدہ ہم مصحف و انجیل
ما را سفر قبلہ ابروئے تو در پیش	۷	باراں ہمہ در قصد حجاز ند بہ تعجیل
در عشق تو شرف دید ایں گونہ عجائب	۸	کز وصف تو نتواں کرد حکایات بہ تمثیل

ہاں بو علی از دو عیاں ہیچ نہ رنجی ۲۲
با صورت آدم سجدہ عزازیل

۱۔ ترجمہ ۔ قسم ہے تیری زندگی کی اے محمدؐ کہ جبرئیلؑ فرشتوں کا سرتاج تیری فرقت میں پیشانی کے بل تیرے دروازہ پر آیا۔

لَعَمْرُکَ ۔ اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں رب العالمین نے حضورؐ کی زندگی کی قسم کھا کر قوم لوطؑ کی گمراہی بیان فرمائی لَعَمْرُکَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ لیکن اس شعر میں مطلق قسم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے

اِکْلیل ۔ بالکسر تاج ۔ چاند کی سترھویں منزل کا نام ہے اور مثلث کی طرح تین ستارے ہیں بشکل تاج عقرب کی پیشانی پر ۔ ناصیہ ۔ مُوئے پیشانی لیکن فارسی کتب میں مطلق پیشانی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔

حضرت جبرئیلؑ کا مرتبہ اظہر من الشمس ہے کہ وہ روحانیوں کے افسر اور بارگاہِ الٰہی کے مقرب ہیں اور پیغمبران زماں کے قاصد تھے لیکن حضرت رسول الثقلین روحی فداک اُمّی وابی کے جاہ و جلال اور مرتبہ محبوبیت پر فدا ہو کر ان کا در اقدس حضورؐ کی دربانی کرنا مشہور ہے ۔

ظاہر ہے کہ اگر کسی اونچے مقام سے نیچے اترا ہو تو پیشانی زمین کی طرف رکی رہتی ہے نکتہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ گو روح الامین کا مقام اونچ اعلیٰ پر لیکن آسمان سے زمین پر اترتے وقت وہ بھی تیرے دروازہ کی رفعت اور مرتبہ رسالت کو دیکھ کر نہایت ادب سرنگوں ہو جاتے تھے ۔

۲۔ ترجمہ ۔ تیرا ایوان عرش ہے اور تو جلوہ میں روشن ستارہ تیرے انوار در و دیوار پر قندیل کی طرح ہیں ۔

دَراری ۔ بفتح اول ۔ روشن ستارے دُرّی کی جمع ہے قندیل مشہور چیز ہے جس میں چراغ جلاتے ہیں اور ایک چیز کا نام ہے جو درمیان سے خالی ہوتی ہے جس میں تیر کو حفاظت رکھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور قندیل معرب ہے کندیل بالفتح کا ۔

یہ بھی محامدِ خاتم النبیین سے ایک نکتہ ہے کہ تیرا مسکن گو عرش ہے لیکن تیری تجلیات روشن ستارے کی طرح ہیں جن کا نور قندیل کی طرح در و دیوار پر ضوفشاں ہے حضورؐ کا نور مبارک مدتوں قندیل میں بھی رہا لیکن دراصل قلندر صاحب کا یہ شعر حدیث نبوی اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ کی اعلیٰ تفسیر ہے کیونکہ حضورؐ کا نور محیط الکل ہے اور کارگاہِ عالم کا ثبات و قیام اسی نور کی بدولت ہے ۔

۳۔ ترجمہ ۔ تو ایک نظر میں دوسرے جہان کو آراستہ کر سکتا ہے اگر عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کریں کیا عجیب ہے ۔

یعنی تیری معجز اثر نظر چشم زدن میں ایک نیا عالم آراستہ و پیراستہ کر سکتی ہے پھر اگر عیسیٰ

علیہ السلام مردے زندہ کریں تو تعجب ہی کیا ہے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تو حدِ قیاس سے بھی وراء الوراء ہے کتب سیر و تصوف سے صدہا ایسے واقعات کا پتہ چلتا ہے کہ اولیائے امتِ محمدیؐ نے بحکمِ ایزدی سینکڑوں مردے زندہ کر دیئے ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ حضورؐ کی معجزانہ نظر کے مقابلہ میں دمِ عیسیٰ بے اثر ہے۔

خود حضورؐ کا محترم ارشاد ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہوں گے ہر زمانہ کے پیغمبروں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کاش ہم بھی امتِ محمدی سے ہوتے

فرخندہ بخت ہے وہ جو امت میں ہو تری شہیدی ارمان پیمبروں کو رہا اس نصیب کا

۴ ترجمہ۔ اگر میں تیرے عشق میں ایسا مستانہ نعرہ لگاؤں تو خلقت صورِ اسرافیل کا تصور کرے

صُور۔ بالضم۔ اُس چیز کا نام ہے جس کو حضرت اسرافیل بروزِ محشر ایک بار مارنے اور ایک بار زندہ کرنے کے لئے پھونکیں گے اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔

یعنی اگر میں تیرے عشق میں ایک مستانہ نعرہ ماروں تو خلقت کو صور کا گمان ہو کہ قیامت آ گئی

میرے نالے کی صدا نفخِ صورِ دم ہیبت شہیدی خلق سمجھی انشقاقِ آسمان کا وقت ہے

۵ ترجمہ۔ یہ ایک سبز خط کہ تیرے چہرہ پر لکھا گیا اس میں تفصیل کے ساتھ چار کتابیں جمع ہیں۔

۱۵ ترجمہ۔ جو تیرا سبز خط پڑھتا ہے اس کے فہم میں توریت و زبور مصحف و انجیل ہیں۔

توریت۔ بالفتح کتابِ موسیٰ۔ زبور۔ بالفتح راگ و گیت اور حضرت داؤد کی کتاب کا نام۔ مصحف۔ وہ کتاب جس میں صحیفے اور رسالے جمع کئے جائیں قرآن مجید کو بھی مصحف کہتے ہیں کیونکہ اس میں سورتیں جمع ہیں۔ انجیل۔ بالکسر کتابِ عیسیٰ انگلیون کا معرب ہے۔

یعنی اے محبوب یہ سبز خط کہ تیرے چہرے کے گرداگرد ہے اس میں کتب سماوی بہ تفصیل جمع ہیں جس نے اس خطِ سبز کو پڑھا اس کو مذکورہ کتابوں کے مضامین کا ادراک حاصل ہو گیا خط سے مراد اصطلاحِ صوفیائے کرام میں یہ ہے۔

رخ اینجا مظہرِ حسنِ خدا ہیست مراد از خط جنابِ کبریا ست
کسے کو خطش از روئے نکو دید دلِ من روئے او در خط او دید

۷۔ ترجمہ۔ ہم کو تیرے قبلۂ ابرو کا سفر پیش ہے اور یار قبلۂ حجاز کے قصد میں ہیں

یعنی ہم تیرے محرابِ ابرو کو سجدہ کرتے ہیں اور لوگ کعبۂ مجازی کا قصد کر رہے ہیں یعنی ہمارا ایمان ایمان بالعین ہے اور یار لوگ ایمان بالغیب کے قائل ہیں۔

سِرّ العشق میں قلندر صاحب اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عاشقاں کہ سرگردانِ معشوق شدہ اند بعضے بہوائے او سوئے خانۂ کعبہ برائے طواف دوانند و بعضے دلِ خود را کعبہ ساختند و خود را بطوافِ کعبۂ دل انداختند۔"

۸۔ ترجمہ۔ شرف نے تیرے عشق میں ایسے ایسے عجائبات دیکھے کہ وہ تفصیلاً بیان نہیں کر سکتا۔

جاننا چاہیے کہ ان عجائباتِ عشق کا تعلق روح سے ہوتا ہے اور روح نہ خود بولتی ہے اور نہ اسے مخفی رازوں کے انکشاف کی ضرورت ہے۔

۹۔ ترجمہ۔ ہاں اے بو علی! حاسدوں سے رنجیدہ نہ ہو کیونکہ عزازیل نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔

یعنی حاسدانِ زماں کے حسد سے رنجیدہ خاطر نہ ہو کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی عزازیل نے سجدہ نہ کیا تھا مراد یہ کہ ان کے کمال کا معترف نہ ہوا۔

مرنجاں اے عزیزِ من ز سودائے حسوداں دل	کہ از سودے بدست آری و ایشاں را زیاں آمد

غزل ۶۵

اے از طراوتِ لبِ تو تازگیٔ مل	۱	وے از لطافتِ رخِ تو تازگیٔ گل
بالا و جلوہ ملکوت است حسنِ تو	۲	حیراں ز شرحِ خوبیٔ روئے تو عقلِ کل
بیروں ز اختیار بود گریہ ہائے ما	۳	بر پشتِ بحر سے نتوانیم بست پل
ہر ذرہ را ز پرتوِ مہر است اضطراب	۴	محوِ جمالِ روئے تو دیدیم جزو و کل
ما را بغیر بندگیست نیست چارہ	۵	در پائے ماست سلسلہ در گردن است غل
واعظ برائے پند تو نزدیکِ من میا	۶	کاید مرا ز دور خوش آوازۂ دہل
ما اے شرف باطاعتِ کس سر نمی نہیم	۷	حلقہ بگوشِ ما بود از جاں ختمِ رسل

ا۔ ترجمہ۔ اگر شراب کی تازگی تیرے لبوں کی طراوت سے ہے اور پھول کی نزاکت تیرے چہرے سے
یعنی شراب کی تازگی اور پھول کی نزاکت و ملائمت تیرے لبہائے شیریں اور رخسار پر انوار کے
مرہونِ احسان ہے

۲۔ ترجمہ۔ دو عالموں کے جلوے تیرے حسن بالا تر سے تیرے چہرے کی لطافت کی شرح سے
جبرائیل بھی حیران ہے۔
حسنِ مطلق کے وہم و گمان اور حدِ ادراک سے ورا الورا ہونے کے متعلق فرماتے ہیں کہ تیرا حسن
جلوۂ ملکوت سے بھی اونچا ہے مراد یہ کہ انسان تو خطا کار ضعیف اور نادان ہے لیکن فرشتے بھی باوجود نوری
اور پاک ہونے کے تیرے حریمِ حرم میں باریاب نہیں ہو سکتے یعنی تیری ذات اور حقیقت کے ادراک سے
وہ بھی عاجز و قاصر ہیں۔

احد ست و شمار از او معزول	صمد است و نیاز از او مخزول
آں احد نے کہ عقل داند و فہم	آں صمد نے کہ حس شناسد و وہم

زنشائی ہمیں

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ گلستان کے دیباچہ میں فرماتے ہیں "عاکفانِ کعبہ جلالش بتقصیرِ عبادت
معترف اند کہ ماعبدناک حق عبادتک و واصفانِ حلیہ جمالش بہ تحیر منسوب کہ ماعرفناک حق معرفتک"

۳۔ ترجمہ۔ ہمارے نالے اختیار سے باہر ہیں جیسے سمندر کی نسبت پر پل نہیں باندھ سکتے۔
ظاہر ہے کہ سمندر کے پانی کو روکنے کے لئے پل نہیں بندھ سکتا فرماتے ہیں کہ میرے نالہائے
زار بھی نا اور اختیار سے باہر ہیں یعنی مجھے ضرور رونا پڑتا ہے عاشق کی علامت ہے کہ زیادہ روئے اور
کم ہنسے فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا ط

قلندر صاحب سر العشق میں گریۂ عاشق کی حقیقت بیان فرماتے ہیں کہ۔
"گریہ در عشق از رعونات نفس است گریہ در خلوت از برائے سکوت بود و در صحبت
از برائے اظہارِ احتراق و ایں ہر دو از رعونات نفس بیرون نیست لعمری تا عاشق بخود باز نیفتد نگرید
و عاشق بے شعور باند تا از غیب بہ حضور آید عزیزے نزدیکے از پیرانِ طریقت آمد ایں
پردۂ او کہ لف را نشانہ میکرد و خواست تا ستر پوشد پیر فرمود کہ در ایں زماں بے شعور
است و در عالمِ حضور است از ہر دو کون آگاہی ندارد و در و سے بجز عالم نامتناہی نہ دارد دیو لیا

در گریہ آمد پیر فرمود کہ سرِ پوشش کہ او حاضر شد و از دریچۂ طبیعت ناظر شد بخود باز افتادہ است و از الم در گداز افتادہ است و ایں لطیفہ لطیف است"

۴۔ ترجمہ۔ جس طرح ہر ذرّہ کو سورج کے پرتو سے اضطراب ہے اسی طرح جزو و کل کو تیرے چہرے کے جمال میں محو دیکھتا ہوں۔

اگر سورج کی طور دیکھا جائے تو نظروں کے سامنے چھوٹے چھوٹے ذرے اوپر اڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جن کو شہا کہتے ہیں ان کی بیقراری کی وجہ آفتاب تک رسائی حاصل کرنے کی سعی ہوتی ہے اور اضطراب اس لئے کہ ان میں روشنی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ جس طرح آفتاب عالم تاب کی شعاعوں سے ہر ذرہ بیقرار و مضطرب ہے اسی طرح ہر جزو و کل کو محو جمال محبوب دیکھتا ہوں یعنی اس کا وصال کا ہر شیخ و شاب متمنی ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ ہم کو تیری بندگی کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ ہمارے پاؤں میں زنجیر اور گردن میں طوق ہے
حلّق بالضم و تشدید لام یطوق۔ لوہے کا بند گردن تشنگی۔

قلندر صاحب نے اپنی اسیری کا اچھا نقشہ کھینچا ہے ظاہر ہے کہ جو شخص پا در زنجیر اور طوق بہ حلق ہو وہ مالک کے اذن و رضا کے بغیر نقل مقام نہیں کر سکتا یعنی چونکہ میں پا در زنجیر ہوں اور طوق تفویض و اطاعت میری گردن میں ہے اس لئے مجھے تیری بندگی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

منکہ سر در نیاورم بہ دو کون	گردنم زیر بار منت اوست

۶۔ ترجمہ۔ اے واعظ تو نصیحت کیلئے میرے پاس مت آ کیونکہ ڈھول کی آواز دور سے اچھا ہوتا ہے
دہل۔ ڈھول مشہور مثل ہے دور کے ڈھول سہانے۔

شاعر کو خدشہ ہے کہ واعظ کی پند و نصیحت کا مطلب ہے نوشی اور شاہد پرست کی دیدہ بازی سے منا ہی ہوگا اس لئے فرماتے ہیں کہ بس یہاں دور سے ہی ارشاد ہو کیونکہ دور کی آواز خوش آئند ہوتی ہے۔

زاہد گو بہ بہشت با حور خوش است	من مے گویم شراب انگور خوش است
ایں نقد بگیر و دست از آں نسیہ بدار	آواز دہل شنیدن از دور خوش است

۷۔ ترجمہ۔ اے شرف ہم کسی کی اطاعت میں سر نہیں رکھتے کیونکہ ہماری کانوں میں خاتم رسل کا حلقہ ہے
یعنی ہم غلامانِ خاتم رسل سے ہیں اور ان کی اطاعت کا حلقہ ہمارے آویزۂ گوش ہے اس

سے ہم کسی کی اطاعت میں اپنا سر نہیں جھکاتے

جز آستانِ توام در جہاں پناہے نیست ۔ سرِ مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست

غزل ۶۶

تشنۂ عشقم جگر مے سوزدم ۱ از تفِ آں مغزِ سر مے سوزدم

یک نظر کردم بحسنِ گرمِ او ۲ تا قیامت آں نظر مے سوزدم

پرتوِ شمعِ رخش بر من رسید ۳ زاں چوں پروانہ جگر مے سوزدم

گر بپرم بر ہوائے شوقِ او ۴ صد تجلی بال و پر مے سوزدم

زاتشِ ہجرِ تو در قیدِ حیات ۵ روز و شب تا رشتہ سر مے سوزدم

داغہائے عشقِ او در دل طراست ۶ آہ ایں انگشتِ شرر می سوزدم

شعلۂ یادِ رخِ پُر نورِ او
بوعلی شام و سحر مے سوزدم

۱۔ ترجمہ ۔ میں عشق کا پیاسا ہوں میرا جگر جلتا ہے اور اُس کی حرارت سے میرے سر کا مغز جل رہا ہے ۔
جگر ۔ بکسرِ اول عضوِ مشہور ۔ کلیجہ و تشنہ بفتحتین ۔ ہندی لفظ جھکڑ کا مترادف بمعنی باد تند اور غبار آگیں جو مغرب کی طرف سے چلے اور بعض اوقات مجازاً بمعنی رنج و غم و غصہ و استغفار و نا سب و طاقت ، استعمال ہوتا ہے تف ۔ بالفتح ۔ بخار ۔ حرارت ۔ گرمی ۔ روشنی ۔ بدیرا اور بالضم بمعنی تھوک یا تھوکنا ۔
اس شعر میں قلندر صاحب اپنی حالت بیان کرتے ہیں کہ میں اب عشق و محبت کا پیاسا ہوں اور سوختہ جگر اس پر ستم یہ کہ میرے سوختہ جگر کی حرارت سے میرے سر کا مغز بھی جل رہا ہے حدتِ عشق کو کم کرنے کے لئے آپ وصل کی خواہش و امنگیر ہے

۲۔ ترجمہ ۔ میں نے اُس کے گرم حسن پر ایک نگاہ کی اب قیامت تک یہ آنکھ جلتی رہے گی ۔
معشوق کے حسنِ گرم سے تجلیاتِ جلالی مراد ہو سکتی ہیں کہ میں نے اسے جلالی تجلی میں ایک نظر

دیکھا اب قیامت تک وہ آنکھ جلتی رہے گی مراد یہ کہ معشوق کا گرمیٔ حسن میری آنکھ کو قیامت تک جلاتا رہے گا۔
مصرعۂ اول میں لفظ بمعنی نگاہ اور ثانی میں بمعنی آنکھ مستعمل ہے لہذا دونوں میں صنعتِ تجنیس ہے

۳۔ ترجمہ۔ اُس شمع رو کی پرتو مجھ پر پڑی اس لئے پروانہ کی طرح سوختہ جگر ہوں

۴۔ ترجمہ۔ اگر میں اُس کی ہوائے شوق میں اڑوں تو صدہا تجلیات میرے بال و پر جلا دیں۔
یعنی اگر میں مشاہدہ ذات کی کوشش کروں تو وہ تجلیات جو حریمِ حسن کے گرداگرد ہیں میرے بال و پر
جلا کر خاکستر کر دیں یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت جبرائیل نے حضور رسول مقبول سے اپنی معذوری کا اعتراف کرتے ہوئے کہا

اگر یک سرِ موئے بالا پرم	فروغِ تجلی بسوزد پرم

درحقیقت یہ مشاہدہ غیر ممکن ہے اس لئے ارشادِ خداوندی ہے وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ۔

ایزد کہ ہزار در بہ رخ بکشودست	را ہے بکمالِ کنہ خود ننمودست	جامی
تا زحمتِ بیہودہ بخود راہ ندہی	در ذاتِ خود از فکرِ خود فرمودست	

۵۔ ترجمہ۔ میں بغیر حیاتِ تیرے ہجر کی آگ سے روز و شب نارِ سقر میں جل رہا ہوں۔
سقر بفتحتین۔ دوزخ و بالفتح چرغ جو کہ مشہور شکاری جانور ہے۔

مراد یہ کہ تیرے بغیر میری زندگی نارِ سقر میں گذر رہی ہے۔

۶۔ ترجمہ۔ اُس کے عشق کے داغ میرے دل پر ہیں افسوس کہ بہشتِ شہر جل جاتا۔
انسان کے دل پہ ایک داغ ہوتا ہے جس کو سویدا کہتے ہیں یہ داغ تو قدرتی ہے لیکن قلندر صاحب
نے وجہ یہ بتلائی کہ یہ داغ داغِ عشق ہے مراد یہ کہ میرے دل میں عشقِ محبوب کے داغ ہیں کاش کہ بہشتِ
شہر دل جل جاتا حسرت ہے کہ داغ ہونے سے بہتر تھا کہ جل جاتا۔

دل کو بوجہ بیقیدی ہونے کے بہشت کہا اور شہر کی وجہ یہ کہ اُس میں سوزِ عشق موجود ہوتا ہے۔

۷۔ ترجمہ۔ اُس کے پرتوِ چہرے کی یاد میں تو مثلِ شعلہ کی طرح شام و سحر جلتا ہے۔

غزل ۶۷

سینے صافی و شاہد در کنارم	۱	دگر در دو جہاں باکے ندارم

ازاں مے کز جامِ عشقِ تو خوردست ۲ روانم تا ابد اندر خمارم

چو چشمِ مستِ تو دیدم ہمہ عمر ۳ نخواہی دید ہرگز ہوشیارم

انا الحق مے زنم صدرہ چو منصور ۴ اگر راہ مے نمائی سوئے دارم

بداں شاہد کہ من دارم بعالم ۵ سزد گر از دو عالم سر برآرم

چو از رخ مے کشد بندِ نقابے ۶ تجلّی مے نماید منبرارم

کنارا از دین و از دنیا گرفتم ۷ ہنوز او مے نیاید در کنارم

نگیرد گوشۂ دامانِ او را ۸ کند پرواز اگر مشتِ غبارم

۹	چہ گویم اے شرف در حضرتِ او کہ او داند نہان و آشکارم	۹

ا ۔ ترجمہ ۔ صاف شراب حاضر ہے اور معشوق بغل میں اسی لئے دونوں جہاں میں مجھے کسی کا خوف نہیں کمال بیباکی ظاہر کی ہے اور حقیقت میں ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ جب شراب اور شاہد دونوں حاصل ہوں تو ایسی مبارک اور روح پرور گھڑی میں خوف اغیار چہ معنی دارد۔ شراب و شاہد کے متعلق مکتوبات شریف میں قلندر صاحب فرماتے ہیں۔

"شرابِ شوق از عشق بنوشی و خود را از عشق و حسنِ معشوق بپوشی چوں حسن و عشق لذا بہم شد شرابِ ہر دو عالم بنوشد شراب را اگر بنوشی واز ہوا و حرص و شہوت خود را بپوشی چوں بر حوضِ شراب بہ بینی با شاہد گلِ گستہ بنشینی شاہد ترا بر شراب آرد و شراب مرا با شاہد دارد شاہد را من شاہد نخوانم بلکہ او را حسنِ معشوق بدانم بر دستِ شاہد شراب بہ بینم از عشق و حسن با شاہد نشینم شاہد مرا شراب خوراند عشقِ من بجز حسنِ معشوق چیزے نداند"

۲ ۔ ترجمہ ۔ اُس شراب سے کہ میں نے تیرے جامِ عشق میں نوش کی ابد تک مست و مخمور رہوں گا یعنی مجھے وہ جو مے محبت جو میں نے تیرے جامِ عشق میں پی ابد تک مست و مخمور رکھے گی

من از آں جامے کہ از روزِ ازل نوشیدہ ام	ہمچناں سرمست خواہم بود تا یوم النشور

۳۔ ترجمہ۔ تیری مست آنکھ کی طرح میں تمام عمر مست رہوں گا تو مجھے ہرگز ہوشیار نہ دیکھے گا۔

۴۔ ترجمہ۔ میں منصور کی طرح سینہ سے اناالحق کہوں گا اگر تو سولی کی طرف میری راہنمائی کرے۔

صُدرہ۔ بالضم سینہ پوش جیسے چھوٹا کرتہ یا نیم آستین مجازاً مطلق سینہ کے معنوں میں مستعمل ہے

شوقِ شہادت میں قلندر صاحب بھی منصور کی طرح بیچ دار میں تمنا ہے کہ اگر محبوب مجھے سولی کی راہ دکھا دے

یعنی فخرِ شہادت بخشے تو میں منصور کی طرح سینہ سے اناالحق کا نعرہ ماروں

کشند نقشِ اناالحق بزبانِ خود رو حافظا چو منصور ار کشی بردارم امشب

اناالحق کے عوض لب پر انا محبوب ہر جاری اور تیغ، چڑھا لیں دار پر مجھ کو اگر منصور کے بدلے

۵۔ ترجمہ۔ اس معشوق کے عشق میں کہ میں جہاں میں رکھتا ہوں اگر میں دونوں عالم سے سر پاک لاؤں تو مجھے سزاوار ہے۔

یعنی مجھے سزاوار ہے کہ میں عشقِ محبوب میں دونوں عالم سے دست بردار ہو جاؤں

۶۔ ترجمہ۔ جب وہ چہرے سے نقاب اٹھاتا ہے تو تجلی مجھے بیزار کر دیتی ہے۔

یعنی جب محبوب چہرۂ پرنور سے نقاب اٹھاتا ہے تو میں شوقِ دیدار و حسرتِ دیدار میں بے قرار ہو جاتا ہوں

قلندر صاحب سر العشق میں فرماتے ہیں۔

"بمشاہدۂ محبوب چوں عاشقِ کامل بود مشغول گردد چنانکہ مجنوں بدیدن لیلیٰ مغلوب شد سرِ ایں مغلوبی در معنی اذا تم الفقر فھو اللہ یافتہ شود و آنست تخلقوا باخلاق اللہ و مقام دیدار ایں مراست"

صاحب مفاتیح الاعجاز تجلی ذات کی نسبت لکھتے ہیں کہ

سالک دراں تجلی ذاتی مطلق محو و علم و شعور و ادراک او مطلقاً نماند"

۷۔ ترجمہ۔ میں نے دنیا اور دین سے کنارہ کیا لیکن وہ ابھی تک میرے کنار میں نہیں آیا۔

اس شعر میں بھی مشاہدۂ ذات کی طرف اشارہ ہے جو جسدِ عنصری کے ساتھ خواہ دنیا کو چھوڑ ہی دیا جائے ناممکن ہے کیونکہ وہ مشاہدہ مشروط ہے جس کے لئے "موتوا" کی قید لگائی گئی ہے۔

مصرعہ اولیٰ میں کنار بمعنی کنارہ کرنا اور مصرعہ ثانی میں کنار بمعنی آغوش استعمال ہوا ہے لہذا دونوں میں صنعتِ تجنیس ہے۔

۸۔ ترجمہ۔ اگر میری منت غبار پیدا کرے تو بھی اُس کے گرد دامان کو نہ چھو سکے۔

یہ شعر مندرجہ بالا شعر کی تصدیق ہے کہ مشاہدۂ ذات کا حصول غیر ممکن ہے گو کتنی ہی کوشش کی جائے۔

سنت صباز صید کس نشد (ای) دام باز چیں ۔۔ (حافظ) کا بیجا ہمیشہ باد بدست است دام را

ظاہر ہے کہ گرد و غبار ہمیشہ دامن ہی کو آلودہ کرتا ہے کیونکہ وہ آویزاں ہوتا ہے مگر اس جگہ معاملہ برعکس ہے

۹۔ ترجمہ۔ اے شرف میں اُس کی حضوری میں کیا کہوں جب کہ وہ میرا ظاہر و پوشیدہ جانتا ہے

یعنی جب وہ عالم الغیب ہے اس لئے مجھے اُس کے حضور میں خاموش رہنا چاہیئے۔

عرض حاجت در حرمت محتاج نیست ۔۔۔ راز کس مخفی نماند بر فروغ رائے تو

غزل ۶۸

جلالت بود اندر روئے آدم ۔۔ ۱ ۔۔ کہ مے بودش شرف بر جملہ عالم

اگر ایں نکتہ دانستے عزازیل ۔۔ ۲ ۔۔ ہزاراں سجدہ آوردے دمادم

بر آدم منکشف شد جملہ اسماء ۔۔ ۳ ۔۔ ملائک اندریں خجل ماندہ ابکم

کسے کو راز بان بربستہ بود ۔۔ ۴ ۔۔ حریم قدس را او نیست محرم

چہ نامے کز نشانش چند فضلے ۔۔ ۵ ۔۔ نوشتہ بر جبین عرش اعظم

رود آں نام را جانم بقربان ۔۔ ۶ ۔۔ کنم آں نام را من وردِ پیہم

خوشا نامے و خوش آں صاحب نام ۔۔ ۷ ۔۔ بجز نامش نباشد اسم اعظم

شرف در صورتِ پاکش عیاں دید
جمال لایزالی را مسلم

۱۔ ترجمہ۔ نیر اجلال آدم کے چہرہ میں نظر آیا واسطے ان کو تمام مخلوق پر شرف حاصل ہوا۔

یعنی آدم علیہ السلام کے برگزیدہ ہونے اور عالم ارواح پر فوقیت سے جاننے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے چہرہ

میں تیرا جمال تھا جس کی وجہ سے وہ مسجودِ ملائک ہوئے۔

ملک در سجدۂ آدم زمیں بوسِ تو نیّت کرد	کہ در حسنِ تو چیزے یافت غیر از طورِ انسانی

مزید تشریح کے لئے دیکھو شعر ۱۱۳ ، ۱۱۴

۲۔ ترجمہ۔ اگر شیطان یہ نکتہ جانتا تو پے در پے ہزاروں سجدے کرتا۔

دمادم۔ دمبدم۔ پے در پے۔ لگاتار۔

ارشادِ خداوندی تھا کہ اے فرشتو! آدم کو سجدہ کرو کل فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن شیطان نے انکار کرکے کہا کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ یعنی میری پیدائش آگ سے ہے اور وہ خاک سے ہے پس نار خاک سے افضل ہے میں کیوں مشتِ خاک کو سجدہ کروں اس حکم عدولی کی وجہ سے وہ کافر ہوا اور راندۂ درگاہ ہوگیا اور طوقِ لعنت اُس کے گلے میں پہنایا گیا۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ یہ ایک نکتہ تھا کہ آدم کے چہرے میں تیرے جمالِ پرنور کو عزازیل سمجھ نہ سکا اور سجدہ سے انکار کر بیٹھا اگر وہ یہ نکتہ جانتا تو کبھی انکار نہ کرتا اور ایک چھوڑ ہزارہا سجدے کرتا

خبر نبود عزازیل را از صورتِ تو	وگرنہ گفتنے کہ یاراں ز سجدہ متنفرند ۲۰۲

۳۔ ترجمہ۔ آدم پر وہ تمام اسماء ظاہر ہوئے جن میں ملائک ناکام رہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر آدم کو خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر کیا تو فرشتوں نے مخالفت کی کہ کیا تو ایسے شخص کو خلیفہ بنائے گا جو زمین پر خونریزی کرے کیا ہم کہ تیری تسبیح و تحمید میں رات دن مشغول رہتے ہیں اس منصبِ جلیل کے اہل نہیں جس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ تم ہماری مصلحت کو جان نہیں سکتے پس حضرتِ آدم کا مجسمہ تیار کرکے اُس میں روح داخل کی گئی اور علم الاسماء کی نسبت کچھ سوالات کئے جن کا جواب آدم نے دیا اور فرشتے عاجز ہو گئے اور حضرت آدم کو خلیفۃ اللہ فی الارض تسلیم کرلیا اس واقعہ کی طرف اشارہ کرکے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اے محبوبِ حق تیرے نور کی بدولت اور تیری طفیل آدم علم الاسماء پر مطلع ہوئے اور ملائک کے مقابلہ میں امتحانِ الٰہی میں کامیابی کی سند حاصل کی۔

۴۔ ترجمہ۔ وہ شخص جس کی زبان بند نہیں ہوتی حریمِ قدس کا محرم نہیں۔

یعنی وہ شخص رموز و اسرارِ الٰہیہ کا محرم نہیں ہو سکتا جو اپنی زبان کو بند نہ کرے۔

مَنْ تَکَلَّمَ سَلِمَ وَ مَنْ سَکَتَ نَجٰی مَنْ صَمَتَ فَقَدْ نَجٰی۔ یعنی جو خاموش رہا جس نے فضول بولنے سے پرہیز کی وہ سلامت رہا اور جو صامت رہا اُس نے نجات پائی۔ یہ وہ فرمانِ رسالت ہے جو فاران کی چوٹیوں پر طلوع ہونے والے آفتاب اور دنیا کے بہترین معلم نے ضلالت اور گمراہی سے بچانے کے لئے دنیا کے سامنے پیش کیا اسی بنا پر حضرات

اولیائے کرام نے خاموشی کو جادۂ طریقت کا جزوِ اعظم قرار دیا ہے حضرت شیخ فرید الملت والدینؒ کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہو کر ایک طالبِ تصوف نے اہم ترین اصول پوچھے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ کم کھانا اور کم بولنا تصوف کے دو بڑے اصول ہیں حضرت صدیق اکبرؓ کی نسبت منقول ہے کہ آپ رفعِ حاجت کے وقت منہ میں سنگریزے رکھ لیا کرتے تھے تاکہ بے ضرورت منہ سے بات نہ نکلے

حکایت :- منقول ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ولی عہد سلطنت کی تعلیم کیلئے ایک صوفی عالم کو مقرر کیا ایک دن اس نے شہزادے کو مَنْ سَکَتَ سَلِمَ وَمَنْ سَلِمَ نَجیٰ کی تشریح کر کے خاموشی کا فلسفہ بتایا کہ نجات کا راستہ صرف یہی خاموشی ہے شاہزادہ کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس دن سے مطلق خاموشی اختیار کر لی ارکین سلطنت متعجب ہوئے حکماء و اطباء بلائے گئے ہر چند انہوں نے علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا بالاتفاق تجویز یہ ٹھہری کہ شہزادے کو سیر و شکار کی طرف راغب کیا جائے علی الصباح شہزادہ مع چند رفقاء کے شکار کھیلنے گیا راستے میں ایک تیتر بولا مصاحبوں میں سے ایک نے فائر کیا اور تیتر کو ذبح کر کے شہزادے کے سامنے لایا شہزادے کے منہ سے بے اختیار نکلا صدقت یا رسول اللہ اور تیتر کو دیکھ کر کہا قُلْتَ وَمَا هَلَکْتَ کیوں بولا جو ہلاک ہوا رفقاء نے سمجھا کہ شاہزادے کا مرض جاتا رہا اور حاضرِ دربار ہو کر خلیفہ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا ہارون الرشید نے شہزادہ کو جب مخاطب کیا تو وہ بدستور ساکت و صامت تھا اس پر خلیفہ کو غصہ آیا اور حکم دیا کہ شاہزادے کو کوڑے لگائے جائیں جب مار پڑنے لگی تو شہزادہ بلبلا اٹھا اور بولا صدقت یا رسول اللہ من سکت سلم ومن سلم نجی اگر تیتر نہ بولتا تو ہلاک نہ ہوتا اور اگر اس کو دیکھ کر میرے منہ سے قلت وما اهلکت نہ نکلتا تو آج میری پیٹھ پر کوڑے نہ لگتے ۔

فرمانِ رسالت اور اس حکایت کا اصلی مقصد یہ ہے کہ خاموشی سے نجات حاصل ہوتی ہے ایسی سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ آدمی منہ پر بالکل ہی مہرِ سکوت لگا دے بلکہ اس کی تہہ میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ سخنانِ فحش غیبت و بیہودگی سے اجتناب کرنی چاہیئے خاموشی سے دل کی اصلاح ہوتی ہے اور بدکلامی سے یہ گوہرِ شریف آلودہ ہو جاتا ہے اور مقامِ قرب میں باریاب نہیں ہو سکتا ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِّلْقَلْبِ وَاِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِيْ ط

عبد اللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ آنحضور نے فرمایا کہ بغیر ذکرِ خدا کے بہت کلام مت کیا کرو کیونکہ بہت کلام کرنا بدون ذکرِ خدا کے دل کو سخت کرتا ہے اور بہت دور لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے کڑے دل والا ہے ۔

پس قلندر صاحب کی مراد بھی یہ ہے کہ وہ شخص حریمِ قدس کا محرم نہیں ہو سکتا جو اپنی زبان پر قدرت اور اختیار نہیں رکھتا

۵ ترجمہ ۔ کیا مبارک نام ہے کہ اُس کی تعریف میں عرشِ اعظم کی جبین پر چند فضیلتیں لکھی ہوئی ہیں ۔

چہ ۔ یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے کبھی استفہام کے لئے مثلاً از چہ میکنی کبھی تعظیم کیلئے جیسے کہ ع ۔ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد کبھی برائے تحقیر مثلاً چہ باشد زبونی شغال آدمی کبھی کثرت کے موقعہ پر ع چہ شبہا نشستم دریں سیرگم ۔ بنتِ تصغیر کے واسطے جیسے باغچہ ، طاقچہ ۔ یہ ایجہ اس شعر میں تعظیماً استعمال ہوا ہے حضور سرورِ کائنات کے اسمِ مبارک کی توصیف کی گئی ہے کہ ان کے مبارک نام کی تعریف خالقِ اکبر نے عرشِ اعظم پر رقم فرمائی

نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را (قدسی)	برتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

۶ ترجمہ ۔ اس نام پر میری جان قربان ہو اور میں اس کا پیہم ورد کروں ۔

نامِ تو صیقلے است کہ دلہائے تیرہ را	روشن کند چوں آئینہ ہائے سکندری

درود شریف مشکل کشائی اور صاحبت روائی کا ضامن ہے ۔

۷ ترجمہ ۔ واہ واہ نام اور صاحبِ نام کہ اس نام کے سوا کوئی اسمِ اعظم نہیں ۔

اسمِ اعظم ۔ یعنی اسمِ بزرگ حق تعالےٰ کے ناموں سے اور اس کے تعین میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک اللہ ہے بعض صمد کہتے ہیں کچھ الحی القیوم کے قائل ہیں کئی الرحمٰن الرحیم کے اور بعض یہ تعین تصور کرتے ہیں واللہ اعلم بالصواب ۔

قلندر صاحب اس خصوص میں سب پر سبقت لے گئے مشہور ہے کہ اسمِ اعظم پوشیدہ ہے لیکن عاشقانہ نکتۂ نظر سے قلندر صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسمِ اعظم دراصل اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔

اسمِ اعظم کے متعلق صاحبانِ ذوق میں اختلاف ہے اور ہمائی کی نسبت بھی مشہور ہے کہ نا پید ہے عاشقوں کی پہلی مشکل تو قلندر صاحب نے حل کر دی اور دوسری شاعروں نے پیدا کر کے دکھا دیا ۔

ذرا ہمائی کسے کم دیدہ موجود	مگر اشکسِ بتاں از سر مالود

۸ ترجمہ ۔ عنقرف نے اس کی پاک صورت میں جمالِ لایزال کو عیاں دیکھا مطلب صاف ہے

غزل ۶۹

پردہ بردار کہ ما روئے چو مہرت نگریم ۱ ورنہ از آہِ جگر پردۂ عالم بدریم

پردہ بردار کہ بینیم دو ابروئے ترا ۲ پیشِ شمشیرِ تو ما جملہ سراسر سپریم

آتشِ جلوۂ تو خرمنِ ما را بسوخت ۳ لیک با ما چہ تواں کرد کہ کوتاہ نظریم

پرتوِ روئے تو خود مے بدرد پردۂ خویش ۴ پس چرا روئے ترا ما پسِ پردہ نگریم

برتر از ہر دو جہان است جمالِ تو کہ ما ۵ پیشِ روئے تو دو عالم بیکے جو نخریم

ما خبر گوئے جمالِ تو بعالم شدہ ایم ۶ گرچہ از جلوۂ دیدارِ تو ما بے خبریم

طعنۂ دشمن و تحسینِ رفیقاں شنویم ۷ لیکن از جملہ سر رہیم و بتغافل گذریم

مردہ ہرگز نبود آں کہ بمیرد در عشق ۸ کشتۂ نازِ ترا زندۂ دائم شمریم

نیست فردوسِ بریں ہمسرِ کوئے تو کہ ما ۹ رہ بکوئے تو بفردوسِ بریں مے سپریم

۱۰	بو علی راہِ ملامت رہِ مردانِ خداست مے نشاید کہ چنیں راہ بفرصت سپریم	۱۰

ترجمہ - پردہ اٹھا تاکہ تیرا ہم آفتاب جیسا چہرہ دیکھیں ورنہ آہِ جگر سے عالم کا پردہ چاک کر دیں گے۔

پردہ - حجاب - ردہ (اشترطی) ہم۔ یخ یا نقرہ کی تاریں جو ستار یا طنبور پر انگلیوں کی نگہداشت کیلئے باندھتے ہیں وحفظِ مقاماتِ موسیقی اور کثرتِ استعمال کی وجہ سے مطلق آواز کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے نیز مقامات کے معنوں میں بھی آتا ہے مثلاً پردۂ عشاق - پردۂ خراساں - پردۂ عراق - پردۂ یاقوت - پردۂ دیرسال - پردۂ بلبل پردۂ قمری - پردۂ چغانہ وغیرہ - پردہ دریدن - پردہ پھاڑنا، پردہ دری کرنا۔

مزید تعبیر میں شاعر اصرار کرتا ہے کہ بےحجابانہ جلوہ نمائی کر ورنہ ہم آہِ جگر سوز سے نظامِ عالم کو درہم برہم

کر دیں گے ایک دیوان میں مصرعۂ ثانی اس طرح لکھا ہوا ہے ؎ "ورنہ از آہ جگر پردۂ راز تت بدریم" ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر تو نے مجھے دیدار سے مشرف نہ کیا تو تیرے راز و اسرار کو خلق کے سامنے ظاہر کر دوں گا ۔

پردہ مصرعۂ اولیٰ اور مصرعۂ ثانی میں تجنیس ہے

۲؎ ترجمہ پردہ اٹھا کہ ہم تیرے ابروؤں کو دیکھیں کیوں کہ ہم تیری شمشیر کے سامنے ہمہ تن سپر ہیں

سپر ۔ ڈھال جس پر تلوار کا وار روکا جاتا ہے

ابرو کو خمیدہ ہونے کے سبب شمشیر بھی کہتے ہیں اصطلاح میں ابرو سے صفاتِ باری تعالیٰ بھی مراد ہوتا ہیں

عاشق دیدار بے نقاب کا متحمل نہیں ہو سکتا لیکن قلندر صاحب کا حوصلہ دیکھئے کہ فرماتے ہیں کہ پردہ اٹھا کہ میں

تیرے دونوں ابروؤں کو دیکھوں کیونکہ میں تیری ابرو کی شمشیر کے سامنے ہمہ تن سپر ہوں یعنی سر جھکا دیا ہے!

چشم اگر این است و ابرو این و ناز و عشوہ این   الوداع اے زہد و تقویٰ الفراق اے عقل و دیں

عقل و دین کی تفسیر میں لکھا ہے کہ چشم کے معنی عین کے ہیں پس ہو سکتا ہے کہ اشارے کی زبان سے عینِ قدیم کو ذات سے تعبیر کریں ۔ اور ابرو کو صاحب کہتے ہیں سو اس کا اشارہ صفات کی طرف ہو سکتا ہے کیونکہ صفات ذات کیلئے پردہ ہیں ایسی صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ قلندر صاحب صفات و اسماء کے ذریعے عرفان حاصل کرنا چاہتے ہیں جو جائز ہے ۔

۳؎ ترجمہ ۔ تیرے جمال کی آتش نے ارواح کا خرمن جلا دیا لیکن ہمارے ساتھ کیا کیا کہ ہم کوتاہ نظر ہیں ۔

یعنی تیری آتشِ جمال نے علیٰ قدرِ استعداد ہر دل میں عشق کی آگ لگا دی لیکن ہم کہ کوتاہ نظر ہیں اس سے محروم رہے لیکن اس میں تیری شکایت نہیں ہماری کم ظرفی ہے ۔

طالبِ لعل و گہر نیست و گرنہ خورشید	ہمچناں در عملِ معدن کانست کہ بود

۱؎ عجز و نیاز کا اعتراف ہے اور کسرِ نفسی کا نایاب نمونہ ۔

۴؎ ترجمہ ۔ جب تیرے چہرے کی روشنی خود اپنا پردہ پھاڑتی ہے تو ہم تیرے چہرے کو کیسے پردہ کیوں دیکھیں

یعنی جب تیرا حسن پردۂ کثرت میں ظاہر ہے تو میں تیرے چہرہ کو کیا بے پردہ دیکھوں مراد یہ کہ جب عالمِ کثرت میں تیرا ہی ظہور ہے تو کیوں دفترِ کائنات کے ورق ورق سے تیرا عرفان کیوں حاصل نہ کروں ۔

جمالِ تو چوں بذاتِ در جہاں ساریست	بجلوہ نہ نشینم چوں زاہد مرتاض

۵؎ ترجمہ ۔ ہم تیرے چہرے کے مقابلہ میں دونوں عالم کو ایک دانہ جو کے بدلے بھی نہیں خریدیں گے کیونکہ تیرا

جمال دونوں جہاں سے برتر ہے۔

مراد یہ کہ چونکہ دونوں عالم کی آراستگی اور زیب و زینت تیرے جمال کی رہین منت اور منت پذیرِ احسان ہے اس لئے ہم اصل سے فرع کی طرف رجوع نہیں کرتے کیونکہ تیرے چہرے کے مقابلہ میں ہمارے نزدیک دونوں عالم ہیچ اور بے حقیقت ہیں اور ان کی قیمت ایک دانہ جو کے برابر بھی نہیں۔

۷۔ ترجمہ: ہم جہاں میں تیرے جمال کی خبر دینے والے ہیں اگرچہ ہم تیرے جلوۂ دیدار سے بے خبر ہیں

یعنی اگر ہم تیرے دیدار سے محروم ہیں لیکن تیرے نادیدہ جمال کو شہرت دینے والے ہیں۔

	در بدر خانہ بخانہ تیری شہرت کے لئے از لطف اس کے ہم تیری تصویر لئے پھرتے ہیں	

۸۔ ترجمہ: دشمنوں کے طعن اور دوستوں کی تحسین سنتے ہیں لیکن غفلت سے گزر جاتے ہیں اور جگہ سے نہیں جاتے

مطلب یہ کہ دشمن کی طعن و ملامت سے ہم کبیدہ خاطر نہیں ہوتے اور نہ دوست کی...... تحسین سے خوش بلکہ ہم دونوں سے غافل ہو کر اپنے مقصود پر قائم ہیں۔

۹۔ ترجمہ: وہ ہرگز نہیں مرتا جو عشق میں مرے تیرے ناز کا کشتہ ہمیشہ زندہ گنا جاتا ہے۔

عاشقانِ حق کی نسبت مشہور ہے کہ وہ مرتے نہیں بلکہ نقل مکان کرتے ہیں اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ وَاِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ اسی زندگی جاوید کے متعلق حضرت مجدد صاحب اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"ہر کہ از عشق زندہ شد و حسن را شناخت او را مرگ نباشد زیرا کہ مرگ بے خبر شدن از قالب است چون قالب را روح گذاشت آں را مرگ مے گویند و روح عاشق بے خبر از قالب نہ دارد و دائم نظر او بر حسن است۔ قالب را فراموش کردہ و خود را عاشق دانستہ آنچہ در نظر مے آید حسن خود مے داند حسن با عاشق لازم خواہد بود پس عاشق را مرگ نباشد حیات عاشق بجمال محبوب است تا ابد خواہد بود عشق با حسن معشوق دائم تحسین باشد"

	ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق (حافظ) ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما	

	مردے کہ ز عشق یزداں زندہ شد (رومی) از حیات معنوی پایندہ شد	

۹۔ ترجمہ: فردوس بریں تیری گلی کا ہمسایہ ہے اس لئے ہم تیری گلی چھوڑ کر اس کی طرف نہیں جاتے۔

یعنی تیری گلی فردوس بریں سے افضل ہے اس لئے ہم اس کو چھوڑ کر جنت کی طرف نہیں جاتے علامہ اقبال فرماتے ہیں

بہار جنت کو کھینچا تھا ہمیں مدینے سے آسیِ غزلخواں ہزار مشکل سے اسکو لالا ہے بہانے بنا بنا کر

۱۰ ترجمہ۔ اے اولی سروانِ خدا کاربند راہِ ملامت ہو ہمیں سزاوار نہیں کہ ایسے رستہ سے نفرت کریں۔

یعنی عاشقانِ حق کو نشانۂ ملامت بننا پڑتا ہے اسلئے ہمیں طعن و ملامت کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔

نصیب اُنکے سر ہے نہ بدنامی و تسلیم، عاشقی کا سزا نہیں لیتا

اسی مضمون پر ہے۔

در عشق ملامتی و رسوائی بہ ۔ کافر شدن و دگر بری زترسائی بہ
پیش ہمہ عاشقان و عنائی بہ ۔ واندر رہِ ما سرائی و رسوائی بہ

۱۵ رباعی

مزید معلومات کے لئے دیکھیں شعر (۱۳/۱۲) و (۱۹/۱)

غزل

روز باخوش پسران خُردِ وفا مے بازم ۱ شب ہمہ شب بشرابے و بشمعے سازم

بے خبر از دو جہاں کرد مرا جلوۂ دوست ۲ بدو عالم ز رخِ دوست نمے پردازم

سجدہ در پیشِ تو آوردم و مسجود شدیم ۳ کہ دریں سجدہ ملائک نشود انبازم

دارم از سوز و گدازِ غمِ او پیشِ نظر ۴ باید اوّل کہ سرِ خویش چو شمع اندازم

مرغِ عشقم کہ مرا دانہ تو حید دہند ۵ زیرِ ہر کنگرۂ عرش بود پروازم

موجے از جلوۂ او بر دو سنا گاہ مرا ۶ بود انجامِ روا اہلِ نظر آغازم

کے بپایاں واگہِ صفا و نہ پرواز کنم ۷ من کہ از اوجِ سرِ عرش یکے شہبازم

کے شوم مدعّی کشف کہ سر کیست خفی ۸ نہ شود گاہ بطاماتِ بلند آوازم

نہ منم عارف و عالم نہ منم عاشق و رند ۹ سر زہ گویند ہمہ بے خبراں از رازم

بو علیؔ کے سرِ خود بر کنم از راہِ صفا ۱۰ من کہ در زمرۂ اربابِ وفا ممتازم

ا۔ ترجمہ۔ میں دن کو معشوقوں کے ساتھ نرد دغا کھیلتا ہوں اور تمام رات شراب اور شمع میں گذارتا ہوں

نرد۔ بالفتح شطرنج کے مقابلہ میں ایک کھیل کا نام ہے۔

یعنی دن کو حسینوں کے ساتھ بازی دغا کھیلنا اور رات کو شمع کی روشنی میں شراب پینا میرا مخصوص شغل ہے

مراد یہ کہ اس شغل سے میرا مقصود ہی ایفائے عہد ہے جو بروز میثاق کیا گیا شراب اور شمع کی اصطلاحی تحقیق میں صاحب گلشن راز فرماتے ہیں

شراب و شمع و شاہد عین معنی ست	کہ در ہر صورتے او را تجلی ست
شراب اینجا زجاجہ شمع مصباح	بود شاہد فروغ نور ارواح
شراب و شمع جان آں نور اسرٰی ست	دلے شاہد ہمہ آیات کبرٰی ست
شراب و شمع و شاہد جملہ حاضر	مشو غافل ز شاہد بازی آخر

یعنی شراب سے وہ لذت مراد ہے جو محبوب کے ناگہانی جلوے سے سالک کے دل پر وارد ہو کر اسے بےخود کر دے اور شمع اس نور عرفان کو کہتے ہیں جو سالک کے دل پر تجلی ہو۔

۲۔ ترجمہ۔ مجھے دوست کے جلوے نے دونوں جہان سے بےخبر کر دیا اس لئے میں دوست کے چہرے کے سوا دونوں عالم میں مشغول نہیں ہوتا۔

مطلب یہ کہ مجھے جلوۂ محبوب نے تعلقات کونین سے غافل کر دیا یعنی مجھے دونوں عالم سے سروکار نہیں ظاہر ہے کہ بےخود آدمی کو خبر کا حیل نہیں رہتا۔

۳۔ ترجمہ۔ میں نے تجھے سجدہ کیا اور مسجود ہوا۔ اس سجدہ میں فرشتے میرے شریک نہیں۔

اس شعر کا مطلب دو طرح ہو سکتا ہے ایک یہ کہ قلندر صاحب مجھ میں ایک نر جان ہیں اور مسجود و قدیم کا اشارہ حضرت آدم کی طرف ہو کہ وہ مسجود ملائک ہوئے اس طرح بھی ہماری بزرگی اور فوقیت فرشتوں پر ثابت ہے یا قلندر صاحب خود فرماتے ہیں کہ ہم نے تجھے سجدہ کیا۔ اور مسجود ملائک ہوئے سجدہ تعظیم و تکریم بھی مراد ہو سکتی ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں سجدۂ عبادتی اور سجدۂ تعظیمی۔ سجدۂ آدم تعظیمی سجدہ تھا اگر عبادت کا ہوتا تو آدم کی شرکت بھی لازم آتی کتب تصوف سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی، قلندر صاحب، خواجہ چراغ دہلوی، خواجہ بندہ نواز، خواجہ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی وغیرہ جیسے صدہا عارفین کو مخلوق تعظیمی سجدہ کرتی تھی اور علمائے وقت کو کوئی اعتراض نہ تھا مفتاح العاشقین میں حضرت روشن چراغ دہلوی لکھتے ہیں۔

"سجدہ برائے بیان پیشین مستحب بود کہ مادر و پدر استاد و پیر و سلاطین را سجدہ مے کردند چوں وقت حضرت رسالت پناہی رسید استحباب سجدہ رفت مباح ماند چنانچہ روزۂ ایام بیض کہ پیش ازاں فرض بودہ است در وقت رسالت پناہ ایام بیض را فرضیت نماند استحباب باقی ماند چوں استحباب سجدۂ رفت مباح ماند بدیں کافر نہ گردد"

۴۔ ترجمہ۔ سوز و گداز کی وجہ سے اُس کا غم پیشِ نظر ہے اس لئے مجھے شمع کی طرح اپنا سر گرانا چاہیئے۔

یعنی میں سوختہ جگر ہوں اور غم دوست میرا رفیق ہے اس لئے مجھے شمع کی طرح اپنا سر بھی فدا کر دینا چاہیئے تاکہ حضوری معشوق کے لیے سرمایۂ اشتیاق حاصل ہو ظاہر ہے کہ اگر شمع یا فتیلہ چراغ کا سر گرا دیا جائے تو وہ زیادہ روشن ہو جاتا ہے سچ ہے کہ عشق میں بے سر ہو کر ہمسری کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

	"تا مرد بہ تیغ عشق بے سر نہ شود ہم یار طلب کنی و ہمسر خواہی	اندر رہ عشق و عاشقی سر نشود (ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ) از سر نخواہی و لے میسر نشود"

۵۔ ترجمہ۔ میں مرغ عشق ہوں مجھے توحید کا دانہ دیتے ہیں اور ہر کنگرۂ عرش کے نیچے میری پرواز ہوتی ہے

مراد یہ کہ میں ریاضِ عشق کا مرغ ہوں اور میری خوراک دانۂ توحید ہے جس کی وجہ سے میں کنگرۂ عرش پر پرواز کرتا ہوں صاحبِ مفاتیح الاعجاز لکھتے ہیں کہ توحید شہودی۔ عیانی۔ وجدانی اور ذوقی کے تین مراتب ہیں پہلا یہ کہ حق جل مجدہٗ افعالی تجلی کے ساتھ سالک پر متجلی ہو اور وہ تمام اشیاء کے افعال کو حق تعالیٰ کے افعال میں فناہ دیکھے اور کسی چیز میں غیر حق کو فاعل نہ جانے اس مقام کو اصطلاح میں محو کہتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ حق جل شانہٗ صفاتی تجلی کرے اور سالک تمام اشیاء کی صفات کو اُس کی صفات میں مضمحل جانے اور غیر حق میں مطلق کوئی صفت نہ دیکھے بلکہ جمیع اشیاء کی صفات کا مظہر اللہ تعالیٰ کو تصور کرے اس مقام کو طمس کہتے ہیں۔ تیسرا مقام یہ ہے کہ تجلی ذات کیساتھ ظہور کرے اور سالک تمام اشیاء کی ذوات و ماہیات کو تجلی نور ذات میں فناہ سمجھے اسے محق کہتے ہیں۔ مرغ عشق اور دانۂ توحید میں کیا اعلیٰ حقیقت پوشیدہ ہے۔

۶۔ ترجمہ۔ اچانک اُس کے جلوے کی موج مجھے بہا کر لے گئی جہاں اہل نظر کے رشتہ کا انجام پردہ میرا آغاز ہے۔

مسلم بات ہے کہ موج بحر ہر چیز کو جو اُس کے ہاتھ لگے بہا کر سمندر میں لے جاتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ اچانک وہ محبوب کی موج اُٹھی اور مجھے بہا کر لے گئی جہاں اہل نظر کا انجام ہوتا ہے وہاں سے

میرا آغاز ہوا۔ علو مرتبت کی طرف اشارہ ہے کہ مجھے عروجِ عشق وہاں تک لے پہنچی جس کی رفعت و بلندی وہم و گمان سے بھی بعید ہے قلندری مرتبہ اظہر من الشمس ہے اس سلسلہ کے سالک ایمان و ایقان کے انتہائی مراتب پر پہنچ کر ہمیشہ محو در محو رہتے ہیں۔

۷ ترجمہ۔ میں اس دامگاہِ حوادث پر کب پرواز کر سکتا ہوں جب کہ میں عرشِ اعلیٰ کا شہباز ہوں

دامگاہ ۔ جال اور پھندے کی جگہ۔ مکر و فریب کا مقام **حادثہ** ۔ واقعہ نو پیدا مصیبت۔

اوج ۔ بالفتح ہر چیز کے اوپر کی طرف کو کہتے ہیں اور اوج ستاروں کا بلند ترین درجہ ہے اوج کا معرب ہے
شہباز ۔ ایک مشہور جانور کا نام ہے

حوادثِ دہر کو دامگاہ کہنا بیجا نہیں۔ کیونکہ اہلِ دنیا اکثر اس میں اسیر اور گرفتار ہوتے ہیں مگر عرشِ اعلیٰ کے شہباز (عاشقانِ حق) اس کی حقیقت کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اس لئے اس میں گرفتار نہیں ہوتے کسی اہلِ حق کا قول ہے کہ "دل خلقت میں مشہور ہوتا ہے لیکن اس میں مبتلا نہیں ہوتا" اس لئے قلندر صاحب کا یہ کہنا کس قدر حقیقت ہے کہ میں شہبازِ عرش اس دامگاہِ حوادث سے آزاد ہوں چنانچہ اس حقیقت کو شہر العشق میں اس طرح واضح کرتے ہیں کہ

"عشق مرغے است کہ آشیانہ او ازل است بر شاخ آتمِ غیلان کے نشیند و دریں تنگنائے کے پرواز کند آنچہ خاقانی گفتہ است بدیں معنی قریب است

دعوائے عشقِ مطلق مشغول نسلِ آدم	کانجا کہ شہرِ عشق است انساں چہ کار دارد

اے درویش مرغیکہ او آشیانہ گہ ازل پر دہ جز بر نسلِ خلد نہ نشیند او چشم عیش گرفتہ صدور شناں دیدہ نیز من گرم کہ عشق ہمائے ہمرائے قدس است اگر سایہ بر عالم حدوث افگند او راز حدِ امکان بہ عالم وجوب رساند"

اس شعر میں دامگاہ ۔ حادثہ ۔ پرواز ۔ اوج ۔ شہباز ۔ عرش کا استعمال اس خوبصورتی سے کرنا قلندر صاحب کی قادر الکلامی پر دال ہے

۸ ترجمہ میں کشف و کرامات کا دعویدار کب ہو سکتا ہوں کہ یہ پوشیدہ شرک ہے میں بلند آواز سے بیہودہ بکا نہیں کرتا۔

طامات ۔ صوفیوں کی لاف و گزاف جو اپنی کشف و کرامات کے اظہار میں کرتے ہیں ہرزہ گوئی سراج اللغات میں لکھا ہے کہ طامات ۔ بہ تشدید میم بروزنِ حاجات عربی لفظ ہے مگر اہلِ فارس تخفیف کے

ساتھ استعمال کرتے ہیں یہ بھی پراگندہ اقوال اور بے اصل باتیں کہ بعض صوفی اپنی گرم بازاری کے لیے کرتے ہیں اور رشیدی میں مذکور ہے کہ طامات جمع طامّہ بہ تشدید میم بمعنی حادثۂ عظیم ۔ شرک ۔ بالکسر خدائے لاشریک کے ساتھ کسی کو شریک کرنا نعوذ باللہ ۔

شرک کی کئی قسمیں ہیں مثلاً ۱۔ اشراک فی العلم یعنی کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد کرنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر ہے قال اللہ تعالیٰ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۲۔ اشراک فی التصرف یعنی کسی کو نفع و نقصان کا مختار سمجھنا قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۳۔ اشراک فی العبادت کسی کو سجدہ کرنا کسی کے نام کا جانور چھوڑنا وغیرہ قال اللہ تعالیٰ اَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا اللّٰهَ ۴۔ اشراک فی العادت کسی جانور پر کسی بزرگ کا نام لگا کر اس کا ادب کرنا اور کسی بزرگ کا نام بطور وظیفہ کے جپنا وغیرہ ۔

اہل تصوف کی اصطلاح میں خودی و خود نمائی شرک ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں کشف و کرامات کا دعویٰ نہیں کرتا کیونکہ یہ پوشیدہ شرک ہے جس سے مجھے احتراز ہے درحقیقت خود نمائی بری چیز ہے اور صوفیان صفا کیش لاف و گزاف سے قطعاً اجتناب کرتے ہیں ۔

با ما سخن از کشف و کرامات چہ گوئی	چوں ما ز سر کشف و کرامات گذشتیم ۔
اے شیخ اگر جملہ کمالات تو این ست	خوش باش کزیں جملہ کمالات گذشتیم
اینہا بحقیقت ہمہ آفات طریق اند	مغرور نما ما در طلب از جملۂ آفات گذشتیم
دیدیم کہ اینہا ہمہ خواب است و خیالست	مردانہ ازیں خواب و خیالات گذشتیم

۹۔ ترجمہ ۔ نہ میں عارف و عالم ہوں نہ عاشق و رند مگر لوگ میرے متعلق ہرزہ سرائی کرتے ہیں ۔

ع ۔ خلقت ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

کسر نفسی ہے خود ستائی کے الزام نے اظہار واقعہ سے باز رکھ کر کسر نفسی پر مجبور کیا ورنہ مرتبہ قلندری اظہر من الشمس ہے ۔

۱۰۔ ترجمہ سارے توکل ہیں راہ جفا میں کب سر کھینچ سکتا ہوں جبکہ میں ارباب وفا کے زمرہ میں ممتاز ہوں تسلیمیت کا دعویٰ ہے کہ میں مرکز وفا سے ہٹ نہیں سکتا کیونکہ میں زمرۂ عشاق اور ارباب وفا میں ممتاز ہوں جفا اور وفا کے متعلق قلندر صاحب سر العشق میں خود فرماتے ہیں ۔

"ہر چیز کہ ہست بہ بلا کاہد و نعما بیفزاید گر عشق بلا بفزاید و بہ نعما بکاہد اے درویش

ازانجا کہ حقیقتِ عشق است باید کہ ہیچ چیز نیفزاید و نکاہد المحبۃ لا یزید بالبر ولا ینقص بالجفاء۔ اما بداں کہ عشق آتش است و ہیزم او تن و جان و دل و دیدۂ عاشق تا آں در وے نیفتد ایں شعلہ بے نیارد حرارت او نیفزاید"

غزل ۱

قبولم کن خدایا ہر چہ ہستم	۱	اگر رندم و گر من بت پرستم
کہ روز و شب من آں بت می پرستم	۲	بتے دارم درونِ سینۂ خویش
کہ من بدمست از روزِ الستم	۳	بہوشم ناورد ہنگامۂ حشر
کہ یارم بت بود من بت پرستم	۴	ندارم ننگ و عار از بت پرستی
دل اندر زلفِ پیچانش ببستم	۵	بہ پیچ و تابِ عشق افتادم آنگہ
کہ از جامِ شرابِ شوق مستم	۶	خمارم نشکند آید اجل گر

۷ شرف چوں نرگسِ مستش بدیدم
بمستی ساغر و مینا شکستم ۷

۱۔ترجمہ۔ اگر میں رند ہوں یا بت پرست اے خدا جو کچھ ہوں مجھے قبول کر۔
مراد یہ کہ جیسا ہوں تیرا ہوں بہرحال میرے عیبوں کو نظر انداز کر اور اپنی رحمت پر نظر کر کے مجھے قبول فرما الہٰی سے بے بضاعتی کا اعتراف ہے۔

در عشق تو گہ بت پرستم گویند	گہ رند و شرابی و مستم گویند
ایں ہا ہمہ از بہر شکستم گویند	من شادم از آنکہ ہر چہ ہستم گویند

۲۔ترجمہ۔ میں اپنے سینے کے اندر بت رکھتا ہوں جس کی دن رات پرستش کرتا ہوں۔
بت کے لغوی معنی اصطلاحی تحقیق اور شعر ہذا کی وضاحت کیلئے دیکھو شعر ۱/۲ ، ۵/۴ ۔

۳۔ ترجمہ۔ مجھے ہنگامۂ حشر بھی ہوش میں نہ لا سکے گا کہ میں بعد الست سے بدمست ہوں

حشر کا دن ایسا سخت ہوگا کہ صدہا سال مردے چونک اٹھیں گے لیکن قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں روز الست

سے ایسا مست ہوں کہ ہنگامۂ حشر بھی ہوش میں نہ لا سکے گا۔ شیخ سعدی نے لکھا ہے۔

حریفانِ خلوت سرائے الست	بیک جرعہ تا نفخۂ صور مست

لیکن قلندر صاحب سب پر سبقت لے گئے۔

۴۔ ترجمہ۔ میں بت پرستی سے شرم نہیں رکھتا کیونکہ میرا یار بت ہے اور میں بت پرست ہوں۔

یعنی مجھے بت پرستی سے اس واسطے عار نہیں کہ میرا یار خود بت ہے اور میں اس کا پجاری ہوں۔

چہ عیبے کنی مارا کہ ما بت پرستیم	آں بت را بگو ساکن بتخانہ نباشد

۵۔ ترجمہ۔ میں عشق کے پیچ و تاب میں اس وقت پڑا جس وقت میں نے تیری زلف پیچاں میں اپنا دل باندھا۔

غرض یہ کہ میری اسیری نئی نہیں اگر زلف سے عالم کثرت مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ میں جب سے

عالم کثرت میں آیا برابر عشق کے پیچ و تاب میں ہوں۔

۶۔ ترجمہ۔ اگر اجل بھی آجائے تو میرا خمار نہ ٹوٹے گا کیونکہ میں شراب جنون کے ایک جام سے مست ہوں

یعنی حالت نزع میں بھی میری مخموری بدستور قائم رہے گی۔

۷۔ ترجمہ۔ اے شرف جب میں نے اس کی مست آنکھ دیکھی تو مستی میں ساغر و مینا کو توڑ دیا

گل نرگس کو آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں اور آنکھ کو مست و مخمور کہتے ہیں۔

قلندر صاحب بھی اس نرگس شہلا کو دیکھ کر مست ہو گئے اور مستی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ حسن و قبح سے غافل کر

دیتی ہے کیونکہ اس کیفیت میں عقل جزوی بیکار ہو جاتی ہے۔

بعض دفعہ ساغر سے صفات و آثار بھی مراد لی جاتی ہے ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میں نے

عشق محبوب میں اپنے آثار و صفات کو بالکل فنا کر دیا۔

غزل ۴۲

منم محوِ جمالِ او نمی‌دانم کجا رفتم	شدم غرقِ وصالِ او نمی‌دانم کجا رفتم

غلامِ روئے او بودم اسیرِ موئے او بودم ۲ غبارِ کوئے او بودم نمے دانم کجا رفتم
بآں ماہ آشنا گشتم ز جان و دل فدا گشتم ۳ فنا گشتم فنا گشتم نمے دانم کجا رفتم
شدم چوں مبتلائے او نہادم سر بپائے او ۴ شدم محوِ لقائے او نمے دانم کجا رفتم

۵ قلندر بو علی ہستم بنامِ دوست سرمستم
دلِ اندر عشق او بستم نمے دانم کجا رفتم ۵

ا۔ترجمہ۔ میں اُس کے جمال کا محو ہوں اور اُس کے وصال کا غریق اسلئے نہیں جانتا کہ کہاں جاتا ہوں۔
عشقِ محبوب میں قلندر صاحب کے استغراق کی یہ حالت ہے کہ اپنی منزلِ مقصود تک کا بھی پتہ نہیں
استغراق ہو تو ایسا ہو اور یوں بھی غریق آب کو اپنی ہستی کی خبر نہیں ہوتی ۔
۲۔ترجمہ۔ میں اُس کے چہرہ کا غلام اور زلف کا اسیر ہوں اور اُس کی گلی کا غبار لیکن نہیں جانتا کہ کہاں جاتا ہوں
غبار بھی آوارہ و سرگرداں ہوتا ہے عشقِ محبوب میں یہی حالت قلندر صاحب کی ہے یہ شعر بھی کمال استغراق
کا ایک ضرب المثال نمونہ ہے ۔
۳۔ترجمہ جب میں اُس چاند کا آشنا ہوا جان و دل سے فدا ہوا فنا ہوا فنا ہوا لیکن نہیں جانتا کہاں جاتا ہوں
شعر آسان ہے لیکن یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اصطلاحِ صوفیا میں فناء و بقاء سے کیا مراد ہوتی ہے
فنا ۔ نیست و نابود ہونا۔ اصطلاحِ صوفیائے کرام میں فنا سے مراد یہ ہے کہ ممکن واجب میں اپنے
آثار و صفات کو بالکل مضمحل کر دے مگر یہ نہیں کہ اپنی حقیقت کو معدوم کر دے بلکہ اس طرح کہ جیسے آفتاب کی روشنی انوار
محسوسہ کو مضمحل کر دیتی ہے ۔

چراغ آنجا کہ خورشید منیر است		میان بود و نابودی برابر است

شیخ جنید بغدادیؒ کا قول ہے المحدث اذا قورن بالقدیم لم یبق لہ اثر۔ نقد النصوص میں مولانا جامی
قلندریہ طائفہ کے فنا و بقا کی نسبت لکھتے ہیں کہ
ما نزدیک ایں طائفہ فنا و بقا را معنی دیگر است از بقا بقائے ذات چیزے نخواہند
بلکہ بقائے صفاتِ او خواہند و از فنا فنائے ذات چیزے نخواہند بلکہ فنائے صفاتِ او خواہند

باں معنی کہ مراد از ہر چیزے عینِ آں چیزے نیست بلکہ معنی آں است کہ چوں ایں معنی دراں چیز موجود باشد
آں چیز را بنام بقا دہند از بہر آں کہ مقصود ازاں چیز حاصل است و چوں ازاں چیز معدوم گردد آں چیز را فانی
خوانند از بہرِ فواتِ مقصود لہٰذا ایں در تعارف ظاہر است کہ چوں کسے پیر و ضعیف گردد گویند کہ ہمی آنم
کہ بودم ہمو ہمانست لیکن صفات دیگر شدہ است"

۳ ترجمہ: جب میں اس کا قبلہ ہوا اپنا سر اس کے پاؤں پر رکھا اور اس کے چہرے کا محو ہوا میں نہیں جانتا کہ کہاں جا رہا تھا۔
لقا۔ بالکسر، دیدار، ملاقات۔ اس شخص کو دیکھنا جس کی خواہش ہو۔ (افصح اللغات)

⊕ ترجمہ: اے ساقی میں قلندر ہوں اور دوست کے نام کا سرمست ہوں اور میرا دل اس کے عشق میں بندھا
ہوا ہے لیکن نہیں جانتا کہ کہاں جاتا ہوں۔

پوری کی پوری غزل ہی استغراق میں ہے قلندریہ محویت اور استغراق کا اس سے بہتر نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

غزل ۴۳

غیرت از چشم برم روی تو دیدن ندہم ۱ گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم
گر شبی دست دہد وصلِ تو از غایتِ شوق ۲ تا قیامت نشود صبح دمیدن ندہم
گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد ۳ تا نہ بینم رخِ تو روح رمیدن ندہم
گر مرا بر سرِ کوی تو بود دسترسی ۴ عنبر را بر سرِ کوی تو رسیدن ندہم
نذرِ دیدارِ تو گر ملکِ دو عالم بدہند ۵ یعلم اللہ کہ سرِ موی تو دیدن ندہم
اگر آں طائرِ قدسی فتد اندر دامم ۶ گر چہ صد حملہ کند بازِ پریدن ندہم

۷ شرف ار باد وزد بوی ز زلفش ببرد
باد را نیز دریں شہر وزیدن ندہم ۷

ا ترجمہ: میں آنکھوں پر غیرت کروں اور تیرا منہ دیکھنے نہ دوں اور کان کو تیری بات سننے نہ دوں

محبوب کی حفاظت مقصود ہے کہ چشم غیر کو تیرا چہرہ دیکھنے نہ دوں اور غیر کے کانوں کو تیری بات سننے نہ دوں

۲ ترجمہ۔ اگر رات مجھے تیرا وصل نصیب ہو تو غایت شوق سے میں قیامت تک صبح کو پھوٹنے نہ دوں

مراد یہ کہ ابد الآباد تک وصل کا لطف اٹھاؤں "وصل عبارت است از نسیان خود لشہود نور وجود حق تعالیٰ (خواجہ عزیزی)

۳ ترجمہ۔ اگر ملک الموت میری جان لینے آئے تو جب تک میں تیرا منہ دیکھ نہ لوں جان کو جانے نہ دوں

مراد یہ کہ میری زندگی کا آخری لمحہ کا مقصود بھی تیرا ہی دیدار ہو گا ع

چون میرم مبتلا میرم چون خیزم مبتلا خیزم

۴ ترجمہ۔ اگر تیری گلی تک مجھے دسترس ہو جائے تو غیر کو تیری گلی میں آنے نہ دوں۔

گویا نااہل اور ناسزا اس قابل ہی نہیں کہ تیری گلی میں آئیں قلندر صاحب نے دربانی کا دعویٰ خوب کیا ہے۔

۵ ترجمہ۔ اگر تیرے دیدار کے لئے دونوں جہان مجھے نذر میں دیں اللہ جانتا ہے کہ میں تیرے

سر کا بال بھی دیکھنے نہ دوں۔

معشوق کی کس قدر حفاظت منظور ہے حاسد کی نظر بد کا اندیشہ ہے اس لئے دونوں جہان کے معاوضہ

میں ایک بال کی زیارت کرانا بھی ناگوار ہے۔

خاکِ درِ تو بہ مملکتِ جم ندہم	موئے ترا بہ ہر دو عالم ندہم

۶ ترجمہ۔ اگر وہ طائرِ قدسی میرے دام میں گرے پھر اگرچہ سر حملے کرے جانے نہ دوں۔

طائرِ قدسی ۔ سے مراد مشاہدہ ذات ہے جو ناممکن ہے۔

یعنی اگر وہ شہباز اوجِ عرش سے میرے دام میں آ جائے تو پھر اس کو واپس جانے نہ دوں مگر یہ امید بھی

ایسی ہے جیسے ہوا گرہ میں باندھنا یا پانی پر نقش بنانا عرفی نے سچ کہا ہے۔

نورِ حیرت در شبِ اندیشۂ اوصافِ تو	بس ہمایونہا مرغِ عقل از آشیاں انداختہ

۷ ترجمہ۔ اے شرف اگر ہوا چلے اور اس کی زلف کی خوشبو لے جائے پھر میں ہوا کو بھی اس شہر میں

چلنے نہ دوں۔

خوشبو کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کا ذریعہ ہوا ہوتی ہے محبوب کی زلف عنبر بار کی بھی حفاظت

منظور ہے کہ اگر ایک دفعہ ہوا زلف یار کی خوشبو لے جائے تو پھر بار دگر اُسے شہر میں آنے نہ دوں ہوا کے ساتھ بلبیہ

دوری کا معاملہ بھی عجیب ہے ۔

غزل ۷۴

دیده روی تو رفته از هوشیم ۱ مست و از خویشتن فراموشیم

گر کنی لطف ور روی در خشم ۲ ما غلامان حلقه در گوشیم

رازها اندرون سینهٔ ماست ۳ گرچه در مجلس تو خاموشیم

یار را هیچ گه نمی بینیم ۴ گرچه با یار هم آغوشیم

هیچ جا ما نمی کنیم قرار ۵ که بعشق تو خانه بر دوشیم

تلخی مرگ کی شود محسوس ۶ شربت وصل او اگر نوشیم

او است در ما و ما در او محویم ۷ پس بزور دو عالمی کوشیم

هست می خانه بهتر از فردوس ۸ جام می را بتوبه نفروشیم

دین دنیاست چون خس و خاشاک ۹ ما چو طوفان بحر در جوشیم

با قلندر رویم و رند صفات ۱۰ خرقهٔ زاهدان نمی پوشیم

ای شرف ضبط عشق شیوهٔ ماست
همچو دیوانگان نه پرخروشیم ۱۱

ترجمہ۔ ہم نے تیرا چہرہ دیکھا اور ہوش سے چلے گئے مست اور اپنے آپ سے فراموش ہیں۔
یعنی ہم مشاہدۂ تجلیات سے بیہوش اور محو ہو کر ما سوا سے بھی بے خبر ہو گئے
یہاں بھی چہرہ دیکھنے سے رویتِ مقید مراد ہے یعنی دیدار بالمرآت و تعینات وغیرہ کیونکہ رویتِ عیانی ناممکن ہے۔

۲۔ ترجمہ۔ اگر تو لطف کرے یا قہر ہم حلقہ بگوش غلام ہیں۔

یہ شعر رضا و تسلیم میں ہے کہ ہم دونوں صورتوں میں راضی برضا ہیں اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ مولانا جامی قدس سرہ صاحب کا دوسرا مصرعہ لیکر پہلا خود لگاتے ہیں۔

	سحر تو در گوشش کردہ لطف ــــ ما غلامان حلقہ در گوشیم	

۳۔ ترجمہ ہمارے سینے کے اندر راز ہے اگرچہ ہم تیری مجلس میں خاموش ہیں۔

یعنی ہمارا سینہ تیرے راز و اسرار سے لبریز ہے لیکن کوئی وجہ ہے کہ ہم تیری محفل میں خاموش ساکت و صامت ہیں

	ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں ــــ ورنہ کیا بات کر نہیں آتی	

سالک حالت سکر میں راز کہنے پر مجبور ہوتا ہے البتہ اگر سکر کے درمیان صحو کا غلبہ ہو جائے تو افشائے راز سے باز رہتا ہے سکر کے متعلق صوفیائے کرام لکھتے ہیں کہ سکر بسبب اشعۂ نور ذات و اختفاء نور عقل احکام ظاہر و باطن کے درمیان رفع تمیز کا نام ہے اہل وجد کے گروہ میں ایک محبان ذات ان کے وجد کا منشا ذات ہوتا ہے دوسرے محبان صفات جن کے وجد کا منشا عالم صفات ہوتا ہے محبان صفات کو وجد میں فترت و وقفہ کا اکثر اتفاق ہوتا ہے بخلاف محبان ذات کے وجد جو عالم صفات میں ظاہر ہو ایسا قوی نہیں ہوتا جیسا کہ وجد انوار ذات ہوتا ہے پس واجد ذات اکثر غلبہ و حال سے مغلوب ہو کر اپنی عقل کو شعشعہ نور ذات اور انوار تجلیات میں مختلف کر دیتا ہے اس لئے افشائے راز کرتا ہے اور صحو نعت تمیز و رجوع احکام جمع و تفرقہ کے واپس لوٹ آنیکا نام ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ جب سالک انتہائی غلبۂ انوار ذات میں فانی اور مستہلک ہو جائے تو اللہ تعالے اسکو ایک ایسا وجود باقی عطا کرتا ہے جو انوار ذات کی تجلیات سے متاثر نہ ہو سکے اس وقت تمام فانی اوصاف اور عقل بشری عود کر آتے ہیں اس حالت میں سالک افشائے راز سے اجتناب کرتا ہے قلندر صاحب پر بھی یہی مذاق غالب ہے و نیز اس شعر میں رازداری کی تعلیم پائی جاتی ہے جو طریقت کا اہم ترین اصول ہے۔

	رات ہوا نہیں اک گو بیٹھ ہے آئی نہیں صدا (آئی) دل میں سب کچھ ہے مگر طاقت گفتار نہیں	

۴۔ ترجمہ میں یار کو کسی جگہ نہیں دیکھتا اگرچہ یار کا ہم آغوش ہوں۔

یعنی میں محبوب کا ہم آغوش ہوں لیکن اس کو دیکھ نہیں سکتا جاننا چاہیئے کہ یہ نزدیکی علم و احاطہ کے لحاظ سے ہے مکان و مسافت کے لحاظ سے نہیں۔

:	دوست نزدیک تر از من بمن است (سعدی) وین عجب تر کہ من از وے دورم	

چہ کنم باکہ توان گفت کہ او (اسدی) در کنارِ من و من مہجورم

۵۔ ترجمہ۔ ہم کسی جگہ قرار نہیں پکڑتے کیونکہ تیرے عشق میں خانہ بدوش ہیں۔

خانہ بدوش لوگوں کا مقام مستقل نہیں ہوتا بلکہ آج یہاں تو کل وہاں عشقِ محبوب میں قلندر صاحب بھی خانہ بدوش ہیں

دلِ ما امہرِ نگبِ جاں سے بہار و جاں بمر رنگ پن (قرآنی آیات) کی جس جگہ چاہو بالو وہ تو ہے خانہ بدوش

۶۔ ترجمہ۔ موت کی تلخی کب محسوس ہو اگر ہم اس سے کہ وصل کا شربت نوش کریں۔

یعنی جو شخص شرابِ عشق کا جرعہ نوش ہے اس کو تلخی مرگ محسوس نہیں ہوتی واضح شرابِ عشق میں بہ خاصیت ہے

۷۔ ترجمہ۔ وہ ہم میں اور ہم اس میں ہو ہاں پس ہم ورد و دعا کی کوشش نہیں کرتے۔

یعنی جب طالب و مطلوب یکدیگر موں تو وارد و دعا چہ معنی دارد

بحول کارساز حاجات آگہی دارد (دآں) برائے چیست دعا و چہ سود حرفِ سوال

۸۔ ترجمہ۔ میخانہ فردوس سے اچھا ہے اس لئے ہم جامِ شراب کو توبہ کے عوض نہیں بیچتے۔

یہ خانہ وحدت اور فردوس ریں کا مقابلہ ہے کہ توبہ کے عوض جامِ زریں کو نہ دینا چاہئے کیونکہ یہ خطاؤں

عظیم ہے۔

۹۔ ترجمہ۔ دین و دنیا خس و خاشاک کی طرح ہیں اور ہم سمندر کے طوفان کی طرح جوش میں ہیں

سمندر میں طوفان کا ہونا اور خس و خاشاک کا بہنا ایک حقیقت ہے۔

مراد یہ کہ دنیا ہمارے جوش و خروش کی تابع فرمان ہے جدہر چاہیں خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائیں گویا

وہ ہم پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

۱۰۔ ترجمہ۔ ہم قلندر وش اور رند صفات ہیں اس لئے زاہدوں کا خرقہ نہیں پہنتے

خرقہ۔ بالکسر پرانہ جامہ چیتھڑا۔ خرق سے ماخوذ ہے معنی ہیں چاک ہونا پارہ پارہ ہونا چونکہ فقیروں

کا لباس آگے سے پھٹا ہوا ہوتا ہے اس لئے خرقہ کہتے ہیں یہاں مراد خود نمائی اور خود فروشی ہے۔

زاہدوں کی شربِ الیہود مشہور ہے کہ ان کا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہوتا فرماتے ہیں کہ ہم قلندر صفت اور رند

مشرب آدمی ہیں اس لئے زاہدوں کی طرح خرقہ یا جبہ زیب تن نہیں کرتے یہ شعر طنزیہ ہے۔

۱۱۔ ترجمہ۔ اے شرف ضبطِ عشق ہمارا شیوہ ہے ہم دیوانوں کی طرح شور نہیں کرتے۔

یعنی دیوانوں کی طرح شور و شغب کرنا اور لاف و گزاف مارنا ہمارا دستور نہیں ظاہر ہے کہ دیوانہ آدمی

ننگ وانسانیت کا جو ہر کھو کر بیہودہ خرافات کی ڈینگ مارتا ہے۔

ممکن ہے کہ اشارہ اس طرف ہو کہ عرشِ قلوب پر نازل ہونے والی تجلیات اور واردات کو نافہم لوگوں سے پوشیدہ رکھنا چاہیے کیونکہ وہ ان رموز واسرار کو سمجھ نہیں سکتا۔

غزل ۷۵

ما بعشقِ تو ناتواں شدہ ایم ۱ جسم بودیم ہم چو جاں شدہ ایم

تا بچشمِ تو جائے خود کردیم ۲ تا ز چشمِ جہاں نہاں شدہ ایم

تا ز یک جرعۂ مئے شوقش ۳ باز پیرانہ سر جواں شدہ ایم

نیست پروائے آب و ناں مارا ۴ ما بخوانِ کہ میہماں شدہ ایم

زاں زماں کو بر آستاں بنشاند ۵ در بلندی چو آسماں شدہ ایم

نیست پروائے دو جہاں مارا ۶ تا بوصلِ تو کامراں شدہ ایم

تا نشانِ تو یافتیم بعشق ۷ ما دریں دہر بے نشاں شدہ ایم

زیرِ تیغِ تو سر چو بنہادیم ۸ در خورِ عمرِ جاوداں شدہ ایم

ترکِ دنیا و دیں چو بنمودیم ۹ غافل از سود و از زیاں شدہ ایم

۱۰ شرف اندر ہوائے جلوۂ دوست
فارغ از دوزخ و جناں شدہ ایم ۱۰

ترجمہ ہم تیرے عشق میں ناتواں ہو گئے کبھی جسم تھے لیکن اب جان کی طرح ہو گئے۔

روح چونکہ ایک غیر محسوس چیز اور امرِ ربی ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ ہم تیرے عشق میں ناتواں گشت

استخواں ہو گئے کبھی جسم تھے لیکن اب روح کی طرح برائے نام ہیں یہ حقیقت ہے صرف دعویٰ ہی نہیں تذکروں سے ثبوت ملتا ہے کہ قلندر صاحب نے مجاہدۂ نفس میں بڑی بڑی سخت ریاضتیں کیں برسوں پانی میں کھڑے رہے جنگلوں کے جنگلوں میں زہرہ گداز مجاہدات کئے پس ایسی سخت محنتوں سے جسم کا گھل کر لاغر اور نحیف ہو جانا تعجب خیز نہیں۔

۲ ترجمہ جب سے ہم نے تیری آنکھوں میں اپنی جگہ بنائی جہاں کی آنکھوں سے چھپ گئے۔

یعنی جب سے ہم تیری نظروں میں منظور ہوئے دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہو گئے مراد یہ کہ تیری حضوری نے مجھے لوگوں کی نظروں سے چھپا دیا فی الحقیقت اس سلسلہ کے سالکین تخریب حالات کے لئے عجیب و غریب طریقے اختیار کرتے ہیں تاکہ کسی کی نظران کے حال کے جمال پر نہ پڑے

۳ ترجمہ ہم بوڑھے اس کی شراب شوق کے ایک جرعہ سے دوبارہ جوان ہو گئے۔

شراب کی خاصیت ہے کہ پیرانہ سالی میں بھی تمام اعضاؤں میں ایک نئی تازگی پیدا کر دیتی ہے فرماتے ہیں کہ جب ہم نے شرابِ عشق کا ایک جرعۂ نوش کیا بڑھاپے تو کجا بس گزر ہے اثر کہ از سر نو جوان ہو گئے۔

این کہ بالطبع شباب است نظیری چہ عجب
مے رود پیر بہ میخانہ جواں مے آید

تجلیات جو کچھ عرصہ سے حجاب میں تھیں ان کے نزولِ اجلال سے عاشق سال خوردہ از سر نو جوان ہو گیا اصطلاح میں اس حالت کو بسط کہتے ہیں اور تجلیات کے رک جانے کو قبض کہتے ہیں۔

۴ ترجمہ ہمیں آب و نان کی پرواہ نہیں جس خوان پر کہ ہم مہمان ہوئے

یعنی ہم خوانِ الفت کے مہمان ہیں اس لئے خورد و نوش سے مستغنی ہیں۔

خوانِ الفت میں ہے وہ کونسی نعمت کہ نہیں
میزبانی خونِ دل پینے کو ہے لختِ جگر کھانے کو

تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ قلندر صاحب نے چالیس سال تک آب و دانہ کی طرف مطلق التفات نہیں کیا۔

۵ ترجمہ جب سے ہم پیوستہ اس کے دروازے پر بیٹھ گئے ہیں ہماری بلندی آسمان کی طرح ہے

یعنی جب سے ہم نے کونین سے قطع تعلق کر کے تیرے در پر بیٹھ رہے تب سے ہماری رفعت اور بلندی آسمان سے بھی بڑھ گئی مراد یہ کہ تیرے ہو کر ہم نے عزت دارین حاصل کی یہ بھی واقعہ ہے کہ قلندر صاحب کی نعلین برداری کو شاہانِ زماں بھی سعادت تصور کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

۶ ترجمہ ہم دونوں جہاں کی پرواہ نہیں جب سے تیرے وصل سے کامران ہوئے۔

کامران، منصور، مسند، صاحب نصیب، دولت مند۔

یعنی جب سے تیرا وصال حاصل ہوا ہم نے دونوں جہان کو نظروں سے گرا دیا اور اب اُنکی پروا نہیں

روئے دل من سوئے نہاں بود ہمیشہ   چوں روئے تو دیدم ہمہ روئے تو گردم

۷ ترجمہ۔ جب کہ ہم نے عشق سے تیرا نشان پایا اس جہان میں بے نشان ہو گئے۔

یعنی جب سے ہم نے عشق کا ادراک حاصل کیا ہے اور تجھے پہچانا ہے اور اپنی ماہیت کو سمجھا ہم بے نشان ہو گئے اور سمجھ لیا کہ ہماری ہستی ایک وہم و خیال ہے جو ہمارے درمیان حائل ہے اس لئے ہم نے اسکو مٹا دیا۔

۸ ترجمہ۔ جب سے ہم نے تیری تیغ کے نیچے سر رکھا ہم عمرِ جاوداں کے سزاوار ہو گئے۔

تیغ سے تیغِ تسلیم و رضا مراد ہے یعنی جب سے ہم نے تیری رضا اختیار کی ہے اور خنجرِ تسلیم سے شہید ہوئے ہمیں عمرِ جاوداں اور ابدی زندگی حاصل ہو گئی۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں   ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ (حدیث نبوی)

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے   کبھی اس گھر آ نکلے کبھی اس گھر میں جا ٹھہرے

۹ ترجمہ۔ جب سے ہم نے دنیا اور دین کو ترک کیا سود و زیاں سے غافل ہو گئے۔

مطلب صاف ہے کہ جب سے ہم نے تیرے عشق میں دنیا اور دین سے انقطاع کیا سود و زیاں سے فارغ ہو گئے یعنی نہ نفع کی امید رہی نہ نقصان کا خطرہ

۱۰ ترجمہ۔ اے شرف ہم جلوۂ دوست کی آرزو میں دوزخ اور بہشت سے فارغ ہو گئے۔

یعنی دیدارِ محبوب کی تمنا میں شرف بہشت اور دوزخ سے بے فکر ہو گیا۔

غزل ۷۶

چونکہ اندر سجدہ پیشِ خم ابروئے تو ایم   ۱ در نماز عشق رو بنمودہ ما سوئے تو ایم

نیست ما را حور و غلمان و پری اندر نظر   ۲ چونکہ از روزِ ازل ما عاشقِ روئے تو ایم

پائے در زنجیر ما باشیم واندر پیچ و تاب ۳ زاں کہ از روزِ ازل وابستۂ موئے تو ایم

سر فرو ہر گز نمے آریم پیشِ ہر کسے ۴ ما کہ سر بنہادہ اندر پائے گیسوئے تو ایم

جام مے ہر گز نمے نوشیم و گل را نشنویم ۵ بے خود از روئے تو ایم و مست از بوئے تو ایم

جرعۂ از مے کرامت گر کنی پیرِ مغاں ۶ ہر کجا باشیم روز و شب دعا گوئے تو ایم

اے کہ قسمت از مہرِ کساں خوش تر لبے ۷ گر برانی ور بخوانی یار ضا جوئے تو ایم

در مذاقِ ما گوار اتلخی ہجر تو نیست ۸ ما کہ عادت کردۂ شیرینی خوئے تو ایم

۹	واعظ از ما راکشد ز ترغیبِ جنت ہرزہ گوست ما کہ ہیچو گل افتادہ در کوئے تو ایم	۹

اترجمہ چونکہ ہم تیرے خمِ ابرو کے آگے سجدہ ریز ہیں اس لئے نمازِ عشق میں ہم نے تیری طرف رخ کیا۔

خمِ ابرو۔ کو محراب بھی کہتے ہیں ع محرابِ نمازِ عارفاں ابروئے تست۔

یعنی ہم تیرے خمِ ابرو کو سجدہ کرتے ہیں اور ہمارا رخ تیری طرف ہے ایمان العین کی طرف اشارہ ہے

جس کی محرابِ عبادت ہو خمِ ابروئے یار اُس کو کعبہ میں کہو سجدہ ادا کیونکر ہو

۲ ترجمہ۔ حور و غلمان اور پریاں ہماری نظروں میں نہیں کیونکہ ہم روزِ ازل سے تیرے چہرے کے عاشق ہیں۔

مطلب بالکل واضح ہے۔

نہ جنت جوئیم و نے حور و نے انہار مے خواہم تجو از زاں اے زاہد ہمہ بار ہمی دیدار مے خواہم شہانِ مملکت فردوس را بار مے بدہ بہتنا آرند ہمیں) و من درویشِ عالی ہمتم دیدار مے خواہم

۳ ترجمہ ہمارے پاؤں زنجیر میں ہیں اور ہم پیچ و تاب میں کیونکہ ہم روزِ ازل سے تیری زلف میں بندھے ہوئے ہیں

زلف کو زنجیر بھی کہتے ہیں اور عاشق کی گرفتاری زلفِ جاناں سے کی پیرائی ہے۔

فرماتے ہیں کہ ہم چونکہ روزِ ازل سے تیری زنجیرِ زلف میں اسیر ہیں اس لئے سخت پیچ و تاب میں ہیں زلف کو عالم

کثرت اور تعینات سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عالمِ اسباب میں تیرے گرفتار ہیں۔

پیچ و تاب میں ہیں

نہ آج رتا ہے کہ دلِ غمزہ در پنہاں داشت (شبلی) شکنِ طرۂ گیسوے تو پیدا سے کردیم

۳ ترجمہ ہم ہر ایک کے آگے سر فرو نہیں کرتے کیونکہ ہم اپنا سر تیرے گیسوؤں کی یاد میں رکھا ہوا ہے

گیسو۔ سراج الدین علیخاں آرزو نے سراج میں لکھا ہے کہ گیسوان لمبے بالوں کو کہتے ہیں جو سر کے دونوں طرف آویزاں ہوتے ہیں اور بعض زلف کا مرادف بھی کہتے ہیں مگر متاخرین کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ گیسو اور زلف دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں چنانچہ ملا ناسم مشہدی کہتا ہے ۔

یک سرِ مو در سرِ لیلیٰ دنشاں بیکار نیست ا آں چہ سے آید زیاد از زلف گیسو سے شود

مطلب صاف ہے کہ ہم تیرے بغیر کسی کے آگے سر بسجود نہیں ہوتے کیونکہ ہم اپنا سر تیرے گیسوئے عنبریں کی یاد میں جھکائے ہوئے ہیں ظاہر ہے کہ گیسوؤں کا تعلق سر سے ہوتا ہے اور گیسو جھکے ہوئے اور آویزاں ہوتے ہیں اس لئے ان کی یاد میں سر کسی دوسری جگہ فرو نہ کرنا گویا اصلی حقیقت ہے اور اس کا استعمال قلندر صاحب کی قادر الکلامی پر دال ہے۔

۵ ترجمہ ہم جام شراب ہرگز نہیں پیتے اور پھول کی خوشبو نہیں سونگھتے کیونکہ ہم تیرے چہرے سے بے خود ہیں اور تیری خوشبو سے مست ۔

ظاہر ہے کہ جام شراب سے بیخودی اور پھول سے حصول خوشبو مراد ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ ہم تیرے چہرے کو دیکھ کر لینی تجلیات کے نزول سے بے خود اور تیری زلف کی خوشبو سے مست ہو گئے اس لئے ہم شراب پیتے ہیں نہ پھول سونگھتے ہیں

بے خواہشِ گُل دارم نے حاجتِ مُل دارم از چہرہ و لبہائت بیوں مست سروکارم

۶ ترجمہ اے پیرِ مغاں اگر تو شراب سے ایک جرعہ عنایت کرے تو ہم جس جگہ ہونگے روز و شب تجھے دعا دیں گے

پیرِ مغاں سے التجا کی گئی ہے کہ ہمیں شرابِ لبلبین کا ایک جرعہ عطا فرما تاکہ ہم ہر وقت تجھے دعائے خیر سے یاد کریں بدیہی امر ہے کہ اگر کسی پر کوئی شخص احسان کرے تو وہ ضرور محسن کے حق میں دعا کرتا ہے ۔

۷ ترجمہ تیرا قہر غیروں کی محبت سے اچھا ہے اگر نکال دے یا نواز دے ہم تیری رضا کے طالب ہیں

یعنی تیرا قہر و عتاب اغیار کی مہر و محبت دلجوئی اور دلنوازی سے ہزار درجہ بہتر ہے خواہ خالی ہاتھ نکال دے خواہ نوازش کرے ہم بہرحال تیری رضا پر راضی و شاکر ہیں کوئی شکایت نہیں ۔

ہر چہ بود بر سر ما چوں تو پسندی رواست سند وجہ دعویٰ کند حکم خداوند رواست
گر بہ لطفم بنزد خود خوانند ۱ ۱ ۱ ۱ (سعدی) ور بقہر م بر انداز و راند ۱ ۱ ۱ ۱

بندہ ام گر بلطف ہیجرانی رسدی جاکرم گر بقہر مے رانی

قلندر صاحب کا یہ شعر بھی رضا و تسلیم کا بہترین نمونہ ہے۔

۸۔ ترجمہ۔ ہمارے مذاق میں تیرے ہجر کی تلخی گوارا نہیں کیونکہ ہم تیری شیرینی طبع کے عادت کردہ ہیں۔

یعنی ہم تیری طبعِ شیرین کے خو کردہ ہیں اس لئے تیری جدائی کی تلخی برداشت نہیں کر سکتے تجلیات کے نزول کو شیرینی طبع اور ان کے رک جانے کو تلخی ہجر کہا گیا ہے ہم اس مقام پر خارستانِ جامی سے ایک حکایت نقل کرتے ہیں جس سے تلخی ہجر کی حقیقت معلوم ہوگی۔

حکایت - بغداد شریف کا ایک نوجوان شاعر جو دیرانہ تخلص کرتا تھا بیمارستانِ بغداد میں بیمار پڑا تھا اور آرزوئے وصالِ دوست میں شعر کہہ رہا تھا کوئی بزرگ پاس سے گذرے پوچھا تمہاری کیا خواہش ہے شاعر نے جواب دیا کہ محلّہ نہر زجاج میں امگہ نام دہقان کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ رباعی پڑھو میری کیفیت معلوم ہو جائے گی۔

در عشقِ تو ام طاقتِ تنہائی نیست	در ہجرِ تو ام تابِ شکیبائی نیست
تا وسع تواں بود تحمّل کردم	دیگر چہ کنم وسعِ توانائی نیست

اُس بزرگ نے دروازہ پر جا کر آواز دی ایک پیرانہ سال عورت باہر آئی جسے یہ رباعی سنائی گئی جب وہ عورت اندر چلی گئی تو اُس بزرگ نے اندر سے ایک لڑکی کو یہ رباعی پڑھتے سُنا۔

در عشق کسے را کہ توانائی نیست	در ہجر تحمّل و شکیبائی نیست
مرگ است علاجِ وے و بیروں مرگ	ہر مصلحتے دگر کہ فرمائی نیست

اُس بزرگ نے واپس آکر یہ رباعی اُس نوجوان کو سنائی اُس نے نعرہ مارا اور جاں بجاناں تسلیم ہوا وہ بزرگ اس واقعہ سے متاثر ہو کر محلہ نہر زجاج میں آیا اور دہقان کے گھر میں شور و بکا کی آواز سن کر معلوم ہوا کہ وہ لڑکی بھی مرگئی۔

۹۔ ترجمہ۔ اگر واعظ ہمیں جنت کی ترغیب دے تو وہ ہرزہ گو ہے کیونکہ ہم تو گلی کی طرح تیری گلی میں پڑے ہوئے ہیں

یعنی واعظ اگر مجھ کو جنت کی خواہش میں کوچۂ جاناں سے اٹھنے کی ترغیب دلائے تو وہ بیہودہ گو ہے۔

بہارِ جنت کو کھینچ لاتا ہمیں مدینہ سے آج رضواں (اقبال) ہزار مشکل سے اُس کو لا لاکے بہانے بنا بنا کر

غزل

عاشقا خیز و گام در رہ زن ۱ عقل باشد درین سفر رہزن

گر بمرد گرد دشتش ہگرد ۲ چوں مخنث ز دور دہ دہ زن

خرمن صبر را بآتش دہ ۳ طعنہ بر روئے عقلِ ابلہ زن

ہر بلائے کہ آیدت از عشق ۴ بر سر آں را بگیر و قہقہہ زن

مصر خواہی چو یوسف کنعاں ۵ خیمۂ اعتکاف در چہ زن

جاں در انداز در رہِ جاناں ۶ بر نزاز کائنات خرگہ زن

دست برکش ز جاں نخست اوّل

گام در راہِ عشق آں گہ زن

ترجمہ:- اے عاشق اٹھ اور رستہ میں قدم رکھ کیونکہ اس رستہ میں عقل راہزن ہے۔

قلندر صاحب نے کئی جگہ عشق و عقل کا مقابلہ جداگانہ خیالات اور نادر تشبیہات سے کیا ہے شعر زیر تشریح میں عقل کو راہزن تصور کر کے فرماتے ہیں کہ اے عاشقِ صادق اٹھ بیدار ہو اور راہِ عشق میں دیوانہ وار قدم اٹھا کیونکہ عقل اس منزل میں کاروانِ عشق اور رہروانِ محبت کی قاطع الطریق ہے حضرت لقمان سرخسی کے متعلق ایک کایت ہے

گفت لقمان سرخسی کای الٰہ پیرم و سرگشتہ و گم کردہ راہ

بندہ پس غم گشتہ ام شادیم بخش پیر گشتم خط آزادیم بخش

بندہ چوں شد پیر دل شادش کنند پس خطش بدہند و آزادش کنند

ہاتفے گفت ای حرم را خاص خاص ہر کہ از بندگی خواہد خلاص

محو گردد عقل و تکلیفش بہم ترک گیر ایں ہر دو را درنہ قدم

گفت آلکیٰ من ترا خواہم علیم — عقل و تکلیفم بیاید و السلام

عقلِ جزوی چونکہ منازلِ عشق میں راہروانِ محبت کی رہزن ہے اس لئے جب تک اسے چھوڑ کر دیوانگی اختیار نہ کی جائے بامِ وصال تک رسائی نہیں ہو سکتی مصرعہ اولیٰ میں رہزن بمعنی رستہ میں قدم اٹھا اور ثانی میں بمعنی قاطع الطریق استعمال ہوا ہے لہذا دونوں میں تکلف نہیں ہے

۲۔ ترجمہ اگر تو مرد نہیں تو عشق کے گرد مت پھر مخنث کی طرح دور سے واہ واہ کر۔

مخنث۔ خصّی بنایا ہوا ہیجڑا۔

قلندر صاحب نے اس شعر میں کم ظرفوں اور نفسانی عاشقوں کو مخنث کہا ہے چونکہ وہ جوہر کارِ مردی سے محروم ہوتے ہیں اس لئے ان کا پیشہ بازاری عورتوں کی طرح واہ واہ کر کے ناچنا ہوتا ہے الغرض اگر تجھ میں حوصلہ اور جوانمردی نہیں تو عشق اختیار نہ کر بیشک عشق اختیار کرنے کے لئے لوہے کی چھاتی اور پتھر کا کلیجہ ہونا چاہیے۔

چوں پائے شوق نداری براہ دوست منہ — کہ ہست در رہِ الفت بسے نشیب و فراز

۳۔ ترجمہ۔ صبر کا خرمن آگ کے حوالے کر اور بے وقوف عقل پر طعنہ مار۔

ابلہ۔ بیوقوف۔ نادان۔

مراد یہ کہ صبر کو آتشِ عشق کی نذر کر کے ناحقیقت شناس عقل کو ترک کر دے کہ یہ اس راہ میں کام نہ دے گی عقل سے مراد اس جگہ عقل جزوی ہے نہ کہ عقل کلی

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست (حافظ) راہرو گرصد ہنر دارد توکل بایدش

۴۔ ترجمہ۔ ہر بلا کہ تجھ پر آئے اس کو سر پر اٹھا اور قہقہہ مار۔

کیا اعلیٰ تعلیم ہے کہ بلائے عشق کو بصد خوشی و بہزار خواہش مردانہ وار برداشت کر اور چیں بجبیں نہ ہو اپنی مصیبت پر قہقہہ لگا کر ہنس۔

عاشق چوں شوی تیغ بسر باید خورد — زہرے کہ رسد ہمچو شکر باید خورد
ہر چند ترا در جگر آبے نبود — (ابو سعید) دریا دریا خونِ جگر باید خورد

مکتوبات میں قلندر صاحب لکھتے ہیں:۔

"تا در عشق محبوب جگر خود را خوں نہ سازی و بر در صاحب گشتہ خاک نہ شوی واز اں خاک درخت صادقانہ روئی و در بہر برگ او خونِ خود را ملت نہ کنی و در میان دو سنگ خود را آس

شدہ نبینی بردستِ صاحبِ احساں کجا انگارتوی"

۵۔ ترجمہ۔ اگر یوسفِ کنعاں کی طرح مصر چاہتا ہے تو کنوئیں میں اعتکاف کا خیمہ لگا۔

اعتکاف۔ گوشہ نشین ہونا۔ اپنے تئیں کسی چیز سے باز رکھنا

مصر کی سلطنت حضرت یوسف علیہ السلام کے مقدر میں تھی لیکن جن جن مصیبتوں کو برداشت کر کے اور جن جن روز امتحانات میں پورے اتر کر آپ سریر آرائے سلطنت ہوئے وہ کسی اہلِ دنیا سے مخفی نہیں منجملہ ان کے کنوئیں میں گر کر کچھ عرصہ تک وہاں مقیم رہنے کا واقعہ زہرہ گداز ہے اگر یہاں مصر سے مراد وصالِ محبوب اور یوسف سے طالب اور خیمۂ اعتکاف سے وہ مصیبتیں اور تکلیفیں جو انسان کے وصال میں عاشق کو پیش آتی ہیں لی جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر تو وصال کا خواہشمند ہے تو ان مصائب کو مردانہ وار برداشت کر۔

قلندر صاحب منزلِ عشق کے زہرہ گداز امتحانات کو تنبکر کی حدیث میں اس طرح واضح کرتے ہیں :۔

" تنبکر را بیں کہ از حسنِ معشوق عاشقاں را از عشق شکر میدہد و خود را از ہیچ برکند پوست خود بر انداز د و تقلیدِ خود را اختیار کند ٗ مے سوزد و خود در ادر پا ئے چنداں پائمال کنانند کہ بمرتبۂ شکر مے رسد دمی گرشید ہنوز لائقِ دہنِ معشوق نہ شدہ ام سر السوزند نگداز ند جوش آر ند لذیذ نبات کشند بعدہٗ پیش معشوق شربت کردہ در دست دہند تا معشوق بخورد اے برادر دریں راہ چوں تو ثابت قدم نباشی و بر دشوارگی ہا فتنہ نزنی در محفلِ معشوق کے رسی !"

عاشقی از جید را بر دل زدن (اقبال) وانگہے خود را بہر مشکل زدن

۱۱۔ ترجمہ۔ جان دیدے اور محبوب کا راستہ پکڑ اور کائنات سے بلند خیمہ نصب کر

خرگہ۔ بالکسر خوشی کی جگہ خر بالکسر بزبانِ پہلوی بمعنی خوشی اور گہ بمعنی جگہ اور خیمہ بھی راحت و سرور اور دل بہلاؤ کے لئے لگایا جاتا ہے اور بالفتح بمعنی کلاں لہذا خرگہ بمعنی خیمہ کلاں بھی ہو سکتا ہے

یعنی طلبِ محبوب میں جان سے ہاتھ اٹھا لے اور کائنات کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ عالی حوصلہ رکھ طالب کے لئے نیتی نصیحت ہے۔

۱۲۔ ترجمہ۔ اے شرف پہلے جان سے ہاتھ اٹھا اور پھر راہِ عشق میں قدم رکھ۔

کمال ایثار کی تعلیم ہے کہ پہلے جان سر ہاتھ دھو کر پھر جادۂ عشق میں قدم اٹھا مراد یہ کہ حصولِ وصال کے لئے ہمیشہ سر بکف رہ :

غزل ۶۸

دانی کہ چیست دنیا دل از خدا بریدن ۱ جز عشق او گزیدن جز ذکر او شنیدن

دانی کہ چیست مستی در عشقِ نازنیناں ۲ ہم دست و پا فشاندن ہم پیرہن دریدن

دانی کہ چیست لذت در عہدِ زندگانی ۳ بوسے سرش نشیدن لعلِ لبش چشیدن

دانی کہ چیست لازم آں شوخِ نوجواں را ۴ چوں گُل بخندہ بودن ہم چوں سرو چمیدن

دانی کہ چیست مقصد از عشق عاشقاں را ۵ ہم سوئے یار رفتن ہم روئے یار دیدن

دانی کہ چیست مطلب از عشق اشرف را ۶
نشتر بدل شکستن از دیدہ خوں چکیدن

از ترجمہ : جانتا ہے کہ دنیا کیا ہے خدا سے دل ہٹا لینا اور اُس کے عشق اور ذکر کے بغیر دوسری چیز سننا اور اختیار کرنا

یعنی جو چیز خدا کی یاد سے غافل کر دیتی ہے اُس کا نام دنیا ہے مراد یہ کہ دنیا کسی خاص چیز کا نام نہیں اگر انسان عالمِ اسباب میں رہ کر یادِ حق اور اطاعت سے غافل نہ ہو تو اسے کسی طرح بھی دنیا کا اسیر کہنا روا نہیں حضرات صوفیائے کرام نے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک دنیائے محمود دوسری دنیائے مذموم اچنانچہ دنیائے محمود اسے کہتے ہیں کہ انسان اس میں رہ کر یادِ حق سے غافل نہ ہو اور دین کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلقات کو بھی انجام دے ایسے شخص کا مرتبہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند ہے دنیائے مذموم کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس میں یہاں تک گرفتار ہو جائے کہ اسے یادِ حق کی اصلا خبر نہ رہے مراد یہ کہ جو چیز تجھے یادِ حق سے غافل کرے یہی بُری دنیا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل شدن ــ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

چیست دنیا در لباس دنیوی ــ از خدا غافل شدن اے مولوی

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند ہمہ ــ روز و شب در زق زق و در بق بق اند

اہلِ دنیا چہ لعین رچہ کہین — لعنت اللہ علیہم اجمعین

۲ ترجمہ۔ تو جانتا ہے کہ نازنینوں کے عشق میں مستی کیا ہے ہاتھ پاؤں جھاڑنا اور پیراہن پھاڑنا۔

"دست و پا فشاندن اور پیراہن دریدن" مستی اور بیخودی کی علامت مطلب صاف ہے

۳ ترجمہ۔ تو جانتا ہے کہ عہدِ زندگی میں لذت کیا ہے اُس کی زلف کی خوشبو سونگھنا اور لب لعلین چکھنا

شنیدن یعنی سونگھنا سننا چشیدن چکھنا ذائقہ معلوم کرنا۔

یعنی بوئے زلف سونگھنا اور بوسہ لب سے حلاوت حاصل کرنا عہدِ زندگی کا بہترین حاصل ہے۔

۴ ترجمہ۔ تو جانتا ہے کہ اُس شوخ نوجوان کو کیا لازم ہے پھول کی طرح ہنسنا اور سرو کی طرح لچکنا۔

چمیدن۔ لچکنا جنبش کھانا معشوق کی مخصوص رفتار پر اطلاق کرتے ہیں۔

یعنی اُس شوخ کو لازم ہے کہ خندہ دہن ہو کر سرو کی طرح لچکے تاکہ عشاق اُس کی ایک ایک ادا پر جان ہار دیا کریں پھول کے کھلنے کو خندہ کہا گیا ہے اور سرو کی لرزش کو لچکنا۔

۵ ترجمہ۔ تو جانتا ہے کہ عشق سے عاشقوں کا مقصد کیا ہوتا ہے یار کی طرف جانا اور اُس کا منہ دیکھنا

۶ ترجمہ۔ تو جانتا ہے کہ شرف کا تیرے عشق سے کیا مطلب ہے نشتر دل پر توڑنا اور آنکھوں سے خون بہانا۔

مقطع میں قلندر صاحب اپنا دلی مقصد ظاہر کرتے ہیں کہ دل پر نشتر لگا کر خون کے آنسو رونا میری خواہش ہے۔

غزل ۷۹

لباسِ زاہد و واعظ مپوشان ۱ طلب کن جامِ مے از مے فروشاں

دہد ہاتف ندا ہر نوجواں را ۲ بنوش از بادہ جامے مے فروشاں

لبم از ضبطِ فریاد است خاموش ۳ دلم زا سرارِ عشق است جوشاں

نباید در نظر از عاشقانش ۴ چو من رند و سیاہ مست و خروشاں

گدائے زاہد ز مطلوب کشف است ۵ بیا در صحبتِ ما دُرد نوشاں

صفا دیدم صفا در مے گساراں ۶ ریا دیدم ریا در خرقہ پوشاں

اگرچہ بر سرش خنجر ببارد

۶ قلندر در رضائی لسنت کوشاں ۶

۱۔ ترجمہ۔ واعظوں اور زاہدوں کا لباس نہ پہن بلکہ مے فروشاں سے شراب طلب کر۔

۲۔ ترجمہ۔ (کیونکہ) ہاتف غیب نے ہر نوجوان کو آواز دی کہ مے نوشوں سے شراب کا جام پیو۔

خشک زاہد عموماً مکر و فریب ریاکاری اور خود ستائی کے لباس میں ملبوس ہوتے ہیں اور ان کا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ زاہدانِ ریاکار کی وضع اختیار نہ کر بلکہ زہدِ خشک اور اتقائے ریا آمیز کے مقابلہ میں جام شراب پی کیونکہ ہاتفِ غیب سے مژدہ ہے۔

۳۔ ترجمہ۔ میرے لب فریاد کرنے سے خاموش ہیں اگرچہ دل تیرے عشق کے اسرار سے جوش میں ہے

یعنی میرے دل میں تیرے عشق کے راز و اسرار کا عجیب طلاطم بپا ہے لیکن میں ان کے افشا سے اجتناب کرتا ہوں قلندر صاحب پر حالتِ صحو غالب ہے جو افشائے راز سے باز رکھ رہی ہے مزید وضاحت کیلئے دیکھو شعر ۴۲

۴۔ ترجمہ۔ مجھ رند سیاہ مست اور پرجوش کی طرح ان کے عاشقوں میں کوئی نظر نہیں آتا۔

سیہ مست۔ بدمست یعنی زیادہ مست جس کی مستی حدِ اعتدال سے متجاوز ہو۔

یعنی میں رندی اور بدمستی میں عدیم المثال ہوں در آخر میں قلندر صاحب پر اکثر جذب و استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی ممکن ہے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔

۵۔ ترجمہ۔ اے زاہد اگر تجھے کشف مطلوب ہے تو ہم دُرد نوشوں کی صحبت میں آ۔

کشف کسی چیز کے منہ سے پردہ اٹھانا برہنہ کرنا کھولنا اور اصطلاح صوفیائے کرام میں اس کو تمکین و تلوین کہتے ہیں تمکین استقرارِ قلب کی وجہ سے محلِ قرب میں دوامی کشفِ حقیقت کا نام ہے اور تلوین کشف و حجاب کے درمیان صفاتِ نفس کے تعاقب و تناوب کی وجہ سے تقلیبِ قلب کو کہتے ہیں اور جو شخص صفاتِ نفس سے گذر کر صفاتِ قلب کے عالم میں نہ پہنچا ہو اسے صاحبِ تلوین کہتے ہیں اور اربابِ کشف درجۂ تلوین سے گذر کر مرتبۂ تمکین میں پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر وقت کشف کے عالم میں رہتے ہیں جب تک دل مقامِ قلبی سے روح کا مرتبہ حاصل نہ کر لے صاحبِ تلوین مرتبۂ تمکین حاصل نہیں کر سکتا جاننا چاہیئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحبِ تلوین تھے اور حضور خواجۂ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مرتبۂ تمکین پر فائز تھے۔

یعنی اگر تجھ کو کشف و تمکین کے مرتبہ پر فائز ہونے کی خواہش ہے تو ہماری محفل کا حاضر باش ہونا کیونکہ کی گئی ہے کہ ہمارا رفیق اور مصاحب بن کر ہی یہ مرتبہ حاصل ہوگا۔

آں چہ زر مے شود از پرتو آں قلبِ سیاہ ۱۱
کیمیائیست کہ در صحبتِ درویشاں ست

۱۱ ترجمہ۔ میں نے میگساروں میں صفائی دیکھی اور خرقہ پوشوں میں ریائی۔

یعنی بادہ نوشانِ وحدت کو میں نے صفا کیش دیکھا اوران خرقہ پوش زاہدوں کو ریاکار

بہ کار خانہ رفتم ہمہ پاکباز دیدم
عراقی چوں بہ صومعہ رسیدم ہمہ دیدم دغائی۔

۱۲ ترجمہ۔ قلندر تیری رضا میں کوشاں ہے اگر اس کے سر پہ خنجر بھی برسے

یعنی میں بہر حال راضی برضا اور شاکر ہوں یہ خنجر بھی رضا و تسلیم میں ہے۔

بندہ ام گر بلطف میخوانی
چاکرم گر بقہر میرانی ۱۲

غزل ۸۰

توگرے ہمسری در مہ جبیناں ۱ چو مالبینی نہ ہر گز پاک بیناں

نہ امیدے مرا از دوستداراں ۲ نہ پروائے مرا از نکتہ چیناں ۱۳

گدا از اندر دولت گر ہست اگر شیخ ۳ چرا روے کنشی از نازنیناں

کشیدہ پردہ بر رخ مے نشینی ۴ تغافل میکنی با ہم نشیناں

گزر در خانقاہ چوں کرد آں شیخ ۵ دلم پر شد ز کوتہ آستیناں

دلِ افگندیم اندر بیم عشقش ۶ نمے داریم شغلِ پیش بیناں

قلندر مشربی اے بو علی گر

مرو در صحبتِ عزلت نشیناں

۱۔ ترجمہ۔ تو ماہ جبینوں میں شامل ہے اور ہمارے جیسا کوئی پاکباز نہیں

یعنی تو حسن و جمال میں ضرب المثل ہے اور میں پاکبازی میں لاثانی ہوں

ببیں کہ نیست بعالم نظیر عشق مرا　　　ز تو بہ حسن و ادا بے مثال پیدا شدی

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ۲۶

۲۔ ترجمہ۔ نہ مجھے دوستوں سے امید ہے اور نہ نکتہ چینوں کی پرواہ

یعنی میں دوستوں کی دلنوازی اور نکتہ چینوں کی عیب جوئی سے بے پرواہ ہوں۔

۳۔ ترجمہ۔ اے شیخ اگر تیرے دل میں گداز ہے تو نازنینوں سے منہ کیوں پھیرتا ہے۔

یعنی اگر تیرے دل میں سوز و گداز ہے تو محبوب سے روگردانی اور روکشی کیوں کرتا ہے مراد یہ کہ تجھ میں سوز و گداز کا جوہر ہی نہیں ورنہ کبھی عاشقان صادق بھی عشق سے جی چراتے ہیں

لگن میں تیری نکل گئے وہ جو نہ جھجکے دریائے پرخطر سے (رسائی)　　گئے وہ کر آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

۴۔ ترجمہ۔ تو چہرہ پر پردہ ڈال کر بیٹھتا ہے اور ہم نشینوں سے تغافل کرتا ہے۔

عدم التفات کی طرف اشارہ ہے کہ تو نے نقاب میں منہ چھپا لیا اور ہم نشینوں کی طرف توجہ نہیں کرتا عاشق بھی کبھی ہم نشین تھے اسرار و رموز پر گفتگو ہوتی تھی لیکن دنیا میں آکر بعد و فراق اور ہجر و وصال کی تمیز پیدا ہو گئی اب دور افتادہ ہو کر قلندر صاحب بھی گلہ کناں اور شکوہ سنج ہیں کہ کل تو یہ حالت تھی اور آج ایسا تغافل کہ چہرہ دکھانا بھی بار خاطر ہے۔ نقاب میں منہ چھپا لینا تغافل شعاری کو ظاہر کرتا ہے ممکن ہے کہ اس میں کچھ حیا کو بھی دخل ہو۔

۵۔ ترجمہ۔ جب اس شوخ نے خانقاہ کی طرف گذر کیا تو میرا دل کوتہ آستینوں سے پر ہو گیا۔

خانقاہ۔ خانۂ سکونت درویشاں خانگاہ کا معرب ہے اور خانگاہ۔ خانہ اور گاہ کا مرکب ہے مجلس گاہ اظہار رقابت مراد ہے۔ کہ جب محبوب خانگاہ کی طرف گذرا تو میرا دل کوتہ آستینوں سے پر ہو گیا یعنی مجھے بہت غیرت آئی اور رقابت کی آگ بھڑک اٹھی۔

۶۔ ترجمہ۔ ہم نے اس کے بحر عشق میں دل ڈالا کیونکہ ہم پیش بینوں کی عقل نہیں رکھتے۔

پیش بینوں اور دور اندیشوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ کام شروع کرنے سے پہلے انجام دریافت کرتے ہیں لیکن قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے نہ آغاز کی خبر ہے نہ انجام کا خیال بلکہ میں نے سب سے اول دل جیسی گرانقدر چیز کو نذر محبوب کر دیا ہے۔

۷ ترجمہ۔ اے بوعلی اگر تو قلندر مشرب ہے تو غزلت نشینوں کی صحبت میں نہ جا۔
یعنی گوشہ نشین نہ بن بلکہ دفترِ کائنات کے ورق ورق سے معرفتِ کردگار کا مطالعہ کر۔
برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ۔ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار (سعدی)

غزل ۸۱

اے ثنائت رحمۃ اللعالمین ۱ یک گدائے فیضِ تو روح الامین

اے کہ نامت را خدائے ذوالجلال ۲ زد رقم بر جبہ عرشِ برین

آستانِ عالیٔ تو فی المثل ۳ آسمانے ہست بالائے زمین

آفریں بر عالمِ حسنِ تو باد ۴ مبتلائے تست عالم آفریں

یک کفِ خاک از درِ پُر نورِ تو ۵ ہست ما را بہتر از تاج و نگیں

خرمن فیضِ ترا اے ابرِ فیض ۶ ہم زمین و ہم زماں تشنہ چنیں

از جمالِ تو ہمہ بینیم ما ۷ جلوہ در آئینہ عین الیقیں

خلق را آغاز و انجام از تو ہست ۸ اے امامِ اولین و آخرین

عنبر صلوات و سلام و نعتِ تو
بوعلی را نیست ذکرِ دل نشیں

۱ ترجمہ۔ اے کہ تیری توصیف میں رحمۃ اللعالمین آیا ہے جبرائیل تیرے فیض کا ایک گدا ہے۔
تعلیقِ غزل یہ ہے فرماتے ہیں یا رسول اللہ تیری توصیف میں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ اللعالمین فرمایا اور جبرائیل جیسا
مقرب فرشتہ بھی تیرے دربارِ فیض بار کا ایک ادنیٰ گدا ہے وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ حضور کو تمام عالم کے لئے رحمت
اور مکارمِ اخلاق کا بہترین مجسمہ بنا کر دنیا میں بھیجا گیا سب تمام عالم اُس کے فیضانِ رحمت سے فیضیاب ہے روح الامین

میں کیا تخصیص ہے

۲۔ ترجمہ۔ اے کہ تیرا نام خدائے ذوالجلال نے عرشِ اعظم کی جبیں پر رقم کیا۔

جبہہ۔ بالفتح پیشانی منازلِ قمر کی دسویں منزل کا نام ہے جو برج اسد کی پیشانی پر چار ستارے ہیں اس کی جمع جباہ بالکسر ہے۔ مراد یہ کہ حضور کا مبارک اسمِ گرامی عرشِ بریں کی زینت ہے۔

چہ نامے کز ثنائش چند فصلے ‌ ‌ ‌ ‌ نوشتہ بر جبینِ عرشِ اعظم

۳۔ ترجمہ۔ تیرا آستانِ عالی ایسا ہے گویا یہ زمین کے اوپر آسمان ہے۔

ظاہر ہے کہ آسمانِ دنیا زمین کے اوپر ہے لیکن شاعر صاحب فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ تیرے آستانِ مقدس کی رفعت بلندی اور عظمت آسمان سے بھی متجاوز ہے مراد یہ کہ عالمِ اسباب میں تیرا آستانہ فلک رفعت اور عرش منزل ہے اور آسمان گو ارفع و اعلیٰ ہے لیکن اس کے آگے سرنگوں ہے

سر تعلیٰ از کاخِ دنیا ست ایوانِ شما ‌ ‌ ‌ ‌ یا محمد ہست جبرائیل دربانِ شما

۴۔ ترجمہ۔ تیرے عالمِ حسن پر آفرین ہو کہ خلاقِ عالم بھی تیرا شیدا ہے۔

یعنی تیرے حسنِ جہاں افروز پر خالقِ حسن (اللہ تعالیٰ) بھی فدا ہے۔

خوشا حسنے کہ یوسف زار ماندہ ازو ‌ ‌ ‌ ‌ خوشا سیما کہ عیسیٰ از و شیدائی است

۵۔ ترجمہ۔ اس کے پُر نور دروازے کی ایک مشتِ خاک میں تاجِ زرنگیں سے بہتر ہے

یعنی تیرے دروازے کی خاک میرے لئے تاجِ زرنگیں کا مرتبہ رکھتی ہے۔

۶۔ ترجمہ۔ اے ابرِ فیض تیرے خرمنِ فیض کے زمین و آسمان بھی خوشہ چین ہیں۔

یعنی تیرا فیض عمیم ہے اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ بلکہ عالمِ ملکوت بھی اس سے فیضیاب ہے مراد یہ کہ تیرا فیض ابرِ باراں کی طرح ہے۔

۷۔ ترجمہ۔ ہم عین الیقین کے آئینہ میں تیرے جمال کا جلوہ دیکھتے ہیں

مطلب صاف ہے عین الیقین کی تشریح کے لئے دیکھو شعر ۲

۸۔ ترجمہ۔ اے امام الاولین و آخرین خلق کا آغاز اور انجام تجھ سے ہے۔

مراد یہ کہ تیرا نور تخلیقِ عالم اور کونین کی علتِ غائی کا باعث ہے اور پایانِ کار بھی ہر ایک کو تیری ہی شفاعتِ کبریٰ کا بھروسہ ہے۔

۹ترجمہ۔ تیری صلوات وسلام اور نعت کے بغیر ہر عمل کا کوئی ذکر نہیں۔

نعت۔ بالفتح تعریف کرنا۔ وصف کرنا اگرچہ نعت کے معنی مطلق وصف ہیں لیکن اس کا استعمال اکثر ثنائے رسول اللہ کے لئے ہوتا ہے۔

یعنی میں ہر وقت تیری نعت اور حمد کے لئے وقف ہوں اور تیرا ہی نام میرا وردِ زبان ہے۔

غزل ۸۲

ازبشر تا بہ ملائک ہمہ دیوانۂ تو ۱ بر لبِ ہر کس و ناکس بود افسانۂ تو

ہمہ از مستی و رندی شدہ رقصاں بفضا ۲ ذرہ ذرہ شدہ بدمست ز پیمانۂ تو

تا قیامت نہ بخویشش آید و از ہوش رود ۳ ہر کہ آرد بنظر جلوۂ مستانۂ تو

عشق آمد کہ دراں شمعِ جمال افروزد ۴ چوں دلِ عاشقِ صادق شدہ کاشانۂ تو

سوخت از شمعِ جمالِ تو پر و بالِ آں را ۵ طائرِ سدرہ نشیں چوں شدہ پروانۂ تو

آنکہ گویند بزباں حرفے ز اوصافِ ترا ۶ ہست نا محرمِ رازِ تو و بیگانۂ تو

لامکاں ہم ز مکانِ تو پسِ پشت بماند
دیدنی ہست شرف ہمتِ مردانۂ تو

۱ترجمہ۔ لبشر سے ملائک تک سب تیرے دیوانے ہیں ہر کس و ناکس کے لب پہ تیرا افسانہ ہے۔

یعنی جن و انس حور و ملائک سب تیری ہی محبت کے دیوانے ہیں اور ہر محفل اور ہر بزم میں جہاں کہیں ہے تیرا ہی تذکرہ شروع ہے حاصل یہ کہ فرش سے عرش تک کل مخلوق تیری محبت کی اسیر ہے اور ہر جگہ تیری تعریف و توصیف کے چرچے ہیں۔

۲ترجمہ۔ سب مستی اور رندی سے فضا میں رقص کناں ہیں ذرہ ذرہ تیرے پیالے سے بدمست ہے

یعنی فضائے عالم میں کائنات کا ہر ذرّہ تیری شرابِ محبت سے بدمست ہو کر محوِ پرواز ہے عشق چونکہ بقدرِ استعداد ہر دل میں موجود ہے اور کائنات کے ہر ذرّہ میں یہ سلسلہ جاری ہے اس لئے۔

خرد مست و ملائک مست و جاں مست ۔ ہوا مست و زمیں مست آسماں مست

ظاہر ہے کہ ذرّے ہوا میں پرواز کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن قلندر صاحب کی وجہ قابلِ تعریف ہے

۴ ترجمہ قیامت تک واپس نہ آئے بلکہ ہوش سے چلا جائے وہ شخص کہ جس نے ایک دفعہ تیرا اشارۂ جلوہ دیکھا یعنی وہ شخص جسے تیرا دیدار حاصل ہوا قیامت تک از خود رفتہ اور مدہوش رہے گا۔

۵ ترجمہ عشق آیا کہ اس میں شمعِ جمال روشن کرلے کیونکہ ہر عاشقِ صادق کا دل تیرا کاشانہ ہے۔ قُلُوبُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَرْشُ اللّٰہِ تعالٰے۔ مہمان کی آمد پر تکلف کا اظہار شرافت کا جزوِ لاینفک ہے جس سے مہمان کی خاطر داری مراد ہوتی ہے یوں بھی مکان میں چراغ افروختہ کرنا لازمی امر ہے خصوصاً مہمان کی آمد پر اپنے مراسم اعلیٰ پیمانہ پر کئے جاتے ہیں۔

قلندر صاحب بحیثیت ایک مہذب میزبان ہونے کے عزیز مہمان کی آمد پر اپنے کاشانہ کو کس شاندار شمع سے منور کرنے میں لکھتے ہیں کہ عاشقانِ صادق کا دل چونکہ تیرے قیام کی جگہ ہے اس لئے عشق آیا تاکہ اس کو شمعِ جمال سے روشن کرے اور یہ کہ تیرے رہنے کے قابل بنائے دل چونکہ عشقِ الٰہی کا مظہر اور تختِ رب العالمین ہے اس لئے اس میں شمعِ عشق کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

(نکتہ) جس طرح روح ذات کا آئینہ ہے قلب اسماء و صفات کا آئینہ ہے اس لئے جو تجلائے ذات روح میں کل ہے وہ قلب میں درخشاں ہو کر منفصل ہو جاتی ہے۔

۶ ترجمہ تیری شمعِ جمال سے اس کے بال و پر جل جاتے اگر طائرِ سدرہ نشین تیرا پروانہ ہوتا

بلیلۃ المعراج میں حضرت روح الامین حضور سرورِ کائنات کے ہم رکاب تھے جب حضور کی سواری سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچی تو حضرت جبرائیل نے آگے بڑھنے سے باں وجہ عذر کیا کہ اگر میں اس مقام سے بال بھر بھی آگے گیا تو فروغِ تجلی سے میرے بال و پر جل جائیں گے۔

اگر یکسر موئے برتر پرم ۔ فروغِ تجلی بسوزد پرم

ممکن ہے کہ اشارہ اسی طرف ہو کہ اگر طائرِ سدرہ نشین (جبرائیل) اپنے مقام سے بال بھر بھی آگے بڑھتے تو شمعِ جمال کا شکار ہو جاتے۔ شمع کی روشنی میں پروانہ کا جلنا ظاہر ہی ہے۔

ا۔ ترجمہ: جو زبان سے تیرے اوصاف کا ایک حرف کہتا ہے وہ تیرا محرمِ راز نہیں بلکہ دیوانہ ہے۔
یعنی جو شخص تیرا واصف ہونے کا دعویدار ہے وہ فی الحقیقت تیرا محرمِ اسرار نہیں کیونکہ الفاظ کا موجودہ ذخیرہ
تیرے اوصاف بیان کرنے کے لئے غیر مکتفی ہے وہ کس زبان سے تیری ثنا کرے گا۔

آنانکہ وصفِ صورتت تقریر میکنند ۔۔۔ خواب ندیدہ را ہمہ تعبیر میکنند

حدیثِ نبوی ہے لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔

۲۔ ترجمہ: تیرے مقام سے لامکاں بھی پیچھے رہ گیا اے شرف تیری مردانہ ہمت دیکھنے کے قابل ہے
یعنی تیری جوانمردی قابلِ ستائش ہے کہ تیرا مطمحِ نظر لامکاں سے بھی اوپر چلا گیا ہے یعنی بجز مطلوب تیری
نظر کسی چیز پر نہ ٹھہری۔

غزل ۸۴

مے زنم فاش در تصورِ او ۔ ۱ ۔ نعرۂ لا الٰہ الا ہو
عاشقاں سجدہ مے کنند او را ۔ ۲ ۔ ہر کہ از خونِ دل کنند وضو
زاہدا گر فراغِ دل جوئی ۔ ۳ ۔ برکش از مے دو جام بر لبِ جو
عشق او پارہ پارہ کرد دلم ۔ ۴ ۔ بادہ جوشید و شد شکستہ سبو
طائرِ سدرہ را بدام آرد ۔ ۵ ۔ شاہدِ من بحلقۂ گیسو
روئے او را بجلوہ می بیند ۔ ۶ ۔ آں کہ گرداند از دو عالم رو
ما دماں کوئے گر ز صدق ادب ۔ ۷ ۔ پائے بیروں نہیم یک سرِ مو
جان و دل عقل و علم و دیں مارا ۔ ۸ ۔ سوزد از برقِ تجلّئ او

ابوالعلیٰ در خیالِ جلوۂ دوست ۔ ۹ ۔ مے زند باز نعرۂ یا ہو

انترجمہ: میں اُس کے تصوّر میں لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُو کا نعرہ مار رہا ہوں

تصوّر۔ دل میں کسی چیز کی صورت قائم کرنا۔ نزدیک ہونا اور اہلِ منطق کی اصطلاح میں بغیر حکم کسی چیز کی تصویر جانا عقل میں

یعنی میں تصورِ محبوب میں لا اِلٰہ اِلّا ھُو کا شغل کرتا ہوں یعنی نفی و اثبات کا ذکر کرتا ہوں

اہلِ تصوف کی اصطلاح میں لا اِلٰہ ۔ سے نفی غیر حق اور اِلّا ھُو سے اثباتِ حق مراد ہے اس ذکر کو ذکر جہر کہتے ہیں کیونکہ بلند آواز کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۲ ترجمہ: اے وہ عاشق سجدہ کرتے ہیں جو خونِ دل سے وضو کرتے ہیں۔

وضو بضمتین مصدر ہے یعنی مُنہ دھونا مجازاً نماز کے لئے تمام اعضا کو دھونا۔

یعنی محرابِ ابروئے محبوب میں اُن عشاق کا سجدہ مقبول و منظور ہوتا ہے جو خونِ دل سے وضو کر کے باکمال طہارت نماز ادا کریں۔

زاہدا کن رضو بخونِ جگر	در شریعت گر ستر نماز من است	

۳ ترجمہ: اے زاہد اگر تفریح دل چاہتا ہے تو نہر کے کنارے پر دو جام پی۔

یعنی اگر تجھے افکار و حوادث سے رستگاری کی خواہش ہے تو لبِ جو بزم آرائی کر اور شراب پی خواجہ حافظ بھی رہ نہ سکے اور بانگ دے لیا

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت	کنارِ آب رکنا باد و گلگشت مصلّیٰ را	

صوفی کہتے ہیں کہ سماع و سرود کی محفلیں برلبِ آب آراستہ کرو شرابِ الست کے ذریعے عالمِ عشرت آباد اور بہشتِ نورانی کو یاد کر کے حظ اٹھاؤ شراب پیو اور امواجِ سمندر کی طرح وجد و اضطراب کرو سب کچھ کرو لیکن پانی کے قریب نہ جاؤ کیونکہ سیلِ امواج تمہیں بہا کر لے جائے گا اور مجبوراً تمہیں آمادۂ جنگ و پیکار ہونا پڑے گا جو شرافت و متانت اور اصولِ درویشی کے خلاف ہے اس لئے لبِ آب سے کم از کم پچیس فٹ کے فاصلہ پر بزم آرائی کیا کرو علامہ اقبال کا فلسفہ یہ ہے کہ کنارے پر بیٹھ کر محفل آرائی کرنا جوانمردی نہیں اس سے ضعف و فترت اور کاہلی بڑھتی ہے قلب میں بجائے جوشِ زندگی کے رقت پیدا ہوتی ہے جو مردانِ اسلام کی شان کے سزاوار نہیں اس لئے کنارے پر ہرگز نہ بیٹھو بلکہ دریا میں کود کر امواجِ تند کا مردانہ وار مقابلہ کرو لڑو بھڑو انہیں مغلوب کرو کیونکہ حیاتِ جاوید کا راز اسی جنگ و ستیز میں پوشیدہ ہے۔

میارا بزم بر ساحل کہ آں جا — نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش در آویز — حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

۴ ترجمہ۔ اُس کے عشق نے میرا دل پارہ پارہ کر دیا شراب نے جوش کیا اور صراحی ٹوٹ گئی
شیشہ۔ صراحی۔ گھڑا جس میں پانی یا شراب رکھتے ہیں مٹکیا۔

ایسے حادثے اکثر وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں کہ شراب کا برتن ٹوٹ جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر شراب عرصہ تک کسی برتن میں بند پڑی رہے تو اس میں عفونت پیدا ہو کر حرارت کی وجہ سے ایک گیس پیدا ہو جاتی ہے اور ہوا چونکہ حرارت سے پھیلتی ہے اس لئے بسبب اس کو باہر نکلنے کا کوئی رستہ نہیں ملتا تو جوش کر کے اوپر کو اٹھتی ہے اور برتن پھٹ جاتا ہے گرمیوں کے موسم میں سوڈا واٹر کی بوتلوں کا شکستہ ہونا بھی اسی قبیل سے ہے۔

قلندر صاحب عشق کو شراب اور دل کو صراحی تصور فرما کر کہتے ہیں کہ جامِ شراب کی طرح تیری محبت نے میرا (دل) پاش پاش کر دیا۔

۵ ترجمہ۔ میرا معشوق حلقۂ گیسو سے طائرِ سدرہ کو دام میں لاتا ہے
یعنی طائرِ سدرہ اور عقلِ کل بھی میرے محبوب کی زنجیرِ زلف کا اسیر ہے۔

۶ ترجمہ وہ شخص اُس کے چہرے کا جلوہ دیکھتا ہے جو دونوں جہاں سے منہ پھیر لے
یعنی دیدارِ محبوب اُس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو دونوں عالم سے منقطع ہو کر تعلقات کونین سے دست بردار ہو جائے صوفیہ کہتے ہیں کہ وصالِ محبوب کے لئے انقطاعِ کونین از بس ضروری ہے ورنہ وصال تو کجا وہاں کی ہوا تک آنا غیر ممکن ہے۔

۷ ترجمہ۔ اگر ہم اُس کی گلی میں حدِ ادب سے ایک بال کے برابر پاؤں باہر رکھیں
۸ ترجمہ۔ تو اُس کی برقِ تجلی سے جان و دل علم و عقل اور دین جل جائیں۔

صوفیائے کرام کے نزدیک حفظِ مراتب ضروری اور لازمی ہے یعنی جس حکم کا جو مرتبہ ہے اُسی کے مطابق اُس کو سمجھنا۔ ع۔ گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی۔

فرماتے ہیں کہ اگر ہم حدِ ادب سے ذرا بھی پاؤں باہر رکھیں تو برقِ غیرت ہماری جان و دل بال و پر اور علم و عقل سب کو جلا کر خاکستر کر دے اس لئے ہم کو حفظِ مراتب کا خیال ہے۔ ادبیت کا پہلو نمایاں ہے اور حفظِ مراتب کی تعلیم پائی جاتی ہے۔

کرم از فضل سدائے کہ نگو ایمان حبیب است   عقل در گردشِ دلم گفت کہ ایمان ادب است

۵ ترجمہ۔ بو تجلی جلوۂ دوست کے خیال میں پھر رہا ہو کا نعرہ لگاتا ہے۔

غزل ۸۹

همی زد دوش مطرب این ترانہ ۱ کہ این دنیا فسون است و فسانہ

بکش جام مے بر آوازِ چغانہ ۲ اگر خواہی تو عیشِ جاودانہ

بجز یارانِ دردی کش کہ بینی ۳ نمے بینم وفائے در زمانہ

بشو فارغ ز علم و زہد یکدم ۴ بجش یک جرعہ از جامِ مغانہ

نماید روئے آں حسنِ جہاں سوز ۵ اگر من خود نباشم در میانہ

اگر در خانۂ دل مے نیابی ۶ نمے بینم ترا در ہیچ خانہ

شرف باید سرِ خدمت نہادن
ترا جاوید بر آں آستانہ

۱ ترجمہ۔ کل مطرب نے یہ ترانہ گایا کہ دنیا افسون و افسانہ ہے۔

یعنی کل بزم میں مطرب نے دنیا کی بے ثباتی پر ایک ترانہ گایا کہ دنیا اور کچھ نہیں صرف ایک افسانہ ہے اور دھوکہ کی ٹٹی یعنی ناپائدار ہے۔

کہاں یہاں ہیں حکایاتِ خضر و آبِ بقا   بقا کا ذکر ہے کیا اس جہانِ فانی میں

۲ ترجمہ۔ چغانہ کی آواز پر شراب پی اگر تو عیشِ جاوداں چاہتا ہے

چغانہ۔ بالفتح ذاخوں کی شست کی طرح لکڑی کا ایک ساز ہوتا ہے نام پردہ موسیقی اس شعر میں ابدی نجات اور حوادثِ دہر سے محفوظ و مامون رہنے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ اگر تو عیشِ جاوید کا طالب ہے تو چغانہ کی آواز پر

شراب پی اور مستی حاصل کر وجہ یہ کہ اگر تو مستی شراب کی وجہ سے دنیا کی طرف راغب نہ ہوگا تو اس کے انکار مجھے مضمحل نہ کر سکیں گے مولانا جامی اسی عیش جاودانی کی تاکید فرماتے ہیں۔

مغنی بآواز چنگ و چغانہ ... چہ خوش گفت وقت صبوح ایں ترانہ
کہ اے خواجہ بر خیز کا ایام عشرت ... بود مایہ دولت جاودانہ
دریں بزم گاہ چند غافل نشینی ... ز صہبائے انعام لبریز جام مغانہ
مباش از مے لعل غافل زمانے ... کہ پیدا است پایان کار ایں زمانہ
غنیمت شمر روز عشرت کہ داند ... کہ روز دگر زندہ باشیم یا نہ

۳۔ ترجمہ۔ دردکش یاروں کے سوا جو کچھ تو دیکھتا ہے زمانے میں وفا نہیں۔

یعنی اگر وفا کا جوہر ہے تو دردکشوں میں ورنہ تمام جہان بے وفا ہے۔

یوں وفا اٹھ گئی زمانے سے ... گویا اس جہان میں کبھی تھی ہی نہیں

۴۔ ترجمہ۔ علم و زہد سے ایک دم فارغ ہو اور جام مغانہ سے ایک گھونٹ پی

جام مغانہ۔ آتشیں شراب سرخ شراب۔ ماخوذ از مغ۔

یعنی علم رسمی اور زہد خشک کو نظر انداز کر کے جام مغانہ پی۔

علم رسمی رہزن ہر سالک است ... ایں عقیدہ جنید و ہم مالک است
ہر کہ او در بند قال و قیل شد بہا (رومی) ... ہم چو فرعون غرق اندر نیل شد

۵۔ ترجمہ۔ وہ حسن جہاں سوز ہر وقت نظر آتا ہے جبکہ میں درمیان میں نہ ہوں

یعنی اگر میں اپنی ہستی اور خودی کا حجاب دور کر کے بالکل بے نشان ہو جاؤں تو محبوب اپنا جمال دکھاتا ہے۔

مولانا صمندی تواریخ میں لکھتے ہیں کہ

"حجاب درمیان تو و حق نہ آسمان است و نہ زمیں حجاب ایں ہستی موہوم است کہ تو بوجود نسبتا سے کسی اگر از میاں اوبا ستد لفظ یعنی تو ہستی حق ظاہر سے شود"۔

حکایت:۔ حضرت شیخ سعد الدین حموی گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ رستے میں جوئے آب جو آئی گھوڑا رک گیا بہت کوشش کی لیکن وہ ایک قدم آگے نہ بڑھا بالآخر تجویز یہ ٹھہری کہ ندی کے پانی کو سیل آلود کیا جائے جب پانی کو گدلا کیا گیا تو گھوڑا فوراً دوسرے کنارے پر چلا گیا یہ حال دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ گھوڑا جس طرح پانی میں اپنی صورت

دیکھ کر ڈرتا تھا اور بلند نغا تھا اسی طرح جب تک سالک اپنی ہستی اور خودی کو مطلق محو نہ کردے مقصود کو حاصل نہیں کرسکتا

از ہستیٔ خویش گر تو غافل نشوی ہرگز بمراد خویش واصل نشوی

از بہر ظہور تا لبِ ساحل نشوی در مذہبِ اہلِ عشق کامل نشوی

نیز دیکھو شعر ۳/۵، ۷/۵، ۴۳/۱، ۴۷/۲۱، ۵۲/۷، ۵۵/۶

۱۳ ترجمہ ۔ جب تو میرے خانۂ دل میں نہیں آتا ہیں تجھے کسی گھر میں نہیں دیکھتا

مراد یہ کہ میں سمجھتا ہوں کہ تیرا مقام کسی دل میں نہیں یعنی تیرا یہ شیوہ ہی نہیں ممکن ہے کہ عدم التفات کی شکایت ہو

۱۴ ترجمہ ۔ اے عزیز ۔ تجھے ہمیشہ اُس کے آستان پر سر خدمت رکھنا چاہیئے ۔

یعنی تجھے ہر وقت اُسی کی اطاعت کرنی چاہیئے جو حقیقی معبود اور سزاوارِ پرستش ہے

غزل ۸۵

کہ نے دانم حلالے یا حرامے	۱	شدم مست و خراباتی ز جامے
نہ اندر سجودے نے قیامے	۲	نمازے میگذارم در خرابات
نہادم چوں براہش یک دو گامے	۳	قضائے کفر و ایماں در نوشتم
بسوز و زحسرتِ ہر مستے و خامے	۴	نمیتم دوائے پسر گز پختہ کاری
کہ آمد عرش در گردش ز جامے	۵	مے کز عکس آں جبریل سوزد
چو ننگم نیست ننگ از ہیچ نامے	۶	مرا گر نام زندیقی بر آید ؍؍؍
نیفتد ہیچ گہ در ہیچ دامے	۷	ہمائے ہمتم کز اوجِ عرش است
چو ما ہرگز نزائد غلامے	۸	چو تو ہرگز نباشد خواجہ مارا
نگوید چوں تو کس زینساں کلامے	۹	شرف آں در شعرِ تو رندی و مستی

حضرت میر عبداللہ دکنیؒ سے روایت ہے کہ حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو درازؒ کے وصال کا وقت آیا تو آپ قلندر صاحب کی یہ غزل کمال وجد و محویت کے ساتھ بار بار پڑھتے تھے اور پڑھتے پڑھتے اسی میں جان جاناں کے سپرد کی نیز آپ طالب کو تلقین کرتے وقت بھی یہ اشعار پڑھا کرتے تھے

ا ترجمہ میں ایک جام سے مست و خراباتی ہو گیا اب حلال و حرام نہیں جانتا

یعنی میں شرابِ محبت کے ایک ہی جام سے ایسا سرمست اور بے خود ہو گیا کہ حلال و حرام میں تمیز نہیں کر سکتا مراد یہ کہ میں تمام قیود سے بری ہوں اور ذاتِ محبوب میں اس قدر محو اور فنا ہو گیا ہوں کہ مجھے کسی چیز کی خبر نہیں۔

اہلِ حال نے خراباتی کا لقب جو اپنے لئے مخصوص کیا ہے اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ سالک اپنی وہمی ہستی سے گذر جائے کیونکہ فعل اور ہستی کی اضافت کو اپنی طرف منسوب کرنا کفر ہے۔

خراباتی شدن از خود رہائیست	خودی کفر است گر خود پارسائیست

چونکہ قلندر صاحب عشقِ محبوب میں اپنی ہستی سے گذر کر فناء الفناء کا مرتبہ حاصل کر کے بقا باللہ کے مرتبہ پر فائز ہو چکے تھے اس لئے فرمایا کہ میں عشقِ الٰہی کے ایک ہی جام سے ایسا مست اور خراباتی ہو گیا کہ حلال و حرام کی تمیز تک نہ رہی مست آدمی بولا بھی مجبور ہوتا ہے۔

۲ ترجمہ میں خرابات کے اندر ایسی نماز گذارتا ہوں جس میں نہ سجدہ ہے نہ قیام

اصولِ شریعت کے مطابق نماز میں رکوع و سجود اور قیام کرنا لازمی ہے لیکن قلندریہ خاندان کے سالکین چونکہ جذباتِ حق اور انوارِ محبوب کی نورلیوں میں ہمیشہ محو رہتے ہیں اس لئے مجبوراً ان پر ظاہری آداب کی پابندی نہیں رہتی

چو نمازِ شام ہر کس بنہد چراغ و خوانے	منم و خیالِ یارے غم و نوحہ و فغانے
عجباً نمازِ مستاں تو بگو درست ہست آں	کہ نداند و نداند نہ زمانے نہ مکانے
بخدا خبر ندارم کہ نماز چوں گذاردم	کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

حاصل یہ کہ قلندر صاحب نے الفت کی بالاترین منزل میں پہنچ کر یہ شعر لکھا ہے جہاں جذبِ صادق اور محویت ظاہری پابندیوں سے ہٹا کر مشاہدۂ انوارِ محبوب میں محو در محو کر رہی ہے چونکہ قلندریہ استغراق حیرت انگیز ہوتا ہے اس لئے بسا اوقات پابندئ شریعت سے بھی یہ لوگ معذور ہو گئے ہیں چنانچہ حضرت عبدالعزیز مکی قلندرؒ کا استغراق سالہا سال تک ہوتا تھا نیز دیکھو

۸۹/۹

۳ ترجمہ میں نے اس کے راستہ میں ایک دو قدم اٹھائے تو میں نے کفر و ایمان کی فضا نہیں

قضا ۔ بالفتح حکم کرنا۔ ادا کرنا۔ گزارنا۔ تمام ہونا اور اُس عبادت کا نام ہے جس کا صحیح وقت گذر چکا ہو اور حکمِ الٰہی بموجب اس کے محل میں وقتہ واقع ہو **کفر** ۔ بالضم ناسپاسی۔ چھپانا۔ صوفیہ کی اصطلاح میں اس کی چار قسمیں ہیں (۱) کفرِ ظاہر (۲) کفرِ نفس (۳) کفرِ قلب (۴) کفرِ حقیقت

کفرِ ظاہر ۔ تکذیبِ آیاتِ الٰہی اور انکارِ احادیثِ نبوی نعوذ باللہ منہا یہ وہ کفر ہے جس کی برائی خاص و عام میں مشہور ہے یاد رہے کہ صوفیائے کرام کے کلام میں جہاں کہیں کفر کی تعریف ہوتی ہے وہاں اس کفر سے ہرگز مراد نہیں ہوتی اگر سمجھنے والا ایسا سمجھے تو یہ اس کی غلطی اور خطا ہے البتہ جس جگہ کسی خاص اشارے سے کفر کی تکذیب کی گئی ہو وہاں یہی ظاہری کفر مراد ہوتی ہے موقع محل اور شعر کا صحیح مطلب سمجھ کر اپنی رائے قائم کرنی چاہیئے۔

کفرِ نفس ۔ نفس سے متعلق ہے اور نفس بت ہے اِنَّ النَّفْسَ ہِیَ الصَّنَمُ الْاَکْبَر یعنی نفس بڑا بت ہے یہ بت ہوا پرستوں کا خدا ہے حضرت خلیل الرحمٰن نے اسی مقام پر فرمایا کہ مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچائیو یہاں بت سے مراد بتِ نفس تھی لیکن افسوس کہ ہم اور ہمارے صدہا بھائی اس بت پرستی میں گرفتار ہیں۔

کفرِ قلب ۔ جب قلب سے کوئی کفر نکلتا ہے تو بالائے عرشِ دل دو انوار ظاہر ہوتے ہیں ایک نورِ ابلیسی جو سیاہ ہے دوسرا انوارِ محمدی جو روشن مثل ماہ ہوتا ہے جس نے ان ہر دو انوار کو خدا جان کر پرستش کی وہ کفرِ قلب میں گرفتار ہوا ہزار ہا سالک اسی کفرِ قلب میں ہی رہ جاتے ہیں کوئی سعادت مند ازلی اس سے نکلتا ہے نورِ ابلیسی کی پرستش کو کفرِ ابلیسی کہتے ہیں اور نورِ محمدی کی پرستش کو کفرِ محمدی کہتے ہیں۔

کفرِ حقیقت ۔ کفرِ حقیقت ان تینوں کفروں کے آگے آتا ہے عبارت سے سمجھا نہیں جاتا جو اس کفر سے کافر ہو وہ جانے اس کفر کو کفرِ الٰہی بھی کہتے ہیں

ایمان ۔ بالفتح برگزیدہ قسمیں اور الیقین دل سے خدا پر بھروسہ کرنا و بالکسر امان دینا۔ پناہ میں لینا۔ بے خوف کرنا۔ ایمان بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک تقلیدی جو عوام کا ہے دوسرا تحقیقی جو خواص کا ہے۔ پہلے ایمانِ تقلیدی اور علمی آتا ہے پھر تحقیقی اور عینی انہیں دو ایمانوں کی نسبت قرآنِ مجید میں آیا ہے یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا یعنی اے ایمان والو تقلیدی ایمان لائے ہو آمنو تحقیقاً ایمان لاؤ۔

خواجہ بہاء الدین نقشبند اس آیت کی نسبت فرماتے ہیں کہ ہر بار پلک مارتے ہیں اس وجودِ بشری کی نفی کرنی چاہیئے اور حضرت واجب الوجود جل شانہ کا اثبات۔ حضرت جنید بغدادی اس آیت کی نسبت فرماتے ہیں ہم پچاس برس ہوئے ہیں ایمان لاتے ہیں جوں اور ایمان تازہ کرتے ہیں ؏ دراں کہ بار گزاری ہنوز آں جائی۔

صاحبِ تفسیرِ حسینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ محققوں نے لکھا ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو دلیل کی رو سے ایمان لاؤ کشف اور ظہور سے یا اگر ایمان لائے ہو تصدیق کی رو سے پس ایمان لاؤ تحقیق کی رو سے

دریں آیت دو ایمان است و سہ کفر	اگر باقی او را کن زدل ستکر را

مطلب یہ کہ جب میں نے دیارِ محبوب کے رستے میں چند قدم اٹھائے تو کفرِ باطل اور ایمانِ تقلیدی دونوں سے کنارہ کش ہو گیا اور سمجھ لیا کہ ان کی قضا آگئی یعنی یہاں اب ان دونوں کی گنجائش نہیں

در ایماں کافری شرط است لیکن	تو جائے نام ایں مہ داری
تو تا از خویشتن کافر نہ گردی	بہ ہستی خود ا ایماں نداری (عطاؔالزنی)

۴ ترجمہ اے معشوق مجھے وہ شراب دے جو اپنی پختہ کاری سے ہر خام اور مست کے لباس کو جلا دے۔

یعنی وہ شراب عطا کر جو پختہ کار اور دیر سال ہونے کی وجہ سے ایسی تیز اور زود اثر ہو کہ ہر مست و خام کے رخت و اسباب یعنی متاعِ اعمال کو جلا دے یا اس نئے ذوق کے کیمیا اثر کیف سے میں اپنے اس متاعِ اعمال کو جلا دوں جو منزلِ طریقت اور تیزی راہ کے لئے زادِ راہ نہیں ہو سکتے۔

ساقیا لبریز کن آں جامِ آتش گوں کہ من	در میانِ پختگانِ عشق او خامم ہنوز (حافظ)

چنانچہ قلندر صاحب اگلے شعر میں اس شراب کی تاثیر بیان کرتے ہیں۔

۵ ترجمہ وہ شراب کہ اس کے عکس سے جبرائیل بھی جل جائے جس کے ایک جام سے عرش بھی گردش میں آگیا

شراب کی تاثیرات کیلئے دیکھو غزل ۵۲

۶ ترجمہ اگر میرا نام زندیق بھی رکھیں تو جب میں مست ہوں مجھے کسی نام سے عار نہیں۔

زندیق بالکسر وہ شخص جو خدا اور قیامت کا قائل نہ ہو اور بعض کہتے ہیں کہ زندیق زن دین کا معرب ہے یعنی وہ شخص جو عورتوں کا دین رکھتا ہو کیونکہ عورتوں کا دین و مذہب بے اصل ہوتا ہے صاحبِ غیاث اللغات لکھتے ہیں کہ زندیق زند کا معرب ہے یعنی وہ آدمی جو زند کتاب زردشت کا معتقد ہو اور یزدان و اہرمن کا قائل ہو

مطلب یہ کہ جب میں جامِ عشق سے مست ہوں تو اگر کوئی مجھے زندیق بھی کہہ دے تو مجھے علیٰ قلندر عار نہیں۔

۷ ترجمہ میری ہمت کا ہما اگرچہ عرش کی بلندی پر ہے اب میں کسی دام میں گرفتار نہیں ہو سکتا

یعنی ایسی بلند اور عالی ہمت ہوں کہ دنیا کے دام میں اب گرفتار نہیں ہو سکتا مراد یہ کہ مجھے دنیا کے تعلقات مضمحل نہیں کر سکتے مولانا روم کا قول ہے کہ جو پرندہ جال کے خوف سے آسمان کی طرف پرواز کرتا ہے گو وہ آسمان پر نہیں پہنچ سکتا الاّ

سنگاری کے دام سے بچ جاتا ہے ایسے ہی جو لوگ اہل اللہ کی صحبت میں رہنے والے ہوں گو وہ ان جیسے نہ ہوں مگران کا حشر عام دنیا داروں سے اچھا ہوگا۔

۸ ترجمہ تیرے جیسا ہمارا کوئی خواجہ نہیں اور ہمارے جیسا تیرا کوئی غلام نہیں۔
خواجہ بزرگی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے مالک کی شفقت و محبت اور اپنی وفاداری کا اظہار مقصود ہے

بہ عشقت من ز مجنوں فزونم ۔۔۔ تو در خوبی ز لیلےٰ فزونی

۹ ترجمہ۔ اے نیاز تیرے شعروں میں رندی و مستی ہے تیرے جیسا اس طرح کوئی کلام نہیں کہتا۔
طرزِ مقطع یہ کہ تیرے اشعار سے رندی اور مستی کی بو آتی ہے جو عشق کی علامت ہے۔

غزل ۸۶

گر عشق نبودے و غمِ عشق نبودے ۱ چندیں سخنِ نغز کہ گفتے کہ شنودے

گر عشق نبودے بخدا کس نرسیدے ۲ حُسنِ ازلی پردہ ز رخ بر نہ کشودے

معشوق بودے دل و جاں تنِ عاشق ۳ گر پردہ بر افگندہ و رخسار نمودے

گر باد نبودے سرِ زلفش کہ ربودے ۴ رخسارۂ معشوق بعاشق کہ نمودے

گر ساقیِ وحدت در میخانہ کشادے ۵ در دہر یکے عاقل و ہشیار نبودے

در مستِ خرابات نمازی کہ گذارم ۶ در رہے نہ قیامی نہ رکوعے نہ سجودے

گر الفتِ توحید نباشد بدلِ تو ۷ حق را نشناسی قیامے و قعودے

اے آنکہ عدم شکلِ وجود از تو پذیرد ۸ جز از تو نیاید بنظر ہیچ وجودے

۹	اے ابو العلائی بہر دو جہاں پاک نیازی آندم کہ برا رسی ز دلِ سوختہ دودے	۹

۱۔ترجمہ۔ اگر عشق اور غم عشق نہ ہوتا تو ایسی پیچیدہ باتیں کون کہتا اور کون سنتا۔

۲۔ترجمہ۔ اگر عشق نہ ہوتا کوئی خدا تک نہ پہنچتا اور حسنِ ازلی چہرے سے پردہ نہ اٹھاتا۔

۳۔ترجمہ۔ معشوق عاشق کے تن سے دل و جان لے جاتا اگر پردہ اٹھاتا اور چہرہ دکھاتا۔

لُغز۔ بالضم و فتح غین معجمہ۔ سوراخ موش جنگلی جو بہت پیچ در پیچ ہوتے ہیں لہذا ہر ایسی بات کو جو عوام کے فہم سے بالاتر ہو لغز کہتے ہیں۔ چیستان پہیلی

ان تینوں اشعار میں قلندر صاحب نے عشق کے ازلی۔ ابدی ہونے کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر عشق کا ظہور نہ ہوتا تو یہ عجیب سخن اور روح پرور داستانیں جن کے استماع سے عاشقوں کی جان جذباتِ حق کی لوریوں میں محو در محو رہتی ہے کون کہتا اور کون سنتا۔ ہم وصال اور حسنِ ازل کی نقاب کشائی کیلئے عشق کو زینہ بتلایا اور فرمایا کہ اگر یہ نہ ہوتا تو خدا تک کوئی پہنچ نہ سکتا معشوق کے چہرے سے پردہ اٹھنے پر عاشق کا از خود رفتہ ہونا ثابت کر کے فرمایا کہ اگر معشوق بند نقاب کھولتا تو عاشقوں کے جسم سے جان نکل جاتی جس سے ثابت ہوا کہ بے پردہ رخِ شاہدِ حقیقی پر ضروری تھا ورنہ عشاق مشاہدۂ ذات کی تاب نہ لا سکتے غرضیکہ ان اشعار میں کونین کی علتِ غائی اور تخلیقِ عالم کا باعث عشق کا ظہور بتلایا گیا ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو کائنات کا کارخانہ عالمِ غیب سے منصۂ شہود پر جلوہ گر نہ ہوتا۔ دراصل یہ اشعار حدیثِ قدسی کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ کی اعلیٰ تفسیر ہیں مولانا جامیؒ ظہورِ عشق کے ماقبل اور مابعد کی تشریح اس طرح کرتے ہیں

درآں خلوت کہ ہستی بے نشاں بود — بکنجِ نیستی عالم نہاں بود
وجودے بود از نقشِ دوئی دور — ز گفت و گوئے مائی و توئی دور
جمالِ مطلق از قیدِ مظاہر — بنورِ خویشتن ہم بر خویش ظاہر
دل آرا شاہدے در حجلۂ غیب — مبرا ذاتش از تہمت عیب
رخش سادہ ز ہر خطے و خالے — نہ دیدہ ہیچ چشمے زو خیالے
نوائے دلبری با خویش می ساخت — قمارِ عاشقی با خویش می باخت

ہمگی

نکورو تاب مستوری ندارد — چو در بندے سر از روزن بر آرد
بہ دل زو خیمہ زد اقلیم تقدس — تجلی کرد بر آفاق و انفس
از و یک لمعہ بر ملک و ملک تافت — ملک سرگشتہ خود را چوں فلک یافت

ذ مہرِ آئینۂ تو ذرہ روئے ۔۔۔ بہر جا خواست از دگر گفتگوئے
ز ذرات جہان آئینہا ساخت ۔۔۔ ز روئے خود بہر یک عکس انداخت

ان اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کے ہر ذرّے میں حسنِ ازلی اور عشقِ مطلق کا ظہور ہے اگر یہ نہ ہوتا تو عدم آباد سے کوئی چیز عالمِ وجود میں نہ آتی لیکن حضرتِ عشق ہی کے ظہور سے عالم میں شور عالم گیا آپ پردے میں ہو گئے اور عاشق کو یہ کہہ کر تڑپانا شروع کیا کہ تم ہمیں دیکھ نہیں سکتے ۔

دے کر جھلک سی آپ تو پردے میں ہو گئے (اقبال) اور کہہ گئے نگاہ کو ڈھونڈا کرے کوئی

حدود قائم ہوئیں راز و نیاز کے سلسلے جاری ہو گئے معشوق کو ناز اور عاشق کو سوز و ساز اور نیاز بخشا گیا

عشق ناگاہ بر کشید علم ۔۔۔ تا بہم بر زند وجود و عدم
بے قراری عشق شور انگیز ۔۔۔ شور و غوغا فگند در عالم (عراقی)

روح الارواح سے قلندر صاحب نے شرحِ عشق میں عشق کی نسبت ایک لطیفہ نقل کیا ہے لکھتے ہیں :-

"شہبازِ محبت از وکرِ عزت در پرید بعرش رسید عظمت دید و درگذشت بہ کرسی رسید وسعت دید درگذشت بہ آسمان رسید۔ رفعت دید درگذشت بہ بہشت رسید نعمت دید و در گذشت بر دو زخ رسید نقمت دید درگذشت اکنوں بخاک رسید محنت دید بر وے نشست کروبیاں از عالم فرو دنا کردند و گفتند اے وصف پادشاہ با تو با خاک از چہ آشنائیست و خاک را از تو چہ نسبت روشنائیست شہبازِ محبت گفت ازمحنت دارد و من محبت لفظہ کہ او پیدا و من زیر دارم عشق در محلے کہ اثبات یا بد سر از یر و زبر کند"

۴۴ ترجمہ۔ اگر ہوا نہ ہوتی کون اُس کی زلف کو ہٹاتا اور عاشق کو رخسارِ معشوق کون دکھاتا ۔

زلف چونکہ چہرے کیلئے نقاب کا کام دیتی ہے اس لئے قلندر صاحب ہوا کے ہر ہوا ہمت اور اپنا احسان ہو کر فرماتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتی تو پردۂ زلف کو کون ہٹاتا اور عشاق مشاہدۂ رخسار سے کب مستفید ہوتے مراد یہ کہ ہوا نے احسانِ عظیم کیا کہ اُس نے پردہ زلف کو ہٹا کر عاشق کو دیدار سے فیضیاب کیا ۔

پردے کا اٹھانا اور خوشبو کو منتشر کرنا ہوا کا کام ہے علامہ اقبال ایک نکتہ پیدا کرتے ہیں کہ ہم نے تیری تو حید کے ساتھ وہ کام کیا جو ہوا خوشبو کے ساتھ کرتی ہے

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذات قدیم ۔۔۔ پھول تھا زیبِ چمن پر نہ پریشاں تھی شمیم

شرط انصاف ہے اے صاحب الطاف عمیم ۔ بوئے گل چھیلی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم

قلندر صاحب نے تجلی کثرت میں وحدت کا عین دکھایا ہے۔

۵ ترجمہ۔ اگر ساقی وحدت میخانے کا دروازہ کھول دیتا تو زمانے میں کوئی عاقل اور ہشیار نہ رہتا۔

یعنی ساقی اگر خمستان وحدت کا دروازہ بلا تخصیص کھول دیتا تو زمانے میں کوئی فرد عشق سے خالی نہ رہتا یعنی ہر فرد بشر شراب توحید پی کر عشق میں مست و مخمور نظر آتا گو عشق علیٰ قدر استعداد ہر چیز میں موجود ہے مگر قلندر صاحب نے عجیب نکتہ پیدا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سعادت زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی مراد یہ کہ علم عشق ازحضوری محبوب چیدہ چیدہ لوگوں کا حصہ ہے۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے ۔ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا ۔۔
بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا ۔ غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

۶ ترجمہ۔ میں خرابات کا مست ہوں جو نماز کہ گذارتا ہوں نہ اس میں قیام ہے نہ رکوع نہ سجود

یعنی میں مست خرابات ہوں جو ایسی نماز پڑھتا ہوں جس میں نہ قیام ہوتا ہے نہ رکوع نہ سجدہ مراد یہ کہ میں دائم نماز میں ہوں جس میں قیام و قعود اور رکوع و سجود کچھ نہیں یعنی نماز کے علاوہ بھی ہمیشہ پیوستہ بحق ہوں نماز کا تعلق حضور قلب سے ہوتا ہے اور صوفیا کی نماز کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس میں تجلیات کا مشاہدہ ہو۔

۷ ترجمہ۔ اگر تیرے دل میں توحید کی محبت نہیں تو حق کو قیام و قعود سے پہچان نہیں سکے گا

قعود یعنی مطلق بیٹھنا اور نیند سے بیدار ہو کر بیٹھنا۔

یعنی حق شناسی کے لئے شوق و محبت درکار ہے اگر تجھ میں یہ وصف نہیں تو تیری یہ ظاہری تجلیں سائی کس کام کی ہے مراد یہ کہ صرف رکوع و سجود سے حقیقی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اخلاص کی تعلیم ہے جو درویشی کی اعلیٰ صفت ہے

۸ ترجمہ اے کہ عدم نے تجھ سے شکل وجود حاصل کی اس لئے تیرے بغیر کوئی وجود نظر نہیں آتا۔

یعنی عدم آباد کو جو قبل از ظہور بالکل معدوم تھا تجھ ہی سے شرف وجود حاصل ہوا ہے اس لئے مجھے کوئی چیز قائم بالذات دکھائی نہیں دیتی وحدت الوجود کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یک مسمیٰ داں و اسما صد ہزار ۔ یک وجود و صد ہزارش اعتبار
صورت نقش جام است و معنی مے بود ۔ گرچہ صد رنگ و دو ریا یک شئے بود (الصمد کرمانی)

---

۹ ترجمہ۔ اے بوعلی تو سردو عالم کو بالکل جلا دے اس وقت جبکہ تو اپنے سوختہ دل سے دھواں نکالے۔

غزل ۸۷

بغمزہ مے بری جان و نشاید این سرافرازی ۱ ترا خود سہل می آید بجانِ عاشقاں بازی

بسے پنہاں نمودستم غمِ عشق از ہر کس ۲ دمے گفتم ببادِ صبح آن ہم کرد غمازی

بسے سرہائے مشتاقاں کہ گردد گوئے چوگانش ۳ بزلفِ ہمچو چوگانش اگر او مے کند بازی

غزا ہا مے کند با ما دو چشم کافرِ مستش ۴ نہ بس است از مسلمانان دستِ کافرِ غازی

خیالت را شبے دیدم وزاں بیہوش و حیرانم ۵ خوشا روزے کہ با یارے کنی یاری و دمسازی

بزلفش ہمسری کردن نیارد سنبلِ پیچاں ۶ بروئش می تواند کرد کے خورشید انبازی

۷ شرف زینہار نگشاید معمائے حقیقت را ۷
چہ عقلِ بوعلی سینا چہ علمِ فخرِ دین رازی

۱ ترجمہ۔ غمزہ سے جان لے جاتا ہے اور سرفرازی نہیں جانتا عاشقوں کی جان کے ساتھ بازی تجھے آسان معلوم ہوتی ہے۔

یعنی اشارۂ ابرو سے عاشقوں کی جان لے جاتا ہے لیکن وصل سے سرافراز کرنا نہیں جانتا شکایت ہے کہ زخم لگاتا ہے لیکن مرہم لگانا نہیں جانتا درد دیتا ہے علاج نہیں کرتا۔

	جان ہا بردی و در جانی ہنوز	(خسرو)	درد ہا دادی و درمانی ہنوز	

۲ ترجمہ۔ میں نے ہر ایک سے غمِ عشق کو بہت چھپایا لیکن تھوڑا سا بادِ صبح سے کہا اس نے غمازی کی

غماز۔ بالفتح و تشدید میم سخن چین اشارہ کرنے والا طعن کرنے والا اسم فاعل

فرماتے ہیں کہ میں نے ہر چند غمِ عشق کو اغیار سے پوشیدہ رکھا مگر ہوائے صبح سے تھوڑا سا ذکر کیا

لیکن اس نے غمازی کی اور میرا عشق منتشر کر دیا بادِ صبا کو غماز اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر جگہ گذر رکھتی ہے اور آواز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہے اور چغلی بھی ایک زبان سے دوسری زبان پر فوراً پہنچ جاتی ہے۔

مراد یہ کہ میں بادِ صبا سے اپنا راز کہہ رہا تھا کہ لوگوں نے سن لیا ہو اگر نامہ بر اور قاصد بھی کہتے ہیں چونکہ ہر جگہ گذر رکھتی ہے اس لئے قلندر صاحب کو شک ہو گیا ہے کہ ضرور اس نے میرا راز افشا کر دیا ہوگا۔

راز پوشیدہ لکھا تھا جس میں اپنے یار کو شہنشاہ نامہ بر کی ہوشمندی سے وہ خط گھر گھر کھلا ہوا

۳۔ ترجمہ۔ بہت سے مشتاقوں کے سر اس کی چوگانِ زلف کے گیند ہیں اگر وہ اپنی زلف سے چوگان کی طرح بازی کرے۔

چوگان - چولگان کا مخفف ہے چول بمعنی خمیدہ گان کلمہ نسبت۔ ایک کھیل کا نام ہے۔

چوگان میں گیند کا ہونا لازمی ہے فرماتے ہیں کہ اگر محبوب اپنی چوگانِ زلف سے بازی کرے تو عشاق کے سر اس کی گیندیں ہیں مراد یہ کہ ہمارے سر تیری چوگانِ زلف کے لئے وقف ہیں اظہارِ ایثار مقصود ہے۔

عزم میداں کن بزلفِ عنبریں چوگاں بدست (جامی) کز سرِ خود کردہ ام بہرِ تو گوئے اختراع

سر العشق میں قلندر صاحب چوگانِ عشق کی حقیقت بیان کرتے ہیں کہ

"اگر عاشق از وجود گوئے سازد و در میدانِ بلا اندازد در حال بچوگانِ فراق سرگرداں کنند و سبے پا و سرش رواں کنند و بگویدش

اندر طلبِ یار ہمیشہ پاش چو گوئے   بے پا و سر از بہرِ تو اندر تگ و پوئے

۴۔ ترجمہ۔ اس مست کافر کی دو آنکھیں ہمارے ساتھ جھگڑتی ہیں اے مسلمانو! اس کافر غازی کے ہاتھوں فریاد ہے

غزا - بفتح دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنا **نفیر** - فریاد نالہ۔ آواز نفرت کنندہ۔

یعنی اس مست کافر کی دو آنکھیں ہمارے ساتھ آمادہ پیکار ہیں اس لئے اے مسلمانو! اس کافر غازی کے ہاتھوں سے ہماری فریاد ہے غمزہ کا تعلق آنکھ سے ہوتا ہے اور غمزہ کو تیغ بھی کہتے ہیں قلندر صاحب کی نکتہ آفرینی قابلِ داد ہے اصطلاح میں غازی مجاہد فی سبیل اللہ کو کہتے ہیں اور وحدت پرست کو کافر کہا جاتا ہے۔

لطیفہ - خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ نے جب صابرمتی دریا کے کنارے ایک چھوٹی سی ریاست کے والی شیر سنگھ کا گانا سنا تو برجستہ کہا کہ شیر سے تجھے کو غازی کہنا چاہئے کہ وہ میرے سر اس کا قائل ہے۔"

۵۔ ترجمہ۔ رات کو مجھے تیرا خیال آیا میں اس سے حیران اور مدہوش ہوں وہ دن کیا ہی اچھا ہو جب کہ تو

اپنے یار کے ساتھ یاری و دمسازی کرے۔

یعنی بات کر مجھے وہ خیال آیا جو شہلائے ہجراں میں عاشقوں کو آیا کرتا ہے جس سے میں بے قرار ہوں اور کہتا ہوں

کہ وہ دن کیا ہی اچھا ہو کہ تو مجھے اپنے وصل سے سرفراز کرے یہ مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عالم ملکوت میں مجلس وصال آراستہ تھی ہجر

کا نام نہ تھا بلکہ مفقود تھا دنیا میں آکر مفارقت کی تمیز پیدا ہو گئی محبوب پردے میں ہو گیا اور عاشق کو نظر آنا شروع کر دیا اسی وقت

کے خیال سے قلندر صاحب کو عیاں کہہ رہا ہے کہ عجب کیا تھا اور اب کیا ہے خدا کرے وہ دن پھر آئیں کہ میں آغوش محبوب میں

وصال کی لذت اٹھاؤں

ترجمہ۔ سنبل پیچاں اس کی زلف کی ہمسری نہیں کر سکتا اور سورج اس کے چہرے کی برابری کب کر سکتا ہے

یعنی سنبل پیچاں اس کی زلف کی ہمسر نہیں اور اس کے چہرے کے مقابلہ میں آفتاب کا دعویٰ بھی باطل ہے

ہمچو پریشاں نسترد ہمسری کاکل را	بحکم قافیہ اش بار دگر سنبل را	

ترجمہ۔ اے شرف کوئی حقیقت کے معمہ کو ہرگز کھول نہیں سکتا بوعلی سینا کی عقل اور فخر الدین رازی

کا علم کیا ہے ۔

زنہار۔ بالکل۔ پناہ۔ امان۔ مہلت۔ عہد و پیمان۔ امانت۔ بیم۔ خوف۔ شکوہ۔ شکایت۔ پرہیز۔ حسرت۔ افسوس

فشاید۔ دعا۔ مونس۔ آگاہی۔ ہرگز یہاں بھی معنی میں ہے اور تاکید کے معنوں میں بھی آتا ہے معمہ بالعلم۔ چھپا ہوا کرد۔ نابینا کیا ہوا

پوشیدہ سکان چیستان پہیلی

بوعلی سینا۔ آپ کا باپ بلخ کے معززا امیروں میں وہاں کا عامل تھا۔ نوح بن منصور کے زمانے میں شہر

بخارا میں آیا اور وہاں سنہ ۳۷۰ھ میں بوعلی سینا پیدا ہوئے بارہ سال کی عمر میں اکثر علوم حاصل کئے بعد میں شمس الدولہ کے وزیر ہو گئے اٹھارہ

کتابیں آپ کی تصنیف سے ہیں سنہ ۴۲۸ھ میں وفات پائی ۔

فخر الدین رازی۔ امام۔ عالم اہل تحقیق اکمل جامع معقول و منقول مصنف تصانیف کثیرہ تھے کہتے

ہیں کہ خامہ و زبان ان کی تصانیف کی تعداد بیان کرنے سے عاری ہے آپ کو امام فخر الدین رازی کہتے ہیں

یعنی حقیقت کا معمہ ایسا پیچیدہ اور لاینحل ہے کہ کوئی اس کو کھول نہیں سکتا خواہ بوعلی سینا کی عقل ہو خواہ

فخر الدین رازی کا علم اس کے ادراک سے سب عاجز و قاصر ہیں

فی الحقیقت حقیقت ذات کا معمہ نہایت پیچیدہ ہے جو ازل سے اب تک حل نہیں ہوا اور تا ابد تک ہو گا

کیونکہ اللہ سبحانہ کی ذات اور اس کی کنہ حقیقت کے متعلق زمانہ اب تک کشمکش و پیچ میں ہے اور ارباب حل و عقد ہیچ و نادار

میں بہیں بڑے بڑے عالی پایہ فلاسفر شروع سے اب تک اس گتھی کو سلجھانے میں ناکام رہے اور سب نے بالاتفاق اپنے عجز کا اعتراف کیا

غزل ۸۸

چناں رخ کاں پسر دارد ندارد ہیچ روحانی ۱ بچالاکی او نبود کسے از انسی و جسمانی

تو بودی معنی آدم اگر دیدے عزازیلت ۲ ز اوّل روز تا محشر نمے برداشت پیشانی

خلیل از صورتت دیدے معانی از تو بگزیدے ۳ پدر را اندراں صنعت ہمی کردے ثناخوانی

جمالت گر ز بند تو بچاک آدم و حوّا ۴ دہد ہر ذرّہ اش بیروں ہزاراں جسم روحانی

۵ شرف در عشق روئے تو کلام از قدس آورد
نہ چوں نظمِ نظامی آں نہ چوں اشعارِ خاقانی ۵

۱ ترجمہ۔ جیسا چہرہ کہ وہ معشوق رکھتا ہے کوئی فرشتہ نہیں رکھتا اُس کی چالاکی کو جن و انسان کوئی نہیں پہنچا

یعنی جیسا چہرہ میرے معشوق کا ہے فرشتوں میں وہ حسن و جمال نہیں اور اُس کی خوبی صورت و سیرت کی جن و انس بھی

ہمسری نہیں کر سکتے

ہزار نقد بہ بازار کائنات آرند ہمہ ۔۔۔ سکے بہ سکۂ صاحب عیار ما نرسد

۲ ترجمہ۔ تو آدم کی حقیقت تھا اگر عزازیل دیکھتا تو روزِ میثاق سے حشر تک پیشانی نہ اٹھاتا

مراد یہ کہ آدم ایک لفظ تھا جس کے معنوں میں تو پوشیدہ تھا اگر شیطان اس راز کو جانتا تو کبھی سجدے سے انکار

نہ کرتا

گر ایں نکتہ دانستے عزازیل ۔۔۔ ہزاراں سجدہ آدم زدے دمادم

۳۔ ترجمہ۔ اگر خلیل تیری صورت دیکھتے اور تجھ سے معانی حاصل کرتے تو اپنے باپ کی صنعت کی توصیف کرتے

خلیل۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے آپ کا والد آذر نام ایک بت تراش تھے۔

یعنی خلیل اگر تیرے چہرے کو دیکھ کر معانی اور مقصود حاصل کرتے تو آپ اپنے باپ کی صنعت اور کارگیری کی تعریف کرتے۔ بت تراشی اور بت پرستی ایک مکروہ فعل ہے ناقابل تلافی جرم اور شرک ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں وعید آئی ہے لیکن قلندر صاحب کا شعر اصطلاح صوفیہ میں ہے جہاں بت سے عشق و وحدت کے مظاہر مراد ہوتے ہیں پس اگر خلیل بت تراشی کو اس نظر سے دیکھتے تو وہ آذر کی تعریف پر مجبور ہوتے

۴۔ ترجمہ۔ اگر تیرا اجمال آدم و حوا کی خاک پر پڑ جاتا تو اس کے ہر ذرہ سے ہزارہا روحانی جسم پیدا ہوں

حوا۔ نام سب سے پہلی عورت کا جو حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ تھیں۔

یعنی محبوب کے جلوے میں یہ تاثیر ہے کہ اگر وہ آدم و حوا کی خاک پر پڑے تو ان سے ہزاروں روحانی جسم پیدا ہو جانے کا امکان ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ شرف تیرے چہرے کے عشق میں عالم قدس سے کلام لایا اس کے شعر نہ نظامی کی نظم کی طرح ہیں نہ خاقانی کے اشعار کی طرح

نظامی۔ تخلص ہے۔ نظام الدین نام۔ گنجہ وطن تھا اس نسبت سے نظامی گنجوی کہلاتے ہیں شعر و شاعری میں آپ اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے اور دیگر شعرا کی طرح حرص و آز سے فارغ تھے آپ کی تصانیف بہت ہیں سکندر نامہ شیریں خسرو ہفت پیکر۔ پنج گنج مخزن اسرار وغیرہ

خاقانی۔ تخلص ہے نام حکیم افضل الدین ہے چونکہ صناعت اشعار میں پایۂ کمال تک دسترس حاصل تھی اس لئے حسان العجم آپ کا لقب ہوا رشید اور طواط نے آپ کی مدح میں لکھا ہے۔

اے سپہر قدر را خورشید و ماہ	وے سریر فضل را دستور شاہ
افضل الدین بالفضائل بحر فضل	فیلسوف دین فضا کفر کاہ

آپ کی مثنوی تحفۃ العراقین مشہور ہے۔

مراد یہ کہ شرف کا کلام از عطائے ایزدی ہے جس پر قدسیوں کی زبان کا دم کیا ہوا ہے۔

غزل ۸۹

صد جان بدادم در غمت ہرگز نیاوردم داوری	۱	جان خود چہ باشد در بدن جانا تو جانِ دیگری
ہرگز نیاید در نشاں نورِ جمالش بے گماں	۲	گہ در خدائی شد عیاں گہ در نشانِ آذری
من چوں جمالت بنگرم وہمِ خدائی کے برم	۳	گر مومنم ور کافرم واللہ زیبی ہم برتری
عرشِ بریں ایوانِ تو روح الامیں دربانِ تو	۴	عالم بر فرمانِ تو تو جملہ عالم را سری

۵	زیں چہرۂ زیبائے تو زیں قامتِ رعنائے تو ہمچوں شرف شیدائے تو حور و ملک جن و پری	۵

۱ ترجمہ۔ میں نے سو جان تیرے غم میں ہار دی لیکن ہرگز حرفِ شکایت نہ لایا جان خود بدن میں کیا ہے تو دوسری جان ہے اے محبوب
یعنی میں نے غمِ عشق میں صدہا جانیں دے دیں لیکن زبان پر حرفِ شکایت نہ لایا کیونکہ میرے بدن میں جان کوئی چیز نہیں
بلکہ جاناں تو ہی ہے اگر تیری ہی چیز تجھ پر نثار کر دی جائے تو زہے نصیب۔

۲ ترجمہ۔ اس کے جمال کا نور کسی حاصل نشان میں نظر نہیں آتا کہیں خدائی میں ظاہر ہے کہیں نشانِ آذری میں
یہ ایک حقیقت ہے کہ ذات کیا بلکہ صفاتِ حضرتِ حق بھی زمان و مکاں کے قیود سے بالاتر ہیں

۳ ترجمہ۔ جب میں تیرا جمال دیکھتا ہوں تو خدائی کے وہم کو کیسے لے جاؤں اگر میں مومن ہوں یا کافر بخدا تو اس سے بھی برتر ہے
حاصل یہ کہ تیرے صاحب اور خدا ہونے کی دلیل خود تیرا جمال ہے۔

۴ ترجمہ۔ عرشِ بریں تیرا ایوان روح الامیں تیرا دربان تمام دنیا تیری زیرِ فرمان اور تو سب عالم کا سلطان ہے۔
حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔

۵ ترجمہ تیرے اس چہرۂ زیبا اور قامتِ رعنا پر شرف کی طرح حور و ملائکہ اور جن و پری عاشق ہیں۔

اللہ غنی شان ہے کیا شانِ محمد	بلبل بھی چمن میں ہے ثنا خوانِ محمد
اک تو ہی عطا واصفِ سرکار نہیں ہے	حوران و ملائکہ بھی ہیں قربانِ محمد

مصنفہ جناب ادیب بے مثل نظامی شیخ محمد عطا نظامی

تقریظ

از

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین عالم باعمل صوفی اکمل محقق اجل سیادت پناہ حضرت

حافظ حاجی پیر جماعت علیشاہ صاحب نقشبندی مجددی

قادری علی پوری مدظلہ العالی

فقیر نے اس کتاب کو اول سے آخر تک حرف بحرف سنا۔ مصنفین نے جس جانفشانی و محنت شاقہ سے ان حالات کو ترتیب دیا ہے وہ انہی کا حق تھا کیونکہ آج تک حضرت قلندر صاحب کے حالات میں کوئی جامع کتاب فقیر کی نظر سے نہیں گذری اور وہ ان کی شرح جس اعلیٰ پیمانہ پر عارفانہ انداز میں جس عرق ریزی سے لکھی گئی ہے وہ بھی انہی کا حق تھا خدا تعالیٰ اس تصنیف کو قبول عام فرما کر مصنفین کو دارین میں اس کا اجر عظیم عطا فرماوے۔ آمین ثم آمین۔

فقیر جمیع اہل اسلام کو عموماً اور اپنے یاران طریقت کو خصوصاً بتاکید شدید توجہ دلاتا ہے کہ وہ اس کتاب کو اپنا حرز جان بنا کر مصنفین کی حوصلہ افزائی کریں ع ۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

الراقم

جماعت علی عفا اللہ عنہ بقلم خود از علی پور سیداں

ضلع سیالکوٹ

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ

۸ اگست ۱۹۳۳

کتبہ: ممتاز عبدالرؤف مختصر بطی محمد شاہ صدف وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ

اعلان

اس کتاب کے جملہ حقوق بحق مصنفین محفوظ ہیں
لہٰذا کوئی صاحب قصد طبع نہ فرمائیں۔ البتہ جس قدر
جلدیں مطلوب ہوں۔ دارالکتب نظامیہ قلندریہ جیبھی کے
ضلع سیالکوٹ سے بذریعہ وی پی یا اللہ قیمت بھیجکر منگوائیں
نوٹ۔ قلندر صاحب کا غیر مطبوعہ رسالہ موسومہ سر العشق
جو اسرار و معارف اور توضیح مقامات عشق و فقر پر مشتمل
ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب مترجم مشرح اور دلچسپیوں
کے تمام سامان لئے ہوئے زیور طبع سے آراستہ ہوکر
ہدیہ پیش ناظرین ہوگا

عطاؤ مظہر

منیجر دارالکتب نظامیہ قلندریہ جیبھی ضلع سیالکوٹ